جاسوسی ڈائجسٹ کا تہلکہ خیز سلسلہ

آتش فشاں

حصہ 3

آتش فشاں

راوی: وجدان علی
تحریر: اقبال کاظمی

ظلم وستم کے شعلوں میں جلنے والے ایک معصوم ذہن کی لرزہ خیز سرگزشت

وہ اپنے مسار بار کے بہیمانہ قتل کا عینی شاہد تھا۔ اس کے سینے میں ایک قبرستان آباد تھا اور اس کا دماغ کسی آتش فشاں کی طرح ابل رہا تھا۔ اس کے شب و روز کی ہر کروٹ اس کے لئے نت نئے ہنگاموں کی پیامبر تھی۔ بے رحم و سفاک قاتل اسے بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے دشمنوں کو خوب جانتا پہچانتا تھا لیکن ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اس کو ایسی پناہ گاہ کی تلاش تھی۔ جہاں وہ ان درندوں سے محفوظ رہ کر خود کو اتنا توانا و طاقتور بنا سکے کہ وہ اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں۔ بالآخر قدرت اسے ایک ایسی جگہ لے گئی جہاں اس کی زندگی ایک نئے سانچے میں ڈھلنے والی تھی۔

اس ٹمٹماتے چراغ کا احوال جو اچانک ہی آندھیوں کی زد پہ آگیا تھا

"مم۔۔۔ میں گارڈ ہوں۔" جانکی نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔ وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے دہری ہو رہی تھی "اس طرف ان جھاڑیوں کے پیچھے پھانگ زخمی حالت میں پڑا ہے۔ میں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے مجھے بھی زخمی کردیا ہے۔ اسے۔۔۔ اسے پکڑو۔۔۔ جنرل کھوراٹ سے انعام لینا چاہتے ہو تو پکڑ۔۔۔ پکڑ لو اسے۔۔۔" جانکی بہت شان دار اداکاری کر رہی تھی۔

"کہاں ہے وہ۔۔۔ اس کے ساتھ اور کون ہے؟" ایک محافظ نے پوچھا۔

"اکیلا ہے۔ میں نے اسے زخمی کردیا ہے۔ وہ بھاگ نہیں سکتا۔ میرے ساتھ آؤ۔ جلدی۔۔۔"

ان محافظوں نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ جانکی کو کہاں زخم لگا ہے اور وہ اس وقت یہاں کیا کرنے آئی تھی۔ پھانگ کو گرفتار کرکے انہیں جنرل کھوراٹ کے سامنے سرخ رو ہونے کا موقع مل سکتا تھا۔ انعام کی بھی توقع تھی اور وہ لوگ یہ موقع کھونا نہیں چاہتے تھے۔

جانکی انہیں ڈھلان پر لے آئی۔ مَیں سونیا اور بوبا کے ساتھ جھاڑیوں میں تیار بیٹھا تھا۔ ہم تینوں کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔ ہمارے پاس اگرچہ آٹومیٹک رائفلیں بھی موجود تھیں لیکن اس وقت ہم نے خنجروں سے کام لینے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ چاروں محافظ جیسے ہی جھاڑیوں سے آگے نکلے، ہم

تینوں نے بیک وقت چھلانگیں لگا دیں۔ تین محافظوں کو تو ہم تینوں نے چھاپ لیا تھا اور چوتھے کو جانکی نے گرفت میں لے لیا۔

محافظوں کے لیے یہ صورتِ حال بالکل غیر متوقع تھی۔ رائفلیں ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں اور وہ ڈھلان پر ہمارے ساتھ لڑھکتے چلے گئے۔

ان پر قابو پانا آسان ثابت نہیں ہوا تھا۔ تین کے تو ہم نے گلے ادھیڑ دیے لیکن چوتھا زخمی ہو کر سونیا کی گرفت سے بھاگ نکلا۔ اسے بھاگتے دیکھ کر میں نے اس کے پیچھے دوڑ لگا دی اور تقریباً پندرہ گز کے فاصلے پر میں نے اسے جالیا۔ وہ دوڑتے ہوئے بری طرح چیخ رہا تھا لیکن اسے زمین پر گراتے ہی میں نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کردیا۔ میں نے اس کے لباس سے اپنا خنجر صاف کیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف دوڑا۔

"کیا رہا؟" جانکی نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔

"اگر بچ کر نکل جاتا تو غضب ہو جاتا۔" میں نے جواب دیا "اب جلدی کرو۔ اس کے چیخنے کی آواز سناٹے میں دور دور تک گئی ہوگی۔"

میں نے جانکی کے ہاتھ سے اپنی رائفل لے لی اور ہم تیز تیز قدموں سے لیبارٹری کی طرف جانے لگے۔

لیبارٹری تک پہنچنے میں ہمیں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ لیبارٹری کی عمارت ایک خوب صورت بنگلے کی طرح تھی۔ جس کے سامنے گیٹ پر تیز روشنی کا بلب جل رہا تھا اور عمارت کے اندر بھی روشنی ہو رہی تھی۔ ان چاروں محافظوں کو ہم نے دور ہی سے گیٹ کے سامنے کھڑے دیکھ لیا تھا۔ شاید ہمیں چند منٹ کی دیر ہوگئی تھی اور وہ محافظ بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہمارے درمیان فاصلہ تیس گز سے زیادہ نہیں تھا۔ بوما نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی اور ایک طرف ڈھلان پر اترتا چلا گیا۔

مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ان محافظوں میں تین لڑکیاں تھیں اور مرد صرف ایک تھا۔ ہم جیسے ہی قریب پہنچے، مرد نے باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ تین منٹ لیٹ ہو۔ تمہارا چوتھا ساتھی کہاں ہے؟"

"وہ۔۔۔" سونیا نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اٹھاتے ہوئے کہا "اس طرف رک گیا ہے۔"

"تم لوگوں کو میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔" اس شخص نے دوبارہ کہا۔ اسے شاید کسی قسم کا شبہ ہو رہا تھا۔

"حالات سے تم اچھی طرح واقف ہو۔" اس مرتبہ بھی سونیا ہی نے جواب دیا "بیشتر لوگوں کو ادھر سے اُدھر کیا جا رہا ہے۔ تیس آدمیوں کا گروپ آج دوپہر ہیڈ کوارٹر سے پہنچا تھا۔ ہم بھی اسی گروپ میں شامل تھے اگر تمہیں کسی قسم کا شبہ ہو رہا ہے تو ٹیلی فون پر کنٹرول روم سے ہمارے بارے میں تصدیق کر سکتے ہو۔"

"شبے کی بات نہیں ہے۔" اس شخص نے جواب دیا "بہرحال، تم لوگ اپنی ڈیوٹی سنبھالو۔ ہم جا رہے ہیں۔ ہم سب کو بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ چاروں اپنی اپنی رائفلیں کندھوں پر لٹکائے بستی کی طرف جانے والے راستے پر چل پڑے۔ میں انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ نجانے مجھے بار بار یہ خیال کیوں آ رہا تھا کہ وہ ہمارے بارے میں مشکوک ہو چکا تھا۔ یہاں سے ٹیلی فون پر اس نے تصدیق کرنے کی کوشش اس لیے نہیں کی تھی کہ ہم ہوشیار ہو جاتے لیکن مجھے یقین تھا کہ کنٹرول روم پہنچتے ہی وہ ہمارے بارے میں تصدیق کرے گا۔

ان کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد بوما بھی تاریکی سے نکل کر آگیا۔ وہ پیشاب کرنے کے بہانے اس لیے ہم سے الگ ہو گیا تھا کہ پہچان نہ لیا جائے۔

ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ ہم سونیا کو گیٹ پر چھوڑ کر اندر آگئے۔ چند منٹ ہم نے عمارت کا باہر سے جائزہ لینے میں گزار دیے۔ بوما بتا رہا تھا کہ ٹرائی اینگل میں واقع متعدد لیبارٹریوں میں ہفتے میں پانچ دن کام ہوتا ہے۔ ہر لیبارٹری اپنے علاقے میں پیدا ہونے والی فصل سے افیون، مارفیا اور ہیروئن تیار کرتی ہے۔ ہیروئن مارفین سے تیار کی جاتی ہے۔ پچھلے سیزن کی مارفین ابھی اتنی مقدار میں موجود تھی کہ پوست کی تازہ فصل تیار ہونے تک وہی مارفین ہیروئن کی تیاری کے لیے استعمال ہوتی رہے گی۔

ہم عمارت کے اندر آگئے۔ مرکزی ہال میں داخل ہوتے ہی میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مرکزی کی سفید دودھیا روشنی میں کئی جدید ترین مشینیں اور آلات نصب تھے۔ یہ وہ مشینیں تھیں جن سے مارفین سے ہیروئن اور دیگر منشیات تیار کی جا رہی تھیں۔

وہ چار آدمی تھے جو سفید لیب کوٹ پہنے ہوئے مختلف مشینوں کے پاس کھڑے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ میں نے بوما کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ جانکی کو دائیں طرف بھیج دیا اور خود بائیں طرف بڑھ گیا۔

دو ڈاکٹروں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ پہلے تو خیال نہیں کیا

پھر ان میں سے ایک چونک گیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے دوسرے ساتھی کے قریب پہنچ گیا اور اس کے کان میں سرگوشی کر کے آگے بڑھ گیا اور پھر ان میں سے ایک آدمی جیسے ہی دیوار میں لگے ہوئے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا، بوما نے فائر کر دیا۔ وہ آدمی چیخ کر نیچے گرا۔ اس کے ہاتھ میں گولی لگی تھی۔ وہ شخص الارم کا بٹن دباتے جا رہا تھا۔ بٹن دبتے ہی کنٹرول روم میں الارم بجنے لگتے اور لاتعداد محافظ اس طرف دوڑ پڑتے۔

"تم چاروں ایک طرف جمع ہو جاؤ۔ اس میز کے پاس۔ جلدی کرو۔" بوما نے چیختے ہوئے دیوار کے قریب پڑی ہوئی میز کی طرف اشارہ کیا۔

وہ چاروں میز کے قریب جمع ہو گئے۔ انہوں نے خود بخود ہاتھ سر سے بلند کر لیے تھے۔

"ہتھیار پھینک دو بوما۔ ورنہ میں اس لڑکی کی کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

یہ آواز سن کر میں نے تیزی سے مڑ کر اس طرف دیکھا۔ سفید لیب کوٹ والا ایک آدمی جانکی کی کنپٹی سے ریوالور لگائے کھڑا تھا۔ میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اور میں نے بوما کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی رائفل پھینک دی۔

"تم تو چھپے رستم نکلے بوما۔" وہ شخص بوما کی طرف دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں بولا "سب لوگ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ان لوگوں کو پھانگ نے پناہ دے رکھی ہے اور اس رات دارا والے کانیج پر حملے میں وہ بھی شریک تھا۔ کانیج کے ایک کمرے سے ملنے والا پھانگ کا والٹ تو کم از کم اس شبے کی تصدیق کرتا تھا لیکن اب پتا چلا کہ ہم اس بے چارے کو بلاوجہ ہی مورد الزام ٹھہراتے رہے۔ اب یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ پھانگ کو تم لوگوں نے قتل کر کے اس کی لاش غائب کر دی ہے اور سب لوگ یہی سمجھتے رہے کہ وہ غداری کر کے مداخلت کاروں سے مل گیا ہے اور اس نے ان لوگوں کو پناہ دے رکھی ہے لیکن غدار وہ نہیں تم ہو۔ تم نے انہیں اپنے کانیج میں پناہ دے رکھی ہے اور اس لیے ان لوگوں کو اب تک تلاش نہیں کیا جا سکا۔ میں بتاتا ہوں یہ سب کچھ کس طرح ہوا ہوگا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میری سمجھ میں بات کچھ اس طرح آتی ہے کہ وہ دوسری لڑکیوں کی طرح تمہاری بیوی سے بھی دل بہلانا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی نیت سے تمہارے کانیج کی طرف گیا ہو اور وہاں ان لوگوں سے سامنا ہو گیا ہو۔ اس کی زندگی ان لوگوں کے لیے بلکہ تم لوگوں کے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی اسی لیے انہوں نے پھانگ کو قتل کر کے لاش غائب کر دی اور مجھے یقین ہے کہ وہ لاش تمہارے کانیج کے آس پاس ہی کسی جگہ دفن کی گئی ہوگی۔ اسے تلاش کر لیا جائے گا لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی کہ تم نے جنرل کھوراٹ سے غداری کیوں کی۔ انہوں نے تمہیں ایسا کیا لالچ دیا تھا کہ تم یہ انتہائی خطرناک قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئے؟"

"میں نے جنرل کھوراٹ سے غداری نہیں کی ڈاکٹر کروک۔" بوما نے جواب دیا "جنرل کھوراٹ سے انہیں بھی کوئی دشمنی نہیں۔ یہ تو دارا اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب میں یہاں آئے تھے۔ دارا ان کے ماں باپ کا قاتل ہے۔ اس نے درجنوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ وہ دنیا کا سفاک ترین آدمی ہے۔ آدمی نہیں خونی بھیڑیا ہے۔ اس کی سفاکی کا مظاہرہ تم دیکھ چکے ہو۔ وہ ان کی ایک دوست تھائی کو اٹھا لایا تھا جو زخمی تھی۔ تم نے اس کا علاج شروع کیا تو دو تین دن بعد دارا نے تمہیں علاج سے روک دیا۔ اس نے تھائی کو ہیروئن کا عادی بنا دیا اور پھر وہ اپنے حیوانی جذبات کی تسکین کے لیے اسے تڑپاتا رہا۔

جاسوسی ڈائجسٹ میں سلسلے وار شائع ہونے والی انتہائی دلچسپ کہانی
فلسطین کی جنگِ آزادی پر مشتمل ایک پاکستانی جاسوس کا ناقابلِ فراموش جذبہ
علی باز خان کی سرگزشت
جہاد
قیمت فی حصہ 60 روپے ✻ ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے
گیارہ حصے ایک ساتھ منگوانے پر اطلاقی قیمت فی حصہ 600 روپے ڈاک خرچ معاف
کتابیات پبلی کیشنز، گھر نمبر 7، گلی نمبر 3، ایف سیون ون، اسلام آباد
فون: 2602591, 2602592, 2602593
E-mail: kitabiyat@yahoo.com

ہے؟ وہ ایک بے بس اور کمزور عورت پر ظلم کرکے خوش ہورہا ہے لیکن وجدان کا نام سنتے ہی خوف سے تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔ وہ اس کے نام ہی سے اس قدر خوف زدہ ہے کہ محافظوں کی موجودگی کے باوجود اسے رات کو نیند نہیں آتی۔ کیا ایسے شخص کو زندہ رہنے کا حق ہے؟ میں نے صرف دارا اور اس کے ساتھیوں کے خلاف ان کا ساتھ دیا۔ میں نے جنرل کھوراٹ سے غداری نہیں کی۔ میں نے سوچا تھا کہ یہ لوگ دارا سے اپنا انتقام لے کر واپس چلے جائیں گے تو میں پہلے کی طرح یہاں جنرل کھوراٹ کے لیے خدمات انجام دیتا رہوں گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "ہاں۔ پھانگ کے قتل کی ذمے داری میں قبول کرتا ہوں۔ تم خود ہی اعتراف کرچکے ہو کہ وہ میری بیوی سے دل بہلانا چاہتا تھا اور اس روز وہ اسی نیت سے میری عدم موجودگی میں میرے کاٹیج میں گیا تھا لیکن اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ تمہارا یہ خیال بالکل درست ہے اس کی لاش میرے کاٹیج کے پچھلی طرف درختوں کے نیچے دفن ہے اور جس رات دارا کے کاٹیج پر حملہ کیا گیا تھا' وجدان نے پھانگ کا ڈریس پہن رکھا تھا اور اس کی جیب سے پھانگ کا والٹ وہاں گر گیا تھا اور اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ پھانگ غدار ہے اور ان لوگوں کے ساتھ مل گیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہماری طرف کسی کا شبہ نہیں گیا۔"

"لیکن اب ہر بات کھل کر سامنے آگئی ہے۔" ڈاکٹر کروک نے کہا "اگر تم نے جنرل کھوراٹ سے غداری نہیں کی تو ان لوگوں کو ساتھ لے کر یہاں آنے کا مقصد؟ اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں ڈیوٹی پر آنے والے محافظوں کو بھی تم لوگوں نے قتل کردیا ہے۔"

"میں تمہارے اس یقین کو نہیں جھٹلاؤں گا۔" بوما نے کہا "یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم یہ لیبارٹری تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں اگرچہ برما میں' تریاڈ میں رہتے ہوئے جنرل کھوراٹ کے ایجنٹ کی حیثیت سے ہیروئن فروخت کرتا رہا ہوں لیکن ان کی دوست تھائی کو دیکھنے سے پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہیروئن کے اثرات کتنے تباہ کن ہوتے ہیں۔ صرف ایک یا دو لیبارٹریوں کو تباہ کرکے ہم پوری دنیا میں ہیروئن کی سپلائی کو نہیں روک سکتے لیکن۔۔۔ اس میں اپنا تھوڑا بہت کردار تو ادا کرسکتے ہیں۔"

"اور تم سمجھتے ہو کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤ گے؟" ڈاکٹر کروک نے اسے گھورا "تم اکیلے نہیں ہو۔ تمہاری ایک عدد حسین اور جوان بیوی ہے۔ ایک پیارا سا بچہ ہے۔ تم نے ان کے بارے میں نہیں سوچا۔ یہ تو موت کی وادی ہے تم لوگ یہاں سے زندہ کیسے نکل سکو گے اور ایک بات اور بتا دوں۔ اس روز تمہاری بیوی بچے کے بیمار ہونے کا بہانہ کرکے میرے دفتر میں آئی تھی تو لیکویڈ ہیروئن کی شیشی اور ایک سرنج چرا کر لے گئی تھی۔ میں نے اس وقت توجہ نہیں دی تھی لیکن اب بات سمجھ میں آرہی ہے کہ وہ ہیروئن اس عورت کے لیے چرائی گئی تھی جسے تم لوگ دارا کے کاٹیج سے اٹھا کر لے گئے تھے۔ اگر پہلے یہ بات میرے ذہن میں آئی ہوتی تو معاملہ کب کا ختم ہوچکا ہوتا۔"

اس کی باتوں سے اب مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ ڈاکٹر کروک نامی یہ شخص ہی بستی والے کلینک میں بیٹھتا تھا۔ ہم جب ہال میں داخل ہوئے تھے تو صرف ان چار ڈاکٹروں کو دیکھ سکے تھے جو ہمارے سامنے تھے۔ ڈاکٹر کروک اس وقت غالباً کسی مشین کے پیچھے تھا جو ہمیں نظر نہیں آسکا تھا اور اس نے موقع ملتے ہی جانگی کو ریوالور کی زد پر لے لیا تھا اور اس کی کھوپڑی اڑا دینے کی دھمکی دے کر ہمیں بھی نہتا کردیا تھا۔

"ڈاکٹر سائمن!" کروک ان چاروں میں سے ایک کو مخاطب کرتے ہوئے بولا "الارم کا بٹن دبا دو اور ان کی رائفلیں اٹھالو۔"

ایک آدمی نے سوئچ بورڈ پر سرخ رنگ کا ایک بٹن دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی سوئچ بورڈ پر لگا ہوا سرخ رنگ کا ایک بلب روشن ہوگیا۔

"کنٹرول روم میں بجنے والے الارم سے ان لوگوں کو اطلاع مل گئی ہے کہ یہاں کوئی گڑبڑ ہے۔" ڈاکٹر کروک نے کہا "درجنوں محافظ چند منٹ میں یہاں پہنچ جائیں گے اور تم لوگوں کی کہانی ختم ہوجائے گی۔"

میرے دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں' میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ سونیا باہر گیٹ پر تھی۔ اسے اندر کی صورتِ حال کا علم نہیں تھا۔ اسے تو پتا اس وقت چلے گا جب درجنوں محافظ سر پر پہنچ چکے ہوں گے اور وہ کچھ نہیں کرسکے گی۔

دو آدمی ہماری رائفلیں اٹھانے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ میں نے اور بوما نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ ہم کچھ کرتے' ہال فائر کی آواز سے گونج اٹھا اور اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر کروک چیختا ہوا پیچھے کی طرف گرا۔ جانگی بڑی تیزی سے اچھل کر ایک طرف ہٹ گئی تھی۔

میں نے مڑ کر دیکھا۔ سونیا دروازے کے قریب ایک مشین کی آڑ میں کھڑی تھی۔ اس کا نشانہ اتنا شاندار تھا کہ گولی ڈاکٹر کروک کی گردن میں سوراخ کرتی ہوئی نکل گئی تھی۔

میں نے اور بوما نے بیک وقت رائفلوں کی طرف چھلانگ لگا دی۔ رائفلیں قبضے میں آتے ہی ہم نے ان چاروں پر فائر کھول دیا۔ وہ چیختے ہوئے فرش پر گرے۔ ان کے سفید لباس سرخ ہونے لگے۔ جانگی نے بھی رائفل اٹھالی تھی۔ ڈاکٹر کروک کی گردن میں گولی لگی تھی۔ اس کے زندہ بچنے کا اگرچہ کوئی امکان نہیں تھا لیکن جانگی نے کئی گولیاں اس کے سینے میں اتار دیں۔

ہم نے بھی اطمینان کرلیا کہ ان چاروں میں سے کوئی زندہ نہیں بچا تھا اور پھر ہم چاروں نے اپنی رائفلوں کے رخ ان جدید ترین مشینوں کی طرف موڑ دیے جن سے ہیروئن تیار کی جاتی تھی۔

تمام مشینیں ناکارہ کرکے میں نے دیوار پر الیکٹرک پینل پر ایک برسٹ مار دیا۔ الیکٹرک پینل سے پہلے نیلی شعاعیں اور چنگاریاں پھوٹیں اور پھر شعلے اٹھنے لگے۔ یہ بجلی کی آگ تھی جو چند منٹ کے اندر اندر ساری عمارت کو اپنی لپیٹ میں لینے والی تھی۔ میں نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا اور دروازے کی طرف دوڑا۔ بوما وغیرہ نے بھی میرے پیچھے دوڑ لگادی۔

بستی کی طرف بہت دور سے فائرنگ کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ غالباً کئی محافظ تھے جو فائرنگ کرتے ہوئے اسی طرف دوڑے آرہے تھے۔

"اس طرف۔ جلدی کرو۔" بوما ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخا۔ ہم لیبارٹری کی عمارت کے پیچھے مڑ کر مخالف سمت میں دوڑنے لگے۔

لیبارٹری کے عقب میں واقع پہاڑی ڈھائی تین سو فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ ہمارے کاٹیج کی طرف جانے والا راستہ اگرچہ دائیں طرف تھا لیکن ہم اس پہاڑی پر چڑھتے چلے گئے۔ بوما سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے جانگی اور سب سے آخر میں' میں نے سونیا کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

وہ پہاڑی کسی ٹیلے کی طرح تھی۔ ہموار لیکن قد آدم جھاڑیوں اور درختوں کی بہتات تھی۔ چوٹی پر پہنچ کر ہم رک گئے۔ سونیا بری طرح ہانپ رہی تھی۔

لیبارٹری میں ایک دو جگہوں سے شعلے اٹھ رہے تھے۔ جو اس امر کا اشارہ دے رہے تھے کہ چند ہی منٹ میں پوری عمارت شعلوں کی لپیٹ میں آنے والی تھی۔ میں بستی سے آنے والے راستے کی طرف دیکھنے لگا۔ فائرنگ کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں اور لیبارٹری سے دو ڈھائی سو گز دور رہ کر شعلے سے چمکتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ محافظ اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے دوڑے آرہے تھے۔

بوما نے اپنی رائفل کا رخ آسمان کی طرف کرکے ٹریگر دبا دیا۔ لاتعداد گولیاں روشنی کی لکیریں سی بناتی ہوئی اوپر کی طرف چلی گئیں اور پھر اسی وقت لیبارٹری میں زوردار دھماکا ہوا۔

"شاید کیمیکل کا کوئی ڈرم پھٹا ہے۔" بوما نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا "لیبارٹری میں ایسے کیمیکل کے لاتعداد ڈرم موجود ہیں جو ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہوتے ہیں۔ اب یہاں لاتعداد دھماکے ہوں گے۔ چند منٹ بعد یہ عمارت بھی تنکوں کی طرح اڑ جائے گی۔ بہتر ہے اب ہم۔۔۔"

اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی یکے بعد دیگرے تین اور دھماکے ہوئے اور لیبارٹری کی عمارت میں آگ پھیلتی چلی گئی۔

ہم دوسری طرف ڈھلان پر اترنے لگے۔ میں نے اس وقت بھی سونیا کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر بھی ہم دوڑتے رہے۔ اب مسلسل دھماکوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور دھماکوں کے بیچ میں وہ آواز بھی سنائی دینے لگی جس کے ہم منتظر تھے۔

وہ فائرنگ کی آوازیں تھیں۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر چھ سات انسانی ہیولے نظر آرہے تھے۔ پہاڑی کے دوسری طرف جلتی ہوئی لیبارٹری سے اٹھنے والے شعلوں کی روشنی کے پس منظر میں وہ ہیولے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ہم انہیں نظر تو نہیں آرہے تھے لیکن وہ اندھا دھند فائرنگ کررہے تھے۔

ہم ایک برساتی نالے کے کنارے پر پہنچ گئے۔ یہ نالا پانچ چھ فٹ گہرا اور دس بارہ فٹ چوڑا تھا لیکن پانی اس کے بیچ میں دو ڈھائی فٹ چوڑی لکیر کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ ہم اس نالے میں اتر گئے اور بوما کی رہنمائی میں تیزی سے ایک طرف دوڑتے چلے گئے۔

اس ٹل کھاتے ہوئے برساتی نالے میں تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرکے ہم باہر آگئے۔ بوما نے ایک اونچی جگہ پر پہنچ کر ادھر ادھر دیکھا اور ہم نے ایک بار پھر ایک طرف دوڑ لگادی۔ لیبارٹری کی طرف سے اب بھی دھماکے سنائی دے

رہے تھے اور پہاڑیوں کے عقب میں روشنی صاف نظر آرہی تھی۔

جانکی اور سونیا کی بری حالت ہورہی تھی۔ وہ دونوں بری طرح ہانپ رہی تھیں۔ میں سونیا کا ہاتھ پکڑے اسے کھینچتا ہوا دوڑ رہا تھا۔ بوما نے جانکی کا ہاتھ پکڑلیا تھا اور وہ بھی اسے گھسیٹ رہا تھا۔

وہ دونوں لڑکھڑا رہی تھیں۔ ہم ایک جگہ پر رک گئے۔ سونیا اور جانکی زمین پر بیٹھ گئیں۔ ان کے سانس بری طرح پھولے ہوئے تھے اور منہ سے کف بہہ رہا تھا۔ ہم اس وقت تک لیبارٹری سے تقریباً ڈھائی میل دور نکل آئے تھے اور اس کے مخالف سمت بہت دور سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ لوگ ہمیں دوسری طرف تلاش کررہے تھے۔

"ہم لوگ ابھی خطرے سے باہر نہیں ہوئے۔" بوما نے اپنے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تھوڑی ہی دیر میں گارڈز حشرات الارض کی طرح چاروں طرف پھیل جائیں گے اور اس سے پہلے پہلے ہمیں اپنے ٹھکانے پر پہنچ جانا چاہیے۔" سونیا اور جانکی بھی کسی حد تک اپنے آپ پر قابو پاچکی تھیں۔ ہم ایک بار پھر دوڑنے لگے اور بالآخر ایک طویل چکر کاٹ کر ہم اپنے کانیچ کی طرف جانے والے راستے پر مڑگئے۔ اس وقت فضا میں ہیلی کوپٹر کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ ہم نے اپنی رفتار تیز کردی۔

ہم بالکل مخالف سمت سے کانیچ کی طرف آئے تھے اور جب کانیچ سے کچھ دور رہ گئے تو میں نے گردن گھما کر لیبارٹری کی طرف دیکھا۔ اس طرف اب بھی روشنی نظر آرہی تھی جس کا مطلب تھا کہ لیبارٹری میں اب بھی آگ بھڑک رہی تھی۔

کانیچ سے چند گز کے فاصلے پر پہنچ کر میں ٹھٹک گیا اور پھر بوما وغیرہ نے بھی اس سائے کو دیکھ لیا جو کانیچ کے سامنے والے دروازے سے نکل کر لڑکھڑاتا ہوا بستی کی طرف جارہا تھا۔ کانیچ سے بچے کے رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"ارے۔ یہ تو تھائی ہے۔"

جانکی کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ اس طرف روشنی تھی۔ اگر تھائی کسی کی نظروں میں آگئی تو قیامت ہی آجائے گی۔ دوسرے ہی لمحے میں نے تھائی کی طرف دوڑ لگادی۔

تھائی تقریباً تیس گز دور نکل چکی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ دوڑنے لگی۔ میں نے لپک کر تھائی کو گرفت میں لینا چاہا تو وہ... لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑی۔ میں بھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور تھائی کے اوپر گرا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

میں نے بڑی پھرتی سے اپنے آپ کو سنبھال کر تھائی کو کندھے پر لادا اور کانیچ کی طرف دوڑنے لگا۔

کمرے میں پہنچ کر میں نے تھائی کو دری پر لٹادیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر ہانپنے لگا۔ ہوفا بھی دوسرے کمرے سے آگئی تھی۔ اس نے بچے کو سینے سے لگا رکھا تھا جو بری طرح رو رہا تھا۔

"تم نے خیال نہیں کیا۔ یہ باہر نکل گئی تھی۔" بوما نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر ہم بروقت یہاں نہ پہنچ جاتے تو یہ آگے چلی جاتی اور ہم سب پر قیامت ٹوٹ پڑتی۔"

ہوفا کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں دہشت بھر گئی تھی۔

"مجھے پتا نہیں چلا۔" وہ بولی "بچہ رو رہا تھا۔ میں اسے سلانے کی کوشش کررہی تھی۔ مجھے..."

"خیریت گزری کہ ہم بروقت یہاں پہنچ گئے اور اسے دیکھ لیا تھا۔" میں نے ہوفا کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور تھائی کی طرف دیکھنے لگا۔

تھائی کا نشہ ٹوٹ رہا تھا۔ شام کو جانکی نے اسے بہت کم مقدار میں ہیروئن دی تھی۔ اسے اس بری طرح سے ہیروئن کا عادی بنایا گیا تھا کہ دی جانے والی وہ معمولی سی مقدار اونٹ کے منہ میں زیرہ ثابت ہوئی تھی۔ میں نے جانکی کو اشارہ کیا۔ اس نے ہیروئن کی معمولی سی مقدار انجکشن کے ذریعے تھائی کے جسم میں داخل کردی' خون میں یہ زہر شامل ہوتے ہی تھائی پُرسکون ہوتی چلی گئی۔

اس وقت دس بج رہے تھے۔ جب ہم یہاں سے روانہ ہوئے تھے تو شام کے سات بجنے والے تھے۔ گویا تین گھنٹے گزر چکے تھے اور ان تین گھنٹوں میں ہم نے وہ کارنامہ انجام دے ڈالا تھا جس کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جنرل کھوراٹ کی ہیروئن تیار کرنے والی ایک فیکٹری تباہ کردی گئی تھی۔ اس سے ہیروئن کی سپلائی میں زیادہ فرق نہیں پڑے گا لیکن جنرل کھوراٹ کا کروڑوں ڈالر کا نقصان ہوچکا تھا۔ جدید ترین مشینری جل کر راکھ ہوچکی تھی۔

یہ لیبارٹری تباہ کرکے ہم نے جنرل کھوراٹ سے براہِ راست ٹکر لے لی تھی۔ جس سے ہمارے لیے خطرات بڑھ گئے تھے۔

"میں نے ڈاکٹر کروک کی باتوں سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ تمہارے کنٹرول سینٹر میں مریضوں کو دیکھتا ہے لیکن وہ لیبارٹری میں کیسے پہنچ گیا؟" میں نے بوما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ بھی ہیروئن تیار کرنے کا ماہر ہے۔" بوما نے جواب دیا "کبھی کبھی لیبارٹری میں بھی چلا جاتا ہے۔ اس نے جب جانکی کو گن پوائنٹ پر لے کر ہمارے ہتھیار پھنکوا دیے تھے تو میں سمجھ گیا تھا کہ ہماری زندگی کے آخری لمحات آن پہنچے ہیں۔ میں بالکل نا امید ہوگیا تھا لیکن سونیا نے وہ کارنامہ انجام دیا جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے لیکن اس نے بہت بڑا رسک لیا تھا اگر نشانہ خطا ہوجاتا اور..."

"تو کیا ہوتا۔" جانکی نے اس کی بات کاٹ دی "اس کی چلائی ہوئی گولی ڈاکٹر کروک کے بجائے میری کھوپڑی اڑا دیتی۔"

"میں نے کالج میں شوٹنگ کے مقابلوں میں ہمیشہ پہلا انعام حاصل کیا تھا۔" سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا "پانچ سال تک میرا ریکارڈ کوئی نہیں توڑ سکا۔ میں نے ڈاکٹر کروک کا نشانہ لیا تو مجھے اپنے آپ پر پورا اعتماد تھا۔"

"لیکن۔ تمہیں تو گیٹ پر ڈیوٹی سونپی گئی تھی۔ اندر کیسے آگئیں؟" میں نے سونیا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ طے ہوا تھا کہ تم لوگ گولی چلائے بغیر لیبارٹری کے اندر موجود لوگوں پر قابو پانے کی کوشش کرو گے لیکن جب گولی چلی تو میرا چونک جانا فطری بات تھی۔ میں خاموشی سے اندر داخل ہوگئی اور پھر جو صورتِ حال نظر آئی' وہ خاصی تشویش ناک تھی۔ میں ایک مشین کے پیچھے چھپ گئی اور ڈاکٹر کروک کی کھوپڑی کا نشانہ لے کر ٹریگر دبادیا۔ گولی اگرچہ نشانے سے چند انچ نیچے لگی لیکن بہرحال مقصد پورا ہوگیا۔" سونیا نے کہا۔

ہوفا کی گود میں بچہ اب بھی رو رہا تھا۔ سونیا نے اٹھ کر بچے کو لے لیا اور حیرت کی بات یہ ہوئی کہ بچہ اس کی گود میں آتے ہی چپ ہوگیا تھا۔ ہوفا اسے گھورتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔

آدھے گھنٹے بعد ہم سب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ابھی کھانا ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ دھماکے کی آواز سن کر ہم سب اچھل پڑے۔ وہ دھماکا دراصل دروازے کی آواز تھی جو زور زور سے دھڑ دھڑایا جارہا تھا۔ ہم سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ہر چہرے پر خوف نمایاں تھا۔ دروازے پر جیسے ہتھوڑے برسائے جارہے تھے۔

"تم لوگ اسی کمرے میں رہو۔ دروازہ بند کرلو۔ کوئی... گڑبڑ ہوئی تو میں سگنل دے دوں گا۔" بوما کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔

ہوفا بھی بچے کو لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور بیچ کا دروازہ بند کردیا۔ میں نے جانکی کی مدد سے تھائی کو اٹھا کر دیوار کے ساتھ لٹادیا اور ہم تینوں رائفلیں لے کر دروازے کے دائیں بائیں دیوار سے چپک گئے۔ میں نے کمرے کی بتی بھی بجھادی تھی۔

بوما اپنے کمرے کا دوسرا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ میں سانس روکے کھڑا باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کررہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر انہوں نے ہمارا پتا لگالیا ہے تو یقیناً اس کانیچ کو بھی گھیرے میں لے لیا ہوگا۔ کسی گڑبڑ کی صورت میں' میں نے براہِ راست ایکشن لینے کا فیصلہ کرلیا تھا کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ ہم اپنے آپ کو آسانی سے ان کے حوالے نہیں کرسکتے تھے۔

"کیا بات ہے شونگ۔ قیامت آگئی ہے جو اس طرح دروازہ دھڑ دھڑا رہے ہو؟" باہر سے بوما کی آواز سنائی دی۔

"قیامت ہی آگئی ہے۔ تمہیں فوری طور پر کنٹرول روم میں طلب کیا گیا ہے۔" دوسری آواز سنائی دی۔

"قیامت!" بوما بولا "یہ دھماکے کیسے تھے؟ کیا ہوا؟"

"دو نمبر والی لیبارٹری تباہ کردی گئی ہے۔ جنرل کھوراٹ بھی ہیڈ کوارٹر سے یہاں پہنچ گیا ہے۔ تمام گارڈز کو کنٹرول روم میں طلب کیا گیا ہے۔ تم فوراً وہاں پہنچ جاؤ۔ میں شوما کی طرف جارہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم چلو۔ میں ابھی روانہ ہوتا ہوں۔" بوما نے جواب دیا۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ہم پر آنے والی قیامت ایک بار پھر ٹل گئی تھی۔

جس طرح دروازہ دھڑ دھڑایا گیا تھا' اس سے نہ صرف ہمارے پسینے چھوٹ گئے تھے بلکہ ہوفا کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں لیکن باہر ہونے والی گفتگو سن کر میں نے اطمینان کا سانس لیا اور کمرے کی بتی جلا کر بیچ کا دروازہ کھول دیا۔ ہوفا بھی رائفل سنبھالے اپنے کمرے کے دروازے کی آڑ میں کھڑی تھی۔ اس نے بھی باہر سے بوما اور شونگ کی گفتگو سن لی تھی اور اس کے چہرے کی رنگت بھی لوٹ آئی تھی۔ اس نے رائفل ایک طرف رکھ دی اور کمرے کے ایک کونے میں دری پر سوئے ہوئے بچے کو آرام سے اٹھا کر پلنگ پر لٹا دیا۔ میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ یہ بات ہم سب ہی جانتے تھے کہ اگر کوئی گڑبڑ ... ہوتی تو ہم سب کو ہی مارے جانا تھا لیکن جس طرح ہم نے

تھائی کو دروازے کے سامنے سے ہٹا کر ایک طرف لٹایا تھا اسی طرح ہوفا نے بھی اپنے بچے کو دروازے کے سامنے سے ہٹا کر ایک طرف لٹا دیا تھا تاکہ گڑبڑ کی صورت میں فوری طور پر کسی گولی کا نشانہ نہ بن جائے اور اسے زندگی کے چند لمحے اور مل جائیں۔

بوما دروازہ بند کر کے اندر آگیا اور شونگ سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔ میں خاموشی سے سنتا رہا حالانکہ یہ ساری باتیں ہم پہلے ہی سن چکے تھے۔

"ٹرائی اینگل پر واقعی قیامت آگئی ہے۔" بوما کہہ رہا تھا "ماضی میں برمالاؤس اور تھائی لینڈ کی طرف سے بھی حملے ہوتے رہے ہیں لیکن اتنا نقصان کبھی نہیں ہوا۔ لیبارٹری کی تباہی کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ جنرل کھوراٹ بھی اطلاع ملتے ہی یہاں پہنچ گیا ہے۔"

مجھے یاد آگیا کہ جب ہم کانیج کی طرف آرہے تھے تو ہم نے فضا میں ہیلی کوپٹر کی آواز سنی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں خیال ابھرا تھا کہ شاید کوپٹر کے ذریعے بھی ہماری تلاش شروع کردی گئی ہے لیکن کوپٹر کی وہ آواز تھوڑی دیر بعد ہی غائب ہوگئی اور اب یہ انکشاف میرے لیے بڑا دلچسپ ثابت ہوا تھا کہ اس کوپٹر پر جنرل کھوراٹ یہاں آیا تھا۔

بوما پندرہ منٹ کے اندر اندر تیار ہو کر کنٹرول روم کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ ہمارے ساتھ زندگی کے ایک نہایت سنسنی خیز تجربے سے گزرا تھا۔ تین گھنٹوں کی مسلسل بھاگ دوڑ سے نہ صرف بری طرح تھکا ہوا تھا بلکہ ذہنی تناؤ کا شکار بھی ہوگا اور ممکن ہے کنٹرول روم کے بلاوے سے اعصابی کشیدگی میں اضافہ بھی ہوگیا ہو لیکن وہاں جانا ضروری تھا۔ اگر کوئی بہانہ بنا کر انکار کردیتا تو اس پر کسی قسم کا شبہ بھی ہوسکتا تھا۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگتا رہا کہ خیریت گزرے۔

بوما کی واپسی دو بجے کے قریب ہوئی تھی۔ وہ بڑی سنسنی خیز خبریں لے کر آیا تھا۔ جنرل کھوراٹ پاگل ہورہا تھا۔ ٹرائی اینگل کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ اس طرح کوئی لیبارٹری تباہ کی گئی تھی۔ جنرل کھوراٹ نے نہ صرف یہاں کے کمانڈر کو گولی سے اڑا دیا تھا بلکہ لیبارٹری سے ڈیوٹی ختم کرکے واپس جانے والے چاروں محافظوں کو، جن میں ایک مرد اور تین لڑکیاں شامل تھیں، فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کردیا تھا۔ ان کا قصور یہ تھا کہ ڈیوٹی پر آنے والے نئے محافظوں پر شبہ ہونے کے باوجود انہوں نے واپس آکر کنٹرول روم کو اس کی اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔ لیبارٹری میں دھماکے شروع ہونے کے بعد ان محافظوں کی پارٹی کے انچارج نے کمانڈر کو ہمارے بارے میں اپنے شبے سے آگاہ کیا تھا اور ہمارے حلیے بھی بتائے تھے۔ بعد میں دارا نے ان حلیوں سے مجھے اور جانگی کو شناخت کیا تھا۔ ہمارا چوتھا ساتھی جو واپس جانے والے محافظوں کی نظروں میں نہیں آیا تھا، اس کے بارے میں فرض کرلیا گیا تھا کہ وہ پھانگ تھا جو پہچان لیے جانے کے ڈر سے سامنے نہیں آیا تھا۔ جنرل کھوراٹ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو اس نے کمانڈر اور ان چاروں محافظوں کو ختم کردیا تھا۔

سب سے دلچسپ خبر یہ تھی کہ جنرل کھوراٹ اور دارا میں ایک زوردار جھڑپ بھی ہوئی تھی۔ جنرل کھوراٹ نے اس تباہی کا ذمے دار دارا کو قرار دیا تھا جبکہ دارا اس کے آدمیوں کو ذمے دار ٹھہرا رہا تھا جو تھائی کو چیانگ سائین سے اٹھا کر یہاں لے آئے تھے اور میں تھائی کو چھڑانے کے لیے ان کے تعاقب میں یہاں پہنچ گیا تھا۔

بوما نے اس بات پر بھی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ جنرل کھوراٹ نے دارا کی باتیں کیسے برداشت کرلی تھیں اور اسے گولی سے اڑا کیوں نہیں دیا تھا۔

"تم دارا کو نہیں جانتے۔" میں نے بوما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "وہ دنیا کا عیار ترین آدمی ہے۔ جنرل کھوراٹ کے چند بہت ہی خاص آدمی تھائی لینڈ میں اس کے ساتھ رہے ہیں۔ اس نے یقیناً کوئی ایسی راہ تلاش کرلی ہے کہ جنرل کھوراٹ جیسا شخص بھی اس کی توہین نہ کرسکے۔ بہرحال یہ بتاؤ سب لوگوں کو کنٹرول روم میں کیوں طلب کیا گیا تھا؟"

"تم لوگوں کی تلاش کے لیے کچھ نئے پروگرام بنائے گئے ہیں۔" بوما نے جواب دیا "دوسرے علاقوں سے بھی سو سے زیادہ آدمیوں کو طلب کرلیا گیا ہے جن میں کچھ تو پہنچ گئے ہیں اور کچھ صبح ہونے سے پہلے پہلے پہنچ جائیں گے۔ کچھ پارٹیوں نے تلاش شروع کردی ہے اور کچھ پارٹیاں صبح روانہ ہوں گی۔ گھیرے کی صورت میں بیس پچیس میل تک کے علاقے کو چھان مارا جائے گا۔ ویسے جنرل کا خیال ہے کہ لیبارٹری کی تباہی کے بعد تم لوگ یہاں نہیں رکو گے بلکہ فرار کا راستہ تلاش کرو گے۔ اس لیے دونوں طرف کے دریاؤں پر زیادہ توجہ دی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ کسی بھی مشتبہ شخص کو، خواہ وہ گارڈ کی وردی میں ہو، دیکھتے ہی گولی مار دی جائے۔"

"اور تم۔۔۔؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف

دیکھا "کیا تمہیں بھی کسی پارٹی میں شامل کیا گیا ہے؟"

"نہیں۔" بوما نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "مجھے اس بات کا کچھ اندازہ تھا اس لیے میں نے کنٹرول روم پہنچنے سے پہلے ہی لنگڑانا شروع کردیا تھا۔ جس شخص کو نیا کمانڈر بنایا گیا ہے وہ۔ میری ٹانگ کی تکلیف سے واقف ہے اس لیے میری ڈیوٹی کنٹرول روم میں ہی رکھی گئی ہے۔"

"گڈ!" میں بھی مسکرا دیا "دارا کے بارے میں کوئی اور بات؟"

"فی الحال کچھ نہیں۔" بوما نے جواب دیا "میرا خیال ہے جنرل کھوراٹ ایک دو دن یہیں رہے گا۔ اس کے بعد ہی دارا کے بارے میں بھی کچھ پتا چل سکے گا کہ اس کا کیا پروگرام بنتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس دوران میں ہم کچھ نہیں کرسکیں گے۔" میں نے کہا۔

"ظاہر ہے۔ تم لوگ تو کانیج سے باہر جھانک بھی نہیں سکو گے۔" بوما نے جواب دیا۔

اس کے بعد بھی ہم دیر تک باتیں کرتے رہے پھر بوما اور ہوفا اپنے کمرے میں چلے گئے۔ میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ وہ سو رہی تھی۔ سونیا اور جانگی دری پر لیٹی سونے کی تیاری کررہی تھیں اور میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا صورتِ حال کا جائزہ لیتا رہا۔ یہ غنیمت تھا کہ ان میں سے کسی کے ذہن میں ابھی تک یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ہم کسی کانیج میں بھی ہوسکتے ہیں۔ اب تک یہی سمجھا جارہا تھا کہ پھانگ ہمیں کسی خفیہ جگہ پر پناہ دیے ہوئے ہے لیکن میرا خیال تھا کہ ایک دو دن مزید تلاش کے بعد بھی انہیں ہمارا سراغ نہیں ملے گا تو شاید کسی کے ذہن میں یہ بات بھی آجائے اور علاقے میں واقع کانیجز کی چیکنگ بھی شروع ہوجائے۔ ایسی صورت میں ہمارے پاس کوئی متبادل جگہ نہیں تھی سوائے اس کے کہ ہم بھاگ کھڑے ہوتے اور گولیوں کا نشانہ بن جاتے۔

کسی ہنگامی صورتِ حال میں ہم بھاگ کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش بھی کرسکتے تھے لیکن سب سے بڑا مسئلہ تھائی کا تھا۔ ظاہر ہے ہم اسے چھوڑ کر نہیں جاسکتے تھے۔ تھائی اس قابل نہیں تھی کہ ہوش میں ہوتے ہوئے بھی چند قدم چل سکتی۔ پچھلے تین چار دن سے اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس کے لیے باقاعدہ علاج کی ضرورت تھی اور یہاں ایسی کوئی سہولت موجود نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ ہیروئن کی مقدار کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی جارہی تھی جس سے ابھی معمولی سا فرق بھی نہیں پڑا تھا۔

جنرل کھوراٹ تین دن یہاں رکا رہا تھا اور یہ تین دن ہم نے بڑی اذیت میں گزارے تھے۔ بوما سے ہر روز شام کو ہمیں رپورٹ مل جاتی تھی۔ دن کے وقت ہوفا بھی بچے کو ساتھ لے کر اس طرف کا چکر لگا آتی تھی۔ کچھ معلومات اس سے بھی حاصل ہوجاتی تھیں۔

جنرل کھوراٹ واپس چلا گیا۔ ہماری تلاش کا معاملہ بھی کچھ سرد پڑ گیا تھا۔ دوسرے علاقوں سے منگوائے ہوئے بیشتر گارڈز واپس بھیج دیے گئے تھے لیکن ان کی اچھی خاصی تعداد اب بھی یہاں موجود تھی۔ اس عرصے میں ہماری طرف سے چونکہ کوئی سرگرمی سامنے نہیں آئی تھی اس لیے فرض کرلیا گیا تھا کہ ہم لوگ کسی نہ کسی طرح ٹرائی اینگل سے فرار ہوچکے ہیں۔ دو دن پہلے آدھی رات کے بعد دریائے میکانگ میں ایک کشتی بھی دیکھی گئی تھی جس پر فائرنگ کی گئی اور وہ کشتی تیزی سے لاؤس کے ساحل کی طرف بھاگ گئی تھی اور یہ فرض کرلیا گیا تھا کہ ہم اس کشتی پر فرار ہوگئے ہیں۔

جنرل کھوراٹ واپس جاچکا تھا اور دارا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں یہ پروگرام بنا تھا کہ دو دن بعد وہ بھی جنرل کھوراٹ کے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔

یہ اطلاع میرے لیے خاصی اہم تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر دارا جنرل کھوراٹ کے ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا تو ہماری پہنچ سے باہر ہوجائے گا۔ ہمیں اس سے پہلے ہی اس کا کوئی بندوبست کرنا ہوگا اور جب میں نے بوما سے بات کی تو وہ بولا۔

"یہ تو طے ہے کہ جلد یا بدیر ہمارا راز فاش ہوجائے گا۔ اس لیے میں نے بھی یہ پروگرام بنایا ہے کہ ایسا وقت آنے سے پہلے ہی یہاں سے نکلنے کی کوشش کی جائے۔"

"تمہارے ذہن میں کوئی پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جس روز دارا وغیرہ روانہ ہوں گے اس رات ایک کشتی خورونوش کا سامان لے کر آئے گی۔ یہ سامان ہر دوسرے دن لاؤس سے آتا ہے۔ ایک کشتی آج آئے گی اور اگلی دو دن بعد۔ اگر ہم کوشش کریں تو اس کشتی پر قبضہ کرسکتے ہیں۔"

"گڈ!" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی "بندرگاہ۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ گھاٹ یہاں سے کتنی دور ہے جہاں پر ان کشتیوں کی آمد و رفت ہوتی ہے؟"

"یہاں سے گیارہ میل دور میکانگ کے ساحل پر وہ گھاٹ اگرچہ ہمارے لیے خاصا خطرناک ہوسکتا ہے لیکن کوشش کی جاسکتی ہے۔" بوما نے کہا "وہاں سامان رکھنے کے

لیے بہت بڑا شیڈ بنا ہوا ہے۔ ایک بھاری مشین گن بھی نصب ہے۔ چھ گارڈ مستقل طور پر وہیں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ جس رات کشتی سامان لے کر آتی ہے دو تین محافظوں کا مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہ وہ محافظ ہوتے ہیں جو کشتی کے ساتھ آتے ہیں اور جو ٹرک سامان اٹھانے کے لیے آتا ہے کم از کم دو آدمی اس پر بھی ہوتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں کم از کم ایک درجن آدمیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔" میں نے کہا "کشتی عام طور پر کس وقت آتی ہے؟"

"رات کے آخری پہر۔ دو اور چار بجے کے درمیان۔" بوما نے جواب دیا۔ "لیکن پہلے ہمیں دارا وغیرہ کا پروگرام معلوم کرنا پڑے گا۔ اگر وہ دن کے وقت گئے تو ہم ان کا پیچھا نہیں کرسکیں گے۔ البتہ رات کو۔"

"لیکن ہم ان کا پیچھا کیسے کریں گے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "تھائی تو اس قابل نہیں کہ چند قدم بھی چل سکے۔ گیارہ میل۔ یہ فاصلہ کیسے طے ہوگا؟"

"میں اس کا بھی بندوبست کرلوں گا۔" بوما نے کہا "لیکن پہلے دارا وغیرہ کا پروگرام معلوم ہونا ضروری ہے۔"

اس کے بعد ایک دن اور گزر گیا۔ اگلے دن شام کو بوما نے ہمیں بتا دیا کہ ہم اپنی تیاری مکمل کرلیں۔ ہوفا نے بھی اپنا بیگ پیک کرنا شروع کردیا تھا۔ اس نے بیگ میں زیادہ تر بچے کے کپڑے اور دوسری چیزیں رکھی تھیں۔ فیڈر اور دودھ کے دو ٹن اس نے سب سے پہلے بیگ میں رکھے تھے۔

اس سے اگلے روز شام کو بوما واپس آیا تو اس کے چہرے پر سنسنی کے تاثرات نمایاں تھے۔

"دارا اور اس کے ساتھی آج رات گیارہ بجے روانہ ہورہے ہیں۔" اس نے بتایا "روانگی کے لیے رات کا وقت رازداری کے خیال سے رکھا گیا ہے۔ وہ ایک بڑی جیپ پر ہوں گے جس میں ان کی حفاظت کے لیے چار محافظ بھی ہوں گے۔"

"ہم لوگ کس وقت روانہ ہوں گے اور بندوبست کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے بندوبست کرلیا ہے۔" بوما نے جواب دیا "میں نے ایک جیپ تاڑلی ہے۔ میں آٹھ بجے یہاں سے چلا جاؤں گا اور ساڑھے دس بجے جیپ لے کر آجاؤں گا۔ تم لوگ تیار رہنا۔ ہم فوراً ہی روانہ ہوجائیں گے۔ یہاں سے تقریباً پانچ میل آگے نکل کر ہم ان کا انتظار کریں گے۔"

بوما خاموش ہوگیا لیکن یہ خاموشی چند سیکنڈ سے زیادہ طویل ثابت نہیں ہوسکی۔ ہم ایک بار پھر اپنے اس منصوبے کی تفصیلات کا جائزہ لے رہے تھے جس پر ہم سب کی زندگیوں کا دارومدار تھا۔

بوما جا چکا تھا۔ ہم نے اپنی تیاری مکمل کرلی تھی۔ میں عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھا۔ گولڈن ٹرائی اینگل۔ دنیا کی خطرناک ترین جگہ۔ جہاں سے پوری دنیا میں موت بانٹی جاتی تھی۔ جنرل کھوراٹ۔ ایک جنونی اور پاگل کتا تھا جسے چین کی فوج بھی پٹا نہیں ڈال سکی تھی۔ وہ اس سرزمین کا حکمران تھا۔ یہ وہ خطہ تھا جس کی زمین جنرل کھوراٹ اور اس کے ہم پیشہ لوگوں کے لیے تو سونا اگلتی تھی مگر دوسروں کے لیے یہاں موت اگتی تھی۔ کوئی اجنبی آج تک موت کی اس وادی میں قدم رکھنے کی ہمت نہیں کرسکا تھا اور ہم اس خونی اژدھے کے جبڑوں میں پھنسے ہوئے تھے۔

آج شاید اس سرزمین پر ہمارا آخری معرکہ ہوتا اور کسی قسم کی پیش گوئی کرنا ممکن نہیں تھا۔ دارا ہمارے ہاتھوں مارا جاتا یا ہم زہر اگلنے والی اس زمین کے لیے کھاد بن جاتے۔

میں نے کئی مرتبہ ہوفا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے بھی اس کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ وہ جرائم پیشہ عورت تھی۔ طویل عرصے تک قانون سے آنکھ مچولی کھیلتی رہی تھی اور پھر قانون سے تحفظ کا لالچ دے کر اسے یہاں پہنچا دیا گیا۔ وہ چار سال سے یہاں تھی۔ یہ ایک ایسی جیل تھی جہاں اگرچہ ہر قسم کی آزادی حاصل تھی لیکن یہاں سے نکلنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بہت سے ایسے لوگ جنہوں نے کسی طرح سے یہاں سے نکلنے کی کوشش کی تھی، جنرل کھوراٹ کے آدمیوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے۔ ہر شخص یہاں سے نکلنا بھی چاہتا تھا اور جنرل کھوراٹ کا وفادار بھی تھا۔

یہاں آنے والے ہر شخص کو فوجی تربیت دی جاتی تھی۔ جنرل کھوراٹ نے یہاں جدید ترین اسلحہ جمع کر رکھا تھا اور کئی مرتبہ یہ گولہ بارود استعمال بھی ہوا تھا۔

پچھلے چار برسوں کے دوران میں ہوفا ٹرائی اینگل کی مختلف پوسٹوں پر تعینات رہی تھی۔ یہ لوگ نہ صرف یہاں کے محافظ تھے بلکہ پوست کی کاشت اور منشیات کی تیاری کا کام بھی انہی لوگوں سے لیا جاتا تھا۔ یہاں انہیں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ کھوراٹ انہیں ضرورت کی ہر چیز مہیا کرتا تھا۔ مردوں کا دل بہلانے کے لیے عورتیں موجود تھیں۔

ہوفا بھی دو سال تک مختلف مردوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنی رہی تھی پھر دو سال پہلے اس نے بوما سے شادی کرلی۔ وہ دونوں یہاں سے نکلنا چاہتے تھے۔ کئی مرتبہ منصوبے بنائے تھے لیکن فرار کی کوشش کرنے والے دوسرے لوگوں کا انجام دیکھ کر وہ کبھی بھی اپنے کسی منصوبے پر عمل کرنے کی ہمت نہیں کرسکے تھے۔ زندگی بہت عزیز تھی۔ یہاں وہ زندہ تو تھے۔

اور پھر وجدان یہاں آگیا۔ بوما، وجدان، سونیا اور جانکی کی ہمت اور حوصلے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا جو انجام کی پروا کیے بغیر موت کے کنوئیں میں کود گئے تھے۔ بوما اور ہوفا نے بھی اس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ اس سرزمین پر جنرل کھوراٹ کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا مگر وجدان وغیرہ کی وجہ سے بوما اور ہوفا میں اتنا حوصلہ پیدا ہوچکا تھا کہ وہ نتائج کی پروا کیے بغیر ان کا ساتھ دینے کو تیار ہوگئے تھے۔

ہوفا اپنے بچے کو سینے سے لگائے کھڑی تھی۔ اس کے دوسرے کندھے پر آٹومیٹک رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ ان کے پاس اتنا ایمونیشن موجود تھا کہ وہ کئی گھنٹوں تک مقابلہ کرسکتے تھے۔

بوما نے دس بجے واپس آنے کو کہا تھا لیکن اب سوا دس بج چکے تھے۔ میری بے چینی بڑھ رہی تھی "کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوگئی؟" میں بار بار سوچ رہا تھا۔ ہم نے اپنے آپ کو کسی بھی قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر رکھا تھا۔

وقت کی رفتار جیسے تھم گئی تھی۔ لمحات صدیاں بن کر بیت رہے تھے۔ گھڑی کی سوئیوں کی رفتار تو تیز ہوگئی تھی لیکن ہمارے دلوں کی دھڑکنیں خطرناک حد تک تیز ہورہی تھیں۔

دس بج کر پینتیس منٹ پر کسی گاڑی کے انجن کی آواز سن کر ہم سب ہی چونک گئے۔ میں نے کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکا۔ وہ جیپ تھی جس کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں اور وہ پتھریلے میدان میں اچھلتی ہوئی تیز رفتاری سے کانیچ کی طرف آرہی تھی۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ بوما ہی ہوتا۔ اس جیپ میں ہماری موت کا سامان بھی ہوسکتا تھا۔ میں نے جانکی وغیرہ کو اشارہ کیا اور ہم کسی بھی ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔

جیپ کانیچ کے سامنے رک گئی اور بوما جیپ سے اتر کر دوڑتا ہوا کانیچ کے برآمدے کی طرف بڑھا۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔

"جلدی کرو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" بوما اندر آتے ہی بولا۔

ہم تو تیار ہی تھے۔ سونیا نے اپنے بیگ کے ساتھ ہوفا کا بیگ بھی اٹھالیا۔ میں نے تھائی کو کندھے پر لادا اور تیزی سے باہر آگیا۔

جیپ کی پچھلی والی سیٹیں آمنے سامنے تھیں جن کے درمیان خالی جگہ تھی۔ سونیا اور تھائی کو آگے ڈرائیونگ سیٹ کی پشت کے قریب ان سیٹوں پر آمنے سامنے بٹھا دیا گیا۔ سونیا اور جانکی رائفلیں سنبھالے پچھلے کنارے پر آمنے سامنے بیٹھ گئیں۔ بوما نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور میں ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بوما کی سب مشین اس کی سیٹ کے قریب رکھی ہوئی تھی۔

جیپ حرکت میں آکر پتھریلے میدان میں ایک طرف دوڑنے لگی۔ بوما نے ہیڈ لیمپس نہیں جلائے تھے۔ جیپ ایک طویل چکر کاٹتی ہوئی اندرونی حصے کی طرف جانے والی سڑک پر آگئی۔ یہ کوئی باقاعدہ سڑک نہیں تھی۔ پتھریلا راستہ تھا جس کے دونوں طرف پوست کے کھیت تھے۔ یہی سڑک جنرل کھوراٹ کے ہیڈ کوارٹر کی طرف چلی گئی تھی جو وہاں سے تقریباً تیس میل آگے تھا۔

آسمان پر بادل تھے جس سے اندھیرا کچھ اور گہرا ہوگیا تھا۔ بوما نے اب بھی ہیڈ لیمپس روشن نہیں کیے تھے اور جیپ اس پتھریلے راستے پر اچھلتی ہوئی جارہی تھی۔

تقریباً پانچ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بوما نے جیپ کی رفتار کم کردی۔ وہ تاریکی میں ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا پھر اس نے جیپ کو دائیں طرف پوست کے کھیتوں میں ایک اور تنگ سے راستے پر موڑ لیا۔ یہ راستہ بتدریج بلندی کی طرف جارہا تھا۔ پچاس گز کا فاصلہ طے کرکے اس نے جیپ روک کر انجن بند کردیا اور نیچے اُتر آیا۔

ہوفا اور تھائی کو جیپ میں ہی چھوڑ دیا گیا۔ تھائی اس وقت حواس میں تھی۔ انہیں کچھ ہدایات دینے کے بعد ہم سڑک کی طرف بڑھنے لگے۔ سونیا اور جانکی ہمارے ساتھ تھیں۔ ہم چاروں ڈھلان پر پوزیشن سنبھال کر بیٹھ گئے۔

"وہ لوگ ٹھیک گیارہ بجے روانہ ہوں گے۔" بوما نے کہا "چند منٹ یہاں تک آنے میں لگیں گے۔ یہاں سے ہم انہیں آسانی سے نشانہ بنا سکیں گے۔"

ہمیں تقریباً دس منٹ انتظار کرنا پڑا تھا پھر بائیں طرف سے کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ وہ دارا لوگوں کی جیپ تھی۔ انجن کی آواز فضا میں چاروں طرف گونجتی ہوئی سی محسوس ہورہی تھی۔ ہماری

نظریں اچھلتی ہوئی روشنیوں پر جمی ہوئی تھیں اور پھر وہ جیپ جیسے ہی ہمارے سامنے پہنچی بوما نے فائر کھول دیا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ کے ساتھ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ کوئی گولی ٹائر پر لگی تھی اور ٹائر ایک دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔ جیپ لڑکھڑاتی ہوئی سڑک کے دوسری طرف پوست کے کھیتوں میں گھس گئی تھی اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی جوابی فائرنگ ہونے لگی۔

بوما سے تھوڑی سی غلطی ہوگئی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو نشانہ بنانا چاہا تھا لیکن گولیاں ذرا نیچے لگی تھیں۔ جیپ کا ایک ٹائر اگرچہ برسٹ ہوگیا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ دارا اور اس کے ساتھیوں میں سے کسی کا کچھ نہیں بگڑ سکا ہوگا۔

جیپ الٹ جاتی تو ہمارا کام آسان ہوجاتا مگر ٹائر برسٹ ہونے کے بعد وہ لڑکھڑاتی ہوئی کھیت میں گھس کر رک گئی تھی اور ان لوگوں نے یقیناً جیپ سے اتر کر پوزیشن سنبھال لی تھی۔ بوما نے بتایا تھا کہ ان کے ساتھ چار محافظ ہوں گے مگر فائرنگ سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ دارا، کم اور چی فانگ بھی مسلح تھے اور وہ بھی فائرنگ کرنے میں شریک تھے۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا کچھ آگے نکل گیا۔ دو سائے پودوں میں ایک طرف دوڑتے ہوئے نظر آئے تو میں نے فائر کھول دیا۔ وہ دونوں محافظ تھے جو چیختے ہوئے ڈھیر ہوگئے۔ میں دوڑتا ہوا کچھ اور آگے نکل گیا۔ ٹیلے پر سے بوما اور جانگی دغیرہ بھی فائرنگ کررہی تھیں۔

فائرنگ کا سلسلہ تقریباً پانچ منٹ تک جاری رہا اور پھر میں اچانک ہی اپنے عقب میں فائرنگ کی آواز سن کر چونک گیا۔ ہمارے حریفوں میں سے کسی کو اس طرف جانے کا موقع مل گیا تھا اور اس نے ہماری جیپ پر فائرنگ شروع کردی تھی۔ میں چیختا ہوا اس طرف دوڑا۔ جانگی بھی میرے پیچھے ہی لپکی تھی۔ ہماری جیپ پر سے ہوفا نے بھی فائرنگ کا جواب دینا شروع کردیا تھا اور پھر ایک چیخ کی آواز سن کر میں رک گیا۔ جیپ پر حملہ کرنے والا محافظ ہوفا کی گولیوں کا نشانہ بن گیا تھا۔

اور پھر میری نظروں نے ایک اور خوفناک منظر دیکھا۔ تھائی جیپ سے اتر کر ہوفا کے بچے کو سینے سے چمٹائے ایک طرف دوڑ رہی تھی۔ جیپ پر حملہ ہونے کے بعد وہ اپنے آپ کو اور بچے کو بچانے کے لیے دوڑی تھی مگر اس نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ غلط تھا۔ وہ بدحواسی میں اس طرف دوڑ رہی تھی جس طرف دارا اور اس کے ساتھی گھات لگائے ہوئے تھے۔

"تھائی۔ رک جاؤ۔" میں چیختا ہوا اس کے پیچھے دوڑا۔

لیکن تھائی نے میری آواز نہیں سنی اور وہ دوڑتی چلی گئی۔ اس کے سینے سے لپٹا ہوا بچہ بُری طرح رو رہا تھا۔ سونیا بھی تھائی کو دیکھ کر اس طرف دوڑ پڑی تھی اور پھر سامنے سے فائرنگ کا رخ بدل گیا۔ اب گولیوں کا رخ تھائی کی طرف تھا۔ تھائی مڑ کر دوسری طرف دوڑنے لگی اور پھر دوسرے ہی لمحے فضا اس کی چیخوں سے گونج اٹھی۔ لاتعداد گولیاں اس کی پشت اور ٹانگوں میں پیوست ہوگئیں اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے منہ کے بل گری۔ بچہ اس کے نیچے دب گیا تھا۔

سونیا نے مخالف سمت میں فائر کھول دیا تھا۔ میں دوڑتا ہوا اس جگہ پر پہنچ گیا جہاں تھائی گری تھی۔ وہ پودوں میں منہ کے بل پڑی تھی۔ بچہ اس کے نیچے دبا رو رہا تھا۔ اس دوران میں ہوفا بھی دوڑتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔

میں نے تھائی کو سہارا دے کر سیدھا کردیا۔ ہوفا نے جلدی سے بچے کو اٹھالیا۔ اسے کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔ تھائی کا جسم گولیوں سے چھلنی ہوچکا تھا لیکن اس میں کچھ سانس ابھی باقی تھے۔ میں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

"تھائی۔۔۔ تھائی۔۔۔ آنکھیں کھولو۔۔۔" میں اس کا گال تھپتھپانے لگا۔

تھائی نے آنکھیں کھول دیں "وج۔۔۔ وجدا۔۔۔ ن۔۔۔" اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے "اپ۔۔۔ اپ۔۔۔ نا۔۔۔ خیال۔۔۔ رکھنا۔۔۔"

وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔ ہونٹ خاموش ہوگئے اور آنکھیں بند ہوگئیں۔ اس کا سر ڈھلک گیا۔ کئی سال پہلے اس نے بنکاک میں.... دارا جیسے خونی بھیڑیوں سے بچا کر مجھے نئی زندگی دی تھی اور آج اس نے میری گود میں دم توڑ دیا تھا۔

میں چیخ اٹھا۔ قریب بیٹھی ہوئی ہوفا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے تھائی کا سر آہستگی سے زمین پر ٹکا دیا اور رائفل تھام کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت بائیں طرف بہت دور کسی گاڑی کی روشنیاں دکھائی دیں۔ میرے خیال میں وہ بھی محافظوں کی جیپ ہوگی۔ میں اس جیپ کی پروا کیے بغیر رائفل اٹھائے اس طرف دوڑا جس طرف سے تھائی پر فائرنگ کی گئی تھی۔

میں اندھا دھند فائرنگ کرتا ہوا سڑک پار کرکے سامنے والے کھیت میں گھس گیا۔ وہاں کھڑی ہوئی جیپ کے ہیڈ لیمپس ابھی تک روشن تھے اور اسی روشنی میں دو سائے کھیتوں میں بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ ان میں ایک کم تھا اور دوسرا دارا۔

میرا خون کھول اٹھا۔ دارا آگے تھا اور کم پیچھے۔ میں نے اسے باڑ پر رکھ لیا۔ کم لڑکھڑا کر گرا۔ اس کے جسم میں اتنے سوراخ ہوگئے تھے کہ گننا مشکل ہوجاتا۔ دارا کافی آگے نکل چکا تھا اور پھر نیچے گر کر غائب ہوگیا۔ میں دوڑتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا۔ سامنے ایک گہرا کھڈ تھا۔ دارا گولی کھا کر اسی کھڈ میں گرا تھا۔ میں اس کے پیچھے کھڈ میں چھلانگ لگانا چاہتا تھا کہ آنے والی جیپ سے فائرنگ شروع ہوگئی۔ وہ جیپ اگرچہ ابھی کافی دور تھی لیکن فائر کھول کر انہوں نے شریکِ جنگ ہونے کا اعلان کردیا تھا اور وہ جیپ کسی بھی لمحے ہمارے سر پر پہنچ سکتی تھی۔

"وجدان۔ بھاگو۔ اپنی جیپ کی طرف۔ جلدی۔"

بوما کی چیختی ہوئی آواز سن کر میں جیسے ہوش میں آگیا۔ دوسرے ہی لمحے مڑ کر تیزی سے دوڑتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں تھائی کی لاش پڑی تھی۔

"تم لوگ جیپ تک پہنچو۔ میں انہیں روکتا ہوں۔" بوما چیخا۔

میں تھائی کی لاش کو کندھے پر اٹھا کر اپنی جیپ کی طرف دوڑنے لگا۔ ہوفا، سونیا اور جانگی پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھیں۔ ہوفا نے بچے کو سونیا کے حوالے کرکے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ کردیا۔ میں نے تھائی کی لاش کو سیٹوں کے درمیان فرش پر ڈال دیا اور رائفل سنبھال کر واپس دوڑا۔

بوما ایک جگہ پودوں میں پوزیشن لیے بیٹھا تھا۔ میں بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور آگے آتی ہوئی جیپ کی طرف دیکھنے لگا جو ابھی تقریباً دو سو گز دور تھی۔

پہلی جیپ کے تین محافظ مارے جاچکے تھے۔ کم میرے ہاتھوں ختم ہوگیا تھا۔ دارا گولی کھا کر کھڈ میں گرا تھا جس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ زندہ ہے یا ختم ہوگیا تھا۔ پی فانگ کہیں چھپ گیا تھا اور زندہ بچ جانے والا چوتھا محافظ اِکا دُکا فائر کررہا تھا جبکہ ہم نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

وہ جیپ سڑک پر ہمارے عین سامنے رک گئی۔ فاصلہ پچاس گز سے زیادہ نہیں تھا۔ اس جیپ میں کئی محافظ تھے جو جیپ رکتے ہی چھلانگ لگا کر اُتر آئے تھے۔ دو تین محافظ کھیت میں کھڑی ہوئی اس جیپ کی طرف دوڑے جس کے ہیڈ لیمپس اب بھی روشن تھے۔

"کیا خیال ہے بوما؟" میں نے سرگوشی کی۔

"ہمیں اس جیپ کے صرف ٹائر بیکار کرنے ہیں تاکہ یہ ہمارا پیچھا نہ کرسکیں۔" بوما نے بھی سرگوشی میں جواب دیا "اگر ان میں سے کوئی ہماری کسی گولی کا نشانہ بن جاتا ہے تو اس کی قسمت۔ میں اگلے پہیے کو نشانہ بناؤں گا اور تم پچھلے کو۔ ریڈی۔۔۔ ون۔ ٹو۔ تھری۔۔۔!"

ہم دونوں نے بیک وقت فائر کھول دیا۔ دو دھماکوں کے ساتھ دو چیخیں بھی سنائی دی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے اٹھ کر اپنی جیپ کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ سڑک پر سے اندھا دھند فائرنگ شروع ہوگئی لیکن ہم پودوں میں دوڑتے ہوئے اپنی جیپ کے قریب پہنچ گئے۔ ہوفا جیپ کو حرکت میں لا چکی تھی۔ ہم دوڑتے ہوئے جیپ کے پچھلے حصے پر سوار ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی جیپ کو زوردار جھٹکا لگا اور وہ پتھریلے راستے پر اچھلتی ہوئی تیزی سے دوڑنے لگی۔

یہ راستہ نسبتاً تنگ اور غیر ہموار تھا۔ تاریکی میں ایسے راستے پر تیز رفتاری سے گاڑی چلانا خطرناک ہوسکتا تھا لیکن ہوفا نہ صرف ماہر ڈرائیور ثابت ہوئی تھی بلکہ یہ راستہ بھی دیکھا بھالا تھا اور وہ نشیب و فراز سے واقف تھی اس لیے کسی حادثے کے بغیر سفر جاری رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

میں سیٹوں کے درمیان جانگی کی لاش کے پاس بیٹھا تھا اور میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ تھائی کے ساتھ رہتے ہوئے کئی سال گزر گئے تھے لیکن آج تک یہ فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ میرے اور اس کے بیچ استوار رشتے کو کیا نام دیا جائے اور اب مجھے بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ میرا تو سب کچھ وہی تھی۔ محبوبہ۔ ماں۔ باپ۔ میرے لیے تو سب کچھ وہی تھی جو اب نہیں رہی تھی۔ میں ایک بار پھر اپنے اندر وہی کرب اور دکھ محسوس کرنے لگا جو ماں باپ کی موت کے وقت میرے اندر جاگے تھے۔

میرا سر جھکا ہوا تھا۔ جانگی میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ تھائی کی موت کا صدمہ اس کے لیے بھی ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا۔

بوما نے مجھے پکڑ کر سیٹ پر بٹھالیا۔

"ہمت سے کام لو میرے دوست۔" وہ میرا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولا "تھائی نے ایک نیک مقصد کے لیے جان دی ہے۔ وہ کئی سال سے تمہارے ساتھ بدی کے خلاف برسرِپیکار تھی" وہ مری نہیں۔ ہمارے دلوں میں زندہ رہے گی اور میرا یہ بیٹا۔" اس نے سونیا کی گود میں بچے کی طرف اشارہ

کیا "تھائی نے اپنی جان دے کر اسے بچالیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ بچہ بڑا ہو کر تھائی کے مشن کو جاری رکھے گا۔ ہم کہیں بھی ہوں لیکن جب تک ہم زندہ ہیں تھائی کے مشن کو آگے بڑھاتے رہیں گے۔"

بوما کی باتیں میرے لیے بڑی حوصلہ افزا ثابت ہوئی تھیں۔ میں اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔

"ہم کس طرف جارہے ہیں؟" میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مشرقی گھاٹ پر۔" بوما نے جواب دیا "جو تقریباً تیرہ میل کے فاصلے پر ہے۔ اب دعا یہ کرنی چاہیے کہ ہمارے بارے میں پہلے سے وہاں کوئی اطلاع نہ پہنچ چکی ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "ویسے ہوسکتا ہے کہ وہ ہماری منزل کے بارے میں صحیح اندازہ نہ لگا سکیں۔"

"کیوں۔ وہ لوگ گھاٹ مڑ میں کیا۔ تم نے بتایا تھا کہ یہ راستہ میکانگ کے گھاٹ کی طرف جاتا ہے۔ انہیں اندازہ لگانے میں کیا دشواری پیش آسکتی ہے۔" میں نے کہا۔

"کچھ آگے جاکر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دو تین راستے نکلتے ہیں۔" بوما نے بتایا "ایک راستہ کھوراٹ کے ہیڈ کوارٹر کی طرف جاتا ہے۔ ایک ہماری بستی کی طرف اور ایک راستہ جنوب کی طرف بھی جاتا ہے۔ میکانگ کے گھاٹ کا وہ اس لیے نہیں سوچ سکیں گے کہ وہاں مشین گن نصب ہے۔ جنرل کھوراٹ کے ہیڈ کوارٹر کی طرف جانے والے راستے کا خیال بھی وہ مسترد کردیں گے۔ جنوبی راستہ رہ جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے آگے سے اسے بلاک کرنے کی کوشش کی جائے لیکن ظاہر ہے ہمیں اس طرف نہیں جانا۔ ہم تو میکانگ کے گھاٹ کی طرف جارہے ہیں نا۔ ویسے راستے میں ہمیں ایک اور بندوبست بھی کرنا ہوگا۔"

"وہ کیا....؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"راستے میں بتاؤں گا۔" بوما نے جواب دیا۔

تقریباً چھ میل کا فاصلہ طے ہوجانے کے بعد بوما نے جیپ رکوالی۔ یہاں سے ایک کشادہ راستہ مشرق میں دریائے میکانگ کے گھاٹ کی طرف جارہا تھا۔ اس سڑک کے کنارے پر بجلی کے کھمبوں کی قطار تھی۔ اوپر بجلی کے تار تھے اور نیچے ٹیلی فون کا تار تھا۔ ٹیلی فون کے تار کے لیے الگ کھمبے لگانے کے بجائے بجلی کے کھمبوں ہی سے کام لیا گیا تھا۔

بوما جیپ سے اُتر کر کسی بندر کی طرح کھمبے پر چڑھ گیا۔ ٹانگوں اور ایک ہاتھ سے اس نے کھمبے کو لپیٹ میں لے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے خنجر نکال کر ٹیلی فون کا تار کاٹ دیا اور نیچے آگیا۔

"اب کم از کم ٹیلی فون کے ذریعے گھاٹ سے رابطہ قائم نہیں ہوسکتا۔" وہ جیپ میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

جیپ ایک بار پھر حرکت میں آگئی۔ سڑک ٹیلا نما پہاڑیوں میں بل کھاتی ہوئی جارہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف پوست کے کھیت تھے۔ اگر یہ کہا جاتا تھا کہ گولڈن ٹرائی اینگل سے دنیا بھر کو ہیروئن اور دیگر منشیات سپلائی کی جاتی تھیں تو یہ غلط نہیں تھا۔ سیکڑوں مربع میل پر مشتمل اس علاقے میں پوست ہی تو کاشت کیا جاتا تھا۔ یہاں ہیروئن تیار کرنے کی کئی فیکٹریاں تھیں جو بارہ مہینے کام میں مصروف رہتی تھیں۔

ایک ٹیلا نما پہاڑی کا موڑ گھومتے ہی ہوفا نے جیپ روک لی۔ اس نے انجن چلتا چھوڑ دیا اور نیچے اتر آئی۔ سامنے نشیب میں کافی فاصلے پر چند روشنیاں جھلملاتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

"وہ میکانگ کا گھاٹ ہے۔" بوما نے ان روشنیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈرائیونگ سیٹ پر چلا گیا۔ میں بھی اس کے برابر والی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا اور جیپ حرکت میں آگئی۔ اب بوما نے جیپ کے ہیڈ لیمپس بھی روشن کرلیے تھے۔

ان روشنیوں تک پہنچنے میں تقریباً بیس منٹ لگ گئے۔ اس وقت ڈیڑھ بجنے والا تھا۔ سامنے ہی ایک بہت بڑا شیڈ نظر آرہا تھا جہاں چار پانچ بلب جل رہے تھے۔ ایک طرف ایک بڑا کانیج تھا۔ اس کے سامنے بھی تیز روشنی والا بلب جل رہا تھا۔

بوما نے جیپ اس کانیج سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر روک لی اور اسی وقت دو مسلح محافظ کسی طرف سے نکل کر سامنے آگئے۔ بوما نے انجن بند کردیا اور نیچے اتر کر ان محافظوں کی طرف چلنے لگا۔

"ہیلو بوما۔" ایک محافظ نے اسے دیکھ کر حیرت کا مظاہرہ کیا "تم اس وقت یہاں....؟"

"اوہ۔" بوما نے باری باری دونوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ میں بھی جیپ سے اتر کر ان کے قریب آگیا تھا۔ ہم دونوں کی رائفلیں جیپ میں ہی تھیں۔ یہ منصوبہ ہم نے راستے ہی میں بنالیا تھا کہ محافظوں پر کس طرح قابو پایا جائے گا "اس کا مطلب ہے تم لوگوں کو اطلاع نہیں ملی؟" بوما نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسی اطلاع؟" ان میں سے ایک نے سوالیہ نگاہوں سے بوما کی طرف دیکھا۔ وہ اس کھاٹ کا انچارج تھا۔

"میرا بچہ بیمار ہے اور یونٹ کے ڈاکٹر نے اس کے علاج سے معذوری ظاہر کردی ہے۔" بوما نے جواب دیا "ہم اسے لاؤس لے کر جارہے ہیں۔ آج کشتی آنے والی ہے نا؟ جنرل کھوراٹ نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی ہے لیکن لگتا ہے تمہیں ابھی تک ہمارے بارے میں اطلاع نہیں ملی لیکن تم اگر چاہو تو ٹیلی فون پر تصدیق کرسکتے ہو۔"

"تصدیق تو کرنی ہی پڑے گی مگر یہ کون ہے اور جیپ پر دوسرے لوگ کون ہیں؟" انچارج نے کہتے ہوئے مشتبہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"تمہیں معلوم ہے ہمارے علاقے میں ایک لیبارٹری تباہ کردی گئی ہے۔ جنرل کھوراٹ خود بھی آیا ہوا تھا۔ وہ بہت برہم ہے۔ اس نے ہماری یونٹ کے بہت سے گارڈز کو تبدیل کردیا ہے۔ یہ لوگ بھی ہیڈ کوارٹر سے آئے ہوئے ہیں۔" اس نے میری طرف اشارہ کیا "اس کے ساتھ دو لیڈیز گارڈ ہیں۔ یہ لوگ مجھے چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے۔"

"میں ان لیڈیز گارڈز سے بھی ملنا چاہوں گا۔" انچارج نے کہا۔ لڑکیوں کا نام سن کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔

"یہ لوگ رات یہیں رہیں گے۔" بوما نے کہا "تم پہلے فون کرلو پھر اطمینان سے بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔"

انچارج سر ہلاتا ہوا کانیج کی طرف چل پڑا۔ دوسرا گارڈ بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ میں اور بوما بھی ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ کانیج میں داخل ہو کر بوما نے بڑی آہستگی سے دروازہ بند کردیا۔ انچارج نے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کریڈل ٹیپ کرنے لگا۔

"کیا گڑبڑ ہے۔ لائن ڈیڈ ہورہی ہے۔" وہ میز کے پیچھے جھک کر فون کے تاروں کو جھٹکے دینے لگا۔

میں نے اور بوما نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ہم دونوں نے اپنے اپنے خنجر نکالے اور چیتے کی طرح ان پر جھپٹ پڑے۔ انچارج کو بوما نے سنبھال لیا تھا اور دوسرے محافظ کو میں نے۔ میں نے اس محافظ کو پشت کی طرف سے دبوچا تھا۔ میرا ایک ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر ٹھیک دل کے مقام پر سینے میں پیوست کردیا تھا۔ محافظ بری طرح تڑپ رہا تھا لیکن میں نے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک وہ بے حس و حرکت نہیں ہوگیا۔ اسے آہستگی سے زمین پر ڈال کر میں نے اس کے سینے میں پیوست خنجر نکال کر اس کے لباس سے صاف کیا۔ بوما بھی اپنے شکار سے نمٹ چکا تھا۔

ہم دونوں باہر آگئے۔ بوما نے کمرے سے نکلنے سے پہلے بتی بجھادی تھی اور پھر دروازہ بھی باہر سے بند کردیا۔

سونیا اور جانکی بھی جیپ سے اتر آئی تھیں۔ ہم لوگ شیڈ کے دوسری طرف آگئے۔ وہاں دو گارڈ کرسیوں پر بیٹھے سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے گپیں ہانک رہے تھے۔ انہوں نے جیپ کی آواز سنی ہوگی اور پھر انچارج سے ہماری باتوں کی آواز بھی سنی ہوگی لیکن اپنی جگہ سے اٹھنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ شاید آدھی رات کے وقت جیپ کی آمد.... ان کے لیے غیر معمولی بات نہیں تھی۔ ان سے کچھ فاصلے پر کنکریٹ کے ایک چبوترے پر بھاری مشین گن رکھی ہوئی تھی۔ اس میں گولیوں کا بیلٹ بھی لگا ہوا تھا۔ مشین گن کا رخ دریا کی طرف تھا۔ چبوترے پر ایک شیڈ بھی بنا ہوا تھا۔

ان دو محافظوں میں سے بھی ایک بوما کا شناسا نکلا لیکن ان میں سے کسی کو ہم پر شبہ نہیں ہوا۔

بوما نے باتوں ہی باتوں میں ان سے اگلوالیا کہ ان کے دو ساتھی کانیج کے پچھلے کمرے میں سو رہے ہیں۔ بوما نے سونیا اور جانکی کو اشارہ کردیا۔ وہ کانیج کی طرف چلی گئیں۔

شیڈ میں بیٹھے ہوئے ان دونوں محافظوں پر قابو پانے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی لیکن ہم نے ان کا خون نہیں بہایا۔ ان کے ہاتھ پشت پر باندھ کر دریا میں پھینک دیا کہ مچھلیوں کا کچھ بھلا ہوجائے گا۔

اور پھر اچانک فائر کی آواز سن کر ہم اچھل پڑے۔ ہم دونوں ہی بیک وقت کانیج کی طرف دوڑے تھے اور پھر یہ انکشاف بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ کانیج کے اس کمرے میں ایک محافظ کو تو جانکی اور سونیا نے ٹھکانے لگا دیا تھا اور دوسرا بھاگ نکلا تھا اور فائرنگ اسی نے کی تھی۔

"وجدان۔" بوما نے کہا "تم گھاٹ پر پہنچو۔ وہاں کوئی نہ کوئی کشتی ضرور موجود ہوگی۔ میں ان لوگوں کو لے کر آتا ہوں۔"

میں شیڈ کے دوسری طرف گھاٹ کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ بوما کا خیال درست نکلا۔ دریا کے کنارے پر کنکریٹ کے پلیٹ فارم کے ساتھ ایک کشتی موجود تھی جس میں کم از کم آٹھ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ میں کشتی کے بارے میں اطمینان کرکے واپس دوڑا لیکن یکایک مشین گن والے چبوترے کی طرف مڑ گیا۔ وہ بھاری مشین گن دریا میں لڑھکانے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

میں ایک بار پھر جیپ کی طرف دوڑا اور پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ سامنے ٹیلوں پر کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ وہ یقیناً محافظوں کی جیپ تھی جو تیزی سے اس طرف آرہی تھی۔ فاصلہ تین فرلانگ سے زیادہ نہیں تھا۔

دائیں طرف سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بوما زندہ بچ جانے والے محافظ کو فائرنگ کے زور پر دوڑاتا ہوا دور تک لے گیا تھا پھر اس کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔

"تم لوگ گھاٹ کی طرف چلو۔ جلدی کرو۔" میں نے سونیا وغیرہ سے کہا۔

ہوفا نے بچے کو گود میں اٹھالیا۔ دوسرے ہاتھ میں اس نے اپنا بیگ پکڑلیا تھا۔ سونیا اور جانکی نے بھی اپنے بیگ اور رائفلیں اٹھا کر اس کے پیچھے دوڑ لگادی۔

میں جیپ کے پچھلے حصے پر چڑھ گیا اور تھائی کی لاش کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ تھائی کو جب میں دارا والے کانج سے اٹھا کر لایا تھا تو بہت ہلکی پھلکی سی تھی لیکن بے جان ہو کر اس کا وزن بڑھ گیا تھا۔ میں بڑی مشکل سے اس لاش کو اٹھا سکا تھا۔ اس دوران میں بوما بھی میرے قریب پہنچ گیا۔

"بھاگو۔ جلدی کرو۔" وہ چیخا۔

میں نے شیڈ کی طرف دوڑ لگا دی۔ بوما میرے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔ جیپ تیزی سے فاصلہ سمیٹتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

سونیا نہ صرف کشتی کے چبوترے سے بندھی ہوئی رسی کھول چکی تھی بلکہ اس نے بچے کو سونیا کے حوالے کرکے انجن بھی اسٹارٹ کردیا تھا۔ کشتی ہولے ہولے ہل رہی تھی جس وجہ سے تھائی کی لاش کو کشتی میں ڈالنے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

جیپ کی آواز اب واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ میرے فوراً ہی بعد بوما نے بھی کشتی میں چھلانگ لگادی تھی۔ جیپ کے رکنے کی آواز سنائی دیا اور پھر ٹھیک اسی لمحے کشتی کا انجن بند ہوگیا۔

"یہ کیا ہوا۔ انجن اسٹارٹ کرو۔" بوما چیخا۔

ہوفا نے ایک دو مرتبہ بٹن دبایا۔ انجن کھانس کر رہ گیا۔ میں اور جانکی رائفلیں سنبھال کر بیٹھ گئے۔ بوما نے ہوفا کو کندھے سے پکڑ کر انجن کے سامنے سے ہٹادیا۔ ہوفا نے اس کی رائفل پکڑ کر ہمارے ساتھ پوزیشن لے لی۔

بوما نے دو مرتبہ اسٹارٹر دبایا لیکن ہر مرتبہ انجن کھانس کر رہ گیا۔ ہماری عجیب حالت ہورہی تھی۔ تیز اور ٹھنڈی ہوا کے باوجود میری قمیص پسینے سے بھیگنے لگی۔ محافظ جیپ سے اتر چکے تھے۔ وہ جیپ یقیناً ہماری جیپ کے پاس رکی تھی اور گھاٹ سے اس جگہ کا فاصلہ ڈیڑھ سو گز سے زیادہ نہیں تھا۔ دوڑتے ہوئے محافظوں کے قدموں کی آواز میرے دل اور دماغ پر دھمک سی پیدا کررہی تھی۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور دوڑتے ہوئے قدموں کی وہ آوازیں اس سے بھی زیادہ تیزی سے ہمارے قریب آرہی تھیں۔ موت اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ ہماری طرف بڑھ رہی تھی اور بیچ کا فاصلہ لمحہ بہ لمحہ کم ہوتا جارہا تھا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی وہ آوازیں رک گئیں جو موت کا پیغام لے کر ہماری طرف بڑھ رہی تھیں۔ فضا پر ایک دم سناٹا چھا گیا اور یہ سکوت موت سے بھی زیادہ خوفناک تھا۔

میری بے چینی بڑھنے لگی۔ میری انگلی رائفل کے ٹریگر پر تھی اور نظریں کسی ایک مرکز پر ٹکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ انہیں موت کے ان ہرکاروں کی تلاش تھی جو اچانک ہی کسی جگہ رک گئے تھے یا شاید گھات لگا کر آواز پیدا کیے بغیر ہم پر جھپٹنے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔

میں نے ایک مرتبہ گردن گھما کر بوما کی طرف دیکھا۔ وہ انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش کررہا تھا مگر بوٹ کا انجن ہر مرتبہ کھانس کر رہ جاتا۔ جانکی اور ہوفا بھی اپنی رائفلیں سنبھالے کسی ایکشن کے لیے تیار بیٹھی تھیں۔ میں ایک بار پھر شیڈ کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں لکڑی کی کچھ خالی پٹیاں بے ترتیبی سے بکھری ہوئی تھیں لیکن ان پٹیوں کے آس پاس کوئی تحریک نظر نہیں آئی۔

بوما کی بڑبڑاہٹ سن کر میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسٹارٹر سے انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش ترک کرکے نائیلون کی وہ ڈوری اپنے ہاتھ پر لپیٹ رہا تھا جسے کھینچ کر موٹر کے پنکھے کو حرکت میں لایا جاسکتا تھا۔ اس نے ایک زوردار جھٹکے سے ڈوری کو اپنی طرف کھینچا۔ اس طرح پہلی ہی کوشش میں انجن اسٹارٹ ہوگیا اور پھر ٹھیک اسی لمحے میں نے اوپر شیڈ میں لکڑی کی ایک پٹی کو بہت آہستگی سے آگے سرکتے ہوئے دیکھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ لوگ پٹیوں کی آڑ لے کر آگے بڑھنے کی کوشش کررہے تھے۔

"فائر۔!"

میں چیخا اور اس کے ساتھ ہی ٹریگر دبادیا۔ جانکی اور ہوفا کی رائفلیں بھی گولیاں اگلنے لگیں۔

"چارج!" پلیٹ فارم کی طرف سے ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

چار محافظ لکڑی کی ان خالی پٹیوں کے پیچھے سے نکل کر سامنے آگئے اور سب مشین گنوں سے فائر کرتے ہوئے ہماری طرف دوڑے۔

ہمارے اور پٹیوں کے درمیان تقریباً پچاس گز کا فاصلہ تھا۔ ہمیں یہ ایڈوانٹیج حاصل تھا کہ ہماری کشتی اندھیرے میں تھی جبکہ شیڈ میں بلب جل رہے تھے اور وہ سب روشنی میں تھے۔ وہ چار گن مین تھے جو ہماری طرف دوڑے تھے مگر ان میں سے دو کو تو چند قدم آگے بڑھنا بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ وہ چیختے ہوئے وہیں ڈھیر ہوگئے۔ دو سروں نے اپنے ساتھیوں کا یہ انجام دیکھا تو وہ پناہ کی تلاش میں دائیں بائیں دوڑے۔

بوما کو کشتی کا رخ موڑنے میں ایک سیکنڈ لگا اور پھر دوسرے ہی لمحے کشتی مینڈک کی طرح اچھل کر آگے بڑھی۔ کئی گولیاں ہمارے سروں کے اوپر سے گزر گئی تھیں یا آس پاس پانی میں گر رہی تھیں۔ ان دو محافظوں کے مارے جانے کے بعد شیڈ کی طرف سے ایک لمحے کو فائرنگ رک گئی تھی لیکن اس چبوترے کی طرف سے بدستور فائرنگ ہورہی تھی جس پر کچھ دیر پہلے تک بھاری مشین گن نصب تھی۔ اس طرف دو محافظ تھے جو غالباً مشین گن پر قبضہ کرنے کے لیے ہی اس طرف پہنچے تھے لیکن مشین گن وہاں نہ پاکر انہوں نے اپنی رائفلوں سے فائر کھول دیا تھا۔

بوما نے عقل مندی یہ کی تھی کہ کشتی کو کھلے دریا میں لانے کے بجائے کنارے کے ساتھ ساتھ دوڑاتا رہا۔ اس طرح اسے اونچی جھاڑیوں کی آڑ مل گئی تھی اور ہم ان کی نظروں سے اوجھل تھے۔ وہ محض ہماری فائرنگ اور بوٹ کے انجن کی آواز پر فائرنگ کررہے تھے اور ان کا ایمونیشن ضائع ہی جارہا تھا۔

ہم کنارے کے ساتھ ساتھ گھاٹ سے کافی دور نکل گئے تھے۔ ہم نے فائرنگ روک دی تھی لیکن ہماری انگلیاں اب بھی اپنی اپنی رائفلوں کے ٹریگر پر تھیں۔

سونیا اب تک بچے کو گود میں سمیٹے اوندھی بیٹھی ہوئی تھی لیکن اب وہ بھی سیدھی ہوئی۔ بچہ بُری طرح رو رہا تھا۔ سونیا نے ہوفا سے رائفل لے کر بچے کو اس کے حوالے کردیا۔ ہوفا ذرا پیچھے ہٹ کر کشتی کے کنارے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور ایک طرف سے بلاؤز اوپر کھینچنے لگی۔ چند سیکنڈ بعد بچے کا رونا بند ہوگیا۔

گھاٹ کی طرف سے بھی فائرنگ بند ہوگئی تھی۔ بوما کشتی کو اب بھی کنارے کے قریب ہی رکھے ہوئے تھا۔ میں گھوم کر بوما کی طرف دیکھنے لگا۔

"کشتی میں تیل کتنا ہے۔ یہ ہمیں کہاں تک پہنچا سکتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ٹینک بھرا ہوا ہے۔" بوما نے ڈائل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ دراصل پیٹرولنگ بوٹ ہے۔ تیل کا ٹینک ہر وقت فل رکھا جاتا ہے اور تم کشتی کے اطراف میں اوپر لگے ہوئے راڈ دیکھ رہے ہو۔ ان کے ساتھ لائٹ مشین گنیں فٹ کردی جاتی ہیں۔"

"یہ ہمیں کہاں تک پہنچا سکتی ہے؟" میں نے اپنے سوال کا دوسرا حصہ دہرایا۔

مارشل آرٹ
کراٹے
ابتدا سے بلیک بیلٹ تک کی مشقیں
اردو میں پہلی بار کراٹے سکھانے کی ایک مکمل اور آسان کتاب
قیمت 40 روپے
ڈاک خرچ 23 روپے
کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں
Email: kitabiat1970@yahoo.com

"ٹینک فل ہے۔ چالیس پچاس میل تک تو نکل ہی جائیں گے۔" بوما نے جواب دیا۔ وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر یکایک خاموش ہوگیا اور ایک ہاتھ کان کے قریب رکھ کر ایسا انداز اختیار کرلیا جیسے کچھ سننے کی کوشش کررہا ہو۔

"کیا ہوا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ آواز سن رہے ہو۔" وہ بڑبڑایا۔

میں نے بھی ایک ہاتھ کان کے قریب رکھ لیا اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ بوما نے غلط نہیں کہا تھا۔ فضا میں گھرگھر کی ہلکی سی آواز سنائی دے رہی تھی لیکن بہت دور کی آواز تھی۔ بوما نے بوٹ کا انجن بند کردیا۔ خاموشی ہوتے ہی وہ آواز کچھ واضح ہوگئی۔ ہم جس طرف سے آرہے تھے تیز ہوا کا رخ بھی اسی طرف سے تھا۔ گویا وہ آواز ہوا کے دوش پر ہمارا تعاقب کررہی تھی۔

"جانتے ہو یہ آواز کیسی ہے؟" بوما نے کہتے ہوئے بوٹ کے انجن کا اسٹارٹر دبادیا۔ اس مرتبہ پہلی ہی کوشش میں انجن اسٹارٹ ہوگیا۔

"کسی گاڑی کے انجن کی آواز ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ لوگ ہمارا پیچھا کررہے ہیں۔" بوما کے لہجے میں تشویش تھی "دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ سڑک ہے جہاں محافظوں کی گاڑیاں پٹرولنگ کرتی ہیں۔ وہ اس سڑک پر ہمارے پیچھے آرہے ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں جلد سے جلد یہاں سے دور نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پٹرولنگ گاڑیوں پر وائرلیس بھی ہوتے ہیں۔ جن کا رابطہ براہ راست ہیڈکوارٹر سے ہوتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ اگر انہوں نے وائرلیس پر اطلاع دے دی ہو تو سامنے سے کوئی اور پٹرولنگ گاڑیاں نہ آجائیں یا آگے کسی گھاٹ سے کوئی پٹرولنگ بوٹ نہ دریا میں آجائے۔"

"لیکن... یہ گاڑی تو ٹرائی اینگل کے اندرونی حصے کی طرف سے آئی تھی جس طرف سے ہم آئے تھے۔ ہوسکتا ہے اس پر وائرلیس نہ ہو اور ابھی تک ہمارے بارے میں کسی اور جگہ اطلاع نہ دی گئی ہو۔" میں نے کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" بوما نے الجھی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا "اگر ہم اس پٹرولنگ جیپ سے بچ کر نکل بھی گئے تو یہ لوگ کسی دوسری جگہ پہنچ کر ہمارے بارے میں اطلاع دے دیں گے اور اس وقت ہمیں گھیرنے کی کوشش کی گئی تو ہمارے لیے بچ نکلنا مشکل ہوجائے گا اس لیے کیوں نہ اس جیپ کا قصہ ہی ختم کردیا جائے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" بوما نے مجھے گھورا۔

"کشتی کسی ایسی جگہ روکو جہاں سے ہم آسانی سے کنارے پر پہنچ سکیں۔" میں نے کہا "ہم سڑک پر چھپ کر جیپ کا انتظار کریں گے اور..."

"سمجھ گیا۔" بوما نے میری بات کاٹ دی "وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ انہیں اس طرح روکا جاسکتا ہے۔ ہمارے بارے میں تو وہ یہی سوچ رہے ہوں گے کہ فرار ہورہے ہیں اور کہیں رکنے کی حماقت نہیں کرسکتے۔"

"سمجھ دار آدمی ہو۔" میں مسکرا دیا "اب جلدی سے کوئی ایسی جگہ تلاش کرلو۔"

بوما کنارے کی طرف دیکھنے لگا۔ جھاڑیاں اور درختوں کی شاخیں پانی پر جھکی ہوئی تھیں۔ ایک جگہ گیپ دیکھ کر بوما نے انجن بند کردیا۔ اس دوران میں کشتی کچھ آگے نکل چکی تھی۔ وہ کشتی کو گھما کر اسی گیپ میں لے آیا اور رسی کے ساتھ بندھا ہوا کنڈا درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ میں پھنسا دیا۔

"جانکی۔ سونیا۔" میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم دونوں یہیں بیٹھو۔ ضروری نہیں کہ ہر محاذ پر ہمیں کامیابی ملتی رہے۔ بازی پلٹ بھی سکتی ہے۔ تم لوگ پیچھے رہ کر ہماری مدد کرسکتی ہو۔"

میں اور بوما اپنی جگہوں سے اٹھ گئے۔ ہوفا نے فوراً ہی بوما کی سیٹ سنبھال لی تھی۔ بچہ سوگیا تھا اور اس کی گود میں تھا۔

جھاڑیوں کے درمیان وہ ایک تنگ سا راستہ تھا جو کنارے پر اوپر تک چلا گیا تھا۔ راستے پر پھسلن ہورہی تھی مگر ہم درختوں کی جھکی ہوئی شاخوں کا سہارا لیتے ہوئے اوپر پہنچ گئے۔

فضا میں گاڑی کے انجن کی آواز نمایاں ہوگئی تھی مگر ابھی تک وہ گاڑی بہت دور تھی۔ سڑک دریا کے کنارے سے تقریباً پچیس تیس فٹ آگے تھی۔ میں اور بوما ایک دوسرے سے بیس گز کے فاصلے پر جھاڑیوں میں بیٹھ گئے اور گاڑی کا انتظار کرنے لگے۔

دو منٹ بعد گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دکھائی دی۔ فاصلہ دو سو گز سے کم نہیں تھا۔ میں اپنی جگہ پر پوزیشن لے کر بیٹھ گیا۔ میری نظریں روشنی پر جمی ہوئی تھیں۔ جیپ کی رفتار خاصی تیز تھی اور روشنیاں اوپر نیچے اچھل رہی تھیں۔ فاصلہ تیزی سے کم ہورہا تھا۔

بوما مجھ سے تقریباً بیس گز پہلے تھا۔ جیپ جیسے ہی اس کے سامنے پہنچی، اس نے فائر کھول دیا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آواز کے ساتھ دو انسانی چیخیں بھی سنائی دی تھیں۔

جیپ پر سوار محافظوں کو اس قسم کی کسی صورت حال کی توقع بالکل نہیں تھی۔ دو محافظ بوما کی گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے۔ دوسرے شاید صورت حال کو نہیں سمجھ سکے تھے۔ جیپ تیزی سے آگے آرہی تھی اور پھر وہ جیسے ہی میرے سامنے پہنچی، میں نے رائفل کا ٹریگر دبادیا۔ رائفل سے نکلنے والی لاتعداد گولیوں میں سے ایک نے ڈرائیور کی کھوپڑی اڑا دی تھی۔ وہ ایک طرف لڑھک گیا اور تیز رفتار جیپ شتربے مہار کی طرح پتھریلے راستے پر لہراتی ہوئی دریا کی طرف مڑگئی اور منجمد جھاڑیوں کو کچلتی ہوئی قلابازی کھا کر دریا میں جاگری۔ جیپ کے جھاڑیوں میں گھسنے سے پہلے ایک آدمی چیختا ہوا گرا تھا مگر ہم اسے دیکھنے کے لیے رکے نہیں تھے۔

ہم اس ڈھلان راستے پر پھسلتے ہوئے کشتی میں پہنچ گئے۔ بوما نے درخت کی شاخ میں پھنسا ہوا رسی کا آنکڑا کھینچ لیا۔ اس دوران میں ہوفا بڑی پھرتی سے اٹھ کر دوسری جگہ پر چلی گئی تھی۔ بوما نے انجن اسٹارٹ کیا اور کشتی کا رخ بدل کر اسے حرکت میں لے آیا۔

جیپ ہم سے تقریباً تیس گز آگے دریا میں گری تھی اور ابھی تک پوری طرح ڈوبی نہیں تھی۔ ایک محافظ شاید زندہ بچ گیا تھا اور وہ ڈوبتی ہوئی جیپ سے آٹھ دس فٹ کے فاصلے پر پانی میں ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اسے شاید تیرنا نہیں آتا تھا۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ بوما کشتی کو اس کے قریب سے نکال لے گیا۔

اس کے بعد بھی دریا کے وسط میں آنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بوما نے کشتی کو کنارے کے قریب ہی رکھا تھا۔

دس منٹ بعد ہی ایک اور آواز نے ہم سب کو بری طرح چونکا دیا۔ وہ ہیلی کاپٹر کے پروں کی آواز تھی۔ ہم سب اوپر دیکھنے لگے لیکن کاپٹر نظر نہیں آیا۔ بوما نے کشتی کو کچھ اور کنارے کی طرف لے لیا۔ دو منٹ بعد کاپٹر خشکی کی طرف سے درختوں کے پیچھے سے نمودار ہوا اور ہمارے اوپر سے ہوتا ہوا دریا کی گہرائی کی طرف چلا گیا۔

ہم کاپٹر کو دور جاتے ہوئے دیکھنے لگے۔ کاپٹر ایک طویل چکر کاٹ کر واپس آرہا تھا۔ ہوفا بچے کو گود میں لے کر اس کے اوپر اوندھ گئی تھی تاکہ اگر کاپٹر سے گولیاں چلائی جائیں تو بچہ محفوظ رہے۔ بوما نے کشتی کا کنٹرول سنبھال رکھا تھا۔ میں جانکی اور سونیا رائفلوں کا رخ اوپر کیے تیار بیٹھے تھے۔

کاپٹر سے شاید ہمیں دیکھ لیا گیا تھا کیونکہ اس کا رخ اب سیدھا ہماری طرف ہی تھا۔ بوما کی نظریں کاپٹر پر جمی ہوئی تھیں۔ کاپٹر نے جیسے ہی جھکنا شروع کیا بوما نے بڑی تیزی سے وہیل گھما دیا۔ کشتی ایک دم مڑی اور تیزی سے کھلے پانی کی طرف نکلتی چلی گئی۔ اس وقت کشتی الٹتے الٹتے بچی تھی۔

بوما کی اس خطرناک حکمت عملی نے ہم سب کو بچالیا تھا کیونکہ جیسے ہی کشتی مڑی تھی، اس وقت کاپٹر سے گولیوں کی بارش شروع ہوگئی تھی اور گولیاں پانی کی سطح کو چیرتی ہوئی دریا کی تہ میں چلی گئیں۔

کاپٹر کافی آگے جاکر اوپر اٹھا اور واپس آنے کے لیے فضا میں چکر کاٹنے لگا۔ بوما نے بھی کشتی کو بڑی پھرتی سے کنارے کی طرف گھمالیا۔ اس مرتبہ وہ کشتی کو پانی پر جھکی ہوئی درختوں کی شاخوں تک لے گیا تھا۔

ہیلی کاپٹر مڑ کر گولیاں برسائے بغیر خشکی کی طرف چلا گیا۔ وہ لوگ شاید کشتی کو نہیں دیکھ سکے تھے۔ بوما نے کشتی کچھ اور آگے لے جاکر انجن بند کردیا۔

کاپٹر واپس آرہا تھا اور اس مرتبہ اس کے نیچے سرچ لائٹ جل رہی تھی۔ تیز روشنی کے دائرے نے خاصے وسیع علاقے کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ہم نے ابھی تک فائرنگ کا جواب نہیں دیا تھا جس سے شاید کاپٹر والے یہ سمجھے ہوں کہ ہمارے پاس ایمونیشن ختم ہوچکا ہے۔

کاپٹر ہمارے سروں کے اوپر سے گزر گیا۔ اس مرتبہ وہ واپس مڑا تو کافی نیچے تھا۔ وہ لوگ دریا کے اندر کی طرف کنارے کے ساتھ ساتھ پرواز کرتے ہوئے ہمیں تلاش کررہے تھے۔ ہماری کشتی جھاڑیوں کے اندر اور درختوں کی شاخوں کے بالکل نیچے تھی۔ ہم دم سادھے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے۔

"وہ رہے۔ ان جھاڑیوں میں۔" کاپٹر سے ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی "واپس موڑو۔ جلدی کرو۔"

کاپٹر ہم سے چند گز آگے نکل چکا تھا۔ میرے ذہن میں فوراً ہی ایک خیال ابھرا "ابھی یا پھر کبھی نہیں۔" میں نے چیختے ہوئے فائر کھول دیا۔ سونیا اور جانکی نے بھی رائفلوں کے دہانے کھول دیے۔ بوما بھی رائفل سنبھال چکا تھا۔ چار آٹو میٹک رائفلیں بیک وقت چنگھاڑ رہی تھیں۔ روشنی کی لکیریں برقی کوندوں کی طرح ہیلی کاپٹر کا پیچھا کررہی تھیں اور پھر نجانے ہم میں سے کس کی گولی کاپٹر کے فیول ٹینک میں لگی۔

زوردار دھماکا ہوا۔ ہیلی کاپٹر کے پرخچے اڑ گئے۔ آگ کا

ت بڑا کولہ ہوا میں تیرتا ہوا دریا کے وسط میں جا گرا۔

بوما نے رائفل چھوڑ کر کشتی کا کنٹرول دوبارہ سنبھال لیا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کشتی کو حرکت میں لے آیا۔ کشتی کنارے کے قریب رہ کر تیزی سے لہروں پر اچھلتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔

کئی میل تک ہم کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہے۔ اس دوران میں کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہیں آئی تھی۔ نہ تو کسی کشتی نے ہمارا تعاقب کیا تھا اور نہ ہی کسی اور بیلی کاپٹر نے۔ بوما اب کشتی کو دریا کے وسط میں گہرے پانی میں لے آیا تھا اور اس کی رفتار بھی بڑھا دی۔ وہ گہری نظروں سے تاریکی میں ادھر ادھر دیکھ بھی رہا تھا اور پھر اچانک ہی اس نے "ہُرے" کا اتنا زوردار نعرہ لگایا تھا کہ میں اپنی جگہ سے اچھل پڑا تھا۔ جانکی وغیرہ بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔

"کیا ہوا بوما۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" میں نے پوچھا۔

"ہم موت کی وادی سے نکل آئے ہیں۔" بوما نے جواب دیا "ڈینجر زون بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ وہ پہاڑی چوٹی دیکھ رہے ہو؟" اس نے بائیں طرف اشارہ کیا جہاں بہت دور تاریکی میں لپٹی ہوئی ایک بلند پہاڑی چوٹی نظر آرہی تھی "وہ ماؤنٹ سالوین ہے۔" بوما کہہ رہا تھا "برما کا سب سے بلند پہاڑی سلسلہ جو میلوں دور تک چلا گیا ہے۔ اب ہمیں گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا لیکن مجھے اس بات پر حیرت ضرور تھی کہ جنرل کھوراٹ نے ہمارا پیچھا کیسے چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے اس کا جتنا نقصان کیا تھا' اس کے پیش نظر تو اسے دنیا کے آخری سرے تک ہمارا تعاقب کرنا چاہیے تھا لیکن ہیلی کاپٹر کی تباہی کے بعد ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔

کشتی اب پھر کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرتی رہی تھی۔ میکانگ اس خطے کا سب سے بڑا دریا تھا جو تبت کی برف پوش چوٹیوں سے شروع ہو کر سیکڑوں میل کا فاصلہ طے کرتا ہوا خلیج سیام میں جا گرتا تھا۔ یہ دریا کئی ملکوں کے درمیان سرحد کا کام بھی دیتا تھا۔ پہلے لاؤس اور تھائی لینڈ' پھر لاؤس اور گولڈن ٹرائی اینگل اور اب ہم لاؤس اور برما کی سرحدوں کے درمیان اس دریا میں سفر کر رہے تھے۔

تھائی کی لاش کشتی کے فرش پر رکھی ہوئی تھی۔ بوما اس وقت اس لاش ہی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ اس کی بات غلط نہیں تھی۔ ہم تھائی کی لاش کو ساتھ ساتھ لے کر نہیں پھر سکتے تھے۔

بوما نے کشتی کا انجن بند کر دیا۔ کچھ دور جا کر کشتی رک گئی۔ ہوفا نے اپنے بیگ میں سے ایک چادر نکال کر بوما کی طرف بڑھا دی۔ میں نے اور بوما نے تھائی کی لاش کو چادر میں لپیٹ کر اس طرح گرہیں لگا دیں کہ چادر کھل نہ سکے اور پھر ہم دونوں نے لاش اٹھا کر بڑی آہستگی سے پانی میں اتار دی۔

کچھ دیر تک سفید چادر پانی کی سطح پر نظر آتی رہی پھر آہستہ آہستہ نہ میں غائب ہوتی چلی گئی۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ ماں باپ کے بعد چاچا پرتاب سنگھ نے مجھے سہارا دیا تھا۔ وہ نہ رہا تھا تو تھائی آگے آگئی۔ اس نے مجھے ایک نئی زندگی دی اور بالآخر آج وہ عزیز ہستی بھی مجھ سے بچھڑ گئی۔

ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں تھائی کے لیے دعا مانگ رہا تھا۔ مجھے ہچکیاں بھرتے دیکھ کر جانکی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں بے اختیار اس سے لپٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ بوما بھی میرا کندھا تھپتھپا رہا تھا۔

ہم تقریباً پندرہ منٹ تک وہاں رکے رہے۔ بوما نے بوٹ کا انجن اسٹارٹ کر دیا اور ہمارا سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

رات بیت گئی۔ پو پھٹ رہی تھی۔ دریا کے کنارے پر جنگل اور پہاڑیاں اب واضح ہونے لگی تھیں۔ بوما متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹا مزید سفر کرنے کے بعد وہ کشتی کو برما کی سرحد والی سائڈ پر بالکل کنارے پر لے آیا۔ یہاں چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں۔ وہ کشتی کو ان چٹانوں کے اندر ایک تنگ سی کھاڑی میں لیتا چلا گیا۔

یہ کھاڑی آگے جا کر مزید تنگ ہو گئی تھی۔ جسے دونوں طرف سے جھکے ہوئے گنجان درختوں نے اس طرح ڈھانپ رکھا تھا کہ فضا سے اس کھاڑی کی موجودگی کا پتا نہیں چل سکتا تھا۔

"ہم ٹھیک جگہ پہنچ گئے۔" بوما نے کہتے ہوئے انجن بند کر دیا۔ کشتی آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی اور بالآخر رک گئی۔ بوما نے رسی کا ٹکڑا ایک درخت کی جھکی ہوئی موٹی شاخ سے لپیٹ کر پھنسا دیا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہاں سے آگے برما کا ایک سرحدی قصبہ ہے۔

کیسنگ لاپ۔" بوما نے جواب دیا "ایک دو روز اس قصبے میں رکنے کے بعد ہم ریاست شان سے ہوتے ہوئے منڈالے اور وہاں سے آسام کی طرف نکل جائیں گے۔"

"آسام۔؟ یہ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آسام پہلے ایک آزاد ریاست ہوا کرتی تھی لیکن پھر طاقت کے بل بوتے پر ہندوستان نے اس پر قبضہ کر لیا۔ آسام کے باشندوں نے آج تک اس تسلط کو تسلیم نہیں کیا۔ یہاں ہندوستان کے خلاف آزادی کی تحریکیں چلتی رہتی ہیں۔ ناگا قبائل نے تو روز اول ہی سے اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ یہ واحد تحریک ہے جو چالیس سال گزرنے کے بعد آج بھی پوری شدومد کے ساتھ جاری ہے۔ کچھ خطے پر ان کا قبضہ ہے جسے ناگا لینڈ کا نام دیا گیا ہے۔ ناگا لینڈ کی مسلح مزاحمتی تحریک نے ہندوستان کو ناکوں چنے چبوا رکھے ہیں۔"

"تو تم آسام میں کیا کرو گے؟" میں نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کچھ عرصہ آسام میں رہنے کے بعد ہم ہندوستان کے میدانی علاقوں کی طرف نکل جائیں۔" بوما نے جواب دیا "تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ تم لوگ اگر چاہو تو کوائی ریور کے راستے تھائی لینڈ کا رخ کر سکتے ہو۔ وہ راستہ تمہارے لیے بالکل محفوظ رہے گا۔"

"نہیں دوست۔" میں نے جواب دیا "اب میری منزل نہ ہندوستان ہے اور نہ تھائی لینڈ۔"

"کیا مطلب؟" بوما نے مجھے گھورا "تو پھر کہاں جانا چاہتے ہو؟"

"شاؤلن ٹمپل۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "سنا ہے وہاں مارشل آرٹس کے بڑے بڑے نامی گرامی ماسٹر موجود ہیں۔ میں اس فن میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گا۔"

شاؤلن ٹمپل کے بارے میں' میں نے بنکاک میں بہت کچھ سنا تھا۔ شاؤلن ٹمپل مارشل آرٹ سے لگاؤ رکھنے والے ہر شخص کا خواب تھا۔ مہاراج نے بھی کچھ عرصہ وہاں گزارا تھا۔ وہ مجھے شاؤلن ٹمپل بھیجنا چاہتے تھے لیکن میں دارا کے چکر میں کچھ ایسا الجھا تھا کہ اس کے علاوہ ہر بات ذہن سے نکل گئی تھی۔

کم کو تو میں نے اپنے ہاتھوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ چی فانگ بھاگ نکلا تھا اور دارا کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ گولی کھا کر کھڈ میں گرنے کے بعد وہ ختم ہو گیا تھا یا زندہ بچ گیا تھا۔ ویسے میرے خیال میں دارا جیسے لوگ آسانی سے نہیں مرتے۔ اگر وہ زندہ بچ گیا تھا تو اس سے کہیں نہ کہیں آمنا سامنا ضرور ہو گا۔

"شاؤلن ٹمپل۔" بوما نے حیرت سے میری طرف دیکھا "لیکن وہاں پہنچنا آسان نہیں ہو گا۔"

"اگر من میں لگن ہو تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میں تمہیں روکوں گا نہیں۔" بوما نے جواب دیا "لیکن یہ ایک لمبا سفر ہے۔ بہتر ہے اس کٹھن سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ایک دو دن ہمارے ساتھ کیسنگ لاپ میں آرام کر لو۔ اس کے بعد روانہ ہو جانا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا یہ مشورہ مان سکتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

کشتی اس کھاڑی میں چھوڑ دی گئی اور ہم پہاڑیوں میں تنگ اور دشوار گزار راستوں پر چلنے لگے۔ یہ سرحدی علاقہ تھا یہاں سیکیورٹی فورسز سے آمنا سامنا ہونے کا اندیشہ تھا لیکن بوما کے کہنے کے مطابق اس قسم کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس علاقے کے قبائلی بھی برما کی حکومت سے برسرپیکار تھے۔ یہاں کسی قبائلی گوریلا دستے سے آمنا سامنا تو ہو سکتا تھا لیکن حکومت کی سیکیورٹی فورسز سے تصادم کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

کیسنگ لاپ کوئی قصبہ نہیں' چالیس پچاس گھروں پر مشتمل ایک قبائلی بستی تھی۔ ان لوگوں کا تعلق شان قبیلے سے تھا۔ یہ برما کا سب سے بڑا قبیلہ تھا اور یہی ان علاقوں میں حکومت سے برسرپیکار تھی۔

یہ قبائلی جنگ جُو ہی نہیں بڑے مہمان نواز بھی تھے۔ پہلے تو ہمیں گھیرے میں لے لیا گیا اور بعد میں جب پتا چلا کہ ہم گولڈن ٹرائی اینگل سے فرار ہو کر آئے ہیں تو انہوں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔

قبیلے کے سردار کی عمر ساٹھ سال سے کم نہیں تھی لیکن اس کی صحت قابل رشک تھی۔ اس نے ہمارے لیے ایک بڑا جھونپڑا خالی کروا دیا اور ہماری خاطر و مدارات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس وقت دھوپ نکل آئی تھی۔ ہم بُری طرح تھکے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ کھا پی کر سو جائیں لیکن سردار باتوں کے موڈ میں تھا۔ وہ ایک ہی نشست میں ہمارے بارے میں سب کچھ معلوم کر لینا چاہتا تھا۔

بوما خود برما کا رہنے والا تھا۔ وہ سردار سے باتیں کرتا رہا اور میں چٹائی پر لیٹ کر سو گیا۔

میری آنکھ کھلی تو دوپہر ہو چکی تھی۔ جانکی وغیرہ سو رہی تھیں بوما جھونپڑے میں نہیں تھا۔ میں کچھ دیر تک چٹائی پر لیٹا

رہا اور پھر اٹھ کر جھونپڑے سے باہر آگیا۔ سامنے ہی درختوں کے نیچے ایک چبوترے پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں بوما بھی تھا اور قبیلے کا سردار بھی۔ مجھے جھونپڑے سے برآمد ہوتے دیکھ کر وہ لوگ میری طرف متوجہ ہوگئے۔

"آؤ۔ یہیں آجاؤ۔" بوما نے اشارہ کیا۔

میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا چبوترے کے پاس پہنچ گیا۔ میرے لیے جگہ بنا دی گئی اور میں سردار کے قریب بیٹھ گیا اور بیٹھنے کے بعد ہی احساس ہوا کہ وہاں مرد ہی نہیں چار پانچ عورتیں بھی تھیں اور ان عورتوں کے جسموں پر لباس برائے نام ہی تھا۔

اس قبیلے کے لوگ بڑے مہمان نواز ثابت ہوئے تھے۔ ہماری خدمت خاطر میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ یہ اگرچہ غریب لوگ تھے لیکن ہمارے آرام و طعام کا بہت خیال رکھے ہوئے تھے۔ ان کی معیشت کا دارومدار کھیتی باڑی پر تھا۔ یہ پہاڑوں میں گھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے میدانوں کا سینہ چیر کر اناج پیدا کرتے۔ چاول ان کی بڑی فصل تھی۔ جو اناج ضرورت سے زیادہ ہوتا' وہ قریبی شہر میں جا کر بیچ دیتے جس سے ملنے والی رقم سے زندگی کی دیگر ضروریات کا سامان خرید لیا جاتا۔

اس قبیلے میں رہتے ہوئے چار دن ہوگئے۔ اس دوران میں عجیب مصیبت میں گرفتار رہا۔ آبنوسی رنگت کی تنگ دھرنگ عورتیں میرے اردگرد گھومتی رہتیں اور عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھتیں۔ میں اپنی کوئی تعریف نہیں کر رہا' میں تھا ہی کچھ ایسا۔ پانچ فٹ آٹھ انچ کے قریب قد' گوری چٹی رنگت اور کسرتی جسم۔ دو تین عورتیں تو ایسی بھی تھیں جو میرے قریب آکر میرے بازوؤں کے مسلز اور سینے کو ٹٹول کر دیکھتیں۔ اس وقت ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک دیکھنے میں آتی تھی۔

ایسے ہی ایک دو مواقع پر جانکی نے بھی دیکھ لیا تھا۔ یہ صورت حال یقیناً اسے پسند نہیں تھی۔ وہ ان عورتوں کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی تھی لیکن مجھے یہ کہتی رہتی کہ ہمیں جلد سے جلد یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔ اس روز بھی شام کو اس نے مجھ سے یہ بات کہی تو میں گھور کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہمیں سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"میں اور تم۔ یعنی ہم دونوں۔" جانکی نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا "کیا سمجھتے ہو۔ میں تمہیں تنہا چھوڑ دوں گی؟"

"میری تو کوئی منزل نہیں ہے جانکی۔" میں نے کہا "تم نے میرا بہت ساتھ دیا۔ اپنا سب کچھ برباد کر لیا۔ اب تم شاید تھائی لینڈ جانا پسند نہ کرو لیکن ایک مرتبہ تم نے بتایا تھا کہ ہندوستان میں بھی تمہارے بہت سے رشتے دار موجود ہیں۔ تم اگر چاہو تو بوما وغیرہ کے ساتھ جا سکتی ہو۔ یہ لوگ بھی تو اسی طرف جا رہے ہیں۔"

"بہت خوب۔" جانکی کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آگئی "تمہارا کام ہوگیا تو اب مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہو لیکن ایک بات یاد رکھو۔ تھائی کی طرح مجھے موت ہی تم سے جدا کر سکے گی۔"

"تم نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا ہے جانکی۔ میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔" میں نے کہا "لیکن میں اب تم لوگوں کو مزید آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ یہ ایک بہترین موقع ہے۔ تم اپنے لیے ایک پرسکون راستے کا انتخاب کر سکتی ہو۔ اگر تم نے میرے ساتھ جانے کی ضد کی تو سونیا بھی....."

"سونیا کی تم فکر مت کرو۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے بات کاٹ دی "وہ بوما اور ہوفا کے ساتھ جا رہی ہے۔ دراصل اس کے ذہن میں یہ بات میں نے ہی بٹھائی تھی کہ ہمارے ساتھ رہ کر وہ اپنی زندگی برباد نہ کرے۔ وہ اپنی ماں کے قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی سو وہ لے چکی۔ اس کا انتقام پورا ہوگیا۔ ہمارے ساتھ مارے مارے پھرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ ہوفا کے ساتھ ہندوستان چلی جائے۔ وہاں اسے آسانی سے سیٹ ہونے کا موقع مل جائے گا۔ ویسے بھی وہ ہوفا کے بچے سے بہت مانوس ہو چکی ہے اور وہ اس سے الگ نہیں ہونا چاہتی۔"

"اور اس نے تمہاری بات مان لی؟" میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیسے نہ مانتی۔" جانکی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی "ہمارے ساتھ رہتی تو کباب میں ہڈی بنی رہتی۔"

"کیا کہا اس نے۔ تم....."

"کچھ نہیں کچھ نہیں۔" جانکی نے جلدی سے میری بات کاٹ دی "کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے تو ایسے ہی محاورتاً کہہ دیا تھا۔ شاید اس موقع پر مجھے کچھ اور کہنا چاہیے تھا۔"

"تم نے وہی کہہ دیا جو تمہارے دل میں تھا لیکن تم جانتی ہو....."

"ہاں بھئی۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔" اس نے ایک بار پھر میری بات کاٹی "کوئی عورت بھی اپنی عزت کی اس طرح حفاظت نہیں کرتی ہوگی جس طرح تم....."

وہ بکواس کرتی رہی لیکن میں اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ نجانے کیوں میری نظریں خود بخود جھک گئی تھیں۔ میرے ذہن میں سونیا کا خیال ابھر آیا تھا۔ غار میں ہماری وہ آخری رات..... جب سونیا نے میرا بھرم توڑ دیا تھا۔

"کیا ہوا..... میری بات بری لگی کیا؟" جانکی نے کہا۔

"اوہ نہیں۔" میرے خیالات منتشر ہوگئے "نجانے کیوں اس وقت تھائی کا خیال آگیا تھا۔" میں نے بات ٹالنے کے لیے جھوٹ بولا۔

"تھائی۔" جانکی کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "اسے تو ہم زندگی بھر نہیں بھول سکیں گے۔"

تھائی کے تذکرے سے ہم دونوں اداس ہوگئے تھے۔ جانکی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ تھائی کو ہم کبھی نہیں بھول سکیں گے۔

اس رات ہم سردار کے جھونپڑے میں تھے۔ یہ اس بستی کا سب سے بڑا جھونپڑا تھا۔ سردار نے ہمیں خاص طور پر رات کے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ اس دعوت میں قبیلے کا کوئی اور فرد شریک نہیں تھا سوائے سردار کے اپنے گھر والوں کے اور سردار کے گھر والوں میں اس کی تین عدد بیویاں اور چار بیٹیاں شامل تھیں۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ ایک بھائی تھا جو عمر میں اس سے دس سال چھوٹا تھا اور سردار کے مرنے کے بعد قبیلے کی سرداری کا دعوے دار تھا۔ یہ الفاظ دیگر اسے ولی عہد کہا جا سکتا تھا لیکن اس دعوت میں وہ ولی عہد بھی شریک نہیں تھا۔

اور پھر اس دعوت میں ہی یہ طے ہوا تھا کہ بوما' ہوفا اور سونیا صبح سویرے منڈالے کے لیے روانہ ہو جائیں گے جہاں سے وہ آسام کی سرحد کی طرف نکل جائیں گے۔

کھانے کے بعد ہم دیر تک سردار کے جھونپڑے میں بیٹھے رہے۔ مجھے وہاں الجھن اس لیے بھی ہو رہی تھی کہ سردار کی تیسری اور نوجوان بیوی مجھ سے چپکی بیٹھی تھی۔ اس کے اس طرح بیٹھنے پر اگرچہ کسی اور کو اعتراض نہیں ہوا تھا مگر جانکی بار بار مجھے گھور رہی تھی۔

میں اپنے جھونپڑے میں آیا تو جانکی بھی میرے پیچھے ہی چلی آئی۔ اس بستی میں بیکاری نے بھی مجھے تھکا دیا تھا۔ چنانچہ لیٹتے ہی سو گیا۔

صبح چھ بجے ہمیں جگا دیا گیا۔ بوما وغیرہ روانگی کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ ہم بڑی گرم جوشی سے ایک دوسرے سے ملے۔ سونیا بھی مجھ سے لپٹ گئی تھی۔

"میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکوں گی۔" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی "وہ چند لمحات تو میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔"

میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ میں نے اسے بانہوں سے پکڑ کر اپنے آپ سے الگ کیا اور اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا "میں بھی تمہیں کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ اپنا خیال رکھنا اور ان دونوں کے ساتھ ہی رہنا۔ مجھے یقین ہے تمہیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا موقع مل جائے گا۔"

سونیا کو چھوڑ کر میں بوما کی طرف متوجہ ہوگیا "چار سال پہلے تم منڈالے ہی سے بھاگے تھے۔ وہاں کی پولیس تمہیں ابھی تک نہیں بھولی ہوگی۔ ہو سکتا ہے جنرل کھوراٹ نے بھی وہاں اپنے ترپاؤ کے ایجنٹوں کو تمہارے بارے میں اطلاع دے دی ہو۔ تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔"

"سب کچھ میرے ذہن میں ہے۔" بوما نے جواب دیا "ہم منڈالے جانے کے بجائے موگوک کی طرف نکل جائیں گے اور وہاں سے اچھال کا رخ کریں گے۔ اس کے بعد ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

ہم بستی سے نکل کر تقریباً نصف میل دور تک ان کے ساتھ گئے۔ سردار نے اپنے قبیلے کے دو آدمی ان کے ساتھ کر دیے تھے۔ جو آسام کی سرحد تک ان کے ساتھ جاتے۔

بوما وغیرہ کے جانے کے بعد میں اس بستی میں کچھ اور وحشت سی محسوس کرنے لگا۔ میں نے ایک بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ قبیلے کی چند جوان عورتیں خوں خوار بلیوں کی طرح مجھے گھورتی رہتی تھیں۔ انہیں میں نے اکثر اپنے اردگرد منڈلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے مجھ پر جھپٹ پڑیں گی۔ ان کی کسی ممکنہ کارروائی سے بچنے کے لیے میں ہر وقت جانکی کے ساتھ چپکا رہتا۔

ہمیں دو دن اور یہاں رہنا پڑا اور وقت کاٹنا میرے لیے محال ہوگیا تھا۔ جانکی کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ ہم دونوں جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتے تھے لیکن سردار کی مرضی کے بغیر جانا ممکن نہیں تھا۔ پچھلی رات ہم نے چوری چھپے بھاگنے کا پروگرام بھی بنایا تھا لیکن یہ سوچ کر ارادہ بدل دیا کہ اگر پکڑے گئے تو نجانے یہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اب تو ہمیں اپنا مہمان بنائے ہوئے تھے۔ بھاگنے کی کوشش کی صورت میں یہ کوئی غلط مطلب بھی اخذ کر سکتے تھے اور پھر ہمیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ہمیں جانا کس طرف ہے۔ پہاڑوں میں بھٹکتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

اگلے روز میں نے خود سردار سے بات کی اور اس سے

رخصت ہونے کی اجازت مانگی۔ سردار تو چند روز اور ہمیں اپنا مہمان بنائے رکھنا چاہتا تھا لیکن میرے اصرار پر اس نے اگلے روز صبح ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔

اور پھر اسی رات وہ ہوا جس کا مجھے دھڑکا لگا ہوا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد سردار ہمارے جھونپڑے میں آگیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد دو لڑکیاں مشروبات لے آئیں۔ یہ مشروب ہم روزانہ ہی پیتے رہے تھے۔ لیکن آج اس کا ذائقہ کچھ بدلا ہوا تھا۔ بڑی مسحور کن مہک تھی اس میں۔

مشروب پینے کے تھوڑی ہی دیر بعد میں اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ نشہ سا چھا رہا تھا لیکن یہ نشہ ایسا نہیں تھا کہ میں مدہوش ہوجاتا۔ اس کے برعکس میرے اندر عجیب سی توانائی پیدا ہوگئی تھی۔ البتہ دماغ میں ہونے والی سنسناہٹ نے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب کرڈالی تھیں۔ میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔ اس نے چٹائی پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔

میں نے اپنے قریب کھڑی ہوئی لڑکی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری آغوش میں گرگئی۔ سردار اٹھ کر باہر چلا گیا اور اس کے فوراً ہی بعد پانچ چھ لڑکیاں غول بیابانی کی طرح شور مچاتی ہوئی جھونپڑے میں داخل ہوئیں اور پھر یوں لگا جیسے وہ سب مجھ سے لپٹ گئی ہوں۔ میرے ہاتھ بھی حرکت میں تھے۔ میں کبھی ایک کو اپنی طرف کھینچتا کبھی دوسری کو۔

وہ بڑی عجیب رات تھی۔ میں ہوش میں ہوتے ہوئے بھی مدہوش تھا اور مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کیا کررہا تھا۔ البتہ صبح جب میری آنکھ کھلی تو دماغ پر چھایا ہوا غبار آہستہ آہستہ چھٹنے لگا۔ جانکی کو اپنے قریب بیٹھے دیکھ کر میں ایک جھٹکے سے اُٹھ گیا اور اسی لمحے مجھے احساس ہوا کہ میرے جسم پر لباس نہیں تھا۔ جانکی بڑی خشمگیں نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میری نظریں جھک گئیں۔

"یہ کپڑے پہن کر باہر آجاؤ۔ سردار نے کہا ہے کہ ہم ایک گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔" جانکی نے قریب چٹائی پر پڑے ہوئے کپڑے میری طرف پھینکے اور اٹھ کر چلی گئی۔

میں اٹھ کر جلدی جلدی لباس پہننے لگا اور اس وقت میری نظر جھونپڑے کی دیوار کے قریب سوئی ہوئی ایک بے لباس عورت پر پڑی۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔ میں لباس پہن کر باہر آگیا۔ سامنے ہی پانچ چھ عورتوں کے ساتھ جانکی بھی کھڑی تھی۔ ان عورتوں کے سیاہ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور جانکی کی آنکھوں میں گویا خون اتر آیا تھا۔ وہ میرا بازو پکڑ کر تقریباً کھینچتی ہوئی سردار کے جھونپڑے میں لے گئی۔

ہم نے ناشتا کیا اور سردار کے ساتھ باہر آگئے۔ دو آدمی ہمارے ساتھ جانے کو تیار تھے۔ جانکی نے بیگ کے اسٹر دونوں کندھوں میں ڈال کر پشت پر لاد لیا اور اپنی رائفل اٹھالی۔ میں نے بھی اپنی رائفل اٹھا کر کندھے پر لٹکالی۔ دونوں آدمیوں نے تھیلوں میں کھانے پینے کا سامان اٹھا رکھا تھا۔ ایک تھیلے میں شاید کپڑے وغیرہ تھے۔

"یہ دونوں آدمی سرحد کے اس پار میکانگ تک تمہارے ساتھ جائیں گے۔" سردار نے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس سے آگے تمہاری صوابدید پر منحصر ہے کہ تم لوگ اپنا سفر کس طرح جاری رکھتے ہو۔ تھیلے میں کچھ چیزیں ہیں۔" اس نے ایک قبائلی کے کندھے سے لٹکے ہوئے تھیلے کی طرف اشارہ کیا "یہ چیزیں دریائے میکانگ پار کرنے کے بعد تمہارے کام آئیں گی۔"

سردار نے بڑی گرم جوشی سے ہم سے ہاتھ ملایا۔ خیال تھا کہ آس پاس کھڑے ہوئے مرد اور عورتیں معانقہ کرنے کے لیے آگے آئیں گے مگر خیریت گزری۔ میں سے کوئی بھی آگے نہیں آیا تھا۔ البتہ ان عورتوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی جنہوں نے گزشتہ رات مجھے "سہ کھسوٹا" تھا۔

ہم بستی سے نکل کر درختوں میں ایک کشادہ پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ دونوں قبائلی آگے تھے، میں اور جانکی ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ جانکی کا تھوبڑا پھولا ہوا تھا۔ وہ مجھ سے کوئی بات بھی نہیں کررہی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھ سے ناراض ہے اور ناراضگی کی وجہ بھی واضح تھی۔ میں نے فی الحال خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

ہم دوپہر تک رکے بغیر چلتے رہے۔ مسلسل بلندی کی طرف چلتے ہوئے ہمارے سانس پھول گئے۔ جانکی کچھ زیادہ ہی تھک گئی تھی۔ ایک مرتبہ وہ پتھروں پر پھسل کر لڑکھڑائی تو میں نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھادیا۔ اس نے کچھ کہے بغیر میرا ہاتھ تھام لیا اور میرے ساتھ چلتی رہی۔

وہ دونوں قبائلی ہم سے تقریباً بیس گز آگے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا لیکن ایک مرتبہ گرتے ہوئے جانکی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی تو وہ رک کر پیچھے دیکھنے لگے۔ میں جانکی کا ہاتھ پکڑے کھینچتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ جانکی بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ ان میں سے

ایک قبائلی ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے شان زبان میں کچھ کہا۔ اس کی زبان تو میرے پلے نہیں پڑی لیکن مفہوم سمجھ گیا۔

ہم لوگ ساگوان کے درختوں کے نیچے آگئے۔ جانکی ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس نے دونوں ٹانگیں آگے کو پھیلا رکھی تھیں اور وہ تیز تیز سانس لے رہی تھی۔

پندرہ بیس منٹ بعد ایک قبائلی نے ہمارے سامنے کھانا رکھ دیا۔ تلا ہوا خشک گوشت اور موٹی موٹی روٹیاں تھیں۔ ہم کئی گھنٹوں تک مسلسل چلتے رہے تھے۔ صبح کا کھایا پیا ہضم ہو چکا تھا۔ اس وقت بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔

شکم سیر ہوتے ہی سستی طاری ہونے لگی۔ جانکی تو باقاعدہ اونگھنے لگی تھی۔ ہمیں یہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے ایک گھنٹا ہو چکا تھا۔ وہ دونوں قبائلی اپنے بیگ سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان دونوں کے پاس تھری ناٹ تھری کی پرانی رائفلیں تھیں۔ آج کے دور میں جہاں ذاتی حفاظت کے لیے بھی جدید ترین اسلحہ استعمال ہو رہا تھا۔ وہاں ان فرسودہ رائفلوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی لیکن بہرحال ان سے بھی گولی نکلتی تھی جو کسی انسان یا جانور کو موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی۔

میں نے جانکی کو جھنجوڑ کر اٹھا دیا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھینچنے لگا۔ ہم میں ابھی تک کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ میں تو اپنی جگہ شرمندہ تھا اور اس ندامت میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن جانکی سخت ناراض تھی۔ شاید وہ یہ سمجھتی تھی کہ گزشتہ رات جو کچھ بھی ہوا تھا' اس میں میری مرضی بھی شامل تھی۔

ہم بدستور بلندی کی طرف جا رہے تھے۔ درخت اب کچھ کم ہوتے جا رہے تھے۔ سنگلاخ چٹانیں تھیں جو دھوپ سے تپ رہی تھیں۔ پسینے سے میرا لباس تر ہو رہا تھا۔ گردن اور پشت پر کپکپاہٹ سے رینگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ جانکی کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہ تھی۔ وہ بار بار بے بس نگاہوں سے میری طرف دیکھتی رہی لیکن زبان سے ایک لفظ بھی نہیں بولی۔ میں بھی اس کا ہاتھ پکڑے خاموشی سے اسے کھینچتا رہا۔

وہ قبائلی بڑے سخت جان تھے۔ لگتا تھا یہ کٹھن سفر ان پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہو رہا تھا۔ وہ دونوں ہم سے آگے آگے چلتے رہے۔ البتہ اب وہ کبھی کبھی پیچھے مڑ کر بھی دیکھ لیتے تھے۔

سورج پہاڑوں کے پیچھے غائب ہو چکا تھا اور اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب کہیں پڑاؤ ڈال دیا جائے لیکن وہ قبائلی چلتے رہے۔ ان میں ایک تو شان کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں سمجھتا تھا البتہ دوسرا چینی اور تھائی بھی ملا جلا بول لیتا تھا۔ میں نے اسے رکنے کو کہا تو وہ آگے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہاں نہیں۔ کچھ آگے جا کر رکیں گے۔ وہاں ایک مناسب جگہ ہے۔"

اور اس کا "کچھ آگے" تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ثابت ہوا تھا۔ اس وقت اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ چٹانوں کے درمیان گھری ہوئی وہ ہموار جگہ تھی۔ جانکی نے بیگ زمین پر رکھا اور اسے تکیہ بنا کر لیٹ گئی۔ وہ واقعی بہت تھک چکی تھی۔ میں بھی اس کے قریب ہی ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

کھانے میں وہی تلا ہوا خشک گوشت اور موٹی موٹی روٹیاں' جو اس وقت تک سوکھ کر بھربھری سی ہو چکی تھیں۔ شدید بھوک میں یہ کھانا بھی کسی مرغن غذا سے زیادہ لذیذ ثابت ہوا۔

دونوں قبائلی ہم سے کافی دور جا کر بیٹھ گئے تھے۔ جانکی میرے قریب ہی لیٹی ہوئی تھی۔

"جانکی۔" میری آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی "ناراض ہو؟"

"نہیں۔ میں تو بہت خوش ہوں۔" جانکی کے لہجے میں طنز تھا "میرے سامنے تو بڑے پارسا بنتے ہو اور گزشتہ رات تم نے جو کچھ کیا اس پر تو مجھے خوش ہونا بھی چاہیے۔"

"تم سمجھتی ہو کہ وہ سب کچھ میری مرضی سے ہوا تھا۔" میں نے کہا "یقین کرو جانکی اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میرے ساتھ دھوکا ہوا تھا۔"

"دھوکا تو میرے ساتھ کیا گیا تھا۔" جانکی بولی "مجھے مشروب میں کوئی نشہ آور چیز پلا کر بے ہوش کر دیا گیا اور پوری رات بھر ان کالی بھجنگ چڑیلوں کے ساتھ گھپھے اڑاتے رہے۔"

"یہ غلط ہے۔" میں نے جواب دیا "میرے مشروب میں بھی کوئی ایسی چیز شامل تھی جس سے میں بے ہوش تو نہیں ہوا مگر دماغ میں سنسناہٹ ہوتی رہی۔ میری سوچنے سمجھنے کی قوت سلب ہو کر رہ گئی تھی اور میں ان عورتوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنا رہا۔ یہ جو کچھ بھی ہوا ایک سازش تھی اور اس سازش میں قبیلے کا سردار بھی شریک تھا۔"

"کیا۔۔۔؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں جانکی۔" میں نے جواب دیا "میں دو دن سے دیکھ رہا تھا کہ پانچ چھ لڑکیاں جیسے میری تاک میں رہتی تھیں۔ سردار بھی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن اس نے ان لڑکیوں کو کبھی منع نہیں کیا۔ اور گزشتہ رات تم نے بھی دیکھا تھا کہ ان لڑکیوں نے سردار کی موجودگی میں ہم دونوں کو مشروب پلائے تھے اور پھر سردار جھونپڑے سے باہر چلا گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ بھی ہوا سردار کی مرضی سے ہوا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "مجھے حیرت ہے یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ گزشتہ رات ان لڑکیوں میں سردار کی بیٹی بھی شامل تھی۔"

"ہو سکتا ہے یہ بھی میزبانی کا ایک انداز ہو۔" جانکی نے کہا۔

"یہ اچھی میزبانی ہے۔" میں نے گہرا سانس لیا "اپنی عزت دوسروں کے قدموں میں ڈال دینا۔ بڑی عجیب بات ہے۔"

"اپنی اپنی رسمیں ہوتی ہیں۔" جانکی بولی۔

"بہرحال' کچھ بھی ہو۔ اب تو ہم انہیں بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔" میں نے کہا "مجھے خوشی تو اس بات کی ہے کہ تم نے زبان تو کھولی۔ صبح سے منہ پھلائے ہوئے تھیں۔"

"غلط فہمی تھی جو دُور ہو گئی۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔" جانکی نے کہتے ہوئے اپنا سر میری گود میں رکھ دیا۔

"دیکھو دیکھو۔" میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا "اب تم خوش فہمی میں مبتلا ہو رہی ہو۔"

جانکی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بیگ پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

وہ رات بڑی مشکل سے گزری تھی۔ دن میں دھوپ سے سنگلاخ چٹانیں تپ جانے سے گرمی ہو گئی تھی اور رات کو تیز اور ٹھنڈی ہوا نے سونے نہیں دیا تھا۔ جانکی اگرچہ سو گئی تھی لیکن بار بار وہ بھی اٹھتی رہی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ ہمارے چاروں طرف چٹانیں تھیں جن سے ہوا کسی قدر رکی ہوئی تھی۔ اگر ہم کھلی جگہ پر ہوتے تو ٹھٹھر کر ختم ہو جاتے۔

صبح دھوپ نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد ہم اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ بلند پہاڑوں میں آڑھے ترچھے راستوں پر سفر کرنا آسان نہیں ہوتا اور یہ تو کوئی باقاعدہ راستہ بھی نہیں تھا۔

دوپہر کے لگ بھگ ہم رک گئے۔ آگے بہت ہی خطرناک راستہ تھا۔ ایک طرف بلند عمودی چٹان تھی اور دوسری طرف سیکڑوں فٹ گہرے کھڈ اور عمودی چٹان کے ساتھ وہ راستہ چار فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ ہوا بھی بہت تیز تھی۔ کوئی معمولی سی لغزش موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی۔

اس پل صراط کو دیکھ کر میرے پسینے چھوٹ گئے۔ میرے پوچھنے پر اس قبائلی نے بتایا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے یا تو ہم ایک میل پیچھے جا کر وہ راستہ اختیار کرتے جو تقریباً چار ہزار فٹ کی بلندی تک چلا گیا تھا لیکن اس کے دوسری طرف اترنے کے لیے ہمیں اس سے زیادہ خطرناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس قبائلی نے بتایا کہ شان قبیلے کے لوگ چین کی سرحد پار کرنے کے لیے عام طور پر یہی راستہ استعمال کرتے ہیں۔

"سرحد یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک گھنٹا یہاں آرام کرنے کے بعد ہم یہ راستہ پار کر کے چلتے رہیں تو شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے سرحد پر پہنچ سکتے ہیں۔" قبائلی نے بتایا۔

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس پل صراط نما راستے پر ہم زندگی کی سرحد ہی پار کر جائیں۔" یہ جملہ جانکی نے کہا تھا۔

"ممکن ہے لیکن ہمارے سامنے صرف یہی ایک راستہ ہے۔" میں نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ خودکشی کی کوشش کرنی ہی پڑے گی۔"

"مجبوری ہے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم نے وہیں پر پڑاؤ ڈال لیا۔ ایک قبائلی نے ہمارے سامنے کھانا بھی لگا دیا تھا۔

"بھئی میرا تو کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔" جانکی نے کہا "اس راستے کو دیکھ دیکھ کر ہی میرے سینے میں ہول سے اُٹھ رہے ہیں۔"

"کھالو۔ شاید یہ ہماری زندگی کا آخری کھانا ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہ بات اگرچہ میں نے مذاق میں کہی تھی لیکن جانکی نے چونک کر میری طرف دیکھا اور میرے مجبور کرنے پر اس نے چند لقمے کھا لیے تھے۔

ہم تقریباً ایک گھنٹا وہاں رکے رہے اور پھر اس پل صراط پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہماری رائفلیں ان دونوں محافظوں نے لے کر اپنے کندھوں پر لٹکا لی تھیں۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ان رائفلوں کی وجہ سے ہمیں کوئی پریشانی نہ ہو۔

سب سے آگے وہ محافظ تھا جو ہماری زبان تھوڑی بہت

سمجھتا تھا۔ اس کے تقریباً دس فٹ پیچھے میں، میرے ساتھ جانکی اور اس سے دس پندرہ فٹ پیچھے دوسرا قبائلی تھا۔

تیز ہوا ہمیں آگے کو دھکے دے رہی تھی۔ ہم عمودی چٹان کے ساتھ چپکے ہوئے چل رہے تھے۔ چٹان پر جا بجا پتھر اُبھرے ہوئے تھے اور ہم ان پتھروں پر ہاتھ جماتے ہوئے بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ہماری پشت کھڈ کی طرف تھی اور ہم اس طرف دیکھنے سے گریز کررہے تھے۔

"آنکھیں بند رکھو اور چٹان کے ساتھ ساتھ چلتی رہو۔ پیچھے مڑ کر مت دیکھنا۔" میں نے جانکی کو ہدایت کردی۔

ہم قدم بقدم آگے بڑھتے رہے۔ ہوا بہت تیز تھی۔ اگر ہم نے چٹان کے ابھرے ہوئے پتھروں کا سہارا نہ لے رکھا ہوتا تو تیز ہوا ہمیں اٹھا کر پھینک دیتی۔

پُل صراط نما یہ راستہ تقریباً ڈیڑھ سو فٹ طویل تھا۔ ہم تقریباً سو فٹ کا فاصلہ طے کرچکے تھے اور پھر میرے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا۔ مجھے سینے میں اپنا دل ڈوبتا سا محسوس ہونے لگا۔ آگے تقریباً دس فٹ کا راستہ ایسا تھا جس کی چوڑائی تین فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ مجھے جانکی کی بات یاد آگئی۔ ہم واقعی خودکشی کی کوشش کررہے تھے۔ تین فٹ چوڑی کارنس پر سفر کرنا واقعی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ ہوا کا کوئی تیز جھونکا ہمارے قدم اکھاڑ سکتا تھا اور اس جگہ قدم اکھڑنے کا مطلب تھا اذیت ناک موت۔

میں چٹان سے چپکا کھڑا تھا۔ جانکی نے بھی ایک ہاتھ چٹان کے ایک پتھر پر جما رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے میرا بازو گرفت میں لے رکھا تھا۔

میں اپنے آگے والے اس قبائلی کو دیکھتا رہا جو چٹان سے چپکا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ اس پل صراط سے گزر گیا تو میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔

"آہستہ آہستہ میرے ساتھ ساتھ چلتی رہو۔ آنکھیں مت کھولنا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ویسے یہ راستہ اتنا زیادہ خطرناک بھی نہیں ہے۔ بس خوف کو دل سے نکال دو اور چٹان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی رہو۔"

"نہیں۔ میں آگے نہیں جاسکتی۔" جانکی کے منہ سے خوف زدہ سی آواز نکلی۔ خوف سے اس کے ہونٹ بالکل سفید ہورہے تھے۔

"ہمت سے کام لو جانکی۔" میں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی "ہمارے سامنے صرف یہی ایک راستہ ہے۔ اب تو ہم واپس بھی نہیں جاسکتے۔ آؤ۔ میرے ساتھ ساتھ آؤ۔ آنکھیں بند رکھو اور چٹان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی رہو۔"

میں جانکی کا حوصلہ تو بڑھا رہا تھا لیکن میری اپنی ہمت جواب دے رہی تھی۔ میں نے اس خوفناک راستے کا جائزہ لیا۔ چٹان کے ساتھ ساتھ تو راستہ تقریباً ہموار تھا۔ زیادہ اونچ نیچ نہیں تھی۔ دو چار جگہوں پر چھوٹے چھوٹے پتھر اُبھرے ہوئے تھے۔ البتہ کھڈ والے کنارے کی طرف کچھ ناہموار پتھر نظر آرہے تھے۔ ان میں کچھ پتھر ایسے بھی تھے کہ کسی پر پاؤں پڑتا تو وہ اپنی جگہ سے اکھڑ سکتا تھا۔

میں نے قدم آگے بڑھا دیا۔ ایک ہاتھ سے میں نے چٹان میں ابھرے ہوئے پتھروں کا سہارا لے رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے جانکی کی شرٹ پکڑی تھی تاکہ اسے حوصلہ رہے لیکن اس میں خطرہ یہ تھا کہ ہم میں سے کسی ایک کا پیر پھسلتا تو دونوں ہی موت کے منہ میں پہنچ جاتے۔

ہم ایک ایک انچ کرکے آگے بڑھتے رہے۔ ہوا بُری طرح ہمیں دھکیل رہی تھی۔ جانکی نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور اس کے منہ سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

چھ فٹ کا یہ راستہ میلوں پر محیط ہوگیا تھا لیکن بالآخر ہم نے یہ پل صراط عبور کرلیا۔ اس سے آگے کا راستہ تقریباً چھ فٹ چوڑا تھا۔ جانکی چٹان سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

میں اس قبائلی کی طرف دیکھ رہا تھا جو ہمارے بعد آرہا تھا۔ وہ تقریباً نصف راستہ طے کرچکا تھا۔ ہوا تیز تو تھی ہی لیکن اس نے اچانک ہی جھکڑ کی صورت اختیار کرلی تھی۔ مجھے دھکا سا لگا۔ میں اپنے آپ کو سنبھال کر بڑی پھرتی سے نیچے بیٹھ گیا۔ جانکی نے بھی اس جھکڑ کو محسوس کیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور میری بانہوں کو سختی سے پکڑ لیا۔ دوسرا قبائلی بھی میرے قریب ہی بیٹھ چکا تھا اور وہ چیخ چیخ کر اپنے ساتھی سے کچھ کہہ رہا تھا۔

دوسرا قبائلی دونوں ہاتھ چٹان پر جمائے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا اور پھر وہ رک گیا۔ اس کے کندھے پر لٹکی ہوئی رائفل کی نال ایک پتھر کے ساتھ اٹک گئی۔ وہ کندھے کو ہلکے ہلکے جھٹکے دے کر رائفل کی نال ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی لمحے ہوا کے ایک زوردار جھونکے نے اسے اپنی جگہ سے ہلا دیا۔ ایک جھٹکے سے رائفل کی نال بھی اس جگہ سے ہٹ گئی۔ وہ قبائلی لڑکھڑا گیا۔

میرے قریب بیٹھا ہوا قبائلی چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا۔

تیز ہوا نے اس قبائلی کے قدم اکھاڑ دیے تھے۔ وہ چٹان پر ہاتھ جمانے کی کوشش کررہا تھا لیکن چٹان سے ٹکرانے والی ہوا نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ اس کا پیر کنارے کے ایک پتھر پر پڑا۔ پتھر اکھڑ گیا۔ نیچے گرتے ہوئے اس نے ایک پتھر پر ہاتھ جمانے کی کوشش کی لیکن وہ پتھر بھی اکھڑ گیا اور پھر وہ اچانک ہی میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی آخری چیخ بڑی خوفناک تھی جو دیر تک پہاڑوں میں گونجتی رہی۔

جانکی چیخ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے بھی آنکھیں بند کرلی تھیں۔ گرنے والے قبائلی کی چیخ دم توڑ گئی اور پھر یوں لگا جیسے اچانک ہی سناٹا چھا گیا ہو۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ دوسرا قبائلی ذرا سا آگے جھکا کھڈ میں جھانک رہا تھا۔ میں نے جانکی کو اپنے آپ سے الگ کیا اور کسی چوپائے کی طرح آگے بڑھ کر پیچھے جھانکنے لگا۔ سیکڑوں فٹ گہرے کھڈ میں قبائلی کی لاش کہیں بھی دکھائی نہیں دی تھی۔

ہم چند منٹ وہاں بیٹھے رہے۔ میرے اعصاب میں تناؤ سا پیدا ہوگیا تھا۔ اس حادثے نے ہم سب کو افسردہ کردیا تھا۔ قبائلی پر اپنے ساتھی کی اندوہناک موت کا زیادہ اثر ہوا تھا لیکن ظاہر ہے ہم اس کے سوگ میں وہاں بیٹھے نہیں رہ سکتے تھے۔

وہ راستہ اگرچہ آگے بتدریج کشادہ ہوتا چلا گیا تھا لیکن میں اور جانکی اب بھی چٹان کے ساتھ چپکے ہوئے سے چل رہے تھے۔ ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے، ہوا کی تندی میں بھی اضافہ ہورہا تھا۔ سامنے سے ہوا کے جھکڑ ہمیں پیچھے دھکیل رہے تھے۔ ہم اس وقت دراصل ایک درّے میں سے گزر رہے تھے۔ اور اس درّے میں ہوا کی رفتار کچھ زیادہ ہی تیز تھی۔

تقریباً دو فرلانگ کا فاصلہ طے کرکے ہم اس درّے میں سے باہر آگئے اور ہوا کی تیزی میں بھی کمی آگئی۔ آگے مسلسل ڈھلان تھی۔ جانکی میرے ساتھ چپکی ہوئی چل رہی تھی اور پھر ایک جگہ رک کر میں نے پیچھے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ قبائلی دُور دُور تک کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ قبائلی کہاں گیا؟" میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"پیچھے رہ گیا ہوگا۔ یہاں رک کر انتظار کرلیتے ہیں۔" جانکی نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا اور ایک پتھر کے سائے میں بیٹھ گئی۔

میں بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے۔ میں بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ مگر اس قبائلی کا کوئی نام و نشان دکھائی نہیں دیا۔

"تم یہیں بیٹھو۔ میں دیکھ کر آتا ہوں۔ کہاں رہ گیا وہ۔۔۔" میں کہتے ہوئے اٹھ کر واپس چلنے لگا۔

میں اس درّے کے دہانے تک آگیا لیکن وہ قبائلی کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ میں اس کا نام تو نہیں جانتا تھا لیکن میں اس کے سردار کا نام لے کر پکارنے لگا۔ میرا خیال تھا وہ جہاں بھی ہوگا میری آواز سن کر آجائے گا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ نہ تو وہ قبائلی کہیں نظر آیا اور نہ ہی کہیں سے جواب ملا۔ میری آواز پہاڑوں میں بازگشت پیدا کرتی رہی۔ یہاں کوئی ایسی جگہ بھی نہیں تھی جہاں کسی حادثے کے بارے میں سوچا جاسکتا تھا۔ البتہ ایک دو جگہوں پر دائیں بائیں تنگ سے راستے تھے۔ اگر وہ ان میں سے کسی راستے پر نکل گیا تھا تو میری آواز تو اس تک ضرور پہنچی ہوگی۔ اسے جواب تو دینا چاہیے تھا۔

میں جانکی کے پاس واپس آگیا۔ وہ پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھے بیٹھے سوگئی تھی۔ میں نے ایک دو آوازیں دیں۔ تب بھی اس کی آنکھ نہیں کھلی تو میں نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

"کک۔۔۔ کیا ہوا؟" اس نے بدحواس سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تیر رہی تھی۔

"وہ قبائلی کہیں غائب ہوگیا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" جانکی ایک جھٹکے سے سیدھی ہوگئی "وہ ہمیں ان پہاڑوں میں چھوڑ کر کہاں جاسکتا ہے۔"

"درّے سے باہر آنے تک تو وہ ہمارے ساتھ تھا۔ ڈھلان کی وجہ سے ہم تیز چلنے لگے تھے اور وہ پیچھے رہ گیا تھا۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ واپس نہ چلا گیا ہو۔" میں نے کہا۔

"اگر واقعی ایسا ہوا تو۔۔۔" جانکی کسی انجانے خوف کی وجہ سے جملہ پورا نہیں کرسکی۔

"بہرحال، انتظار کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ چٹانوں میں اِدھر اُدھر نکل گیا ہو اور میری آواز بھی اس تک نہ پہنچی ہو۔ میرا خیال ہے راستہ تو یہی ہے۔ اسے اس طرف آنا چاہیے۔" میں بھی جانکی کے قریب بیٹھ گیا۔

"اگر وہ نہ آیا تو۔۔۔" جانکی بولی "ہم نہ تو راستے کے بارے میں کچھ جانتے ہیں اور نہ ہی ہمارے پاس کوئی چیز ہے۔ میرا مطلب ہے کھانے کا سامان اور رائفل بھی اسی کے پاس ہے۔ اگر وہ واقعی واپس چلا گیا ہے تو۔۔۔"

"ہم ان پہاڑوں میں بھٹکتے رہیں گے اور بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دیں گے۔ یہی کہنا چاہتی ہو نا۔" میں نے کہا۔

"کتنی بے بسی کی موت ہوگی۔" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہم نے قدم قدم پر موت سے پنجہ لڑایا ہے۔ موت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکی لیکن ان پہاڑوں میں۔ ایسی بے بسی کی موت۔ نہیں نہیں۔ میں ایسی موت نہیں مرنا چاہتی وجدان۔" وہ مجھ سے لپٹ گئی۔

میں اس کا کندھا تھپتھپانے لگا "یہاں بھی موت کو مایوسی ہوگی۔" میں نے کہا "ہم تھوڑی دیر اس کا انتظار کرتے ہیں پھر خود ہی راستہ تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ تمہیں یاد ہے اس نے کہا تھا کہ اگر ہم رکے بغیر چلتے رہیں تو شام تک چین کی سرحد پر پہنچ جائیں گے۔ یہ راستہ مسلسل نشیب کی طرف جا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے آگے کوئی بستی مل جائے۔ بات ہمت اور حوصلے کی ہے۔ اگر ہم حوصلہ ہار گئے تو زندگی ہار جائیں گے۔"

جانکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مجھ سے لپٹی خاموش بیٹھی رہی۔ ہم تقریباً ایک گھنٹا وہاں رکے۔ میں وقفے وقفے سے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھ لیتا' کبھی قبائلی کو پکارنے لگتا لیکن مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا اور بالآخر ہم اٹھ کر ان اونچے پہاڑوں میں نامعلوم منزل کی تلاش میں چل پڑے۔

یہ ایک کشادہ پگڈنڈی سی تھی اور لگتا تھا یہ راستہ باقاعدگی سے استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس کی تصدیق اس طرح بھی ہوگئی کہ ایک جگہ چٹان کے قریب راکھ' کوئلے اور جلی ہوئی لکڑیاں دکھائی دیں۔ جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہاں کسی پارٹی نے پڑاؤ ڈالا ہوگا۔

ایک چٹان کے گرد گھوم کر ہم رک گئے۔ سامنے نشیب میں بہت دور ایک سرسبز وادی نظر آ رہی تھی۔ اس سے ذرا پہلے ایک چمکتی ہوئی لکیر بھی دکھائی دی اور میرے خیال میں وہ کوئی دریا تھا جس کا پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔

جانکی بُری طرح تھک گئی تھی۔ اس کے دل میں یہ خوف بھی جاگزیں تھا کہ ان پہاڑوں میں ہم راستہ کیسے تلاش کریں گے۔ نشیب میں پھیلی ہوئی وہ وادی دیکھ کر کچھ تسلی تو ہوئی تھی لیکن یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہاں سے ہمیں منزل کا کوئی نشان مل جائے گا۔

جانکی ایک پتھر پر بیٹھ گئی تھی۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کم از کم ایک گھنٹا باقی تھا اور میں چاہتا تھا کہ... شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے ہم اس دریا تک پہنچ جائیں لیکن جانکی کی وجہ سے کچھ دیر وہاں رکنا پڑا۔

آدھا گھنٹا مزید چلنے کے بعد ہمیں پھر رک جانا پڑا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور پہاڑوں میں اندھیرا بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا اور وہ وادی ابھی ہم سے بہت دور تھی۔ اندھیرے میں پرپیچ اور نشیب و فراز والے راستے پر اترنا خطرے سے خالی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے ہم نے وہیں رکنے کا فیصلہ کر لیا اور میں کسی مناسب جگہ کی تلاش میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بالآخر چٹانوں میں ایک کھوہ سی نظر آ گئی۔ یہ کھوہ زیادہ بڑی نہیں تھی لیکن دو تین آدمی آرام سے لیٹ سکتے تھے۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہاں پہلے بھی لوگ ٹھہرتے رہے ہیں۔

جانکی نے بیگ کندھے سے اتار کر ایک طرف پھینک دیا اور کھوہ کے دہانے کے قریب ہی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ میں نے بھی اس کے قریب جگہ سنبھال لی اور اب تک کی صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔ میں بار بار اسی قبائلی کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اچانک ہی غائب ہو گیا تھا۔ یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کہ وہ راستہ بھٹک کر کسی اور طرف نکل گیا تھا یا واقعی واپس چلا گیا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا' اس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑ رہا تھا۔ ہم بھوکے پیاسے ان سنگلاخ چٹانوں میں مارے مارے پھر رہے تھے۔

وہ پل صراط نما راستہ پار کرنے سے پہلے دوپہر بارہ بجے کے قریب ہم نے کھانا کھایا تھا۔ جانکی نے تو صرف چند لقمے ہی لیے تھے۔ اس کے بعد ہم مسلسل پہاڑوں پر چڑھتے اترتے رہے تھے۔ سب کچھ ہضم ہو چکا تھا اور مجھے بھوک لگ رہی تھی لیکن میں اس کا تذکرہ اس لیے نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جانکی کو بھی یہ احساس ہو جاتا کہ وہ بھوکی ہے لیکن میری خاموشی اس مسئلے کا حل ثابت نہیں ہوئی کیونکہ کچھ ہی دیر بعد جانکی کی کراہتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

"وجدان... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔" میں نے جواب دیا "لیکن صبر اور برداشت کے سوا ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

جانکی گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

وقت گزرتا رہا۔ سناٹے میں ہوا کی سائیں سائیں دل پر ہیبت سی طاری کر رہی تھی۔ جانکی نے میرے کندھے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں سی خارج ہو رہی تھیں۔ اس کی وجہ وہ شدید تھکن تھی جس نے اسے نڈھال کر رکھا تھا۔ میرا اور جانکی کا ساتھ کئی برسوں سے تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس نے کٹھن سے کٹھن حالات کا مقابلہ بڑی مردانگی سے کیا تھا۔ وہ بڑی دلیر اور حوصلہ مند عورت تھی۔ اس نے کئی مرتبہ موت کو شکست دی تھی لیکن یہاں صورت حال مختلف تھی۔ بھوک' پیاس اور بے بسی۔ ہمارا مقابلہ ایسی چیزوں سے تھا جنہیں صبر و برداشت سے ہی شکست دی جا سکتی تھی۔

وہ رات بڑی طویل ہو گئی تھی۔ زمین کی گردش جیسے تھم گئی تھی۔ تاریکی جیسے چھٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ میں کبھی اونگھنے لگتا اور کبھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھورنے لگتا۔

اور پھر اچانک میں چونک گیا۔ میں کھوہ کے دہانے کے بالکل قریب بیٹھا تھا۔ پانی کے چند چھینٹے میرے بازو اور چہرے پر پڑے تھے۔ میں نے اپنا ہاتھ باہر کی طرف پھیلا دیا۔ بارش ہو رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے بارش تیز ہو گئی۔ بوچھاڑ کا رخ اسی طرف تھا۔ میں پانی میں بھیگنے لگا۔ جانکی پر بھی پانی کے چھینٹے پڑ رہے تھے۔ وہ بھی جاگ گئی۔ ہم کھوہ میں اور اندر کی طرف چلے گئے۔

"اگر پانی اندر آ گیا تو کیا ہوگا؟" جانکی نے خوف زدہ سے لہجے میں کہا۔

"اس کا دہانہ زمین سے کافی اونچا ہے اور ویسے بھی سامنے ڈھلان ہے۔ ایسی جگہوں پر پانی نہیں رکتا۔ تم سو جاؤ۔ نیند میں ہی کچھ وقت کٹ جائے گا۔" میں نے کہا۔

جانکی نے زمین پر لیٹ کر میری گود میں سر رکھ لیا لیکن وہ بار بار اٹھ جاتی۔ بارش کا خوف' بھوک اور تھکن اسے بے چین کیے ہوئے تھی لیکن بالآخر وہ سو گئی۔

میں باہر تاریکی میں گھورتا رہا۔ بارش نے طوفانی شکل اختیار کر لی تھی۔ تیز ہوا سے بارش کا شور دل پر خوف سا طاری کر رہا تھا۔ اسی کھوہ کے سامنے ڈھلان پر بارش کا پانی منہ زور ندی کی طرح بہہ رہا تھا۔

تقریباً دو گھنٹوں تک موسلا دھار بارش جاری رہی اور پھر اس کا زور ٹوٹ گیا۔ میں اس کھوہ کے سامنے بہتے ہوئے پانی کو دیکھتا رہا جس کی روانی اور تندی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اب مجھے بھی تشویش ہونے لگی' اگر یہ ندی اسی طرح بہتی رہی تو ہمارا اس کھوہ سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔

میری آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ یہ مسلسل جاگتے رہنے کا نتیجہ تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر نیند نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ جانکی کھوہ کے دہانے پر بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی۔ سامنے والی ڈھلان پر پانی اب بھی بہہ رہا تھا لیکن بہت کم اور ہلکا۔

"اب نکلو یہاں سے وجدان۔" جانکی میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "ہمیں کوئی دوسری جگہ تلاش کرنی ہوگی جہاں کچھ کھانے کو مل سکے۔"

اور پھر چند منٹ بعد ہم اس کھوہ سے نکل آئے۔ اس مرتبہ بیگ میں نے اپنے کندھے پر لاد لیا تھا۔ ہم اس ڈھلوان راستے پر چلتے رہے۔ تقریباً دو گھنٹے بعد جانکی نے لڑکھڑانا شروع کر دیا۔ میں اسے سہارا دے کر کھینچتا رہا اور پھر جیسے ہی ہم ایک چٹان پر سے گھوم کر دوسری طرف آئے۔ میں چونک گیا۔ نشیب میں بہت دور ایک جگہ سے دھوئیں کی لکیر سی اٹھتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"جانکی۔ وہ دیکھو۔" میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا "وہ دھواں یہ ثابت کر رہا ہے کہ وہاں کوئی بستی ہے۔ ہمت سے کام لو۔ فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔"

جانکی نے اس طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔

"بہت دور ہے۔ شاید کئی میل دور۔" وہ کراہی "مجھ سے اب ایک قدم نہیں چلا جا رہا۔ بھوک اور تھکن سے...."

"ہمت سے کام لو جانکی۔" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "تم تو بڑی حوصلہ مند ہو۔ بڑی بڑی مصیبتوں کا مقابلہ کیا ہے تم نے۔ یہ بھوک کیا چیز ہے۔ میں بھی تو تمہارے ساتھ ہوں۔ کٹھن ترین مرحلہ تو گزر گیا۔ وہ جگہ اگرچہ دور ہے مگر ایک امید تو پیدا ہوئی ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو گھنٹوں میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ ہم یوں کرتے ہیں۔" میں نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا "کچھ دیر یہاں بیٹھ کر آرام کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ہم رکے بغیر چلتے رہیں گے۔"

ہم دونوں ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ جانکی نڈھال ہو رہی تھی۔ مجھے یاد ہے جب ہم بنکاک میں اور جیانگ سائین میں تھے تو کھانے میں ذرا سی تاخیر ہو جاتی تو وہ چیخ اٹھتی تھی۔ وہ کئی مرتبہ کہہ چکی تھی کہ وہ دنیا کا ہر ستم برداشت کر سکتی ہے لیکن بھوک اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی اور اب تو چوبیس گھنٹوں سے زیادہ گزر چکے تھے اور وہ ان چوبیس گھنٹوں میں ہی برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔ چہرے پر زردی' آنکھوں میں ویرانی اور ہونٹ سفید ہو رہے تھے۔

پندرہ بیس منٹ آرام کرنے کے بعد ہم پھر چل پڑے۔ رات کی دھواں دھار بارش کی وجہ سے پہاڑیوں میں کئی چھوٹے چھوٹے ندی نالے معرض وجود میں آگئے تھے۔ ان کی وجہ سے کچھ دشواری پیش آرہی تھی۔ بعض نالے تو ہم پھلانگ لیتے اور بعض اتنے چوڑے تھے کہ انہیں پار کرنے کے لیے مناسب جگہ کی تلاش میں لمبا چکر کاٹنا پڑتا۔

تقریباً دو گھنٹوں بعد ہم نشیب میں پہنچ گئے اور پھر یہ خوفناک انکشاف ہوا کہ جس جگہ سے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا تھا' وہ جگہ اب بھی ہم سے میلوں دور تھی اور ایک بہت بڑے نالے نے ہمارا راستہ روک رکھا تھا۔ اس نالے کا پاٹ چالیس پچاس فٹ سے کم نہیں تھا۔ یہ غالباً وہی نالا تھا جسے پہاڑی چوٹی پر سے میں دریا سمجھا تھا۔

پانی بہت گہرا اور بہت تیز تھا اور ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آرہی تھی جہاں سے نالا پار کیا جاسکتا۔ میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔ وہ روہانسی ہورہی تھی۔

"اب کیا ہوگا؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ لہجے میں مایوسی تھی۔

"آؤ۔ اس طرف چلتے ہیں۔ شاید کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں سے یہ نالا عبور کیا جاسکے۔" میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔

ہم بہاؤ کے مخالف سمت میں چلتے رہے۔ آگے درختوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا۔ ڈھائی تین سو گز کا فاصلہ طے کرکے ہم رک گئے۔ کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی تھی۔ جانکی درختوں کے نیچے ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ وہ پیٹ پکڑے دہری ہوئی جارہی تھی۔ میں اس کے قریب کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر ایک درخت کی جھکی ہوئی شاخ پر نگاہ پڑتے ہی میں اچھل پڑا۔ اس درخت پر آڑو کی طرح کے زرد رنگت کے پھل لگے ہوئے تھے۔

"جانکی وہ دیکھو۔" میں نے درخت کی جھکی ہوئی شاخ کی طرف اشارہ کیا "وہ پھل۔ شاید ہماری بھوک کا بندوبست ہوجائے۔"

میں نے اچھل کر اس شاخ کو پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور ایک پھل توڑ کر چکھا تو اس میں ہلکی سی ترشی تھی مگر پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے کھایا جاسکتا تھا' میں نے تین چار پھل توڑ لیے اور جانکی کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

"لو۔ اسے چکھ کر دیکھو۔" میں نے ایک پھل اس کی طرف بڑھادیا۔

جانکی نے وہ پھل میرے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور دانتوں سے کاٹ کر کھانے لگی۔ وہ پھل خوش ذائقہ نہیں تھا تو بُرا بھی نہیں تھا۔ اگر یہ پھل کڑوا بھی ہوتا تو شاید تب بھی نہ چھوڑتے۔

ہم نے ان پھلوں سے پیٹ تو بھرلیا لیکن اس کا نتیجہ آدھے گھنٹے بعد ظاہر ہونا شروع ہوا۔ میرے پیٹ میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگا۔ جانکی بھی پیٹ پکڑے ہوئے تھی۔ یہ شاید اس پھل کا اثر تھا یا خالی پیٹ زیادہ کھالینے کی وجہ سے درد شروع ہوگیا تھا مگر یہ درد قابل برداشت تھا۔

دائیں طرف جھاڑیوں میں سرسراہٹ سی سن کر میں چونک گیا اور پھر میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ دو خرگوش تھے اور ان کا رخ ہماری طرف نہیں تھا۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر جانکی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پتلون کا پائنچا اٹھا کر پنڈلی پر بندھا ہوا خنجر نکال لیا۔ اس وقت ایک خرگوش نے ہماری طرف دیکھا۔ چند لمحے دیکھتا رہا پھر ہمیں بے ضرر سمجھ کر گھاس پر منہ مارنے لگا۔

میں خنجر والا ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر اٹھانے لگا اور اچانک ہی خنجر میرے ہاتھ سے نکلا اور اس خرگوش کی طرف لپکا جس نے کچھ دیر پہلے ہماری طرف دیکھا تھا۔ خطرہ بھانپتے ہی اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن خنجر اس کے جسم میں ترازو ہوگیا۔ دوسرا خرگوش جھاڑیوں میں غائب ہوگیا۔

میں دوڑ کر جھاڑیوں میں پہنچ گیا۔ خنجر اس خرگوش کے آر پار ہوگیا تھا۔ میں نے خنجر نکال کر تکبیر پڑھتے ہوئے اس کی شہ رگ پر دھار پھیردی۔ خرگوش نے آخری دو تین ہچکیاں لیے اور پھر بے حس و حرکت ہوگیا۔ میں اسے ٹانگ سے پکڑ کر جھلاتا ہوا واپس آگیا اور جانکی کے قریب ہی گھاس پر رکھ دیا۔

"یہ ذرا ٹھنڈا ہوجائے تو اس کی کھال اتارتا ہوں۔ اس دوران میں کچھ لکڑیاں جمع کرلوں۔" میں نے کہا اور ادھر ادھر گھوم کر خشک جھاڑیاں جمع کرنے لگا۔

گزشتہ رات کی بارش سے سوکھی ہوئی جھاڑیاں بھی جمی ہوئی تھیں لیکن بہرحال کوشش کرکے انہیں جلایا جاسکتا تھا۔ جانکی کے بیگ میں ایک لائٹر موجود تھا جو اس وقت ہمارے کام آگیا۔

جانکی جھاڑیوں کو آگ لگانے کی کوشش کرنے لگی اور میں خرگوش کی کھال اتارنے لگا۔ کھال اتار کر میں نے آلائش نکال کر ایک طرف پھینک دیں اور گوشت کے ٹکڑے کیے بغیر اسے دریا کے پانی سے دھولیا۔

جھاڑیوں کی شاخیں بھیگی ہوئی تھیں۔ جانکی بڑی مشکل سے آگ جلانے میں کامیاب ہوسکی تھی۔ دھوئیں سے اس کی ناک اور آنکھوں سے پانی بہہ نکلا تھا۔

خرگوش بھونے جانے کے دوران میں گوشت کی اشتہا انگیز خوشبو میرے نتھنوں سے ٹکراتی رہی اور بالآخر ہمارا کھانا تیار ہوگیا۔ بغیر نمک مسالے کے خرگوش کا بھنا ہوا گوشت اس قدر لذیذ تھا کہ بس مزہ ہی آگیا۔ مجھے یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اس سے پہلے میں نے اتنا لذیذ کھانا نہیں کھایا تھا۔ جانکی بھی مسکرا رہی تھی۔

اگرچہ ہم نے پہلے پیٹ بھر کر وہ ترش پھل کھائے تھے لیکن ہماری بھوک خرگوش کا گوشت کھانے کے بعد ہی مٹی تھی اور ترش پھل کھانے سے پیٹ میں جو درد شروع ہوا تھا وہ بھی حیرت انگیز طور پر ختم ہوگیا۔

اس وقت پانچ بج رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد سورج غروب ہوجاتا اور اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے یا تو ہمیں نالا پار کرنے کا راستہ تلاش کرنا تھا یا پناہ کی کوئی جگہ جہاں رات گزاری جاسکتی۔

ہم درختوں سے نکل کر واپس اسی جگہ آگئے جہاں پہاڑی سے اترے تھے۔ یہاں پتھروں میں ایسی جگہ موجود تھی کہ ہم بیٹھ کر رات گزار سکتے تھے۔

سورج غروب ہونے کے بعد تاریکی بتدریج بڑھتی گئی۔ میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اس وقت اگرچہ آسمان بالکل صاف تھا لیکن پہاڑی علاقوں کے موسم کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگتا رہا کہ بادل نہ چھا جائیں۔ بارش ہوجانے کی صورت میں ہمارے لیے بڑی مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔

پیٹ بھرجانے کے بعد جانکی بھی اس وقت کچھ چمک رہی تھی لیکن یہ خوف بدستور ... دامن گیر تھا کہ اگر وہ دریا نما نالا پار کرنے کا راستہ نہ ملا تو کیا ہوگا؟

"کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ہوگا۔" میں نے کہا "ویسے بھی اب ہمیں کیا پریشانی ہے۔ پیٹ بھرنے کے لیے خرگوش اس علاقے میں بکثرت مل جائیں گے۔ جب تک کوئی راستہ نہ ملے گا ہم انہیں شکار کرکے کھاتے رہیں گے۔"

"عجیب بات ہے۔" جانکی بولی "دنیا جدید ترین دور سے گزر رہی ہے اور ہم۔ لگتا ہے پتھروں کے دور میں لوٹ آئے ہوں جب انسان جانوروں کا شکار کرکے پیٹ بھرتا تھا اور غاروں میں رہتا تھا۔"

"ساری جدت طرازیاں شہروں اور بڑی بستیوں تک محدود ہیں۔" میں نے کہا "ان ترقی یافتہ آبادیوں سے دور پہاڑوں اور جنگلوں میں ایسے لوگ بھی رہتے ہیں جو دنیا کی نئی روشنی اور جدید تہذیب سے قطعی نا آشنا ہیں۔ ان کا اپنا معاشرہ ہی ان کے لیے سب کچھ ہے۔ اس کی مثال تم دیکھ چکی ہو۔ ہم تقریباً ایک ہفتہ اس بستی میں رہے ہیں۔ وہاں کی ننگ دھڑنگ عورتیں اور ان کا ماحول۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ بھی جدید ترین ٹیکنالوجی کے دور میں رہ رہے ہیں حالانکہ ان کے اور ترقی یافتہ مہذب بستیوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔"

"ان کی تو بات ہی مت کرو۔" جانکی کے لہجے میں تلخی تھی "میں نے وہاں جو کچھ بھی دیکھا تھا' اس سے تو لگتا ہے کہ ان لوگوں کی غیرت ہی مرچکی ہے۔ انہیں بے حیائی اور بے شرمی کا کوئی احساس ہی نہیں۔"

"بات غیرت اور احساس کی نہیں ہے جانکی۔" میں نے کہا "مہذب بستیوں میں کوئی غیر مرد کسی عورت کی طرف میلی نظروں سے بھی دیکھ لے تو خون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں لیکن یہ لوگ اس احساس سے عاری ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہی نہیں کہ رشتوں کا تقدس کیا ہوتا ہے۔ افریقہ' جنوبی امریکا اور دنیا میں بہت سے ایسے خطے اب بھی موجود ہیں جہاں تہذیب کی روشنی نہیں پہنچی۔ لوگ جہالت کی تاریکی میں رہ رہے ہیں۔ وہ لوگ تو لباس نام کی کسی چیز سے بھی واقف نہیں ہیں۔ تہذیب اور رشتوں کے تقدس کو کیا سمجھیں گے۔"

"ہاں۔ یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔" جانکی نے گہرا سانس بھرا۔

"تو پھر یہ طے ہوگیا نا کہ اس رات میرا کوئی قصور نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

"اب بند کرو یہ بکواس۔" جانکی نے میرے بازو پر چٹکی کاٹتے ہوئے کہا۔ میں سی کرکے رہ گیا۔

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ رات دھیرے دھیرے بیتتی رہی۔ حشرات الارض کی آوازوں اور تیز ہوا کی سائیں سائیں دل پر خوف سا طاری کررہی تھیں۔ میں بار بار آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جانکی نے گزشتہ رات کی طرح اس وقت بھی میری گود میں سر رکھ لیا تھا۔ میرے دل میں ایک انجانا سا خوف تھا لیکن رات خیریت سے گزر گئی۔ نہ موسم کے تیور بدلے اور نہ ہی جانکی کی ذہنی رو بہکی۔

صبح ہوتے ہی سب سے پہلے میں نے ادھر ادھر گھوم کر دو خرگوش شکار کیے اور سوکھی ہوئی جھاڑیاں جمع کرنے لگا۔

ناشتا کرکے ہم پھر اپنی مہم پر نکل کھڑے ہوئے۔

اس بار ہم نالے کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ دوپہر ہوگئی مگر ہمیں نالا پار کرنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیا۔ جانکی تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔

"تم یہیں بیٹھو۔ میں ذرا اور آگے جاکر دیکھتا ہوں۔ اگر کوئی راستہ مل گیا تو واپس آکر تمہیں لے جاؤں گا۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں... یہاں اکیلی..." جانکی کے چہرے پر خوف کے سائے پھیل گئے۔

"یہاں ویرانے میں کس بات کا خطرہ ہے۔" میں نے کہا "کسی انسان کا تو دور دور تک نام و نشان نہیں اور خرگوش کے سوا ایسا کوئی جانور بھی نظر نہیں آیا جس سے کوئی خطرہ محسوس ہو۔ ویسے تمہارا پستول کہاں ہے؟"

"بیگ میں رکھا ہے۔" جانکی نے کہا "ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں یہاں بیٹھتی ہوں مگر واپس آجانا۔ ایسا نہ ہو اس قبائلی کی طرح تم بھی غائب ہوجاؤ۔" وہ بیگ میں سے پستول نکال کر چیک کرنے لگی۔

میں نے بھی جیب سے پستول نکال کر اسے چیک کرکے دوبارہ جیب میں رکھ لیا اور نالے کے کنارے پر بہاؤ کی طرف چلنے لگا۔ تقریباً دو فرلانگ کے بعد وہ تیز رو نالا پہاڑیوں میں داخل ہوگیا۔ میں کچھ دور تک آگے چلا اور پھر رک گیا۔ آگے راستہ خاصا خطرناک تھا۔ میں چند لمحے وہاں کھڑا رہا اور پھر مڑ کر واپس چل پڑا۔

مجھے آنے جانے میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹا لگا تھا اور میں اس جگہ پہنچا تو جانکی غائب تھی۔ میں اِدھر اُدھر گھوم پھر کر اسے دیکھتا رہا۔ آوازیں بھی دیں مگر کوئی جواب نہیں ملا۔

مجھے سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا!

میں پاگلوں کی طرح چاروں طرف دوڑتا اور جانکی کو پکارتا رہا لیکن کسی طرف سے جواب نہیں ملا۔ جانکی اس طرح غائب ہوئی تھی جیسے زمین نگل گئی ہو یا آسمان نے اچک لیا ہو۔

ہم تین دن سے ان پہاڑوں میں بھٹک رہے تھے۔ اس دوران میں نہ تو کسی انسان کا نام و نشان نظر آیا تھا اور نہ ہی کوئی خطرناک جانور دکھائی دیا تھا جس کے بارے میں کوئی شبہ کیا جاسکتا تو پھر جانکی کہاں غائب ہوگئی۔ جانکی کے پاس تو پستول بھی موجود تھا۔ کسی گڑبڑ کی صورت میں وہ فائر بھی کرسکتی تھی لیکن وہ تو خاموشی سے غائب ہوگئی تھی۔ جیسے اپنی مرضی سے کہیں چلی گئی تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ان پہاڑوں میں کہاں جاسکتی ہے؟

میں ایک پتھر پر بیٹھ کر کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا اور پھر سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ اس اچانک صورت حال نے مجھے بری طرح بدحواس کردیا تھا۔

اور پھر اچانک ہی فائر کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ میں چھلانگ لگا کر اپنی جگہ سے کئی گز دور ایک پتھر کی آڑ میں جا گرا تھا۔ میرا خیال تھا وہ گولی کسی طرف سے مجھ پر ہی چلائی گئی تھی۔ میں نے پتلون کی جیب سے پستول نکال لیا اور کتنی دیر تک اپنی جگہ بے حس و حرکت پڑا یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ وہ گولی کس طرف سے چلی تھی۔

ایک منٹ گزر گیا لیکن کسی طرف سے نہ کوئی آہٹ سنائی دی اور نہ ہی کوئی نقل و حرکت محسوس ہوئی تھی۔ میں محتاط انداز میں اپنی جگہ سے حرکت کرتا ہوا ایک اور پتھر کے پیچھے چلا گیا اور پھر اسی لمحے پہاڑیاں ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھیں۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ فائر کہیں دور سے ہوا تھا لیکن آواز ایسی تھی جیسے قریب ہی سے گولی چلائی گئی ہو۔ میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور پتھروں کی آڑ سے نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دُور دُور تک کسی ذی روح کا نام و نشان نظر نہیں آرہا تھا۔

دل میں طرح طرح کے وسوسے آرہے تھے۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ ممکن ہے ہماری طرح کوئی اور بھی پہاڑوں میں اس طرف آنکلا ہو۔ اس نے جانکی کو اکیلے بیٹھے دیکھا تو اسے زبردستی اپنے ساتھ لے گیا۔ ہوسکتا ہے وہ اکیلا نہ ہو' ان کی تعداد دو یا اس سے زیادہ ہو اور اس وقت جانکی کو مدافعت کا موقع نہ ملا ہو لیکن اب موقع پاکر وہ ان کے شکنجے سے بھاگ نکلی تھی اور اپنے دفاع میں گولیاں چلائی تھیں۔

میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ گولی کس طرف سے چلی تھی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آسکا۔ میں نے جیب سے پستول نکال لیا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک فائر کردیا۔

میرے ایک فائر کے جواب میں پہاڑیاں تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھیں۔ آٹومیٹک رائفل کا پورا برسٹ چلایا گیا تھا۔

اس فائرنگ سے مجھے سمت کا اندازہ ہوگیا تھا لیکن یہ سوچ کر مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا کہ جانکی واقعی کسی مصیبت میں پھنس چکی ہے۔ اس کے پاس پستول تھا۔ پہلے دو فائر پستول ہی کے تھے لیکن یہ فائرنگ آٹومیٹک رائفل سے کی گئی تھی۔ جس سے میرے خدشات کی تصدیق ہورہی تھی۔

یہ فائرنگ اسی طرف ہوئی تھی جہاں وہ نالا پہاڑیوں میں داخل ہوتا تھا۔ میں بے تحاشا اس طرف دوڑ پڑا اور پھر ایک چھوٹی سی چٹان پر چڑھ کر اُدھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسی لمحے ایک اور فائر ہوا۔ میں نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی لیکن یہ گولی مجھ پر نہیں چلائی گئی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

وہ پہاڑی چوٹی تقریباً ایک ہزار فٹ بلند تھی اور جانکی اس چوٹی پر کھڑی سرخ رنگ کا کوئی کپڑا ہلا رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی کھڑا تھا جس نے قبائلی لباس پہن رکھا تھا۔

میں چند لمحے اسی طرف دیکھتا رہا پھر اس چٹان سے اتر کر پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ پستول میرے ہاتھ میں تھا اور میں خاصا محتاط تھا۔ جانکی بظاہر ٹھیک نظر آرہی تھی لیکن یہ کوئی دھوکا بھی ہوسکتا تھا۔ ہوسکتا ہے مجھے پھانسنے کے لیے جانکی کو اس طرح سامنے لایا گیا ہو۔

میں محتاط انداز میں پہاڑی پر چڑھتا رہا۔ میں نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ ان کی نظروں میں کم سے کم آؤں۔ مجھے جب موقع ملتا میں اوپر دیکھ لیتا۔ جانکی اس آدمی کے ساتھ اب بھی وہیں کھڑی تھی۔

کسی پہاڑی پر بالکل سیدھا چڑھنا ممکن نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے پتھروں کی وجہ سے مجھے کئی مرتبہ طویل چکر کاٹنے پڑے تھے۔ ایک جگہ رُک کر میں نے پھر اوپر دیکھا۔ اب جانکی کے ساتھ دوسرا آدمی بھی صاف نظر آرہا تھا' اس کا چہرہ دیکھ کر میرے منہ سے ایک بار پھر گہرا سانس نکل گیا۔ وہ وہی قبائلی تھا جو دو دن پہلے غائب ہوگیا تھا۔

ہمارے درمیان تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔ انہوں نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ قبائلی تو وہیں کھڑا رہا اور جانکی دوڑتے ہوئے میرے قریب پہنچ گئی اور پھر اسی لمحے میں نے دو اور آدمیوں کو پچھلی طرف سے پہاڑی پر چڑھتے ہوئے دیکھا تو چونک گیا۔ میں نے ایک دم پستول والا ہاتھ سیدھا کرلیا تھا۔

"گولی مت چلانا۔" جانکی نے دور ہی سے چیخ کر کہا "یہ ہمارے ساتھی ہیں۔"

میں آگے بڑھ گیا۔ جانکی کے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے ہاتھ میں سرخ رنگ کی ٹی شرٹ تھی جو اس نے بیگ میں سے نکالی تھی۔

"یہ سب کیا ہے۔ تم وہاں سے کیوں غائب ہوگئی تھیں اور... اور یہ کیسے ملا۔ وہ دونوں آدمی کون ہیں؟" میں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کرڈالے تھے۔

"دھیرج..." جانکی مسکرائی "سانس لے لو۔ اس طرف آجاؤ۔ درختوں کے سائے میں۔ آرام سے بیٹھ کر بتاتی ہوں۔"

ہم پہاڑی کے دوسری طرف آگئے۔ جہاں درختوں کا ایک جھنڈ سا تھا۔ وہ دونوں آدمی دلچسپ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ جبکہ اس قبائلی کے چہرے پر ندامت کے تاثرات تھے۔

میں ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تیز تیز سانس لیتا رہا۔ جانکی میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور وہ تینوں آدمی بھی ہم سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے تھے۔

"یہ کیا قصہ ہے؟" میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔

"تمہارے جانے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ان تینوں کو اچانک ہی اپنے سامنے دیکھ کر میں بدحواس سی ہوگئی تھی۔" جانکی بتانے لگی "پھر اپنے اس گائڈ کو دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا۔ یہ لوگ ہمیں تلاش کرتے ہوئے اس طرف نکل آئے تھے۔ میں نے جب انہیں بتایا کہ تم نالا پار کرنے کے لیے راستے کی تلاش میں اس طرف گئے ہوئے ہو تو انہوں نے کہا تم یقیناً اسی جگہ پہنچو گے جہاں یہ مجھے لے جانا چاہتے تھے۔"

وہ چند لمحے خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی "وہ نالا پار کرنے کا راستہ انہی پہاڑیوں میں ہے۔ نالے کے ساتھ ساتھ جاتے تو بقول ان کے ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے کیونکہ اس طرف سے آگے جانے کا راستہ نہیں تھا اس لیے ہم پہاڑیوں کے اوپر سے نکل گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم آگے جاکر تمہیں تلاش کرلیں گے لیکن تم ہمیں نہیں ملے۔ کافی دیر گزر گئی۔ میں سمجھتی تھی کہ اگر واپس جاکر تم نے مجھے وہاں نہ پایا تو یقیناً پریشان ہوگے اس لیے اپنی موجودگی سے آگاہ کرنے کے لیے میں نے وقفے وقفے سے فائر کیے۔ جواب میں تمہاری طرف سے بھی فائر ہوا تو مجھے تسلی ہوئی۔"

"تمہیں وہاں نہ پاکر تو میرا دماغ گھوم گیا تھا۔" میں نے کہا "لیکن یہ کہاں غائب ہوگیا تھا؟" میں نے اس قبائلی کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے۔" جانکی نے کہا "اسے اپنے ساتھی کے مرنے کا دکھ تھا اور اس بات کا بھی افسوس تھا کہ اس کی لاش کو جانور کھا جائیں گے اور یہ اسے جانوروں کی خوراک بننے سے بچانا چاہتا تھا۔ اگر ہم سے کچھ کہتا تو شاید ہم سیکڑوں فٹ گہرے اس کھڈ میں اترنے سے

انکار کردیتے۔ یہ سوچ کر وہ خاموشی سے واپس چلا گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے نہ پاکر ہم کسی جگہ رک کر اس کا انتظار کریں گے لیکن ہم اصل راستے سے آگے بہت آگے نکل گئے تھے اور ہمیں بہت دیر بعد اس کی عدم موجودگی کا خیال آیا تھا۔

"یہ اپنے ساتھی کی لاش کو پتھروں سے ڈھانپ کر واپس آیا اور ہم تک پہنچنے کے لیے دوڑتا رہا۔ اس درّے سے نکلنے کے بعد ہم تو سیدھے آگئے تھے جبکہ اصل راستہ دائیں طرف تھا۔ بہرحال' یہ اس راستے پر بہت آگے نکل گیا اس لیے تمہاری آوازیں اس تک نہیں پہنچ سکی تھیں۔ وہ خود بھی ہمیں تلاش کرتا رہا۔ اس دوران میں شام ہوگئی اور یہ کہیں رکنے کے بجائے اس طرف سے نالا پار کرکے دوسری طرف جنگل میں واقع اس بستی میں پہنچ گیا۔ وہ بستی بھی یہاں سے تقریباً پانچ میل دور ہے۔ آج وہ بستی کے دو آدمیوں کو ساتھ لے کر ہماری تلاش میں اس طرف آگیا اور اس مرتبہ عقل مندی یہ کی کہ یہ لوگ اس درّے کے دہانے پر پہنچ گئے اور وہاں سے اندازہ لگایا کہ ہم کس طرف گئے ہوں گے۔ اس طرح یہ لوگ مجھ تک پہنچ گئے۔ اگر یہ لوگ ہمیں تلاش نہ کرپاتے تو شاید ہم زندگی بھر ان پہاڑوں میں بھٹکتے رہتے اور کسی آبادی تک پہنچنے کا کوئی راستہ تلاش نہ کرپاتے۔"

"تمہیں وہاں نہ پاکر میری تو جان نکل گئی تھی۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "طرح طرح کے خیال آرہے تھے۔ بہرحال' وہ راستہ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"میں ابھی وہاں تک نہیں پہنچا لیکن میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چلنا چاہیے۔" جانکی کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہمیں اٹھتے دیکھ کر وہ قبائلی اور اس کے دونوں ساتھی بھی اٹھ گئے۔ وہ دونوں بھی قبائلی ہی تھے لیکن ان کا تعلق برما سے نہیں چین کے کسی سرحدی قبیلے سے تھا۔ ان کے نہ صرف لباس بلکہ چہروں کے نقوش بھی مختلف تھے۔ ان کے پاس لمبی لمبی لاٹھیاں تھیں جن کے ایک سرے پر لمبے لمبے سوئے لگے ہوئے تھے۔ یہ انکشاف بعد میں ہوا کہ یہی ان کے دفاعی ہتھیار تھے اور انہی سے وہ جنگلی جانوروں کا شکار بھی کرتے تھے۔ میری رائفل قبائلی کے پاس تھی۔

جانکی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اگر ہم زندگی بھر ان پہاڑوں میں بھٹکتے رہتے تو بھی وہ راستہ تلاش نہ کرپاتے۔ جو وہاں سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر تھا۔

ہم چٹانوں میں ایک تنگ سے راستے پر چل رہے تھے۔ سب سے آگے ہمارا ساتھی قبائلی تھا۔ اس کے پیچھے میں اور جانکی اور آخر میں دوسرے دونوں آدمی تھے۔

آگے جاکر وہ تنگ سا راستہ بھی بند ہوگیا۔ اب چٹانیں تھیں۔ میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھ میں بھی تشویش تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ ہمیں ان خطرناک عمودی چٹانوں پر چڑھنا پڑے گا لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ ہمارا ساتھی قبائلی ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے جاکر غائب ہوگیا۔

میں اس پتھر کے پیچھے پہنچا تو عمودی چٹان میں اوپر تک ایک تنگ سی دراڑ نظر آئی۔ لگتا تھا جیسے کبھی یہ چٹان رہی ہوگی لیکن شاید کسی زلزلے کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ دونوں چٹانوں کے درمیان ڈھائی تین فٹ کا خلا تھا۔

قبائلی اس تنگ سی دراڑ میں داخل ہوکر آگے بڑھ رہا۔ میں اور جانکی بھی اس کے پیچھے ہی دراڑ میں گھس گئے۔ ہم دونوں آڑے ہوکر چل رہے تھے۔ جانکی میرے پیچھے تھی اور میں نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

میں نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا تو سینے میں سانس روکا ہوا محسوس ہونے لگا۔ دونوں چٹانیں اوپر سے ایک دوسرے سے ملتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں۔ روشنی کی ایک باریک سی لکیر تھی جو دور تک چلی گئی تھی۔

یہ دراڑ تقریباً پچاس گز طویل ثابت ہوئی۔ اس کے اختتام پر ہم کھلی جگہ پر پہنچ گئے۔ آگے ڈھلان تھی اور ڈھلان کے اختتام پر وہ نالا تھا جو پہاڑیوں میں گھومتا ہمارے سامنے سے گزر رہا تھا۔

یہاں نالے کا پاٹ دس بارہ فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ کنارے بالکل عمودی تھے۔ پانی کی رفتار بہت تیز تھی۔ یہاں گہرائی بھی یقیناً بہت زیادہ تھی۔ درختوں کے دو تنے ایک دوسرے سے ملا کر نالے پر رکھے ہوئے تھے جو پل کا کام دے رہے تھے۔ ان دونوں تنوں کو ملا کر بھی اس کی چوڑائی تین فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔

ہمارا ساتھی قبائلی تو بڑے اطمینان سے اس پل پر چلتا ہوا دوسری طرف پہنچ گیا۔ میں دو قدم آگے بڑھ کر رکا اور ایک ہاتھ جانکی کی طرف بڑھا دیا۔

"میرا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ چلتی رہو۔"

"نہیں۔ تم جاؤ۔ میں خود ہی آؤں گی۔" جانکی نے کہا۔

وہ بھی دو قدم آگے بڑھی اور پھر بیٹھ گئی۔ نالے پر چلنے میں یہ خطرہ تھا کہ اگر پیر پھسل گیا تو نالے کی تند لہریں اپنے ساتھ بہا کر لے جاتیں۔ جانکی نے محفوظ طریقہ کیا تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے کسی چوپائے کی طرح آگے بڑھتی رہی اور بالآخر دوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔

جنگل میں وہ بستی آٹھ میل سے بھی زیادہ دور تھی۔ ہم تقریباً ایک گھنٹے میں وہاں پہنچے تھے۔ چھ سات جھونپڑے تھے۔ اس بستی میں رہنے والوں کی تعداد پچیس چھبیس افراد پر مشتمل تھی جس میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ یہ لوگ چینی ہی تھے۔ ان کی زبان خاصی بگڑی ہوئی تھی۔ میں اگرچہ مینڈرین زبان اچھی طرح سمجھتا اور بول بھی سکتا تھا لیکن مینڈرین مہذب لوگوں کی شستہ اور سلیس زبان تھی۔ اس مینڈرین میں بڑی گنگناتی تھی جبکہ اس بستی کے لوگ جو زبان بولتے تھے' اسے چین کی مکسال زبان کہا جاسکتا تھا۔ بگڑے ہوئے لہجے کی بگڑی ہوئی زبان۔

یہ میلوں دور تک پھیلا ہوا مہاگنی کا جنگل تھا۔ فرنیچر کے لیے یہ دنیا کی بہترین لکڑی سمجھی جاتی تھی۔ اس جنگل میں اس جیسی چھوٹی چھوٹی کئی بستیاں تھیں۔ یہ لوگ درخت کاٹ کر لکڑی جمع کرتے تھے۔ مہینے میں ایک مرتبہ ٹرک آتے جو کٹی ہوئی لکڑیاں ایک بڑی بستی میں پہنچا دیتے جہاں آرا مشینیں لگی ہوئی تھیں وہاں ان تنوں کو ضرورت کے مطابق مختلف سائز میں کاٹا جاتا اور ٹرکوں پر لاد کر کن منگ روانہ کردیا جاتا۔

اس بستی میں بھی ہمیں دو دن رہنا پڑا۔ ہمارے قبائلی ساتھی نے بتایا تھا کہ وہ پہاڑی نالا پار کرنے کے بعد چین کی سرحد میں داخل ہوگئے تھے۔ جس کا مطلب تھا کہ اس وقت ہم چین کی سرحد میں سات آٹھ میل اندر تھے اور ہم مزید اندرونی علاقے کی طرف جارہے تھے۔

ہم صبح سات بجے اس بستی سے روانہ ہوئے تھے۔ کئی میل تک گھنے جنگل میں سفر جاری رہا پھر جنگل بتدریج چھدرا ہوتا چلا گیا۔ اس سے آگے پہاڑی سلسلہ تھا لیکن یہ پہاڑیاں زیادہ اونچی نہیں تھیں۔ ان پہاڑیوں پر درخت تو اکا دکا ہی تھے لیکن جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ بعض مقامات پر یہ جھاڑیاں ہمارے قد سے بھی اونچی تھیں۔

برمی قبائلی کے علاوہ وہ دونوں چینی بھی ہمارے ساتھ تھے جو پہاڑوں میں ہماری تلاش میں آئے تھے۔ وہ دونوں ہمارے آگے آگے چل رہے تھے۔ ان کی رفتار خاصی تیز تھی۔ ان کی وجہ سے ہمیں بھی تیز چلنا پڑ رہا تھا۔

دوپہر کے قریب درختوں کے ایک جھنڈ میں پڑاؤ ڈال دیا گیا تھا۔ قریب ہی ایک چشمہ بھی تھا۔ چینی بستی والوں نے ہمارے لیے کھانا دے دیا تھا۔ جو ہم نے خوب ڈٹ کر کھایا۔ جو کھانا بچ گیا وہ رات کے لیے سنبھال کر رکھ دیا گیا۔

ایک گھنٹا آرام کرنے کے بعد ہم پھر چل پڑے اور کہیں رکے بغیر سفر کرتے ہوئے شام سے ذرا پہلے دریائے میکانگ پر پہنچ گئے۔ یہ دریا تبت سے اوپر تھانگلا ماؤنٹین نام پہاڑی سلسلے میں کہیں سے بہنا شروع ہوتا تھا اور جنوبی چین کے سیکڑوں میل کا فاصلہ طے کرتے ہوئے برما' تھائی لینڈ' لاؤس اور کمبوڈیا کے علاقوں کو سیراب کرتا ہوا ساؤتھ چائنا سی میں جاگرتا تھا۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک دریا کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور پھر ایک ایسی جگہ رک گئے جہاں چینی ماہی گیروں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ یہ بستی بھی چند جھونپڑوں پر مشتمل تھی۔ ہمارے چینی قبائلی ساتھی تقریباً ایک گھنٹے تک سردار کے جھونپڑے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ان کی بگڑی ہوئی زبان تو میری سمجھ میں نہ آسکی لیکن یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ ان میں ہمارے ہی حوالے سے کوئی بحث ہو رہی تھی۔ اس بحث کے دوران میں بوڑھا سردار بار بار ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

بالآخر ان کی بحث ختم ہوگئی۔ برمی قبائلی وہاں سے اٹھ کر ہمارے قریب آگیا۔ وہ کچھ دیر تک بڑی گہری نظروں سے جانکی کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے جانکی کو اس طرح گھورتے دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔

"کیا بات ہے۔ کس بات پر بحث ہو رہی تھی۔" میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں سے چند میل آگے میکانگ کے کنارے پر ہی چیلی نام کا شہر ہے۔" قبائلی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ جگہ اگرچہ سرحد سے میلوں دور ہے لیکن غیر قانونی طور پر لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ غیر قانونی طور پر سرحد پار کرنے والے عام طور پر ایسی ہی چھوٹی چھوٹی بستیوں کا رخ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تلاش میں پولیس بھی ان بستیوں کے چکر لگاتی رہتی ہے اور دریا میں بھی پیٹرولنگ ہوتی رہتی ہے۔ یہ دریا پار کرکے ہی چین کے اندرونی علاقوں تک پہنچا جاسکتا ہے اس لیے پولیس کی زیادہ توجہ اس دریا اور اس کے کنارے پر آباد چھوٹی چھوٹی بستیوں پر رہتی ہے۔ کسی بستی سے جب کوئی آدمی پکڑا جاتا ہے تو اس کے ساتھ بستی والوں کی بھی شامت آجاتی ہے اس لیے بستی کا سردار تم لوگوں کو رات یہاں رکھنے کو تیار نہیں البتہ وہ اس بات پر آمادہ ہے کہ آدھی رات کے بعد تم لوگوں کو کشتی پر دریا پار کرا دیا جائے لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا۔۔۔؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش ہو کر ایک بار پھر جانکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آگے تم لوگ اس حلیے اور اس لباس میں سفر نہیں کر سکو گے۔" اس نے جواب دیا "ہمارے سردار نے تم لوگوں کے لیے کچھ چیزیں دی تھیں جو اب اگلے سفر میں تمہارے کام آئیں گی۔" وہ اپنا تھیلا کھولنے لگا۔ مجھے یاد آگیا کہ بری بستی کے سردار نے روانہ ہوتے وقت مجھ سے کوئی ایسی بات کہی تھی۔ اس نے تھیلے میں سے ایک اور تھیلا نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ اس میں زرد رنگ کی چادریں اور کچھ اور چیزیں تھیں "اب تم لوگ بھکشوؤں کے روپ میں سفر کرو گے۔ ان ممالک میں بھکشوؤں کا ہی ایک ایسا طبقہ ہے جسے کچھ سہولتیں اور مراعات حاصل ہیں۔ یہ سیلانیوں کی طرح ملکوں ملکوں گھومتے رہتے ہیں۔ انہیں پاسپورٹ اور ویزے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان سے کچھ پوچھا بھی نہیں جاتا اور یہ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد سمجھے جاتے ہیں۔ اپنے ان حلیوں میں تو تم لوگ دریا پار کرتے ہی پکڑے جاؤ گے مگر بھکشو بن کر آزادی سے سفر کرتے رہو گے لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا۔۔۔؟" میں نے ایک بار پھر اسے گھورا۔

وہ خاموش ہو کر ایک بار پھر جانکی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس دوران میں سردار نے آواز دے کر ایک عورت کو جھونپڑے میں بلالیا۔ اس سے تیز لہجے میں کچھ کہا۔ عورت نے بھی جانکی کی طرف دیکھا اور سر ہلاتے ہوئے باہر چلی گئی۔

"کیا مسئلہ ہے اور تم اس طرح جانکی کو گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟" میں نے ایک بار پھر پوچھا۔

"تمہاری اس ساتھی کے بال کاٹنے پڑیں گے اور اسے لباس بھی اس طرح پہننا پڑے گا کہ اس کا جسم نمایاں نہ ہو سکے۔" قبائلی نے جواب دیا۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اب میں سمجھ گیا تھا کہ وہ جانکی کو بار بار اس طرح گھور کر کیوں دیکھ رہا تھا۔ اس کا مطلب بھی میری سمجھ میں آگیا تھا۔ بدھ مذہب میں عورتیں بھکشو نہیں بن سکتیں اور اگر ہمیں آزادی سے سفر جاری رکھنا تھا تو حلیہ بدلنا ضروری تھا۔ جانکی کے بال تو کٹ سکتے تھے لیکن اس کا جسم۔۔۔ وہ کم بخت جسم کے بالائی حصے سے کچھ ایسی صحت مند تھی کہ اس کی یہ صحت مندی پہلے بھی مسئلہ بنتی رہی تھی اور اب بھی مسئلہ بن سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اس کا بندوبست ہو جائے گا۔" میں نے کن انکھیوں سے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

قبائلی اٹھ کر سردار اور اپنے ساتھیوں کے پاس چلا رات کا کھانا ہم نے سردار کے جھونپڑے ہی میں تھا۔ اس سے پہلے میں جانکی کو سمجھا رہا تھا کہ اسے اپنے کی قربانی دینی ہوگی۔ جانکی کو اپنے لمبے بالوں پر بڑا فخر بنگاک میں تو وہ اپنے بال کھلے رکھتی تھی جو اس کی کمر تک جھولتے رہتے تھے۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ کٹوانے پر کبھی بھی آمادہ نہ ہوتی لیکن یہ ایک ایسی مجبوری تھی کہ وہ انکار نہ کر سکی۔

کھانے کے بعد وہ عورت، جسے پہلے سردار نے بلایا قبائلی کا دیا ہوا تھیلا اور جانکی کو لے کر کسی دوسرے جھونپڑے میں چلی گئی اور ایک گھنٹے بعد جب جانکی میرے سامنے آئی تو میں بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کر سکا تھا۔ اس کی گنجی ہو جانے سے اس کی شکل ہی بدل گئی تھی۔ زرد رنگ کے لباس، بلکہ چادر اس طرح اس کے جسم پر لپٹی ہوئی تھی کہ نسوانیت کے نشان بڑی حد تک دب گئے تھے۔

مجھے ہنستے دیکھ کر جانکی روہانسی سی ہوگئی۔ وہ عورت واپس لے آئی تھی۔

میں نے بھی اپنے قبائلی گائڈ سے بال کٹوا لیے اور رنگ کی وہ چادر لپیٹ لی۔ مجھے بھکشوؤں کی طرح چادر لپیٹنے کا اچھا خاصا تجربہ تھا۔ مہاراج کے پاس رہتے ہوئے میں طویل عرصے تک یہ لباس استعمال کیا تھا۔ قبائلی نے کپڑے وہ تھیلا بھی میرے حوالے کر دیا تھا جس میں کچھ ایسی چیزیں تھیں جو سفر میں کسی وقت ہمارے کام آسکتی تھیں۔

رات ایک بجے کے قریب ہم روانگی کے لیے تیار ہوگئے۔ قبائلی گائڈ نے میری رائفل میری طرف بڑھاتے ہوئے میں چونک گیا۔

"کسی بھکشو کے پاس اس قسم کا خطرناک اسلحہ نہیں چاہیے۔" میں نے کہا "یہ رائفل تم میری طرف سے سمجھ کر اپنے پاس رکھ لو۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں گی۔"

قبائلی کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ چائنا کی رائفل بہت قیمتی تھی۔ اگلے سفر کے دوران میں اس رائفل موجودگی ہمارے لیے مصیبت بن سکتی تھی اس لیے اس سے نجات حاصل کرلی تھی۔ اپنی حفاظت میرے اور جانکی کے پاس پستول موجود تھے جو ہم لباس میں چھپا لیے تھے۔ میرے پاس پنڈلی پر چمڑے سے بندھا ہوا خنجر بھی تھا۔

وہ بادبانی کشتی تھی جو ماہی گیری کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ پہاڑی علاقوں میں میکانگ کی روانی میں تندی تھی لیکن یہ میدانی علاقہ تھا۔ یہاں دریا بڑا پرسکون تھا اسی لیے یہاں ماہی گیری بھی ہوتی تھی۔ مچھیرے عام طور پر آدھی رات کے بعد ہی نکلتے تھے۔ دریا میں اور کشتیاں بھی نظر آرہی تھیں جو مختلف سمتوں میں رواں تھیں۔

ہماری کشتی پر ہمارے علاوہ پانچ آدمی اور تھے جن میں اس بستی کا سردار بھی تھا۔ اس جگہ دریا کا پاٹ ہزار میٹر سے کم نہیں تھا۔ گہرائی بھی زیادہ تھی کشتی ہلکی رفتار سے دوسرے کنارے کی طرف بڑھتی رہی۔

دوسرے کنارے پر بھی گھاٹ سا بنا ہوا تھا۔ کشتی اس گھاٹ کے ساتھ رک گئی۔ ہمارے ساتھ سردار بھی کشتی سے اتر آیا۔ وہ کچھ دُور تک ہمارے ساتھ چلتا رہا پھر ایک جگہ رک گیا اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہاں کئی میل تک کوئی باقاعدہ آبادی نہیں ہے لیکن اس طرف تقریباً ایک میل آگے ایک اسٹوپا ہے جہاں تم لوگ رات بسر کر سکتے ہو۔ اس سے تقریباً بیس میل آگے پُون نامی گاؤں ہے۔ وہاں سے آگے جانے کے لیے تم لوگوں کو کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی۔"

میں نے سردار کا شکریہ ادا کیا۔ سردار نے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دریا کی طرف چل پڑا۔ میں اور جانکی اسے اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ اپنی کشتی پر نہیں پہنچ گیا تھا اور پھر کشتی جیسے ہی حرکت میں آئی ہم بھی مڑ کر اس راستے پر چل دیے جس طرف سردار نے اشارہ کیا تھا۔

جھاڑیوں سے اٹا ہوا پتھریلا میدان تھا اور وہ راستہ بھی غیر ہموار تھا۔ جانکی نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ہم دونوں اس راستے پر چلتے رہے۔ تاریکی میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ ہمیں بار بار ٹھوکریں لگ رہی تھیں۔

وہ اسٹوپا واقعی ایک میل سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ صرف اسٹوپا ہی نہیں تھا اس سے چند گز آگے ایک مختصر سی عمارت بھی تھی جو تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اسٹوپا۔ خاص طرز تعمیر کی حامل اس عمارت کو بارہ دری کہنا ہی مناسب ہوگا۔ چھتری نما گول چھت جسے وسط سے ایک بڑے اور اطراف سے چار چھوٹے ستونوں نے سہارا دے رکھا تھا۔ نیچے، زمین کی سطح سے دو فٹ بلند اور بہت کشادہ چبوترا تھا۔ اگرچہ کنکریٹ کے تین چار بینچ بھی رکھے ہوئے تھے مگر وہ سب ٹوٹے ہوئے تھے۔ فرش بھی جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔

جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی دیکھ بھال پر کبھی توجہ نہیں دی گئی تھی۔ چین، جاپان، برما اور تھائی لینڈ وغیرہ میں لاتعداد اسٹوپا اور پگوڈا نما عمارتیں موجود ہیں۔ یہ عمارتیں ویرانوں میں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ ایسی عمارتیں حکومت یا مخیر حضرات تعمیر کروا کر بھول جاتے ہیں اور یہ ان بھکشوؤں کے آرام کے کام آتی ہیں جو سیلانیوں کی طرح گھومتے رہتے ہیں۔

وہ مختصر سی عمارت اسٹوپا سے پچاس گز کے فاصلے پر تھی۔ میں اور جانکی اسی طرف بڑھ گئے۔ مختصر سا برآمدہ تھا اور دو کمرے تھے۔ دونوں کمروں کے دروازے اور چوکھٹیں غائب تھیں۔ میں نے کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے جانکی والا لالٹین نکال لیا۔ پہلے میں ایک کمرے میں داخل ہوا۔ اندر قدم رکھتے ہی ناگوار بو کا بھبکا میرے نتھنوں سے ٹکرایا۔ لالٹین کی روشنی میں وہ کمرا کسی بہت الخلا کا منظر پیش کر رہا تھا۔

دوسرے کمرے کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ ہم دوبارہ اسٹوپا میں آگئے اور ایک ایسے بینچ پر بیٹھ گئے جو زیادہ ٹوٹا ہوا نہیں تھا۔ اس وقت تین بجنے والے تھے۔ جانکی نے میرے کندھے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ وہ تو جلد ہی سو گئی مگر میں جاگتا رہا اور تاریکی میں گھورتا رہا لیکن میں بھی زیادہ دیر تک نیند کا مقابلہ نہیں کر سکا اور میری آنکھیں بھی بند ہونے لگیں۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کتنی دیر سویا ہوں گا لیکن پھر اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے سورج پوری آب و تاب کے ساتھ میری آنکھوں کے عین سامنے چمک رہا ہو۔ ایک لمحے کو تو کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ میری آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ میں پلکیں جھپک جھپک کر سامنے تیز روشنی میں دیکھنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر اچانک ہی میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ میری آنکھوں کے سامنے سورج نہیں چمک رہا تھا بلکہ وہ ٹارچ کی تیز روشنی تھی جس نے میرے چہرے کو اپنے حلقے میں لے رکھا تھا۔

جانکی کا سر اس وقت میری گود میں تھا۔ اس کے سینے پر سے چادر سرکی ہوئی تھی۔ مجھے فوراً ہی ایک اور احساس ہوا۔ میں نے جانکی کو کندھے سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔ وہ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایک لمحے کو تو وہ بھی بدحواس سی رہی پھر اس نے بھی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو ٹارچ کے عقب سے ایک غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ زبان اگرچہ چینی ہی تھی مگر قابل فہم تھی۔

"اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔ کون ہو تم لوگ؟"

"ہمارے لباس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ہم کون ہیں؟" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"نہیں۔" اس آواز نے جواب دیا "تم لوگ وہ نہیں جو نظر آرہے ہو۔ یہ عورت ہے اور کوئی عورت بھکشو نہیں ہوسکتی۔"

جانکی نے جلدی سے چادر سے اپنا سینہ ڈھانپنے کی کوشش کی مگر اس کا راز تو اسی وقت کھل گیا تھا جب وہ میری گود میں سر رکھے سو رہی تھی اور ٹارچ کی روشنی نے ہم دونوں کو حلقے میں لے رکھا تھا۔

"یہ درست ہے کہ عورت بھکشو نہیں ہوسکتی لیکن یہ عورت مصیبت کی ماری ہوئی ہے۔ ڈاکوؤں سے بچنے کے لیے اس نے یہ روپ دھار لیا ہے لیکن تم۔۔۔"

"تمہیں جلد ہی پتا چل جائے گا کہ میں کون ہوں۔" اس نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا دوسرا ہاتھ روشنی میں آگیا۔ اس ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر ٹارچ کی روشنی میں چمک رہا تھا "میرے ساتھی چند منٹ میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ہم بہت دنوں سے ایک عورت کی ضرورت محسوس کررہے تھے لیکن تم فی الحال اپنا تھیلا میرے حوالے کردو۔"

"ہمارے پاس دولت نہیں ہے۔ ہم تو غریب لوگ ہیں۔۔۔"

"تھیلا مجھے دے دو۔" وہ غرایا۔

میں نے گلے میں لٹکا ہوا تھیلا اتار کر ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے میں خنجر اور ظاہر ہے وہ تھیلا ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا۔

"تھیلا اس طرف پھینک دو۔" اس نے خنجر والے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

میرا ہاتھ بڑی تیزی سے حرکت میں آیا۔ تھیلا اس کے خنجر والے ہاتھ پر لگا۔ تھیلے میں کچھ چیزیں تھیں اور ان کا دو کلو کے لگ بھگ وزن تھا۔ تھیلا اس شخص کی کلائی سے ذرا پیچھے لگا اور خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر تاریکی میں جا گرا۔ وہ شخص بھی ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا تھا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس پر چھلانگ لگا دی۔

میں نے اسے گرفت میں لینے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس کے پہلو میں زوردار سائیڈ کک رسید کردی۔ وہ بلبلاتا ہوا نیچے گرا۔ ٹارچ بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر گر گئی تھی۔ میں نے ایک اور کک لگا دی۔ وہ پیچھے لڑھک گیا لیکن اس مرتبہ وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ سنبھلنے کی کوشش کے ساتھ ہی اس نے ٹانگ چلا دی۔ اس کے پیر کی ٹھوکر میری پنڈلی کی ہڈی پر لگی۔ میں لڑکھڑا گیا اور جیسے ہی نیچے جھکا اس کی دوسری ٹھوکر میری ٹھوڑی کے نیچے لگی۔ یہ ٹھوکر اگرچہ زیادہ زوردار نہیں تھی مگر میرا جبڑا ہل کر رہ گیا۔

میرا خیال تھا کہ وہ عام لٹیرا رہزن قسم کا آدمی ہوگا لیکن جس طرح اس نے وار کیے تھے، اس سے اندازہ ہوا کہ وہ مارشل آرٹس کے داؤ پیچ بھی جانتا ہے۔ میری ذرا سی غفلت مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتی تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ میں نے بھی سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی۔ اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر اور پیروں کی پوزیشن لے کر مخصوص اسٹانس بنالیا۔ میں نے لیفٹ کک لگائی جسے اس نے ہاتھ سے روکا۔ میں نے دوبارہ لیفٹ کک لگانے کے لیے پیر اوپر اٹھایا۔ اس نے کک روکنے کے لیے پھر ہاتھ کو حرکت دی لیکن میرا لیفٹ کک لگانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں پوری قوت سے دائیں پیر پر اچھلا اور اس کے ساتھ ہی ہوا میں گھوم گیا۔ یہ اسپن کک کا خطرناک حملہ تھا جس سے بچنا عام طور پر ممکن نہیں ہوتا۔ میری کک اس کے بائیں کندھے کے جوڑ پر لگی۔ وہ چیختا ہوا ڈھیر ہوگیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اٹھ کر چبوترے سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ وہ شاید سمجھ گیا تھا کہ میں بھی مارشل آرٹ کے کچھ داؤ پیچ جانتا ہوں اس لیے اس نے راہ فرار ہی میں عافیت سمجھی تھی۔

میں نے بھی سنبھل کر اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ وہ جان چکا تھا کہ جانکی بھکشو نہیں عورت ہے اور یہ راز جان لینے کے بعد اس کا بھاگ جانا خطرناک ہوسکتا تھا۔ وہ مجھ سے تقریباً دس قدم آگے تھا اور دائیں طرف مڑتا ہوا جھاڑیوں کی طرف دوڑ رہا تھا۔ میں دور ہی سے اس پر چھلانگ لگانے کی سوچ رہا تھا کہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ شخص چیختا ہوا منہ کے بل گرا۔ میں ایک جھٹکے سے رک گیا۔

جانکی دوڑتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے ہاتھ میں پستول۔ گولی اس نے چلائی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے ٹارچ لے لی اور آگے بڑھ کر اس شخص کو دیکھنے لگا۔ وہ جھاڑیوں میں اوندھا پڑا ہوا تھا۔ گولی اس کی پشت پر بائیں طرف لگی تھی اور میرا خیال تھا کہ گولی گوشت کو چیرتی ہوئی اس کے دل تک پہنچ گئی تھی ورنہ وہ اتنی جلدی بے حس و حرکت نہ ہوجاتا۔

"اگر یہ بھاگ جاتا تو ہمارے لیے کوئی نئی مصیبت کھڑی ہوسکتی تھی۔" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس

کے لہجے میں کسی قدر جھجک سی تھی۔ شاید وہ سمجھتی تھی کہ میں اس کی اس حرکت پر ناراضگی کا اظہار کروں گا۔

"بہت اچھا کیا تم نے۔ میرے ہاتھ لگ جاتا تو میں بھی اس کا یہی حشر کرتا۔" میں نے کہا "بہرحال، اب فوراً ہی یہ جگہ چھوڑ دینی ہوگی۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے ساتھی چند منٹ بعد یہاں پہنچنے والے ہیں اور تم اپنا خیال رکھو۔ کہیں اور ایسی کوئی مصیبت کھڑی نہ ہوجائے۔"

"تم اسے مصیبت کہتے ہو۔" جانکی نے مجھے گھورا "یہی تو عورت کا حسن ہے اور پھر یہ میرے بس میں تو نہیں۔"

"بہت بے شرمی کی باتیں کرنے لگی ہو۔" میں نے بھی اسے گھورا "عورت کا حسن ہی اس کے لیے عذاب بن جاتا ہے۔ اس لیے۔۔۔"

"کاش!" جانکی نے گہرا سانس لیا "مار دھاڑ کے علاوہ تمہارے دل میں کچھ اور بھی ہوتا۔"

"اب نکل چلو یہاں سے۔" میں نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں دوبارہ چبوترے پر آگئے۔ ٹارچ کی روشنی میں، میں نے اپنا تھیلا تلاش کیا۔ ایک طرف خنجر بھی پڑا ہوا نظر آگیا لیکن میں نے اس پر توجہ نہیں دی۔ ٹارچ بجھا کر میں نے تھیلے میں ڈال لی تھی۔ یہ ہمارے کام کی چیز تھی۔

ہم اسٹوپا سے نکل کر جھاڑیوں میں پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ سردار نے اشارے سے بتایا تھا کہ اس اسٹوپا سے آگے کا راستہ ہمیں پودن نامی گاؤں تک پہنچا دے گا۔ یہ چونکہ ایک باقاعدہ پگڈنڈی تھی اس لیے میرا خیال تھا کہ یہی راستہ ہمیں اس گاؤں تک لے جائے گا۔ ہم دونوں تیز تیز چلتے رہے۔

تقریباً ایک گھنٹے تک مسلسل چلتے رہنے کے بعد ہم رک گئے۔ جانکی کی سانس پھول گئی تھی۔ ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے چند منٹ سے زیادہ نہیں گزرے تھے کہ کچھ آوازیں سن کر چونک گئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بہت سے گھوڑے دوڑتے ہوئے اس طرف آرہے ہوں۔ میں جانکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا جھاڑیوں میں لے گیا۔

آوازیں ہمارے قریب آتی جارہی تھیں۔ میں نے جھاڑیوں میں سے ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ چار گھڑ سوار تھے۔ جو ہمارے سامنے سے گزر گئے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ چاروں اس آدمی کے ساتھی تھے جسے ہم ٹھکانے لگا آئے تھے اور میرے خیال میں یہ ڈاکوؤں کا کوئی گروہ تھا لیکن مجھے حیرت تھی کہ یہ چار ڈاکو تو گھڑ سوار تھے اور وہ آدمی پیدل تھا جو اپنے ساتھیوں سے پہلے وہاں پہنچ گیا ہوگا۔

وہ گھڑ سوار جیسے ہی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوئے ہم بھی جھاڑیوں سے نکل آئے اور تیز رفتاری سے پگڈنڈی پر چلنے لگے۔

صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا مگر ہم رکے بغیر چلتے رہے لیکن بالآخر جانکی کی ہمت جواب دے گئی۔ میں رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چاروں طرف پہاڑیاں سے ہٹ کر چند درخت نظر آرہے تھے۔ ہم جھاڑیوں میں ہوتے ہوئے ان درختوں کے نیچے پہنچ گئے۔

سورج طلوع ہوچکا تھا لیکن آسمان پر بادلوں کی وجہ سے دھوپ نہیں پھیلی تھی۔ تھوڑی دیر مزید آرام کرنے کے بعد ہم ایک بار پھر چل پڑے۔ ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ اب تک ہم نے کتنا فاصلہ طے کیا تھا اور پودن نامی وہ گاؤں ابھی کتنی دور تھا۔

ڈھائی تین گھنٹوں تک مسلسل چلتے رہنے کے بعد ہم ایک بار پھر رک گئے۔ آگے ایک دم ڈھلان شروع ہوگئی تھی اور نشیب میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آرہا تھا۔ فضا میں ہلکی سی خوشگوار مہک رچی ہوئی تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ نشیب میں دھان کے کھیت تھے اور فضا میں وہ مہک بھی دھان کی تھی۔

ہم ڈھلان پر اترتے ہوئے دھان کے کھیتوں میں پہنچ گئے۔ کھیتوں میں ہمیں زیادہ نہیں چلنا پڑا۔ دائیں طرف کھیتوں میں کشادہ راستے پر ایک گھوڑا گاڑی آتے دیکھ کر ہم رک گئے۔ وہ دراصل ایک چھکڑا تھا جس کے آگے خچر جتا ہوا تھا۔ چھکڑے پر مویشیوں کے لیے چارا لدا ہوا تھا۔ اوپر آگے کی طرف ایک کاشتکار بیٹھا ہوا تھا جس نے خچر کی لگام تھام رکھی تھی۔ اس کے جسم پر نیلے رنگ کا پتلون نما پاجامہ اور بغیر آستین کی جیکٹ تھی جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور اس کا سینہ برہنہ ہورہا تھا۔ سر پر تنکوں کا بہت چوڑے چھجے کا ہیٹ تھا۔ اس کاشتکار کا برہنہ سینہ دیکھ کر جانکی اپنے سینے پر چادر درست کرنے لگی۔

چھکڑے پر پیچھے چارے کے گٹھوں پر نو دس سال کی عمر کا ایک بچہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر بھی چوڑے چھجے کا ہیٹ تھا۔ میں نے راستے کے بیچ میں کھڑے ہوکر دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ میں ایسا نہ بھی کرتا تو وہ کاشتکار چھکڑا روک لیتا۔

چھکڑا رکتے ہی کاشتکار چھلانگ لگا کر نیچے اتر آیا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر باری باری ہماری طرف دیکھا۔ اس نے کچھ کہا بھی تھا لیکن میں مطلب نہیں سمجھ سکا۔ البتہ میں نے پودن کا

نام لے دیا تھا۔ کاشتکار نے ہمیں چھکڑے پر بیٹھنے کا اشارہ کردیا۔

میں نے پہلے جانکی کو چھکڑے پر سوار ہونے میں مدد دی پھر خود بھی اوپر چڑھ گیا۔ اس دوران میں کاشتکار بھی اپنی جگہ پر آچکا تھا۔ اس نے لگام کو جھٹکا دیا۔ خچر چل پڑا۔

پون دو ڈھائی میل سے زیادہ دور نہیں تھا۔ یہ گاؤں ڈیڑھ پونے دو سو گھروں پر مشتمل تھا لیکن وہ چھکڑا گاؤں میں داخل ہونے کے بجائے دائیں طرف مڑگیا اور ایک طویل چکر کاٹ کر گاؤں کے دوسری طرف ایک..... خانقاہ کے سامنے رک گیا۔

کاشتکار عقل مند آدمی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کسی بھکشو کو کس جگہ پہنچانا چاہیے۔

چھکڑا چلا گیا۔ میں مڑ کر خانقاہ کی طرف دیکھنے لگا۔ عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ بیرونی دیواروں پر جمی ہوئی کائی سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ یہ عمارت خاصی قدیم ہے اور اس کی دیکھ بھال پر بھی کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

عمارت کے سامنے تقریباً تین فٹ اونچا کشادہ چبوترا تھا۔ ہم چبوترے پر پہنچے ہی تھے کہ دو بھکشو مرکزی دروازے سے نکل کر سامنے آگئے۔ وہ دونوں بڑی خشمگیں نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ انہیں ہماری آمد پسند نہیں آئی تھی۔

"کہاں سے آئے ہو تم لوگ؟" ایک نے آگے بڑھتے ہوئے کرخت لہجے میں پوچھا۔ یہ جملہ اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا تھا۔ وہ ہمارے چہرے دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ ہم چینی نہیں ہیں اور شاید چینی زبان بھی نہیں سمجھتے ہوں گے۔

"ہمیں یہ تو یاد نہیں رہا کہ ہم کہاں سے چلے تھے اور کہاں کہاں سے گزرے ہیں۔ لیکن ہماری منزل ابھی دور ہے۔" میں نے جواب دیا "ویسے ایک بھکشو سے یہ سوال پوچھنا بڑا عجیب سا لگتا ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جانا ہے۔ بھکشو تو سیلانی ہوتا ہے۔ اس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ اگر کوئی منزل....."

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے میری بات کاٹ دی "لیکن ایک بات یاد رکھو۔ یہ واٹ کوئی میم خانہ نہیں ہے۔ تمہیں زیادہ دنوں تک رہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔"

"پریشان مت ہو سنگھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بھکشو ایک دوسرے کو ہمیشہ سنگھی کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اس کے ترش رویے اور کھری کھری باتوں سے میں سمجھ گیا تھا کہ یہاں ان کا طوطے مانڈے کا کام چل رہا تھا اور وہ اس میں کسی کی شراکت برداشت نہیں کرسکتے تھے "ہم تو لمبے راستے کے مسافر ہیں۔ آج کا دن آرام کرنے کے لیے رک گئے ہیں۔ رات یہاں گزار کر اگلے روز صبح سویرے ہی یہاں سے رخصت ہوجائیں گے۔"

"ایک بات کا خیال رکھنا۔" اس نے گھورتے ہوئے کہا "یہاں کے لوگوں سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کرو گے۔ آؤ۔ میں تم لوگوں کو کمرا دکھا دوں جہاں تم لوگوں کو رات بسر کرنی ہے۔"

وہ بھکشو تو مجھ سے باتیں کررہا تھا اور اس دوران میں میں نے محسوس کیا تھا کہ دوسرا بھکشو عجیب سی نظروں سے جانکی کو گھور رہا تھا۔

ہم ان دونوں کے ساتھ عمارت کے مرکزی دروازے میں داخل ہوگئے۔ سامنے ایک ہال تھا جو زیادہ بڑا نہیں تھا۔ چار فٹ اونچے کنکریٹ کے ایک چبوترے پر مہاتما بدھ کا ایک بہت بڑا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔

ایک راستہ اس ہال کے دائیں طرف تھا اور ایک بائیں طرف۔ وہ دونوں بھکشو بائیں طرف والے راستے سے ہوتے ہوئے ہمیں ایک کمرے میں لے آئے۔

"تم لوگ اس کمرے میں رہو گے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ آج کا دن اور رات گزارنے کے بعد کل صبح سویرے تم لوگ یہاں سے رخصت ہوجاؤ گے۔ سمجھے؟"

"سمجھ گئے سنگھی۔" میں نے جواب دیا۔

وہ ہمیں کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے۔ کمرے کا فرش گرد آلود تھا۔ اس کے پچھلی طرف بھی ایک کھڑکی اور ایک دروازہ تھا۔ میں نے وہ کھڑکی بھی کھول دی اور دروازہ بھی۔ عمارت کے پچھلی طرف تقریباً پندرہ گز کے فاصلے پر ایک ندی بہہ رہی تھی اور اس کے پرلی طرف کھیتوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا۔ فضا میں دھان کی مہک رچی ہوئی تھی۔ ہم اس دروازے سے باہر آکر گھاس پر بیٹھ گئے۔

آسمان پر اب بھی بادل تھے لیکن ٹکڑوں کی صورت میں بکھرے ہوئے تھے۔ سورج کبھی کسی ابر پارے کے پیچھے چھپ جاتا اور کبھی تیز دھوپ چمکنے لگتی۔ یہ دھوپ چھاؤں کا منظر بڑا خوشگوار لگ رہا تھا۔

میرے خیال میں اس وقت دوپہر بارہ بجے کا وقت ہوگا۔ ہم نے رات کو ماہی گیروں کی بستی میں کھانا کھایا تھا۔ سردار نے ہمیں تھوڑی سی تلی ہوئی مچھلی دے دی تھی جو ابھی تک ہم نے نہیں کھائی تھی۔ اس وقت مجھے بھوک لگ رہی تھی۔

میں نے تھیلا کندھے سے اتار لیا اور کاغذ میں لپٹی ہوئی مچھلی نکال لی۔ کاغذ میں نے گھاس پر پھیلا دیا۔ مچھلی اتنی تھی کہ ہم کفایت سے کام لیتے تو دو وقت کھا سکتے تھے لیکن اس وقت بڑے زور کی بھوک لگی ہوئی تھی۔ ہم دونوں وہ ساری مچھلی چٹ کرگئے۔ پانی پینے کے لیے وہ ندی موجود تھی۔

پانی پی کر ہم ندی کے کنارے پر ہی بیٹھ گئے لیکن ہم سے زیادہ دیر نہیں بیٹھا جاسکا۔ رات میں نے جاگ کر گزاری تھی اور پیدل چلتے رہنے سے تھکن بھی ہوگئی تھی۔ مجھے نیند کے جھونکے آرہے تھے۔ میں نے جانکی کی طرف دیکھا اور پھر ہم دونوں اٹھ کر کمرے میں آگئے۔

جانکی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور ٹانگیں گرد آلود فرش پر پھیلالیں۔ میں نے اندرونی دروازہ کھول کر دیکھا۔ اس وقت کچھ لوگ خانقاہ کے مرکزی ہال میں مہاتما بدھ کے مجسمے کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ مجسمے کے ساتھ چبوترے پر نذرانے میں چڑھائی جانے والی کئی چیزیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ ایک بھکشو مجسمے کے قریب کھڑا تھا اور دوسرا شاید باہر تھا۔

میں نے دروازہ بند کردیا۔ جانکی سو چکی تھی۔ میں نے باہر والا دروازہ بھی بند کردیا۔ کھڑکی آدھی کے قریب کھلی رہنے دی اور جانکی کے قریب ہی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد میری آنکھیں بھی بند ہونے لگیں۔

دن کا باقی حصہ سوتے ہوئے ہی گزر گیا تھا۔ جانکی مجھ سے پہلے جاگ چکی تھی۔ اس نے باہر کا دروازہ کھول دیا تھا۔

باہر اندھیرا گہرا ہوگیا تھا۔ میں نے اندر کا دروازہ کھول کر ہال میں جھانکا۔ ہال کا مرکزی دروازہ بند تھا اور چھت پر مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ مہاتما بدھ کے مجسمے والا چبوترا اب صاف تھا۔ وہاں اب کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ دونوں بھکشو سب کچھ سمیٹ کرلے گئے تھے۔ گاؤں دیہاتوں میں خانقاہوں پر اچھی خاصی آمدنی ہوتی تھی اس لیے وہ بھکشو نہیں چاہتے تھے کہ ہم یہاں زیادہ دن رہیں۔ وہ اپنی آمدنی میں کسی اور کو شریک نہیں کرنا چاہتے تھے۔

میں نے وہ دروازہ بند کردیا اور کمرے کی دیواریں ٹٹولنے لگا۔ ایک جگہ سوئچ بورڈ ٹوٹل گیا۔ جس پر دو سوئچ لگے ہوئے تھے۔ میں نے باری باری دونوں سوئچ آن کردیے لیکن پتی نہیں جلی یا تو بلب فیوز تھا یا سرے سے بلب تھا ہی نہیں۔

ہم کچھ دیر دروازے کے سامنے بیٹھے رہے اور پھر اٹھ کر گاؤں کی طرف چل پڑے۔ ہمیں طویل چکر کاٹ کر گاؤں کی طرف آنا پڑا تھا۔ پہلی گلی میں داخل ہوتے ہی کتوں نے بھونک کر ہمارا استقبال کیا تھا لیکن کتے دور ہی سے بے دلی سے بھونکتے رہے۔ قریب کوئی نہیں آرہا تھا۔ شاید وہ کسی اجنبی کو دیکھ کر بھونکنے کی رسم پوری کررہے تھے اور میرے خیال میں بھکشو ان کے لیے کوئی نئی یا نادیدہ مخلوق نہیں تھی جس کے لیے سنجیدگی سے بھونک کر اپنی توانائی ضائع کرتے لہٰذا بے دلی سے بھونکنے کی رسم پوری کرنے کے بعد یہ کتے پسپا ہوگئے۔

گاؤں کا ایک ہی بازار تھا۔ چند دکانیں تھیں۔ لوگوں کی آمدورفت جاری تھی لیکن زیادہ رونق نہیں تھی۔ گاؤں دیہات میں تو لوگ جلد ہی سوجاتے ہیں۔

ایک دکان پر لگی ہوئی گھڑی ساڑھے نو بجے کا وقت بتا رہی تھی۔ ہم بازار میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے گئے لیکن کسی نے ہماری طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ کھانے کو لے لو۔" جانکی نے مٹھائی کی ایک چھوٹی سی دکان دیکھ کر کہا۔

"تم شاید بھول گئی ہو کہ بھکشو دوپہر کے بعد کچھ نہیں کھاتے۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ضروری نہیں کہ تمام بھکشو اپنے آپ کو اس کا پابند سمجھتے ہوں۔" جانکی نے کہا "بنکاک میں تم دیکھ ہی چکے ہو۔ واٹ ٹرمیٹ میں تو باقاعدہ رات کا کھانا ہوا کرتا تھا اور بھی کئی مرتبہ میں نے بھکشوؤں کو ہروقت کھاتے پیتے دیکھا ہے۔ وہ زمانے گزر گئے جب پنڈت' پادری' مولوی اور بھکشو قسم کے لوگ مذہبی روایات و رسوم پر سختی سے عمل پیرا ہوتے تھے۔ تمام مذاہب میں زیادہ برائیاں ایسے ہی لوگوں کی پیدا کردہ ہیں۔ تم کچھ لے لو۔ اگر کوئی کچھ کہے تو کہہ دینا صبح کے لیے لیا ہے۔"

ماہی گیروں کی بستی کے سردار نے ازراہ کرم مجھے چینی کرنسی میں کچھ رقم دے دی تھی۔ میں نے تھیلے میں سے چند نوٹ نکالے اور دکان کے سامنے آگیا۔ جانکی وہیں کھڑی رہی تھی۔

مٹھائی کی اس چھوٹی سی دکان میں کوئی شوکیس وغیرہ نہیں تھا۔ تمام چیزیں کھلی پڑی تھیں۔ میں ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔ ایک طشت میں رکھی ہوئی جلیبی قسم کی چیز ہی میری سمجھ میں آسکی تھی۔ میں نے دکان دار کی طرف نوٹ بڑھاتے ہوئے اس طشت کی طرف اشارہ کیا۔

دکان دار ایک ادھیڑ عمر بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس نے تین چار جلیبیاں کاغذ میں لپیٹ کر میری طرف بڑھادیں لیکن نوٹ میرے ہاتھ سے نہیں لیے۔ میں نے اشارے سے اسے

سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ قیمت لے لے اور کچھ جلیبیاں اور دے دے۔ اس نے کاغذ میں چند جلیبیاں اور ڈال دیں مگر قیمت نہیں لی۔ میں نے شرافت اسی میں سمجھی کہ وہ خیرات لے کر وہاں سے ہٹ جاؤں۔

ایک اور دکان سے بیک کی ہوئی موٹی سی ایک روٹی مل گئی۔ ہم نے اسی پر اکتفا کیا اور گاؤں کی گلیوں میں گھومتے ہوئے واپس آگئے۔

ہم نے کمرے کے باہر بیٹھ کر ہی کھانا کھایا اور دیر تک وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ہم چونکہ دن بھر سوتے رہے تھے اس لیے اس وقت نیند ہماری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

بانہوں اور چہرے پر ہلکے سے چھینٹے محسوس کرکے میں نے اوپر دیکھا۔ ہلکی سی پھوار شروع ہوگئی تھی۔ ہم اٹھ کر اندر آگئے۔ دروازہ ہم نے کھلا ہی چھوڑ دیا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی لیکن ہماری آنکھوں میں نیند کا نام و نشان تک نہیں تھا اور پھر اچانک ایک آواز سن کر میں چونک گیا۔ وہ کسی عورت کے چیخنے کی آواز تھی۔ میں اٹھ کر دروازے سے باہر جھانکنے لگا۔ ہلکی ہلکی پھوار بدستور جاری تھی لیکن تاریکی میں کچھ دکھائی نہیں دیا۔ نہ ہی وہ آواز دوبارہ سنائی دی۔ میں اپنی جگہ پر واپس آگیا۔

"تم نے وہ آواز سنی تھی؟" میں نے جانکی کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ہاں۔ کسی عورت کی گھٹی گھٹی سی چیخ تھی۔" جانکی نے جواب دیا۔

تقریباً دو منٹ بعد کسی عورت کے چیخنے کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ ہم دونوں اچھل پڑے۔ یہ آواز باہر سے نہیں خانقاہ کے اندر کی طرف سے آئی تھی۔ آدھی رات کے وقت خانقاہ میں کسی عورت کا کیا کام؟ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا اور اٹھ کر بڑی آہستگی سے اندر والا دروازہ کھول کر ہال میں جھانکنے لگا۔ ہال میں سناٹا تھا۔ میرے ذہن میں جو شبہ پیدا ہوا تھا' وہ تقویت اختیار کرتا جارہا تھا اور پھر اسی لمحے ہال کے دوسری طرف سے ایک اور آواز سنائی دی جیسے کوئی دروازہ دھڑ سے بند ہوا ہو۔

"لگتا ہے۔ اس طرف کوئی گڑ بڑ ہے۔" جانکی کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آگئی تھی۔

"عورت کے چیخنے کی آواز بھی اسی طرف سے سنائی دی۔ آؤ دیکھتے ہیں۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

ہم دونوں کمرے سے نکل کر ہال میں آگئے۔ میں نے بڑی آہستگی سے دروازہ بند کردیا اور دبے قدموں آگے بڑھنے لگا۔ جانکی بھی میرے پیچھے ہی تھی۔ ہمارا رخ بدھ کے بتنے والے چبوترے کی طرف تھا۔ سامنے سے جانے کے بجائے میں چبوترے کے پیچھے نکل گیا تھا۔

ہال کے دوسری طرف ایک تنگ سی راہداری تھی۔ آگے جاکر یہ راہداری انگریزی کے حرف ٹی کی طرح دائیں بائیں مڑگئی تھی۔ دائیں طرف سے ایک آواز سن کر میں اس طرف مڑگیا۔ راہداری میں تاریکی تھی لیکن ایک دروازے کے نیچے جھری سے مدھم سی روشنی جھلک رہی تھی۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ گیا اور جھک کر کی ہول سے آنکھ لگادی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ دونوں تنگ دھڑنگ بھکشو ایک عورت کو دبوچے ہوئے تھے۔ عورت کے جسم پر بھی لباس برائے نام ہی تھا۔ اس کا منہ بندھا ہوا تھا اور وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کررہی تھی۔ اس لڑکی کی لات ایک بھکشو کے سینے پر لگی۔ وہ کراہتا ہوا پیچھے ہٹا لیکن جب سنبھلا تو اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ خنجر دیکھ کر لڑکی کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلتی چلی گئیں۔

میں ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا اور جھک کر اپنی پنڈلی سے بندھا ہوا خنجر نکالنے لگا۔ اس دوران میں جانکی نے کی ہول سے آنکھ لگا دی لیکن وہ بھی ایک جھٹکے سے سیدھی ہوگئی۔ اسی لمحے مجھے اندر سے غراہٹ جیسی آواز سنائی دی۔ میں نے کی ہول سے دیکھا۔ خنجر اس لڑکی کے سینے میں پیوست تھا۔ وہ تڑپ رہی تھی مگر دوسرے بھکشو نے اسے مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا۔ لڑکی یقیناً چیخ بھی رہی ہوگی مگر منہ پر بندھی ہوئی پٹی کی وجہ سے اس کی آواز حلق ہی میں گھٹ رہی تھی۔

میں نے جانکی کی طرف دیکھا اور دروازے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس نے میرا ہاتھ پکڑلیا اور مجھے راہداری کی طرف کھینچتی چلی گئی۔

"ہمیں اس پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے دوسری راہداری میں پہنچ کر سرگوشی کی۔ "ہم نے صبح یہاں سے چلے جانا ہے۔ اس وقت ہم نے کوئی مداخلت کی تو گڑبڑ بھی ہوسکتی ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ واپس چلو۔"

میرے خیال میں جانکی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ہمیں اس معاملے میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ لڑکی اپنی مرضی سے آئی تھی۔ ہماری مداخلت سے معاملہ بگڑ بھی سکتا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ یہاں بھی جانکی کا راز کھل جاتا اور ہمارے ہی لیے کوئی مصیبت کھڑی ہوجاتی۔

اپنے کمرے میں آکر ہم نے خانقاہ کی طرف والا دروازہ بند کردیا اور باہر والا دروازہ کھول کر بیٹھ گئے۔ بنکاک میں ہندو پنڈتوں اور بدھ بھکشوؤں کے بارے میں ایسی بہت سی باتیں سنی تھیں لیکن اس کا عملی مظاہرہ آج پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

"اسی لیے یہ دونوں بھکشو یہاں ہماری آمد پر خوش نہیں تھے۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "انہیں اندیشہ تھا کہ ہماری وجہ سے ان کا یہ راز نہ کھل جائے۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔" جانکی نے کہا "ایسے ہی لوگوں نے تو دھرم کو بدنام کررکھا ہے۔ وہ لڑکی اپنی مرضی سے ان کے پاس آئی ہوئی ہے۔ اگر ہم مداخلت کرتے تو عین ممکن ہے ہمیں ہی کسی معاملے میں پھنسا دیا جاتا اور پھر ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوجاتا کہ میں مرد نہیں عورت ہوں۔"

"اس لیے تو میں تمہاری بات مان کر واپس آگیا ہوں۔ بہرحال' ہمیں صبح ہوتے ہی یہاں سے نکل جانا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

قدموں کی ہلکی سی آہٹ سن کر ہم دونوں خاموش ہوگئے۔ وہ آواز ہمارے کمرے کی طرف ہی آرہی تھی اور پھر دروازے کے سامنے رک گئی۔ اس دروازے کو اندر سے کنڈا نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ ایسے ہی بھڑا ہوا تھا۔ ہم دونوں نے آنکھیں بند کرلیں۔ چند سیکنڈ بعد آہستگی سے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر قدموں کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ دروازہ بند تھا۔ وہ ان دونوں بھکشوؤں میں سے کوئی ایک تھا جو غالباً ہمیں دیکھنے کے لیے آیا تھا اور مطمئن ہوکر واپس چلا گیا تھا۔

ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جانکی اطمینان سے سوگئی اور میں دیر تک ان بھکشوؤں کے گھناؤنے کردار کے بارے میں سوچتا رہا۔

صبح ہوتے ہی ہم خانقاہ سے نکل آئے۔ گاؤں کے بازار میں پہنچ کر ہمیں پتا چلا کہ بانگ نامی ایک کاشتکار اپنی ٹریکٹر ٹرالی پر کچھ سامان لے کر مینگ ژو جانے والا ہے۔ مینگ ژو وہاں سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر تھا۔ جہاں سے ہمیں کن منگ کے لیے کوئی سواری مل سکتی تھی۔

ہم فوراً ہی کاشتکار بانگ کے گھر پہنچ گئے۔ وہ اپنی ٹرالی پر سامان لاد رہا تھا۔ اس نے ہماری بات توجہ سے سنی اور ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کو تیار ہوگیا۔ ایک گھنٹے بعد اس کا روانگی کا پروگرام تھا۔ میں جانکی کو وہیں چھوڑ کر بازار کی طرف نکل گیا اور کھانے پینے کی کچھ چیزیں خرید کرلے آیا۔ کچھ ناشتا کیا اور کچھ چیزیں سنبھال کر تھیلے میں رکھ لیں۔

روانگی سے دس منٹ پہلے دو افراد اور پہنچ گئے۔ ان میں ایک عورت تھی اور دوسرا مرد۔ عورت کی عمر بائیس تیئس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس نے چین کا روایتی دیسی لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر تنکوں کا چوڑے چھجے والا ہیٹ تھا۔ مرد کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان تھی۔ اس نے نیلے رنگ کی پتلون اور نیلی اور سفید دھاریوں والی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ سر پر ہاؤ کیپ تھی۔ اس کے پاس ایک عدد سفری بیگ بھی تھا۔ ان کے بارے میں پتا چلا کہ وہ بھی اس ٹرالی پر ہمارے ساتھ جائیں گے۔ اس آدمی کا نام چانگ ہو تھا۔ وہ کن منگ کا رہنے والا تھا اور یہاں اپنی بہن سے ملنے کے لیے آیا ہوا تھا اور اب واپس جارہا تھا۔ لوزو نامی اس خوب صورت عورت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ اس گاؤں کی رہنے والی تھی اور کسی کام سے مینگ ژو جارہی تھی۔ شام کو بانگ کے ساتھ ہی اس کا واپس آنے کا پروگرام تھا۔

بانگ نے ٹرالی پر سامان اس طرح لادا تھا کہ ہمارے بیٹھنے کی جگہ بھی بن گئی تھی۔ میں اور چانگ ہو ایک طرف بیٹھے تھے اور جانکی اور لوزو ہم سے ذرا ہٹ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

کچے راستے پر ٹرالی کو دھچکے لگ رہے تھے۔ بعض جگہوں پر تو ٹرالی اس طرح اچھلتی کہ ہم ایک دوسرے کے اوپر گر پڑتے۔ اس طرف کسی بس کی آمدورفت نہیں تھی۔ لوگ مینگ ژو تک اسی طرح سفر کرتے تھے۔ مینگ ژو' کن منگ جانے والی ہائی وے پر ایک بڑا قصبہ تھا۔ یہی ہائی وے جنوب میں مختلف چھوٹے بڑے شہروں کو ملاتی ہوئی ویت نام کے مرکزی شہر ہنوئی تک چلی گئی تھی۔

جانکی بھی میری طرح رات دیر تک جاگتی رہی تھی۔ سفر کے دوران میں وہ اونگھ رہی تھی۔ وہ کئی مرتبہ جھٹکا لگنے سے لوزو پر گری تھی۔ پہلے تو لوزو کے چہرے پر ناگوار سے تاثرات ابھرتے رہے پھر ایک موقع پر میں نے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک دیکھی۔ جانکی اس وقت لوزو کے اوپر ہوئی تھی اور لوزو نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھ کر اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی تھی اور اسی وقت میں نے اس کی آنکھوں میں وہ عجیب سی چمک ابھرتی ہوئی دیکھی تھی۔

پانگ نے ایک چھوٹی سی بستی کے سامنے ٹرالی روک لی۔ اس وقت ہم تقریباً تیس میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ چانگ ہو اور لوزو نیچے اتر گئے۔ چانگی اٹھ کر میرے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اسی وقت میری نظر چانگ ہو اور لوزو کی طرف اٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں سڑک پر کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ لوزو نے آنکھوں سے ہماری طرف اشارہ بھی کیا تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد پانگ ٹریکٹر پر آکر بیٹھ گیا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا تو لوزو اور چانگ ہو بھی اوپر آگئے۔ چانگی چونکہ میرے ساتھ آکر بیٹھ گئی تھی اس لیے چانگ ہو کو لوزو کے ساتھ بیٹھنا پڑا تھا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کر لی تھی کہ چانگ ہو بار بار کن انکھیوں سے چانگی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دس بجے کے قریب ہم مینگ ژو پہنچ گئے۔ لوزو تو ہم سے ہاتھ ملا کر مسکراتے ہوئے چلی گئی تھی اور چانگ ہو ہمارے قریب ہی کھڑا رہا۔ ہمیں کن منگ جانے والی بس کا انتظار تھا اور چانگ ہو کو بھی کن منگ ہی جانا تھا۔ میں نے قریب ہی ایک دکان سے کچھ چیزیں خرید لی تھیں جو ہم سڑک پر کھڑے کھڑے ہی کھاتے رہے۔ چانگ ہو نے ایک دو مرتبہ ہم سے باتوں میں بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی لیکن میری حوصلہ شکنی کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد بس آئی تو میں چانگی کو لے کر جلدی سے سوار ہو گیا۔ چانگ ہو نے بھی سوار ہونے کی کوشش کی تھی مگر کنڈیکٹر نے اسے نیچے اتار دیا۔ بس میں صرف دو ہی سیٹیں خالی تھیں جن پر ہم بیٹھ چکے تھے۔ چانگ ہو کے چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی۔ وہ ہماری طرف دیکھتا ہوا بس سے اتر گیا۔ بس فوراً ہی چل پڑی۔

"چانگ ہو کو ہم پر شبہ ہو گیا ہے۔" میں نے چانگی کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی "ٹرالی میں تم بار بار ادھر دیکھ رہی تھیں اور ایک دو مرتبہ لوزو پر گری بھی تھیں۔ اس دوران میں اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تم مرد نہیں عورت ہو اور جب راستے میں ٹرالی رکی تھی اور وہ دونوں نیچے اترے تھے تو لوزو نے اسے تمہارے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ راستے بھر مسلسل تمہیں ہی گھورتا رہا تھا۔"

"مجھے بھی لوزو پر کچھ شبہ ہوا تھا کہ وہ میری اصلیت جان چکی ہے۔" چانگی نے بھی سرگوشی میں جواب دیا "ایک مرتبہ میں اونگھتے ہوئے اس پر گری تھی تو وہ میرا جسم ٹٹول رہی تھی۔"

"وہ دوسری بس پر آئے گا۔" میں نے کہا "خدا کرے دوسری بس دیر سے آئے اور ہمیں اس سے پہلے کن منگ پہنچنے کا موقع مل جائے۔ سنا ہے کن منگ بڑا شہر ہے۔ اگر ہم دس منٹ پہلے بھی پہنچ گئے تو ہمیں غائب ہونے کا موقع مل جائے گا۔"

اسی دوران میں کنڈیکٹر ہمارے قریب آگیا۔ میں نے تھیلے میں سے چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے ان میں سے دو نوٹ واپس کر دیے اور ٹکٹ کے ساتھ تین چھوٹے نوٹ اور کچھ ریزگاری بھی واپس کی تھی۔

"دوسری بس کتنی دیر میں آئے گی۔" میں نے چینی زبان میں رک رک کر کنڈیکٹر سے پوچھا۔

"ایک گھنٹے بعد۔" کنڈیکٹر نے جواب دیا اور دروازے کے ساتھ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

کن منگ تقریباً ڈھائی سو میل کے فاصلے پر واقع تھا اور اس وقت ایک بجنے والا تھا اور شام سات آٹھ بجے سے پہلے وہاں پہنچنے کی توقع نہیں تھی۔

بس ایئر کنڈیشنڈ تھی۔ چانگی کھڑکی کے شیشے سے ٹیک لگا کر اونگھنے لگی تھی۔ مجھے بھی نیند کے جھونکے آنے لگے۔

ہم سات بجے کے قریب کن منگ پہنچے تھے۔ کئی لاکھ آبادی پر مشتمل یہ ایک بڑا شہر تھا۔ بلند و بالا عمارتیں، جگمگاتی ہوئی روشنیاں اور انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر۔ چین میں کسی اور چیز کی کمی ہو تو ہو مگر انسانوں کی کمی نہیں تھی۔

بس جیسے ہی اپنے اسٹیشن پر رکی، میں چانگی کا ہاتھ پکڑ کر سب سے پہلے نیچے اتر آیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اجنبی اور اجنبی راستے۔ ظاہر ہے ہم کسی خاص راستے کا تعین نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے چانگی کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک طرف کھینچتا چلا گیا۔ میں کم سے کم وقت میں بس اسٹیشن سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا۔ ہمارے اس طرح چلنے پر کچھ لوگوں کو دھکے بھی لگے۔ ایک ادھیڑ عمر عورت تو گر کر گرتے بچی تھی۔ وہ میری طرف دیکھ کر تیز لہجے میں کچھ کہہ رہی تھی لیکن ہم اس کی بات کا مطلب سمجھنے کے لیے وہاں رکے نہیں تھے۔

چند منٹ کے اندر اندر ہم وہاں سے تقریباً دو میل دور نکل گئے۔ ابھی شام ہوئی تھی۔ ہر طرف رونق تھی اور روشنی ایسی کہ چلنے کو راستہ نہیں مل رہا تھا۔ مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں ہم کسی خوف کے بغیر اطمینان سے رات گزار سکیں اور ظاہر ہے ایسی محفوظ جگہ کوئی خانقاہ ہی ہو سکتی تھی۔ ہمیں ایک کشادہ شاہراہ پر ایک بہت بڑی خانقاہ نظر

آئی تھی لیکن میں نے خود ہی وہاں جانے سے گریز کیا تھا۔

ہم شہر کے زیریں علاقے میں آگئے۔ یہاں کی آبادی شہر کے دوسرے علاقوں سے زیادہ گنجان تھی۔ ہم پوچھتے ہوئے چلتے رہے اور بالآخر ایک تنگ سی گلی میں داخل ہوگئے۔ اسی گلی میں کچھ آگے جاکر ایک خانقاہ تھی۔

گلی میں خانقاہ کا گیٹ زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن گیٹ کے اندر بہت کشادہ صحن تھا اور اس سے آگے خانقاہ کی اصل عمارت تھی۔ اس وقت اگرچہ ساڑھے آٹھ بج چکے تھے مگر زائرین کی آمدورفت جاری تھی۔ چھوٹے علاقوں میں خانقاہیں عام طور پر شام ہونے سے پہلے ہی بند ہوجاتی تھیں مگر بڑے شہروں میں ان کے دروازے رات نو بجے تک کھلے رہتے تھے۔

خانقاہ کے وسیع صحن میں بھکشو ٹولیوں کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں جانگی کو ساتھ لیے ایک طرف بڑھتا رہا اور بالآخر ایک جگہ رک کر کسی مناسب جگہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اسی دوران میں ایک عورت اور ایک مرد ہمارے قریب آکر رک گئے۔ عورت نے سال بھر کی عمر کے ایک بچے کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔ مرد کے ہاتھ میں کپڑے کا ایک تھیلا تھا جس میں کچھ پیکٹ بھرے ہوئے تھے۔ اس نے تھیلے میں سے دو پیکٹ نکال کر ایک جانگی کو دے دیا اور ایک میرے ہاتھ میں تھمادیا۔

ان دونوں کے چہروں سے پریشانی مترشح تھی۔ لباس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ زیادہ پیسے والے نہیں تھے۔ بچے نے سر اپنی ماں کے سینے سے ٹکا رکھا تھا۔ اس کے چہرے ہی سے لگ رہا تھا کہ وہ بیمار ہے اور شاید یہ دونوں میاں بیوی اس بچے کے لیے کوئی منت ماننے کے لیے یہاں آئے تھے اور خیرات بانٹ رہے تھے۔

ہم ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ میں نے اپنا پیکٹ کھول کر دیکھا۔ اس میں بیسن کی بنی ہوئی کوئی چیز تھی۔ ہم دونوں سر جھکا کر وہ کھانے لگے۔ جانگی والا پیکٹ میں نے تھیلے میں رکھ لیا تھا۔

نو بجے خانقاہ کا گیٹ زائرین کے لیے بند کردیا گیا۔ وسیع صحن میں بہت سے بھکشو موجود تھے۔ ہم اپنی جگہ پر بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ مختلف سمتوں سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ بعض بھکشو تو بہت اونچی آواز میں باتیں کررہے تھے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا' آوازیں معدوم ہوتی گئیں۔ میں نے اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

اور پھر اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک بھکشو میرے قریب آکر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے گردن گھمائی تو جانگی کے ساتھ بھی ایک بھکشو بیٹھا ہوا نظر آیا۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ مجھے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آرہے تھے۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنا چاہی تو کوئی سخت چیز میرے پہلو میں چبھنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی ہلکی سی غراہٹ سنائی دی۔

"کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش مت کرنا ورنہ تمہارے پہلو میں سوراخ ہوجائے گا۔"

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے بھکشو نے مجھے پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔ میں نے جانگی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی بے بسی کے تاثرات تھے۔ وہ دوسرا بھکشو اس پر تقریباً جھکا ہوا تھا۔

آدھی رات کا وقت تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ کئی بھکشو فرش پر سو رہے تھے۔ گیٹ کے اندر کی طرف ایک بلب جل رہا تھا جس کی مدھم سی روشنی چاروں طرف بکھری ہوئی تھی۔

"کون ہو تم لوگ اور اس حرکت کا کیا مطلب ہے؟" میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے بھکشو کی طرف دیکھتے ہوئے چینی زبان میں رک کر کہا۔

"تم دونوں اٹھ کر خاموشی سے ہمارے ساتھ چل پڑو۔ اگر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو گولیوں سے بھون دیے جاؤ گے۔" اس بھکشو نے غراتے ہوئے کہا۔

میں نے جانگی کی طرف دیکھا اور اسے اشارہ کرتا ہوا اٹھ گیا۔ میں اگر چاہتا تو یہاں ہنگامہ کھڑا کرسکتا تھا لیکن مسئلہ جانگی کا تھا۔ اگر یہاں بھکشوؤں کو پتا چل جاتا کہ جانگی مرد نہیں عورت ہے تو وہ لوگ ہمیں مارنے پر تل جاتے۔ ہماری بات کوئی نہ سنتا کہ یہ سوانگ محض تحفظ کے لیے بھرا گیا ہے۔ یہ تصور کرلیا جاتا کہ یہ بھیس اپنا کر ہم کوئی خاص مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ہم دونوں اٹھ کر گیٹ کی طرف چلنے لگے۔ وہ دونوں بھکشو ہمارے دائیں بائیں تھے اور انہوں نے ہمیں پستولوں کی زد پر لے رکھا تھا۔ میرا تھیلا بھی ایک بھکشو نے لے لیا تھا۔

خانقاہ کے سامنے والی گلی اس وقت سنسان تھی۔ ہم ان دونوں کے بیچ میں چلتے رہے۔ گلی کے موڑ پر ایک بند وین کھڑی تھی۔ ہم جیسے ہی قریب پہنچے وین کا سلائڈنگ ڈور کھل گیا۔

"چلو۔ اندر بیٹھو۔" میرے ساتھ والے بھکشو نے مجھے دھکا دیا۔

میں وین میں بیٹھ گیا۔ میرے سامنے جانگی اور اس کے ساتھ ایک بھکشو بیٹھ گیا تھا۔ دوسرا بھکشو دوسری طرف سے آکر میرے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ ہم ان دونوں کے درمیان بینڈوچ بن کر رہ گئے تھے اور پستول ایک بار پھر ہمارے پہلوؤں سے لگ گئے تھے۔ اسٹیئرنگ کے سامنے ایک آدمی پہلے ہی سے موجود تھا۔ اس نے فوراً ہی انجن اسٹارٹ کردیا۔ اس نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا تو میں بری طرح چونک گیا۔

وہ چانگ ہو تھا۔ اس نے بڑی جلدی ہمیں تلاش کرلیا تھا۔

وین شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ بیشتر سڑکیں سنسان تھیں لیکن شہر کے بعض علاقے ایسے بھی تھے جہاں اس وقت بھی رونق ہورہی تھی۔

ہمارا سفر خاموشی سے جاری رہا۔ نہ ان میں سے کسی نے زبان کھولی تھی اور نہ ہی میں نے کچھ کہا تھا۔ وین شہر سے نکل کر نواحی علاقے میں آگئی اور بالآخر ایک کانیچ کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ چانگ ہو نے وین سے اتر کر گیٹ کھولا اور دوبارہ وین میں آگیا۔

گیٹ میں داخل ہوکر وین کانیچ کے برآمدے کے سامنے رکی۔ ہم دونوں کو نیچے اتار لیا گیا۔ ان دونوں بھکشوؤں نے اب بھی ہمیں پستولوں کی زد پر لے رکھا تھا۔ چانگ ہو باہر کا گیٹ بند کرکے واپس آگیا اور برآمدے والے دروازے کا تالا کھولنے لگا۔

کانیچ ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ ہال کمرے میں فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں کے قریب صوفے لگے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے شیشے کے ٹاپ والی سینٹر ٹیبل بھی رکھی ہوئی تھی۔ سامان کے باوجود جگہ کافی کشادہ تھی۔

اندر آنے کے بعد ان دونوں بھکشوؤں نے اپنے جسموں پر لپٹی ہوئی پیلی چادریں اتار دی تھیں۔ نیچے انہوں نے پتلونیں اور ٹی شرٹس پہن رکھی تھیں۔

"مسٹر چانگ۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ناگوار سے لہجے میں کہا "تم ہمیں یہاں کیوں لائے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کسی کو اغوا کرنا جرم ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے پاس دولت ہوگی تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ ہم بھکشو لوگ ہیں۔ ہمارے پاس دولت کا کیا کام۔ ہم سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔"

"تو پھر تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ تم کتنی بڑی دولت اپنے ساتھ لیے پھر رہے ہو۔" چانگ ہو کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آگئی پھر وہ جانگی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "یہ چادر اتار دو۔ میں تمہارے ساتھی کو دکھانا چاہتا ہوں کہ وہ کون سی دولت اپنے ساتھ لیے پھر رہا ہے۔"

جانگی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ چانگ ہو نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے جانگی کی چادر پکڑ کر کھینچ دی۔ جانگی مزاحمت کرنے لگی لیکن چادر اس کے جسم سے الگ ہوگئی۔ چادر کے نیچے اس نے مختصر سا بلاؤز اور اسکرٹ پہن رکھا تھا۔

"دیکھ لیا مسٹر بھکشو۔" چانگ ہو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ دولت ہماری ہے۔ پہلے ہم اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور جب دل بھر جائے گا تو تم دونوں کو پولیس کے حوالے کردیا جائے گا۔ اس طرح بھیس بدل کر اپنی اصلیت چھپانا جرم ہے۔ تم لوگ غالباً انڈین ہو۔ تم لوگوں کو جاسوسی کے الزام میں موت کی سزا بھی ہوسکتی ہے۔"

"نہیں مسٹر چانگ۔ ہم انڈین نہیں تھائی ہیں۔ یہ بھیس۔۔۔"

"مجھے ٹریکٹر ٹرالی پر سفر کے دوران میں ہی اس کی اصلیت کا پتا چل گیا تھا۔" چانگ ہو نے میری بات کاٹ کر جانگی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس کا انکشاف لوزو نے کیا تھا اور میں نے اسی وقت تم لوگوں کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ یہ تو اتفاق تھا کہ مجھے میننگ ٹو سے اس بس میں جگہ نہیں مل سکی تھی۔ میں نے فون پر اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دی کہ وہ تم لوگوں کی نگرانی کریں اور یہ پتا چلائیں کہ تم لوگ کہاں جاتے ہو۔ میرے یہ دونوں ساتھی بس پہنچنے سے پہلے ہی اسٹیشن پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے تمہاری نگرانی شروع کردی اور جب تم لوگ اس خانقاہ میں ٹک گئے تو یہ سمجھ گئے کہ اب تم لوگ رات وہیں رہو گے اور پھر تم نے دیکھ لیا کہ تم لوگوں کو وہاں سے اٹھانا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر باری باری ہم دونوں کے چہروں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب بہتر یہی ہے کہ تم لوگ اپنے بارے میں ٹھیک ٹھیک بتادو۔ تم لوگ کون ہو اور بھیس بدل کر یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" میں نے جواب دیا "ہم شاؤلن ٹمپل جارہے ہیں۔ مارشل آرٹس کی ٹریننگ حاصل

کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے۔"

"لیکن تم لوگ یہاں آکر بہت بری طرح پھنس چکے ہو۔" چانگ ہو نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "پچھلی رات تم لوگوں نے پوون کی خانقاہ میں قیام کیا تھا۔ صبح سویرے ایک کاشتکار کو خانقاہ کے قریب کھیتوں میں گاؤں کی ایک لڑکی کی لاش پڑی ہوئی ملی تھی۔ اسے خنجروں سے وار کر کے قتل کیا گیا تھا۔ جب تم لوگ ہمارے ساتھ چانگ کی ٹریکٹر ٹرالی پر روانہ ہوئے تو بات اس وقت تک پھیلی نہیں تھی۔ اگر بات پھیل جاتی تو تم لوگ گاؤں سے نکل نہیں سکتے تھے۔ اب بھی صورت حال کچھ یوں ہے کہ اگر میں یہاں کی پولیس کو اس لڑکی کے قتل کے بارے میں بتا کر تم دونوں کو ان کے حوالے کردوں تو تم اس کا انجام سمجھ سکتے ہو۔ کسی غیر ملکی پر قتل کا الزام عائد کرنا مقامی پولیس کے لیے مشکل نہیں ہوتا اور پھر تم لوگ تو ویسے بھی خاصے مشکوک ہو۔ بڑی آسانی سے۔"

"اس لڑکی کو ہم نے قتل نہیں کیا۔" جانگی جلدی سے بول پڑی "ہم رات کو اس خانقاہ میں ٹھہرے ضرور تھے لیکن اس قسم کے کسی واقعے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ ٹھیک کہتی ہے۔" میں نے کہا "آدھی رات کے بعد ہم نے کسی عورت کے چیخنے کی آواز سنی تھی اور جب ہم معلوم کرنے کے لیے خانقاہ کے دوسرے حصے میں پہنچے تو وہ لڑکی ان بھکشوؤں کے کمرے میں تھی۔ انہوں نے ہی اسے قتل کیا تھا۔ وہ لوگ لڑکی کو زبردستی خانقاہ میں لے کر آئے تھے اور اس کی مرضی کے خلاف اس کے ساتھ زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ لڑکی کی مزاحمت پر اسے قتل کردیا گیا۔"

"یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔" چانگ ہو بولا "لیکن وہ بھکشو پانچ سال سے اس خانقاہ میں ہیں۔ ان دونوں کے بدمعاش ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کن منگ کے رہنے والے ہیں۔ یہاں چھوٹے چھوٹے جرائم میں کئی مرتبہ سزا بھگت چکے ہیں اور پھر پانچ سال پہلے بھکشوؤں کے بھیس میں انہوں نے اس خانقاہ پر قبضہ کرلیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "کچھ عرصہ پہلے میں اپنی بہن سے ملنے کے لیے پوون گیا تو ان سے بھی سامنا ہوگیا۔ وہ مجھے دیکھ کر گھبرا گئے تھے لیکن میں نے ان سے معاملہ طے کرلیا۔ میں ہر چھ مہینے بعد وہاں جاتا ہوں اور وہ میرا منہ بند رکھنے کے لیے ایک معقول رقم اور کچھ قیمتی تحائف دے دیتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ وہ دونوں بدمعاش ہیں اور خوب عیش کررہے ہیں لیکن انہوں نے گاؤں والوں پر اپنا اعتماد قائم کر رکھا ہے۔ پچھلے پانچ برسوں کے دوران میں ایسی تین واردتیں اور بھی ہو چکی ہیں لیکن ان دونوں پر کبھی شبہ نہیں کیا گیا اور اب تم لوگ بڑی آسانی سے اس کیس میں پھنس سکتے ہو۔"

"لیکن ہمارا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" جانگی نے کہا۔

"میں کب کہتا ہوں کہ وہ قتل تم لوگوں نے کیا ہے۔" چانگ ہو بولا "چلو میں تم لوگوں کو پولیس کے حوالے نہیں کروں گا۔ تم دونوں اس قتل کے چشم دید گواہ ہو۔ اگر ان دونوں بھکشوؤں کو تمہارے بارے میں اطلاع مل جائے تو وہ سر کے بل یہاں دوڑے آئیں گے اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تم دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

"کیا چاہتے ہو؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس گنجی حسینہ کو تین چار دن کے لیے ہمارے حوالے کردو۔" اس نے جانگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہم نہ صرف اپنی زبان بند رکھیں گے بلکہ تمہاری کچھ مدد بھی کردیں گے۔"

میں نے جانگی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میرے پاس پستول بھی تھا اور خنجر بھی۔ جانگی نے بھی اسکرٹ میں پستول چھپا رکھا تھا لیکن چانگ ہو کے دونوں ساتھی دائیں بائیں سے ہمیں اپنے پستولوں کی زد میں لیے ہوئے تھے۔ ہماری کوئی کوشش ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی تھی۔ یہ تو میں اس طرف آتے ہوئے دیکھ چکا تھا کہ کانچ یا پنگلے ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے۔ رات کا آخری پہر تھا۔ لوگ گہری نیند میں ہوں گے۔ گولی چلے گی بھی تو کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ میں نے ایک بار پھر جانگی کی طرف دیکھا اور آنکھ کا گوشہ دبادیا۔

"ٹھیک ہے مسٹر چانگ۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس کے بعد ہمارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں ہوگا؟"

"تمہیں میری زبان پر بھروسا کرنا ہوگا۔" چانگ ہو کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آگئی "ویسے تم عقل مند ہو نے صحیح فیصلہ کیا ہے۔"

"تم نے تین چار دن کی بات کی ہے۔ اس دوران میں۔۔۔"

"اس دوران میں تم لوگ یہیں رہو گے۔ میرے اس کاٹیج میں۔" چانگ نے میری بات کاٹ دی "یہاں تم لوگوں کا ہر قسم کا خیال رکھا جائے گا لیکن اگر اس دوران میں کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔"

"تمہیں ایسی کوئی شکایت نہیں ہوگی مگر اس کے بعد تمہیں اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا اور اب میرا خیال ہے کہ ماحول میں کچھ تبدیلی آنی چاہیے۔ میرا مطلب ہے یہ پستول۔۔۔" میں نے خاموش ہو کر باری باری دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا۔

چانگ ہو نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے پستول اپنی جیبوں میں ڈال لیے اور ہم سے قدرے دور ہٹ گئے۔ چانگ ہو خود اعتمادی کا شکار ہوگیا تھا۔ میرے شکست خوردہ لہجے سے بھی اس نے غالباً یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ اب ہماری طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔ اس نے شاید یہ بھی سوچا ہوگا کہ میں اکیلا ان تینوں کا کیا مقابلہ کرسکوں گا اور یہ بھی غنیمت تھا کہ انہوں نے ہمارے لباس کی تلاشی نہیں لی تھی۔ البتہ میرا تھیلا اپنے قبضے میں کرلیا تھا جس میں کوئی خاص چیز نہیں تھی اور وہ تھیلا بھی دین میں ہی پڑا ہوا تھا۔

"چلو ڈیئر۔" چانگ ہو نے جانگی کی کمر کے گرد بازو حمائل کردیا۔ اسے یہ یقین ہوچکا تھا کہ اب کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔

"تت۔۔۔ تم۔۔۔" جانگی میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کے لہجے میں غصہ بھی تھا اور بے بسی بھی "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم اتنے خود غرض ثابت ہوگے۔ تم قابل اعتماد نہیں ہو۔ آئندہ میں تم سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گی۔"

چانگ ہو اسے تقریباً دھکیلتا ہوا...ایک طرف لے جانے لگا لیکن چوتھے ہی قدم پر جانگی نے اس کی ٹانگ میں ٹانگ پھنسا دی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا منہ کے بل گرا۔ اس کے منہ سے کراہ سی نکل گئی تھی۔

چانگ ہو کے دونوں آدمی ایک طرف کھڑے تھے۔ انہیں صورت حال کا اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ میں اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا اسی لیے وہ دونوں میری طرف لپکے۔ میں کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح ہوا میں اچھلا۔

ہوا میں اچھلنے کے بعد میں نے دونوں ٹانگوں سے کام لیا تھا۔ ڈبل فلائنگ کک دونوں کے سینوں پر لگی اور وہ دونوں چیختے ہوئے ڈھیر ہوگئے لیکن ان میں سے ایک حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے اس کے پیٹ پر اسٹریٹ کک ماری' وہ پیٹ پکڑتا ہوا دہرا ہوگیا۔ وہ پیر زمین پر ٹکنے سے پہلے ہی میں ایک بار پھر اچھلا اس مرتبہ میرے دوسرے پیر کی کک اس کی ٹھوڑی کے نیچے لگی۔ وہ زمین سے دو فٹ اوپر اچھلا اور چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

اس کا دوسرا ساتھی اٹھ کر مجھ پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ میں نے موقع دیے بغیر اس کے پہلو پر سائڈ کک لگادی۔ وہ چیخ اٹھا اور سنبھلنے کی کوشش کررہا تھا کہ میں نے اس کی ٹانگ پر سویپ کک لگائی۔ انگوٹھے کی طرف سے میرے پیر کا بلیڈ اس کی پنڈلی کے پچھلی طرف لگا تھا۔ وہ بکرے کی طرح بلبلاتا ہوا اچھل کر نیچے گرا اور دونوں ہاتھوں سے پنڈلی پکڑ کر قالین پر لوٹنے لگا۔ اس کی پنڈلی کا گوشت اندر سے پھٹ گیا تھا۔

پہلا آدمی اٹھنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے پلٹ کر اس کے کندھے پر پوری قوت سے چوپ رسید کردیا۔ مجھ پر اس وقت جنون کی سی کیفیت طاری تھی اور یہ چوپ پوری قوت سے رسید کیا تھا۔ اس کی چیخ کے ساتھ ہی کڑک کی آواز بھی ابھری تھی۔ اس کے کندھے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ بھی اپنے ساتھی کی طرح قالین پر لوٹنے لگا۔

جانگی کی چیخ سن کر میں تیزی سے اس طرف مڑا۔ جانگی چانگ ہو کی گرفت میں آچکی تھی۔ وہ جانگی کا گلا دبانے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے لپک کر چانگ ہو کو ٹانگوں سے پکڑلیا اور اسے اوپر اٹھاتا چلا گیا۔

میں نے اسے بالکل الٹا کردیا تھا لیکن جانگی کا گلا اب بھی اس کی گرفت میں تھا۔ میں نے اس کے پیٹ پر گھٹنے سے ٹھوکر ماری۔ اس نے جانگی کا گلا چھوڑ دیا۔ جانگی سیدھی ہو کر اپنا گلا سہلانے لگی۔ میں چانگ ہو کو ابھی تک ٹانگوں سے پکڑے الٹا لٹکائے ہوئے تھا۔ جانگی نے اس کے پیٹ میں زوردار ٹھوکر مار دی۔

ان دونوں میں سے ایک آدمی اٹھ کر کھڑا ہونے کی کوشش کررہا تھا۔ یہ وہی تھا جس کی ٹانگ پر ضرب لگی۔ اس کا وہ پیر زمین پر نہیں لگ رہا تھا اور پھر اسے جیب میں ہاتھ ڈالتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ میں نے چانگ ہو کو چھوڑ دیا۔ اس کا سر زمین سے ٹکرایا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ پشت کے بل گرا۔ جانگی نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کردی تھی۔

میں تیزی سے دوسرے آدمی کی طرف لپکا۔ وہ جیب سے پستول نکال چکا تھا لیکن میرے پیر کی ٹھوکر سے پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور صوفے کے پیچھے جا گرا۔ میری دوسری کک اس کی کنپٹی پر لگی تھی۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلاتا ہوا ڈھیر ہوگیا۔

میں ایک لمحے کو غافل ہوا تھا۔ جس سے فائدہ اٹھا کر

دوسرے آدمی نے میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ میں اس کی گرفت میں تو آگیا تھا لیکن میں نے بڑی پھرتی سے اپنے آپ کو اس سے چھڑایا اور اس کی گردن بازو کی لپیٹ میں لے لی۔

میرے اس نیک لاک سے گردن چھڑا لینا ممکن ہی نہیں تھا اور جب مجھ پر جنون طاری ہو تو کسی کے بچ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ لوگ وہ کتے تھے جو راہ گیروں پر بھونک کر ان کی منزل کھوٹی کرتے تھے اور انہیں اس کی سزا ملنی ہی چاہیے تھی۔ میں نے بازو کو زوردار جھٹکا دیا۔ کڑک کی آواز ابھری۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ قالین پر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹ جانے کے بعد اس کے زندہ بچ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

میں دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہوگیا جو کھوپڑی کو دونوں ہاتھوں میں تھامے دائیں بائیں جھول رہا تھا۔ میں نے اس کی گردن بازو کی لپیٹ میں لے لی اور اس کا بھی وہی حشر کرکے پھینک دیا۔

جانکی اب بھی چانگ ہو پر ٹھوکریں برسا رہی تھی۔ اس کی ایک ٹھوکر چانگ ہو کی ٹانگوں کے بیچ میں لگی اور وہ نیچے گر کر لوٹنے لگا۔

"ختم کردو اسے جانکی۔" میں نے کہا "ان میں سے کسی کا زندہ بچ جانا ہماری موت بن جائے گا۔ دو کو میں نے ٹھکانے لگا دیا ہے۔ تیسرے کو تم ختم کردو۔"

جانکی نے اسے ایک اور ٹھوکر ماری اور پھر اس کی نظر صوفے کے پیچھے پڑے ہوئے پستول پر پڑ گئی۔ اس نے لپک کر پستول اٹھا لیا اور نال اس کے سینے پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی اس کے سینے میں پیوست ہوگئی اور وہ تڑپنے لگا۔

جانکی نے ایک کپڑا اٹھا کر پستول پر اپنی انگلیوں کے نشان صاف کیے اور پستول چانگ ہو کے سیدھے ہاتھ میں دبا دیا جو اب بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔

"اپنی وہ چادر اٹھاؤ اور بھاگو یہاں سے۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ان تینوں کے لباس کی تلاشی لینے لگا۔

جانکی کے چہرے پر اس وقت بے پناہ درندگی تھی لیکن میری آواز سن کر اس کے چہرے کے تاثرات بتدریج معمول پر آتے چلے گئے۔ اس نے لپک کر اپنی زرد رنگ کی وہ چادر اٹھائی اور ہم دونوں تیزی سے دروازے سے نکل گئے۔ جانکی برآمدے کے سامنے کھڑی ہوئی وین دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"تم باہر کا گیٹ کھولو۔ میں وین باہر نکالتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"وین!" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہم کچھ دور جاکر وین چھوڑ دیں گے۔ یہاں سے نکلنا بہت ضروری ہے۔" جانکی نے وین کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

میں بیرونی گیٹ کی طرف لپکا اور کنڈا ہٹا کر آہستگی سے گیٹ کھول دیا۔ یہ کوئی باقاعدہ گلی نہیں تھی۔ کانچ ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ لوگ اپنے گھروں میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ کسی کو پتا بھی نہیں چل سکا تھا کہ چانگ ہو کے کانچ میں کیا ہو گیا تھا۔

جانکی وین اسٹارٹ کرکے باہر لے آئی۔ میں نے گیٹ بند کردیا اور دوڑ کر وین میں بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے میں نے پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا اپنا تھیلا اٹھایا تھا۔ میں نے جانکی کی چادر بھی تھیلے ہی میں ٹھونس لی تھی۔

جانکی کو وہ راستہ یاد تھا جس طرف سے ہمیں لایا گیا تھا۔ وہ انہی راستوں پر وین کو دوڑاتی رہی اور پھر شہری حدود شروع ہوتے ہی سامنے بہت دور سڑک پر ایک گاڑی آتے دیکھ کر ہم دونوں چونک گئے۔ وہ پولیس کی گاڑی تھی چھت پر نیلی اور سرخ بتیاں فلیش کر رہی تھیں۔ جانکی نے بڑی پھرتی سے وین دائیں طرف ایک سڑک پر موڑ لی اور اس کے ساتھ ہی رفتار بھی بڑھا دی۔

وین مختلف چھوٹی سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ پولیس کی وہ پیٹرولنگ کار کسی اور طرف نکل گئی تھی۔ جانکی نے وین ایک سنسان جگہ پر روک لی اور انجن بند کرکے نیچے اتر گئی۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔

"آگے وین پر جانا مناسب نہیں ہوگا۔" جانکی نے کہا "لاؤ۔ وہ چادر مجھے دو۔"

میں نے تھیلے میں سے زرد رنگ کی وہ... لمبی سی چادر جانکی کو دے دی۔ ہم درختوں کے پیچھے چھپ اور تاریکی میں چلے گئے۔ جانکی نے وہ چادر لپیٹ لی اور ہم سڑک کے کنارے تاریکی میں چلنے لگے۔ وہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل دور نکل آنے کے بعد ہم ایک پارک میں گھس گئے۔ کنکریٹ کے ایک بینچ پر کوئی آدمی سو رہا تھا۔ ہم آگے بڑھتے چلے گئے۔ ہم نے کئی آدمیوں کو پارک میں سوتے ہوئے دیکھا تھا۔ کن منگ لاکھوں کی آبادی پر مشتمل ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں بھی دوسرے بڑے شہروں کی طرح بیروزگاری اور رہائش جیسے مسائل موجود تھے۔ یہ غالباً وہ لوگ تھے جو دن میں مزدوری کرتے تھے یا روزگار کی تلاش میں گھومتے رہتے تھے اور

رات کو پارکوں اور ایسی ہی جگہوں پر سو جاتے تھے۔ ان میں کتنے ہی ایسے ہوں گے جنہیں رات کو پیٹ بھر کھانا بھی نصیب نہیں ہوا ہوگا۔ ایک خالی بینچ دیکھ کر ہم بیٹھ گئے۔

"اس وقت تم نے واقعی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی "اگر یہ ترکیب استعمال نہ کرتے تو ہم پھنس جاتے۔"

"اس کے سوا کوئی چارا نہیں تھا۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا "اگر ہم اپنی ضد پر اڑے رہتے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ یا تو مجھے باندھ کر ڈال دیتے یا کسی کمرے میں بند کردیتے اور اس کے بعد جو جو کچھ بھی ہوتا تم اس کا تصور کرسکتی ہو۔"

"میرا دل تو اب بھی کانپ رہا ہے۔" جانکی نے کہتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

میں نے آہستگی سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا "ان تین چار آدمیوں کا قتل تو بلاوجہ ہی ہمارے کھاتے میں ڈال دیا گیا۔" میں نے کہا "میں تو چاہتا تھا کہ ہم مزید کچھ کیے بغیر شاؤلن ٹمپل پہنچ جائیں مگر سب سے پہلے اس اسٹوپا میں اس ڈاکو نے ہمیں اپنی جان لینے پر مجبور کیا اور پھر یہ چانگ ہو بیچ میں ٹپک پڑا۔ اگر ان میں سے کسی کو بھی زندہ چھوڑ دیا جاتا تو وہ ہماری موت کا پیغام بن جاتا۔"

"کیا شاؤلن ٹمپل میں بھی مجھے اس حلیے میں رہنا پڑے گا۔" جانکی نے کہا۔

"وہاں کی صورت حال شاید مختلف ہو۔" میں نے کہا "شاؤلن ٹمپل خانقاہ تو برائے نام ہی رہ گئی ہے۔ وہ مارشل آرٹ کا بہت بڑا مرکز بن گئی ہے۔ مارشل آرٹس کے شیدائی ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے دنیا بھر سے وہاں آتے ہیں۔ وہاں بڑے بڑے ماسٹر موجود ہیں۔ مہاراج نے بھی کچھ عرصہ وہیں سے تربیت حاصل کی ہے اور وہاں لڑکیاں بھی آتی ہیں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ وہاں تمہیں اس چادر سے نجات مل جائے گی۔"

رات کا آخری پہر تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ اچانک ایک طرف سے باتوں کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ مڑ کر اس طرف دیکھا۔ دور کسی پول پر بلب جل رہا تھا اور اس کی مدھم سی روشنی میں دو آدمی پارک میں داخل ہوتے نظر آئے۔ وہ دونوں پولیس کی وردی میں تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ٹارچ بھی تھی جسے اس نے پارک میں داخل ہونے کے بعد جلا لیا تھا۔

وہ ٹارچ کی روشنی میں مختلف جگہوں پر سوئے ہوئے لوگوں کو دیکھتے آرہے تھے۔ ایک دو کو انہوں نے ہلکی ٹھوکریں بھی ماری تھیں۔

"میری گود میں سر رکھ کر اوندھی ہوجاؤ۔ تمہارا چہرہ بھی انہیں نظر نہیں آنا چاہیے۔" میں نے جانکی کے کان میں سرگوشی کی۔

"ان لوگوں کو ہماری تلاش تو نہیں۔" جانکی کے لہجے میں ہلکا سا خوف تھا۔

"پاگل مت بنو۔" میں نے کہا "ابھی تک تو کسی کو پتا بھی نہیں چلا ہوگا کہ اس بنگلے میں کیا ہوا ہے اور پھر ہمیں کس نے دیکھا تھا۔ وہ لوگ اسی طرف آرہے ہیں۔ اوندھ جاؤ۔ ٹارچ کی روشنی پڑنے پر بھی کسی ردعمل کا اظہار مت کرنا۔"

جانکی نے اوندھ کر اپنا چہرہ میری گود میں چھپا لیا۔ میں نے ایک ہاتھ اس کی پشت پر رکھ دیا اور سر کو پیچھے جھکا کر آنکھیں بند کرلیں۔

ایک منٹ بعد وہ دونوں پولیس والے ہمارے قریب آکر رک گئے۔ ٹارچ کی روشنی میرے چہرے پر پڑی۔ میں نے آنکھیں بند رکھیں جیسے گہری نیند سو رہا ہوں۔ ان دونوں نے آپس میں کوئی بات کی اور پھر وہاں سے آگے چل پڑے۔ میں نے آنکھوں میں معمولی سی جھری پیدا کرکے دیکھا۔ وہ دونوں پولیس والے دائیں طرف ایک اور بینچ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہ پولیس والے تقریباً بیس منٹ تک پارک میں گھومتے رہے اور پھر دوسری طرف سے باہر نکل گئے۔ میں نے جانکی کا کندھا دبا دیا۔ وہ سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔

"نیند آرہی تھی۔ تم نے اٹھا دیا۔ کتنا سکون مل رہا تھا۔" جانکی نے مدھم لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے میں خمار تھا۔

"اچھا۔ سوجاؤ۔ رات کا تھوڑا ہی حصہ باقی ہے۔ میں بھی کچھ اونگھ لیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

جانکی نے دوبارہ سر میری گود میں رکھ لیا اور میں نے بھی سر بینچ کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔

رات دھیرے دھیرے بیتتی رہی۔ میں کبھی آنکھیں کھول دیتا اور کبھی اونگھنے لگتا۔

صبح کی روشنی پھیلنا شروع ہوگئی تھی۔ آس پاس کی عمارتوں میں رہنے والے لوگ ہوا خوری اور جوگنگ میں آنے لگے۔ ان میں مرد بھی تھے' عورتیں بھی اور نوعمر بچے بھی۔ پارک میں سوئے ہوئے بے گھر لوگ اٹھ اٹھ کر جارہے تھے۔ میں اور جانکی وہیں بیٹھے لوگوں کو جوگنگ کرتے

ہوئے دیکھتے رہے۔

دھوپ نکل آئی۔ پارک میں لوگوں کی تعداد کچھ کم ہونے لگی۔ پارک کے گیٹ سے ذرا ہٹ کر نلکا تھا۔ ہم نے وہاں جاکر منہ ہاتھ دھویا اور دوبارہ ایک ایسی بینچ پر بیٹھ گئے جہاں قرب وجوار میں کوئی نہیں تھا۔ میں نے تھیلے میں سے وہ تینوں پرس نکال لیے جو چانگ ہو اور اس کے ساتھیوں کی جیبوں میں سے نکالے تھے۔ ان تینوں میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ میں نے رقم تو تھیلے میں ڈال لی اور محتاط نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے وہ تینوں پرس پودوں کے پیچھے پھینک دیے اور جانگی کو اشارہ کرتا ہوا اٹھ گیا۔

بدھ بھکشو عام طور پر بھیک مانگ کر کھانا کھاتے ہیں۔ وہ بھیک مانگنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ البتہ کچھ بھکشو ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو قیمتی چیزیں خریدتے ہیں۔ ہم نے قیمت ادا کرکے کھانا خریدا اور کھاتے ہوئے فٹ پاتھ پر چلتے رہے۔

ہم لوگوں سے راستہ پوچھتے ہوئے تقریباً دو گھنٹے بعد بس اسٹیشن پہنچ گئے۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ شاؤلن مٹپل کے لیے یہاں سے کوئی بس نہیں جاتی البتہ ایک گھنٹے بعد ہمیں دی یانگ کے لیے بس مل جائے گی وہاں سے ہم ہونان جاسکیں گے جہاں سے شاؤلن مٹپل جانا آسان ہوگا۔

میں نے ٹکٹ لے لیے اور ہم ایک کونے میں پڑے ہوئے بنچ پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دو عورتیں بھی ہمارے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ ان میں ایک ادھیڑ عمر تھی اور دوسری جوان۔ ان کی باتیں سن کر میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ کسی قتل کی بات کررہی تھیں۔ ادھیڑ عمر عورت کہہ رہی تھی۔

"وہ انسان نہیں درندہ تھا۔ پہلے اپنے دوستوں کو گردنیں توڑ کر قتل کردیا اور پھر پستول سے اپنے آپ کو گولی مار کر خودکشی کرلی۔"

"اچھا ہوا وہ خود بھی مرگیا۔" جوان عورت نے کہا "لیکن نجانے مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ چانگ نے نہ تو اپنے دوستوں کو مارا ہے اور نہ ہی خودکشی کی ہے۔ ایسے بے غیرت لوگ اتنی آسانی سے نہیں مرتے۔ مجھے تو شبہ ہے کہ ان تینوں کو کسی اور نے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ کوئی ایسا شخص جو ان سے زیادہ طاقت ور تھا جس نے ان کی گردنیں تنکوں کی طرح توڑ ڈالیں۔"

"کس کی بات کررہی ہو مس؟" میں نے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی جوان عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کہیں کوئی قتل ہوگیا ہے؟"

"ہمارے علاقے میں تین بدمعاش مارے گئے ہیں۔"

اس عورت نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "پولیس کا خیال ہے کہ ان میں سے ایک نے پہلے اپنے دو ساتھیوں کو قتل کیا اور پھر خودکشی کرلی۔ اچھا ہوا۔ وہ تینوں مرگئے۔ انہوں نے تو پورے شہر میں طوفان اٹھا رکھا تھا۔ پولیس بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ چانگ ہو اس گروہ کا سرغنہ تھا۔ وہ جس لڑکی کو چاہتے اٹھا کر لے جاتے۔ کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ لوگ ڈرتے تھے اس سے۔ اچھا ہوا مرگیا کم بخت۔"

"لوگ لارڈ بدھا کا شانتی کا پیغام بھول گئے ہیں۔ خرابیاں تو پیدا ہوں گی۔" میں نے کہا۔

ان عورتوں کی باتوں سے انکشاف ہوا کہ وہ بھی اسی علاقے کی رہنے والی تھیں جہاں تہرے قتل کی یہ واردات ہوئی تھی۔ جوان عورت خاصی حسین تھی اس کی باتوں سے میں نے یہ بھی اندازہ لگالیا کہ وہ بھی چانگ کے ہاتھوں چوٹ کھا چکی ہے۔

قتل کی اس واردات کا انکشاف صبح سات بجے ہوا تھا جب چانگ ہو کا ایک اور گرگا اس سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ اس نے پولیس کو اطلاع دے دی اور پولیس نے فوری طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ رات کو چانگ کا اپنے آدمیوں سے کسی بات پر جھگڑا ہوگیا تھا۔ ان میں زوردار قسم کی لڑائی ہوئی۔ وہ دونوں چانگ کے ہاتھوں مارے گئے اور چانگ نے اپنے آپ کو گولی مار کر خودکشی کرلی۔

لیکن میرے خیال میں پولیس اتنی بے وقوف نہیں تھی۔ ہوسکتا ہے فوری طور پر یہ نتیجہ اخذ کرلیا گیا ہو لیکن اصل بات تو انکوائری کے بعد ہی سامنے آئے گی کہ چانگ ہو نے خودکشی نہیں کی تھی' اسے بھی قتل کیا گیا تھا لیکن بہرحال مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ پولیس اس کیس کو کس طرح ہینڈل کرتی ہے۔ ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہم اس کانچ میں آتے جاتے کسی کی نظروں میں نہیں آئے تھے اور کچھ دیر بعد ہم یہ شہر چھوڑ دینے والے تھے۔

وہ دونوں عورتیں بھی دی یانگ جارہی تھیں اور انہوں نے بھی اپنے ٹکٹ لے لیے تھے۔ ادھیڑ عمر عورت قریبی اسٹال سے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے آئی تھی اور اس میں ہمارا حصہ بھی تھا۔ میں تو ان عورتوں سے باتیں کرتا رہا لیکن جانگی خاموش ہی رہی تھی۔

بس اسٹیشن پر بڑا رش تھا۔ لگتا تھا شہر کی ساری آبادی نے کہیں نہ کہیں جانے کا پروگرام بنالیا ہو۔ ائیرپورٹ اور ریلوے اسٹیشن پر بھی یقیناً یہی صورت حال ہوگی۔

ہماری بس کی روانگی کا اعلان ہوا تو ہم بھی اپنی جگہ سے

اٹھ گئے۔ بس ائیرکنڈیشنڈ اور بڑی آرام دہ تھی۔ دو دو مسافروں کی سیٹیں تھیں اور درمیان میں گزرگاہ تھی۔ میں بائیں طرف کی سیٹ تھی۔ جانگی ہماری سیٹ کے دائیں طرف ان عورتوں کی سیٹ تھی۔ جانگی نے کھڑکی کی طرف بٹھایا تھا تاکہ وہ دوسروں کی توجہ کا مرکز نہ بن سکے۔

میرا خیال تھا کہ ہم شام سے پہلے پہلے دی یانگ پہنچ جائیں گے مگر یہ سفر بڑا طویل اور تھکا دینے والا ثابت ہوا تھا۔ رات دس بجے سے پہلے ہم اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکے تھے۔

دی یانگ بھی ایک بڑا شہر تھا۔ بس سے اتر کر جب میں نے اپنی ہم سفر ادھیڑ عمر عورت سے کسی خانقاہ کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے ہمیں اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کردی۔ میں نے جانگی کی طرف دیکھا اور اس کا اشارہ پاکر یہ پیشکش قبول کرلی۔

ادھیڑ عمر عورت کا نام یاشی اور جوان عورت کا نام کویو میشی تھا۔ اس کی عمر چھبیس ستائیس سال رہی ہوگی۔ ان کی رہائش شہر کے پوش علاقے میں واقع ایک خوب صورت بنگلے میں تھی جہاں ایک خوب صورت لڑکی اور ایک بوڑھا پہلے ہی سے موجود تھے۔ اس لڑکی کی عمر بیس بائیس سال سے زیادہ نہیں تھی اور وہ کویو میشی سے زیادہ حسین تھی جبکہ اس بوڑھے کی عمر ساٹھ سال سے کم نہیں تھی۔ اس کے چہرے سے خباثت ٹپکتی تھی۔

وہ خبیث بوڑھا کویو میشی کا چچا تھا۔ وہ اس بات پر سخت برہم تھا کہ وہ لوگ ہمیں اپنے ساتھ کیوں لے کر آئی تھیں۔ اس کا انکشاف تو بعد میں ہوا کہ کویو میشی کا چچا عورتوں کا دھندا کرتا تھا۔ وہ شہر کے بڑے لوگوں کو شراب اور عورتیں سپلائی کرتا تھا اور اس کی جوان اور خوب صورت بیٹی بھی' اس کی آمدنی کا ذریعہ بھی۔ لیکن ہماری وجہ سے کم از کم ایک رات کے لیے اس کا کاروبار ٹھپ ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے کسی بھکشو کی موجودگی میں کوئی شخص ایسا گندا کام نہیں کرسکتا تھا۔ کویو میشی اور یاشی کے بارے میں بھی یہ انکشاف ہوا تھا کہ کن منگ میں ان کا بھی یہی دھندا تھا اور چانگ ہو سے بھی ان کا کچھ تعلق رہا تھا۔ چانگ ہو اور اس کے ساتھیوں کے قتل پر انہیں یہ خوف دامن گیر ہوگیا تھا کہ پولیس انہیں پریشان کرے گی اس لیے وہ دونوں وقت ضائع کیے بغیر وہاں سے بھاگ نکلی تھیں۔

ہمیں کسی کے دھندے سے کوئی غرض نہیں تھی۔ ہم نے رات وہاں گزاری اور صبح ہوتے ہی یاشی اور کویو میشی کا شکریہ ادا کرکے وہاں سے رخصت ہوگئے۔ یاشی نے ازراہِ ہمدردی یا بھکشوؤں سے عقیدت کی بنا پر ہمیں کھانے کا کچھ سامان اور کچھ رقم بھی دے دی تھی۔

دی یانگ سے باگرنگ بھی پورے دن کا سفر ثابت ہوا تھا۔ باگرنگ میں جب ہم بس سے اترے تو شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ رہائش کے لیے جگہ تلاش کرنے میں ہمیں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ یہاں اگرچہ تین بڑی خانقاہیں تھیں لیکن ان تینوں خانقاہوں کے گیٹ شام ہونے سے پہلے ہی بند ہوچکے تھے۔

شہر میں گھومتے ہوئے ہمیں ایک اور آوارہ گرد بھکشو مل گیا۔ وہ بنا کٹا آدمی تھا۔ عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ بھی ہماری طرح گنجا ہی تھا۔ تنگ سی پیشانی اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ مضبوط ہاتھ پیر۔ وہ اگر چاہتا تو محنت کرکے رزق حلال کما سکتا تھا لیکن وہ بھکشو بن گیا تھا کہ اس طرح محنت کیے بغیر پیٹ بھرنے کو مل جاتا تھا۔

ہکسیان نام کا وہ بھکشو بھی ہماری طرح رات گزارنے کے لیے جگہ کی تلاش میں تھا۔ وہ آوارہ گرد بھکشو ہر اس جگہ جاچکا تھا جہاں بدھ کے ماننے والے آباد تھے۔ وہ ہندوستان میں بھی کئی مہینے گزار چکا تھا۔ تھوڑی بہت ہندی بھی سمجھتا تھا۔ چینی' برمی اور تھائی زبانیں بھی بول لیتا تھا۔

"میں کئی سال پہلے یہاں آیا تھا۔" ہکسیان بتا رہا تھا "مجھے یاد پڑتا ہے کہ شہر کے باہر دریا کے کنارے پر ایک چھوٹی سی خانقاہ ہے۔ ہمیں وہاں رات گزارنے کی جگہ مل سکتی ہے۔ تم لوگ بھی وہیں چلو۔"

ظاہر ہے ہمیں تو رات گزارنے کے لیے جگہ کی ضرورت تھی۔ ہم شہر سے نکل کر دریا پر واقع اس خانقاہ میں پہنچ گئے۔ خانقاہ زیادہ بڑی نہیں تھی۔ عمارت کا ایک حصہ دریا کے اندر ایک پختہ چبوترے تک چلا گیا تھا۔ پانچ چھ بھکشو پہلے ہی سے موجود تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو قریہ قریہ گھومتے رہتے تھے اور ہماری طرح رات گزارنے کے لیے یہاں آگئے تھے۔

دریا کی طرف چبوترے پر ایک بہت بڑا شیڈ بنا ہوا تھا۔ تین بھکشو اس شیڈ کے نیچے بیٹھے کچھ کھا رہے تھے۔ بھکشو بننے کے لیے بہت سی شرائط کا پابند ہونا پڑتا تھا۔ جن میں ایک اہم شرط یہ بھی تھی کہ کوئی بھکشو دوپہر کے بعد کسی قسم کی کوئی چیز نہیں کھائے گا۔ یعنی صبح سے دوپہر تک تو کچھ بھی کھایا جاسکتا تھا۔ دوپہر سے اگلی صبح تک کھانے کی ممانعت تھی لیکن میں نے اکثر بھکشوؤں کو دیکھا تھا کہ وہ دوپہر کے بعد اور رات کو

بھی کھاتے پیتے رہتے تھے۔

ہم تینوں بھی شیڈ کے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ میں نے بھی اپنا تھیلا کھول کر باشی کی دی ہوئی کھانے کی چیزیں نکال لیں۔ ہکسیان بھی ہمارے ساتھ کھانے لگا۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ہی سناٹا سا چھا گیا۔ وہ تینوں بھکشو سو چکے تھے۔ جانکی بھی اونگھنے لگی۔ ہکسیان مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ وہ مجھے ہندوستان کے قصے سنا رہا تھا۔ ہندو پنڈتوں اور یوگیوں کے بارے میں اس کے قصے واقعی بڑے دلچسپ تھے۔ اس کی باتیں سن کر میرے دل میں بھی ہندوستان دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہونے لگا۔ پاکستان تو مجھے جانا ہی تھا۔ لاہور میری جائے پیدائش تھی اور میرے ماں باپ کے دشمنوں نے انہیں وہاں سے بھاگنے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ مجھے دشمنوں سے بچانا چاہتے تھے۔ میرا مستقبل محفوظ بنانا چاہتے تھے لیکن دشمن ان کے پیچھے سنگاپور بھی پہنچ گئے تھے۔ میرے باپ کا اصل دشمن تو چوہدری نوازش علی ہی تھا جس نے انہیں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا اور مجھے اس سے انتقام لینا تھا۔ وارا کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ زندہ تھا اور کہیں نہ کہیں میرا اور اس کا آمنا سامنا ضرور ہوگا۔

پاکستان جانے سے پہلے میرے لیے شاؤلن ٹمپل جانا ضروری تھا۔ اگرچہ مہاراج کی تربیت نے مجھے اس قابل بنا دیا تھا کہ وارا، کم اور چی فانگ جیسے لوگ مجھ سے ڈر کر بھاگتے رہے تھے لیکن شاؤلن ٹمپل میں تربیت کی بات ہی کچھ اور تھی۔ وہاں بڑے بڑے ماسٹر موجود تھے۔ میں ان سے بہت کچھ سیکھنا چاہتا تھا۔ مہاراج نے میرے اندر لاوا بھرا تھا اور میں شاؤلن ٹمپل کے ماسٹروں سے سیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لاوا آتش فشاں کیسے بنتا ہے۔

ہکسیان سے ہندوستان کی باتیں سن کر میں نے فیصلہ کرلیا کہ جب پاکستان جاؤں گا تو ہندوستان بھی ضرور جاؤں گا۔

ہکسیان کی باتیں کسی طرح ختم ہونے ہی میں نہیں آرہی تھیں۔ میں بھی یہ سوچ کر ہوں ہاں کرتا رہا کہ کچھ وقت کٹ رہا تھا کیونکہ مجھے نیند تو ویسے بھی نہیں آرہی تھی۔

یہاں مچھروں کی بہتات تھی جو بڑی بے رحمی سے ہمارا خون چوس رہے تھے۔ مچھروں ہی کے کاٹنے سے جانکی بھی اٹھ گئی اور خاموشی سے ہماری باتیں سننے لگی۔

ہکسیان نے اپنے تھیلے میں سے کاغذ کا ایک لفافہ نکال لیا۔

"یہ مٹھائی میں نے آج شام کو خریدی تھی۔" اس نے لفافہ میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا "لو کھاؤ۔ بڑے مزے کی ہے۔"

وہ برفی قسم کی کوئی چیز تھی۔ میں نے ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ ہکسیان نے دوبارہ اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور ایک خود کھانے لگا۔ ہکسیان دوسرے تھیلے میں سے کوئی اور چیز نکال کر کھانے لگا تھا۔

ہم نے برفی کا صرف ایک ایک ٹکڑا ہی کھایا تھا کہ ہکسیان نے دوبارہ اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ باتوں کا سلسلہ پھر ایک بار چل نکلا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد میری آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ بڑے زور کی نیند آرہی تھی۔ میں سر کو جھٹک رہا تھا لیکن کچھ ہی دیر بعد میں اتنا غافل ہوگیا۔

صبح سات بجے جانکی نے مجھے جھنجوڑ کر جگایا۔ سر منوں بھاری ہو رہا تھا۔ دماغ میں سنسناہٹ سی تھی۔

"وہ..... وہ بھاگ گیا۔" جانکی کہہ رہی تھی "اٹھو۔ تلاش کرو۔"

"کون بھاگ گیا؟" میں نے سر جھٹکتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ہکسیان..... بھاگ گیا وہ....." جانکی نے کہا۔

"بھاگ گیا ہے تو جانے دو۔ میں اسے کیوں ڈھونڈ کر کروں۔" میں نے کہا۔

"وہ ہمارا تھیلا بھی لے گیا۔" جانکی بولی۔

"کیا....." میرے دماغ میں دھماکا سا ہوا اور میں ابھی تھوڑی سی جگہ بنا دی گئی تھی۔

اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

کونے میں ایک بھکشو بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ وقت سورہا تھا۔ ڈرائیور اور اس کے معاون کی آوازیں سن ساتھی چھ بجے سے پہلے ہی چلا گیا تھا اور سرمئی رنگ کا کر میں نیچے اتر آیا۔ ہیلپر اس وقت ٹرک کے نیچے لیٹا ٹارچ کا تھیلا بھی اسی کے پاس تھا۔

"وہ ابھی شہر میں ہی ہوگا۔ چلو۔ اسے تلاش کرو۔" جانکی نے کہا۔

میں نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ شہر پہنچ پہنچ ایک گھنٹا لگ گیا۔ ہم مختلف سڑکوں پر اسے تلاش رہے۔ بس اسٹینڈ پر مختلف لوگوں سے پوچھنے پر معلوم اس حلیے کا بھکشو ساڑھے چھ بجے تیانگ ژو کی طرف والی بس پر سوار ہوا تھا۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اس وقت سا آٹھ بج رہے تھے۔ وہ بس میلوں دور جاچکی ہوگی اور پوزیشن میں بھی نہیں تھے کہ اس کا پیچھا کرسکتے۔ ہمارے جو کچھ بھی تھا اس تھیلے ہی میں تھا۔ اب ہمارے پاس کوڑی تک نہیں تھی۔

پُودن نامی اس چھوٹے سے گاؤں میں جانکی کے

مٹھائی خریدنے گیا تھا تو دکان داروں نے میں ایک دکان پر تھوڑی سی مٹھائی دے دی تھی۔ گویا بھکشو قیت لیے بغیر مجھے تھوڑی سی مٹھائی دے دی تھی۔ گویا بھکشو کی حیثیت سے وہ پہلا موقع تھا جب مجھے بھیک ملی تھی۔

ایک بھکشو کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ بھیک مانگ کر پیٹ بھرے۔ چین اگرچہ کمیونسٹ ملک تھا لیکن ان علاقوں میں بدھ مت کے ماننے والوں کی بھی اکثریت تھی۔ کسی دکان پر بدھ کا کوئی مجسمہ آراستہ دیکھ کر ہم سمجھ جاتے کہ دکان کا مالک بدھ کا پیروکار ہے۔ ہم فوراً ہی اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتے۔

تین دن ہم باگرنگ میں بھیک مانگتے رہے۔ تھیلے میں ہمارے پاس اچھی خاصی رقم تھی اور ہم بسوں میں سفر کرکے دو تین دن میں بڑے آرام سے شاؤلن ٹمپل پہنچ سکتے تھے مگر تھیلا چھن جانے کے بعد شاؤلن ٹمپل ہم سے بہت دور ہوگیا تھا۔

چوتھے دن یوشوا نگ کی طرف جانے والے ایک مال بردار ٹرک میں لفٹ مل گئی۔

ہمارا سفر رات آٹھ بجے شروع ہوا تھا اور ڈرائیور کے کہنے کے مطابق ہمیں صبح چھ بجے یوشوا نگ پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر اس کا معاون بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور جانکی کے لیے ٹرک میں لدے ہوئے سامان کے اوپر تھوڑی سی جگہ بنا دی گئی تھی۔

صبح چار بجے کے قریب ٹرک خراب ہوگیا۔ میں اس وقت سو رہا تھا۔ ڈرائیور اور اس کے معاون کی آوازیں سن کر میں نیچے اتر آیا۔ ہیلپر اس وقت ٹرک کے نیچے لیٹا ٹارچ کی روشنی میں ٹرک کے نقصان زدہ حصے کا معائنہ کررہا تھا پھر وہ باہر نکل آیا اور ڈرائیور سے کچھ باتیں کرتا رہا اور پھر ٹرک کے پچھلے حصے پر چڑھ گیا۔ میں نیچے کھڑا ڈرائیور سے ٹرک کی خرابی کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ اوپر سے ہیلپر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میرے اور جانکی کے لیے ڈرائیونگ کیبن کی چھت پر جگہ بنائی گئی تھی۔ وہیں ٹول بکس بھی بنا ہوا تھا۔ ہیلپر کو ٹول بکس کھولنا تھا اور وہ جانکی کو وہاں سے اٹھا رہا تھا۔ جانکی کی ہلکی سی چیخ سن کر میں چونک گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں نے جانکی کو ٹرک سے اترتے ہوئے دیکھا۔ اس کے پیچھے ہی ہیلپر نے بھی چھلانگ لگا دی تھی۔ وہ تیز تیز لہجے میں ڈرائیور سے کچھ کہہ رہا تھا۔ مجھے صورت حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔

ڈرائیور اور ہیلپر آپس میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ اس دوران وہ دونوں بار بار جانکی کی طرف بھی دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں ایسی زبان بول رہے تھے کہ ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑا مگر ان کی نظروں اور انداز گفتگو سے میں ان کا پروگرام سمجھ گیا تھا۔

ہیلپر نے اچانک ہی جیب سے چاقو نکال لیا۔ ڈرائیور نے جانکی کی طرف قدم بڑھایا تھا۔ ان کا منصوبہ شاید یہ تھا کہ ہیلپر مجھے چاقو کی زد پر لیے رکھے گا اور ڈرائیور جانکی کو دبوچ لے گا لیکن میں نے بڑی پھرتی سے اپنے لباس میں چھپا ہوا پستول نکال لیا۔

مجھے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ڈرائیور اور ہیلپر اپنی اپنی جگہوں پر رک گئے۔ میں نے انہیں ڈرانے کے لیے ہوائی فائر کردیا اور ایک ہاتھ سے جانکی کا بازو پکڑ کر الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔

پندرہ بیس گز دور ہٹ کر میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر کھیتوں میں دوڑ لگا دی۔ جانکی بھی میرے ساتھ دوڑ رہی تھی۔ میں نے ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ دونوں ٹرک کے قریب کھڑے تھے۔ کسی نے ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ہم کھیتوں میں بہت دور تک دوڑتے رہے۔ ایک جگہ رک کر سانس درست کیا اور پھر تیز تیز چلنے لگے۔ ڈرائیور نے بتایا تھا کہ صبح چھ بجے کے قریب یوشوا نگ پہنچ جائیں گے۔ دو گھنٹے پہلے ٹرک خراب ہوگیا تھا۔ اگر ہم سڑک کے متوازی کھیتوں میں چلتے رہیں تو تین چار گھنٹوں میں یوشوا نگ پہنچ سکتے تھے۔

لیکن میرا اندازہ غلط نکلا۔ ہم کھیتوں میں راستہ بھٹک کر سڑک سے بہت دور نکل گئے تھے۔

دن کی روشنی پھیل گئی۔ سورج نکل آیا۔ دھوپ تیز ہورہی تھی۔ دھان کے کھیتوں میں کہیں کہیں کسان کام کرتے ہوئے نظر آرہے تھے لیکن ہم ان سے دور رہ کر چلتے رہے۔ دوپہر کے قریب بہت دور ایک چھوٹی سی عمارت دکھائی دی۔ آس پاس کوئی بستی نہیں تھی۔

جانکی تھک گئی تھی۔ تیز دھوپ اور پودوں سے پیدا ہونے والے حبس سے گھٹن سی محسوس ہونے لگی تھی۔ لباس پسینے سے تر ہونے لگے تھے۔ جانکی رکنا چاہتی تھی لیکن میں اسے گھسیٹتا رہا۔

کھیتوں میں وہ اکلوتی عمارت اب زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔ اس کے اردگرد کچھ درخت بھی تھے۔ ہم ایک جگہ رک کر دیر تک اس عمارت کا جائزہ لیتے رہے۔ وہاں کسی ذی روح کا نام و نشان نظر نہیں آرہا تھا۔

وہ دراصل ایک چھوٹی سی ویران خانقاہ تھی۔ مرکزی ہال میں ایک چبوترے پر مہاتما بدھ کا بہت بڑا مجسمہ تھا جو ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ عمارت کی کھڑکیاں اور دروازے غائب تھے۔ مرکزی ہال کے علاوہ پچھلی طرف دو کمرے تھے۔ دونوں کمروں میں گرد کی موٹی تہ جمی ہوئی تھی البتہ مرکزی ہال کا فرش صاف ستھرا تھا۔ شاید آس پاس کھیتوں میں کام کرنے والے چینی کاشتکار کچھ دیر ستانے کے لیے یہاں بیٹھ جاتے ہوں گے۔ برآمدہ بھی صاف ستھرا تھا۔

ہم برآمدے ہی میں بیٹھ گئے۔ اسی طرف آتے ہوئے میں نے کھیتوں میں جن کسانوں کو کام کرتے دیکھا تھا وہ نیلے لباس میں تھے جس کا مطلب تھا کہ ان کا تعلق ایک ہی کمیونٹی سے تھا۔ ظاہر ہے وہ کمیونسٹ تھے اور اسی لیے یہ خانقاہ کھنڈر میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ہو سکتا ہے جب یہ خانقاہ تعمیر کی گئی ہو۔ اس وقت آس پاس بدھ کے پیروکاروں کی اکثریت ہو لیکن وقت بدل گیا تھا۔

میں جانکی کو برآمدے ہی میں بیٹھا چھوڑ کر عمارت کے پچھلی طرف چلا گیا۔ اس طرف شفاف پانی کی ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی اور میرے لیے زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ ندی کے آس پاس تربوز کی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں جن میں بڑے بڑے تربوز بھی لگے ہوئے تھے۔ میں نے جانکی کو بھی بلا لیا۔ پہلے سیر ہو کر پانی پیا پھر ایک بڑا سا تربوز توڑ کر دوبارہ برآمدے میں آ گئے اور میں خنجر نکال کر تربوز کاٹنے لگا۔

وہ پورا دن اور اگلی رات ہم نے وہیں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہمارا پیٹ بھرنے کا بندوبست ہو گیا تھا۔ ہم کئی روز یہاں رہ سکتے تھے۔

جانکی کے چہرے پر مایوسی تھی۔ وہ کوئی بات بھی نہیں کر رہی تھی۔ البتہ میں باتوں سے اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کرتا رہا۔

شام ہو چکی تھی۔ اندھیرے کی سیاہ چادر نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ہم دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے رہے۔ شام ہوتے ہی ٹھنڈک سی ہو گئی تھی اور اب خنکی میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے وجدان۔" جانکی کہتے ہوئے میرے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

"باہر ہوا چل رہی ہے۔ چلو اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔ سردی سے بچے رہیں گے۔" میں نے کہا اور ہم دونوں اٹھ کر اندر آ گئے۔

مرکزی ہال میں ٹہلتے ہوئے ہم مجسمے والے چبوترے کے پاس پہنچ گئے۔ میرا خیال تھا چبوترے سے ٹیک لگا کر رہیں گے۔

"رک جاؤ۔ میں اپنی چادر کھول کر فرش پر بچھاتی ہوں۔ آرام سے لیٹ کر سو تو جائیں گے۔" جانکی نے کہا۔

"مگر۔۔۔"

"اس ویرانے میں کون آ کر مجھے دیکھے گا۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ کپڑے کی سرسراہٹ سنائی دی۔ اس نے چادر کے دو کونے میرے ہاتھ میں دے دیے۔ میں نے چبوترے کے ساتھ چادر بچھا دی اور چبوترے کے ساتھ ٹیک لگا کر ٹانگیں پسار لیں۔

مجھے جلد ہی نیند آ گئی۔ اندازہ نہیں کتنی دیر سویا۔ اپنے سینے پر بوجھ محسوس کر کے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ٹہل کر دیکھا۔ وہ جانکی تھی جو مجھ سے لپٹی ہوئی تھی اور اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ اسے یقیناً سردی لگ رہی تھی، فرش پر بچھی ہوئی چادر ساڑی کی طرح خاصی پتلی تھی۔ میں نے فالتو چادر سمیٹ کر اس کے اوپر ڈال دی۔ میں نے اپنے آپ کو جانکی سے الگ کرنا چاہا تھا لیکن اس نے مجھے گرفت میں لے رکھا تھا۔

میری آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی۔ میں پھر سو گیا اور پھر کمر پر لگنے والی ٹھوکر سے میری آنکھ کھل گئی۔ جانکی میرے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔ وہ نیند میں تھی۔ یہ ٹھوکر شاید نیند میں اس نے ہاتھ مارا ہو گا لیکن اگلی ٹھوکر پہلے سے زیادہ زوردار تھی۔ اس مرتبہ میں نے آنکھیں پوری کھول دیں اور سر اٹھا کر دیکھا۔ میری نیند کافور ہو گئی۔ میں اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ پانچ چھ آدمی تھے جنہوں نے ہمیں گھیرے میں رکھا تھا۔ ایک کے ہاتھ میں بندوق تھی دو کے ہاتھ میں تلواریں اور باقی ترشول سے ملتے جلتے ہتھیار لیے ہوئے اور ان تمام ہتھیاروں کا رخ ہماری طرف تھا۔

میرے سنبھلنے سے پہلے تیسری ٹھوکر میری پسلیوں پر کر چکی تھی۔ میں اب بھی جانکی کی بانہوں کی گرفت میں تھا۔ میں نے اس کی گرفت چھڑانے کے لیے جیسے ہی اس پر ہاتھ رکھا، میں چونک گیا۔ جانکی کو تیز بخار ہو رہا تھا۔

میرے دائیں طرف کھڑے ہوئے آدمی نے چیخ کر پھر ٹھوکر مارنا چاہی لیکن میں نے بڑی پھرتی سے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوکر کو روک دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے جانکی کی گرفت سے چھٹکارا حاصل کر کے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس شخص نے غراتے ہوئے تلواروں کی نوک میرے سینے پر رکھ دی۔ دوسروں نے بھی اپنے ہتھیار سیدھے کر لیے۔ ایک نے ترشول نما ہتھیار سے جانکی کو بھی زد میں لے لیا تھا۔ وہ دراصل ترشول نہیں تھا۔ ایک لمبے سے ڈنڈے کے آگے تین آہنی شاخوں والا ہتھیار سا لگا ہوا تھا۔ یہ دراصل بھوسا یا گھاس وغیرہ جمع کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

جسم پر لگنے والی تین ٹھوکروں اور ان ہتھیار بند لوگوں کی موجودگی سے میرا دماغ بالکل صاف ہو چکا تھا۔ اس وقت میں دونوں کہنیاں فرش پر ٹکائے ذرا سا اوپر کو اٹھا ہوا تھا اور تلوار کی نوک میرے سینے پر تھی۔ وہی شخص چیخ چیخ کر کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ وہ اگرچہ چینی زبان ہی بول رہا تھا مگر ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

میں اسی طرح پڑے پڑے ان لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ باہر اگرچہ دھوپ چمک رہی تھی لیکن کمرے کے اندر زیادہ روشنی نہیں تھی۔ بغور جائزہ لینے کے بعد پتا چلا کہ ان کی تعداد پانچ تھی۔ جن میں تین مرد اور دو عورتیں تھیں۔ ایک آدمی کے ہاتھ میں تلوار تھی جو اس نے میرے سینے سے لگا رکھی تھی۔ دوسرے کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ تیسرے نے ترشول سے جانکی کو زد میں لے رکھا تھا۔ ایک عورت کے ہاتھ میں تلوار اور دوسری کے ہاتھ میں ترشول تھا۔

میں نے گردن گھما کر جانکی کی طرف دیکھا جو اب بھی مجھ سے لپٹی ہوئی تھی اس کے جسم میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ وہ یا تو گہری نیند میں تھی یا مدہوشی میں۔ اسے صورت حال کی سنگینی کا کچھ احساس نہیں تھا۔

تلوار والے نے ایک بار پھر چیخ کر کچھ کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار کی نوک سے میرے سینے پر ہلکا سا دباؤ بھی ڈالا تھا۔ اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ وہ لوگ اتنے غصے میں کیوں تھے۔ رات کو سوتے میں چادر ہٹ گئی تھی اور میرے بدن پر صرف نیکر تھی۔ جانکی نے تو سونے سے پہلے ہی اپنی چادر فرش پر بچھالی تھی۔ اس کے جسم پر مختصر سا بلاؤز اور نیکر نما اسکرٹ تھا جو اس وقت اوپر تک سمٹا ہوا تھا۔ وہ جس طرح مجھ سے لپٹی ہوئی تھی اس سے کوئی بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا تھا۔

"تم اپنی یہ تلوار ہٹاؤ تو میں اٹھ سکوں گا۔" میں نے اس چینی کی طرف دیکھتے ہوئے رک رک کر کہا جس نے تلوار کی نوک میرے سینے سے لگا رکھی تھی۔

میں نے بھی چینی زبان استعمال کی تھی اور یہ الفاظ رک رک کر کہے تھے اور شاید وہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی، اس نے تلوار میرے سینے سے ہٹا لی۔ جانکی کا ایک ہاتھ اب بھی میرے سینے پر تھا۔ میں نے بڑی آہستگی سے اس کا ہاتھ ہٹایا اور سامنے کھڑی ہوئی تلوار بردار عورت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم لوگ شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔ میری اس ساتھی عورت کو تیز بخار ہے اور اسے سردی بھی لگ رہی ہے۔ یہ ہوش میں نہیں ہے اس لیے مجھ سے لپٹی ہوئی ہے۔ تم خود اسے چھو کر دیکھ لو۔"

میرا اب تک کا یہ تجربہ تھا کہ عورتیں زیادہ نرم دل ہوتی ہیں۔ ان میں ہمدردی اور شفقت کا جذبہ بھی ہوتا ہے۔ کسی کا دکھ جان کر ان کا دل جلدی پسیج جاتا ہے اسی لیے میں نے یہ الفاظ ایک عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے اور میرا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا تھا۔ وہ چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے مجھے اور جانکی کو دیکھتی رہی پھر اپنے ساتھ کھڑی ہوئی دوسری عورت کی طرف دیکھا۔ اس نے مدھم لہجے میں کچھ کہا تو تلوار بدست عورت دو قدم آگے بڑھ کر جانکی پر جھک گئی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس نے بایاں ہاتھ جانکی کی پیشانی پر رکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے تیز تیز لہجے میں کچھ کہنے لگی جس نے مجھے تلوار کی زد پر لے رکھا تھا۔ اس شخص نے بھی تیز لہجے میں کوئی جواب دیا پھر دوسری عورت سے کچھ کہا۔ اس نے بھی جانکی کو چھو کر دیکھا اور پھر باری باری وہ سب جانکی کے بدن کو چھو کر دیکھنے لگے۔ پہلے تو وہ لوگ یہی سمجھتے رہے تھے کہ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کی وجہ سے جانکی خوف سے کانپ رہی ہے اور جان بوجھ کر نہیں اٹھ رہی تھی لیکن اب بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

ان کے ہتھیار نیچے جھک گئے۔ ان کے رویے میں بھی تبدیلی آ گئی تھی۔ تلوار والے چینی نے میری طرف دیکھتے ہوئے اس مرتبہ رک رک کر بات کی تو اس کا مفہوم سمجھتے

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

بزرگان دین کے ایمان افروز واقعات

روشنی کے مینار

قیمت 150/- روپے

ڈاک خرچ 25/- روپے

مصنف: ضیاء تسنیم بلگرامی

کتابیات پبلی کیشنز، پوسٹ بکس 23 کراچی نمبر 1

ہوئے میری نظریں بے اختیار اپنی دائیں پنڈلی کی طرف اٹھ گئیں۔ پنڈلی پر چمڑے کے فیتے سے بندھا ہوا خنجر صاف نظر آرہا تھا۔ میں نے خنجر نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس طرح میں یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ ان کے سامنے میرا مزاحمت کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ نیلر کے اندر اڑسا ہوا پستول ان کی نظروں میں نہیں آسکا تھا۔ میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔ اس کا پستول بلاؤز کے اندر تھا اور وہ بھی ابھی تک ان کی نظروں سے محفوظ تھا۔

"اگر اجازت دو تو میں اٹھ کر اپنا لباس درست کرلوں۔" میں نے اسی چینی کی طرف دیکھا جس کے بارے میں، میں یہ اندازہ قائم کرچکا تھا کہ وہ اس پارٹی کا سربراہ ہے۔ اس نے اثبات میں سرہلا دیا۔ میں پھرتی سے اٹھ گیا اور پیلی چادر اپنے جسم پر لپیٹنے لگا پھر میں جانکی پر جھک گیا۔

جانکی اب بھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ اس کے منہ سے کراہیں سی خارج ہورہی تھیں۔ میں فرش پر بچھی ہوئی چادر اٹھا کر اس کے جسم پر لپیٹنے لگا اور اس دوران میں بڑی ہوشیاری سے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالا اور اپنی چادر میں چھپالیا۔

"کیا تم میری کچھ مدد کروگی؟" میں نے تلوار والی عورت کی طرف دیکھا۔

وہ آگے بڑھ آئی اور جانکی کے بدن پر چادر لپیٹنے میں میری مدد کرنے لگی۔ جانکی کی حالت دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اسے ملیریا ہوگیا تھا اور فوری طور پر اس کا علاج ضروری تھا۔ اسے تھرتھر کانپتے دیکھ کر ایک آدمی نے اپنا کوٹ اتار کر اس پر ڈال دیا لیکن اس کی کپکپاہٹ کم نہیں ہوئی۔

اس پارٹی کے سربراہ کا نام ہوکیانگ تھا لیکن وہ بڑے بگڑے ہوئے لہجے میں چینی زبان بول رہا تھا۔ وہ کسان تھے۔ ہوکیانگ نے رک رک کر بتایا کہ صبح سویرے ان کا ایک ساتھی اس طرف آنکلا تھا۔ اس نے ہم دونوں کو ساتھ لیٹے ہوئے دیکھا تو دوسروں کو اطلاع کردی۔ وہ ہمیں جاسوس سمجھ رہے تھے۔ چین کی حدود میں نظر آنے والے ہر اجنبی کو جاسوس سمجھ لیا جاتا تھا اور جو شخص ایک مرتبہ جاسوسی کے الزام میں پکڑا جاتا پھر زندگی بھر اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔

"ہم جاسوس نہیں ہیں۔" میں نے اس کی بات سن کر کہا "ہم بدھ کے پیروکار ہیں، بھکشو۔ ہم مارشل آرٹ کی تربیت حاصل کرنے کے لیے شاؤلن ٹمپل جارہے تھے لیکن راستے میں ایک ٹریجڈی کی وجہ سے ہمیں راستہ بدلنا پڑا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر انہیں بتانے لگا کہ ایک مال بردار ٹرک پر یوشوانگ کی طرف سفر کرتے ہوئے راستے میں ٹرک خراب ہوگیا اور اسی دوران میں ٹرک کے ڈرائیور اور اس کے ہیلپر کو کسی طرح پتا چل گیا کہ ہمارا ساتھی مرد نہیں عورت ہے۔ ان کی نیت میں فتور آگیا لیکن ہم کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلے اور کھیتوں میں بھٹکتے ہوئے اس طرف آگئے۔

"ہم رات گزارنے کے لیے یہاں رک گئے تھے۔" میں نے کہا "ہمارا خیال تھا کہ صبح ہوتے ہی یوشوانگ کی طرف روانہ ہوجائیں گے لیکن میری یہ ساتھی۔۔۔" میں جملہ مکمل کیے بغیر خاموش ہوکر جانکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم لوگ ہندوستانی ہو؟" ہوکیانگ نے میرے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"نہیں ہم تھائی ہیں۔" میں نے جواب دیا "بنکاک سے برما اور وہاں سے بھٹکتے ہوئے اس طرف آئے ہیں۔" اب مجھے یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ انڈین خاصے بدنام ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ہندوستانی دوست بن کر بھی پشت میں چھری گھونپنے کے لیے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ مجھے سیاست سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی لیکن چین سے انڈیا کی روایتی دشمنی سے تو میں واقف تھا۔ پر امن حالات میں بھی انڈیا کے جاسوس چین کی حدود میں اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہوں گے اس لیے کسی ہندوستانی پر جاسوس ہونے کا شبہ کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ کن منگ میں چانگ ہونے بھی ہمیں یہی دھمکی دی تھی کہ اگر جانکی کو اس کے حوالے نہ کیا گیا تو وہ ہمیں جاسوسی کے الزام میں پولیس کے حوالے کردے گا اور یہاں بھی ان کسانوں نے سب سے پہلے ہم سے یہی سوال کیا تھا۔

ہوکیانگ اور اس کے ساتھی آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ ان میں باقاعدہ بحث چھڑ گئی تھی۔ دونوں عورتیں بھی اس بحث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں۔ مجھے جانکی کی فکر ہورہی تھی۔ اسے فوری طور پر علاج کی ضرورت تھی۔ تاخیر اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوسکتی تھی۔

ان کی بحث طول پکڑتی جارہی تھی۔ بالآخر مجھے مداخلت کرنی پڑی۔

"میری ساتھی کو علاج کی ضرورت ہے۔ اگر دیر ہوگئی تو اس کی حالت بگڑ جائے گی۔ یہ مرض بھی ہوسکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ہوکیانگ نے کہا "فی الحال ہم تم لوگوں کو اپنی بستی میں لے جارہے ہیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ کیا تمہاری ساتھی چل سکتی ہے؟"

"میں اسے کندھے پر اٹھالوں گا۔" میں نے کہتے ہوئے جانکی کی طرف دیکھا پھر ہوکیانگ سے پوچھا "بستی کتنی دور ہے؟"

"زیادہ دور نہیں۔ آدھے گھنٹے میں پہنچ جائیں گے۔" ہوکیانگ نے جواب دیا۔

میں نے جانکی کو کندھے پر لاد لیا اور ہم اس اُجڑی ہوئی عبادت گاہ سے باہر آگئے۔ دھوپ خاصی تیز اور چبھتی ہوئی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق نو بجے کا وقت تھا۔ عبادت گاہ کے پچھلی طرف ایک جگہ سے ندی پار کی اور کھیتوں میں ایک تنگ سی پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ سب سے آگے ہوکیانگ۔ اس کے پیچھے ایک آدمی، پھر ایک عورت اور اس کے پیچھے میں تھا۔ میرے پیچھے دوسری عورت اور آخر میں وہ آدمی تھا جس نے بارہ بور کی بندوق اٹھا رکھی تھی۔

دھان کے کھیتوں میں پگڈنڈی پر دھوپ میں چلتے ہوئے میں پسینے میں شرابور ہورہا تھا۔ تیز دھوپ کی وجہ سے کھیتوں میں اگنے والے بخارات نے گھٹن اور حبس سا پیدا کررکھا تھا۔ اگر جانکی میرے کندھے پر نہ ہوتی تو مجھے کوئی دشواری پیش نہ آتی۔

ہوکیانگ نے کہا تھا کہ ہم آدھے گھنٹے میں پہنچ جائیں گے لیکن اتنی دیر چلنے کے بعد بھی کسی بستی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میں رک گیا اور جانکی کو پگڈنڈی پر بٹھا کر خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا اور اپنا سانس درست کرنے لگا۔ جانکی مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔ ہوکیانگ وغیرہ بھی رک گئے تھے۔

بندوق والا شخص ان میں سب سے زیادہ صحت مند اور قدرے دراز قامت تھا۔ اس نے اپنی بندوق دوسرے ساتھی کو تھمادی اور جھک کر جانکی کو اٹھانے لگا لیکن میں نے اسے روک دیا۔

چند منٹ وہاں بیٹھنے کے بعد میں نے جانکی کو دوبارہ کندھے پر اٹھالیا اور ان کے ساتھ چلنے لگا۔ کھیتوں میں مزید بیس پچیس منٹ چلنے کے بعد کسی قدر نشیب میں وہ مختصر سی بستی دکھائی دینے لگی۔

دور ہی سے دیکھا جاسکتا تھا کہ وہ کچے... مکان تھے اور ان کی تعداد دس بارہ سے زیادہ نہیں تھی۔ ایک دو گھروں سے دھواں بھی اٹھتا ہوا نظر آرہا تھا۔ ہم قریب پہنچے تو تین عورتیں اور ایک آدمی اور تین چار بچے بستی سے باہر آگئے۔ وہ سب حیرت سے کبھی مجھے دیکھتے اور کبھی میرے کندھے پر لدی ہوئی جانکی کو۔

ہوکیانگ ہمیں ایک مکان میں لے گیا۔ جانکی کو لکڑی کے ایک تختے پر لٹا دیا گیا جس پر بستر بچھا ہوا تھا۔ اس مکان میں ایک دھان پان سی عورت پہلے ہی سے موجود تھی۔ اس کی عمر اٹھائیس تیس سال رہی ہوگی۔ دبلی پتلی سی، بہت گوری رنگت، چہرے کے نقوش بہت دلکش۔ وہ بالکل گڑیا لگ رہی تھی۔

وہ ہوکیانگ کی بیوی ہوکیدو تھی۔ ہوکیانگ نے تیز تیز لہجے میں اس سے کچھ کہا۔ ہوکیدو کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔ وہ چند لمحے جانکی کی طرف دیکھتی رہی جو بالکل ٹانگیں سمیٹے گٹھڑی سی بنی پڑی تھی۔

ہوکیدو تیزی سے کمرے سے نکل گئی اور چند ہی منٹ بعد دو تین کمبل لے آئی جو اس نے سب کے سب جانکی پر ڈال دیے اور دوبارہ کمرے سے نکل گئی۔ کمرے میں چار پانچ افراد اور بھی تھے۔ ہوکیانگ نے ان سب کو کمرے سے نکال دیا اور مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی باہر نکل گیا۔

میں دیوار کے قریب پڑی ہوئی لکڑی کی ایک سیدھی پشت والی کرسی تخت کے قریب گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ کرسی کی ساری چولیں ڈھیلی تھیں میرے بیٹھتے ہی وہ چرچرا کر جھولنے لگی۔ کرسی کا یہ احتجاج دیکھ کر مجھے سنبھل کر بیٹھنا پڑا۔

بھاری کمبلوں کے نیچے دبی ہوئی جانکی اب بھی کپکپا رہی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ہوکیدو ایک پیالی میں کوئی گرم گرم چیز لے آئی۔ اس نے پیالی میرے ہاتھ میں تھمادی اور اشارے سے سمجھانے لگی کہ یہ جانکی کو پلا دیا جائے۔ وہ قہوہ یا جوشاندہ قسم کی کوئی چیز تھی جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ میں نے پیالی قریب ہی ایک خستہ حال چھوٹی میز پر رکھ دی اور کرسی سے اٹھ کر جانکی کے چہرے سے کمبل ہٹادیے۔

"جانکی۔" میں نے ہولے سے اسے مخاطب کیا "گرم گرم قہوہ پی لو۔ تمہیں کچھ سکون ملے گا۔"

جانکی نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ بخار کی شدت سے اس کی آنکھیں بھی بالکل سرخ ہورہی تھیں۔ میں نے اسے سہارا دے کر دیوار کے ساتھ بٹھادیا اور پیالی اٹھا کر اپنے ہاتھ سے اسے قہوہ پلانے لگا۔ ہوکیدو قریب کھڑی دیکھتی رہی۔ قہوہ پلانے کے بعد میں نے جانکی کو دوبارہ لٹادیا۔

یہ تو میں سمجھ چکا تھا کہ یہ ملیریا کا حملہ تھا اور میرے لیے تشویش ناک بات یہ تھی کہ اگر اس کا علاج نہ ہوسکا تو اس کی

حالت بگڑ جائے گی اور میرے خیال میں اسے فی الحال طبی امداد ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی۔ دس بارہ گھروں کی اس بستی میں ڈاکٹر کی موجودگی یا کسی مناسب طبی سہولت کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھارنے لگے۔ کیا جانکی بھی تھائی کی طرح میرا ساتھ چھوڑ جائے گی؟

پندرہ بیس منٹ اور گزر گئے اور پھر ہوکیانگ ایک بوڑھی عورت کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ میرے خیال میں اس عورت کی عمر پچھتر سال سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ کمر کمان کی طرح دہری ہو رہی تھی۔ چہرے پر مکڑیوں کا جال سا بنا ہوا تھا۔ سر پر تھوڑے بہت جو بال رہ گئے تھے وہ برف کی طرح سفید ہو رہے تھے۔ آنکھوں پر موٹے عدسوں کی عینک تھی جس کی دونوں ڈنڈیاں غائب تھیں اور ناک پر عینک کو سہارا دینے کے لیے کانوں پر دھاگے لپٹے ہوئے تھے۔ اس کے کندھے پر میلا سا ایک تھیلا بھی تھا۔

میں اسے دیکھ کر اٹھ گیا۔ ہوکیانگ نے اسے سہارا دے کر کرسی پر بٹھا دیا۔ میں نے قصے کہانیوں میں افریقہ کے وچ ڈاکٹروں کے بارے میں پڑھا تھا اور میرے خیال میں یہ بوڑھی عورت بھی ایسی ہی کوئی چیز تھی جسے جانکی کے علاج کے لیے بلایا گیا تھا۔

کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس بوڑھی عورت نے میری طرف دیکھا۔ میں اندازہ ہی لگا سکا تھا کہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی تھی پھر اس نے ہوکیانگ سے کچھ کہا۔ ہوکیانگ نے مجھے اس کی بات سمجھائی اور میں نے تخت کے قریب بیٹھ کر جانکی کے چہرے سے کمبل ہٹا دیا اور اس کا ایک ہاتھ باہر نکال دیا۔

بوڑھی عورت نے پہلے جانکی کی پیشانی کو چھو کر دیکھا پھر اس کی نبض دیکھی اور پھر تھیلی کھولتے ہوئے ہوکیانگ سے کچھ کہنے لگی۔

"یہ کہہ رہی ہے کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ملیریا ہے۔ دو چار روز میں بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔" ہوکیانگ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بڑھیا نے تھیلے میں سے دو چھوٹی ڈبیاں نکال لی تھیں۔ اس نے پھر ہوکیانگ سے کچھ کہا' ہوکیانگ نے چھوٹی میز قریب سرکالی اور دونوں ڈبیاں میز پر رکھ کر کھول دیں۔ ایک میں نیالے سے رنگ کا کوئی سفوف تھا اور دوسری ڈبیا میں معجون قسم کی کوئی چیز۔ بڑھیا کے کہنے پر اس نے سفوف کی تین پڑیاں بنالیں۔ ہر پڑیا میں چٹکی بھر سفوف تھا۔

بڑھیا کے کہنے پر ایک پڑیا جانکی کو کھلا دی گئی اور تھوڑا سا معجون چٹا دیا گیا۔ بڑھیا تقریباً بیس منٹ وہاں بیٹھی ہوکیانگ سے باتیں کرتی رہی۔ میں کبھی بڑھیا کی طرف دیکھتا اور کبھی جانکی کی طرف جس کے چہرے سے کمبل ہٹا ہوا تھا۔ چند منٹ پہلے تک تو یوں لگتا تھا جیسے کمبلوں کے نیچے حبس سا آیا ہوا ہو لیکن اب جانکی کی کپکپاہٹ بتدریج کم ہو رہی تھی اور بالآخر وہ پُرسکون ہو گئی اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے اوپر سے کمبل ہٹانے لگی۔

بڑھیا نے ایک بار پھر آگے جھک کر اس کی کلائی پر ہاتھ رکھ دیا۔ چند سیکنڈ بعد اس کا ہاتھ کمبل کے اندر تک رینگ گیا اور پھر وہ بڑھیا کچھ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔ اس نے اپنا تھیلا کندھے پر ڈال لیا تھا۔ دو پڑیاں اور معجون کی ڈبیا میز پر ہی چھوڑ دی گئی تھی۔ ہوکیانگ بڑھیا کو سہارا دے کر باہر لے گیا۔

میں نے جانکی کی پیشانی اور کلائی کو چھو کر دیکھا۔ وہ سفوف یا معجون بڑی حیرت انگیز دوا ثابت ہوئی تھی۔ بخار اتر گیا تھا۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ چند منٹ بعد ہوکیدو ایک اور عورت کے ساتھ کمرے میں آ گئی۔ یہ وہی عورت تھی جو عبادت گاہ سے ہمارے ساتھ آئی تھی اور میں نے عبادت گاہ میں سب سے پہلے اس سے بات کی تھی۔ اس کا نام فوشون تھا۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دی تھی۔ ہوکیدو نے ایک ہاتھ میں کپڑا اور تولیا اٹھا رکھا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ میرے باہر نکلتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔

مکان کے آنگن میں کچھ لوگ جمع تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں' مرد بھی اور بچے بھی۔ ایک آدمی اور دو عورتوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے پر رکھتے ہوئے گردن کو ذرا سا خم دیا تھا۔ میں نے بھی انہیں آشیرباد دینے والے انداز میں سیدھا ہاتھ اوپر اٹھا دیا تھا۔ میں اس وقت ایک بھکشو تھا اور مجھے وہی کچھ کرنا تھا جو ایک بھکشو کو کرنا چاہیے تھا۔

اس صورت حال سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس بستی کی فضا ہمارے حق میں تھی اور فی الحال ہمیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔

ہوکیدو اور فوشون نے جانکی کے کپڑے بدل دیے تھے۔ اس کی پیلی چادر بلاؤز اور اسکرٹ' جو پسینے میں تر ہو چکا تھا' دھو کر سوکھنے کے لیے رسی پر ڈال دیے گئے جانکی کو جو لباس پہنایا گیا تھا' وہ پھول دار پاجامہ اور چولی پر مشتمل تھا۔ جب میں دوبارہ کمرے میں آیا تو وہ بالکل چت لیٹی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"کیا ہوا تھا مجھے۔ یہ لوگ کون ہیں؟" اس نے کمزور سی آواز میں پوچھا۔

میں کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ظاہر ہے اسے مدہوشی کی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اب تک اس پر کیا بیت چکی ہے۔

"اگر یہ لوگ اس ویران عبادت گاہ میں نہ پہنچتے تو اس وقت تمہارے ہونٹوں پر زندگی کی مسکراہٹ نہ ہوتی۔" میں نے کہا اور پھر اسے تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں' میں نے کہہ رہا تھا "اس میں شبہ نہیں کہ یہ کیونٹس ہیں۔ انہیں ہم پر انڈیا کے جاسوس ہونے کا شبہ بھی ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ شبہ اب بھی برقرار ہو لیکن ان کا رویہ ہمارے ساتھ ہمدردانہ ہے۔ ابھی فی الحال کسی سے بات نہیں ہوئی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آنے والا وقت اپنے دامن میں ہمارے لیے کیا لے کر آتا ہے۔"

"جو کچھ تم بتا رہے' اس سے تو یہی لگتا ہے کہ یہ اچھے لوگ ہیں اور یہاں ہمارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو گی۔" جانکی نے کہا۔

میں نے وہ سارا دن جانکی کے پاس بیٹھ کر ہی گزارا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اسے سفوف کی ایک پڑیا اور کھلا دی گئی اور تھوڑا سا معجون بھی چٹا دیا گیا تھا۔ اس دوران میں بستی کے لوگ بھی ہمیں دیکھنے کے لیے آتے رہے۔ لگتا تھا جیسے ہم کوئی عجوبہ ہیں۔ بچوں کی نظروں میں زیادہ تجسس تھا۔ وہ تو بعد میں پتا چلا کہ اس بستی کے لوگوں نے برسوں بعد کسی بھکشو کو دیکھا تھا۔ اس لحاظ سے بچوں کے لیے تو میں واقعی ایک عجوبہ تھا۔

یہ لوگ کیونٹس تھے انہیں بدھ مذہب کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کوئی عورت بھکشو نہیں بن سکتی اس لیے اس لحاظ سے ہم پر کوئی شبہ نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی اس سلسلے میں ہم سے کچھ پوچھا گیا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ بھکشو دوپہر کے بعد کچھ نہیں کھاتے اس لیے ہمیں رات کا کھانا بھی دیا گیا تھا۔ ہوکیدو نے مرغی کا شوربے والا سالن بنایا تھا۔ ہوکیانگ بھی کھانے میں ہمارے ساتھ شریک تھا۔

اس نے بتایا کہ دھان کے کھیتوں میں واقع وہ عبادت گاہ تو تقریباً پچاس سال پہلے ہی ویران ہو گئی تھی اور اس بستی میں آخری بھکشو کو تیس سال پہلے دیکھا گیا تھا۔

ہوکیانگ کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ تھی۔ اس بوڑھی عورت کے بارے میں اس نے بتایا کہ وہ اس بستی کی معمر ترین عورت تھی۔ اس کا کوئی عزیز نہیں تھا لیکن بستی کے لوگ اسے عزیز رکھتے تھے۔ وہ ہر چھ مہینے بعد وانگ سی کے جنگلوں میں چلی جاتی جہاں سے جڑی بوٹیاں تلاش کر لے آتی اور ان سے دوائیں تیار کر کے بستی والوں کا علاج معالجہ کرتی۔ بستی والوں کو اس کا بڑا سہارا تھا۔ قریب ترین بڑا قصبہ بھی یہاں سے ساٹھ میل کے فاصلے پر تھا لیکن علاج کے لیے انہیں وہاں نہیں جانا پڑتا تھا۔ بڑھیا کی تیار کردہ دواؤں میں ہی اس قدر تاثیر تھی کہ بیمار اس کے علاج سے صحت یاب ہو جاتے تھے۔

رات کے کھانے کے بعد ہوکیانگ مجھے بستی کے ایک اور مکان میں لے گیا جس کے بڑے سے ہال کمرے میں بچھی ہوئی چٹائیوں پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے۔ وہ شاید یہ اطمینان کر لینا چاہتے تھے کہ ہم کسی طرح ان کے لیے نقصان دہ تو ثابت نہیں ہو سکتے۔

انہی کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ یوشو وانگ وہاں سے تقریباً نوے میل کے فاصلے پر تھا۔ میری باتوں سے وہ لوگ بہرحال مطمئن ہو گئے تھے۔ مجھے بتا دیا گیا کہ میری ساتھی جب ٹھیک ہو جائے گی تو ہمیں یہاں سے رخصت کر دیا جائے گا۔

رات کو جانکی کو پھر تیز بخار ہو گیا۔ ہوکیانگ کے مشورے سے سفوف کی تیسری پڑیا بھی اسے کھلا دی گئی۔ میں رات بھر جانکی کے سرہانے بیٹھا رہا۔ صبح پانچ بجے کے قریب بخار ٹوٹا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر دن کی روشنی پھیلتے ہی ہوکیانگ اس بڑھیا کو بلا لایا۔ اس نے وہی دوا جاری رکھی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ جانکی کا بخار ختم ہو چکا تھا مگر اس میں کمزوری اس قدر ہو گئی تھی کہ وہ سہارے کے بغیر چل بھی نہیں سکتی تھی۔ ایسی صورت میں سفر کرنا ممکن نہیں تھا۔

اس چھوٹی سی بستی میں قیام کے دوران میں یوں تو ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا لیکن منگ شوئی نامی ایک شخص کی طرف سے مجھے کچھ تشویش ہو رہی تھی۔ وہ لمبا تڑنگا شخص شکل صورت ہی سے چھٹا ہوا لگتا تھا اور پچھلے چند روز کے دوران میں' میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ جانکی کی مزاج پرسی کے بہانے دن میں کئی کئی بار اس گھر کے چکر لگاتا تھا۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ وہ جانکی کے چکر میں ہے لیکن مجھے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ دراصل ہوکیدو کو پٹانے کی کوشش کر رہا تھا اور میں نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ ہوکیدو اسے پسند نہیں کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے اسے منگ شوئی کو ڈانٹتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔

میں صبح سویرے کھلی فضا میں بیٹھ کر یوگا کی مشق کیا کرتا تھا۔ اس روز بھی پانچ بجے کے قریب میں اپنے کمرے سے نکلا۔ یہی وقت تھا جب بستی کے کاشتکار کھیتوں پر کام کرنے کے لیے نکلا کرتے تھے۔ ہوکیانگ بھی کھیتوں کی طرف چلا گیا تھا۔ ہوکیدو بھی اس کے ساتھ جایا کرتی تھی لیکن ہماری وجہ سے وہ کئی روز سے گھر پر رہ رہی تھی۔

میں مکان کے اوپر سے گھوم کر پچھلی طرف کھلی جگہ پر آگیا۔ یہاں ایک چبوترا سا بنا ہوا تھا۔ میں اسٹائس بنا کر اسی چبوترے پر بیٹھ گیا۔

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی میں اٹھ گیا۔ واپس جانے کے لیے میں جیسے ہی ہوکیدو کے مکان کے ایک کمرے کی عقبی کھڑکی کے قریب سے گزرا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ کمرے سے کچھ دھینگا مشتی جیسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ کھڑکی بند تھی لیکن ایک باریک سی جھری سے مجھے اندر جھانکنے کا موقع مل گیا اور دوسرے ہی لمحے میں اچھل پڑا۔ دو سائے آپس میں گتھم گتھا نظر آرہے تھے۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اوپر سے گھوم کر مکان میں آگیا۔ ہوکیدو کے کمرے کا دروازہ بند تھا اور جانگی ہوکیدو کو آوازیں دیتی ہوئی دروازے کو تھپتھپا رہی تھی۔

"کیا بات ہے جانگی۔ اندر کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے دھینگا مشتی ہو رہی ہو۔ میں آواز سن کر ہی یہاں آئی ہوں مگر دروازہ اندر سے بند ہے۔" جانگی نے کہا۔

"ہوکیدو۔ دروازہ کھولو۔ کیا ہو رہا ہے' اندر کون ہے؟" میں نے دروازہ دھڑدھڑاتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔

اس دوران میں دو ادھیڑ عمر عورتیں بھی آگئی تھیں۔ ان دونوں کے سروں پر تنکوں سے بنے ہوئے چوڑے چھجے والے ہیٹ تھے اور وہ کھیتوں پر جانے کے لیے اپنے اپنے گھروں سے نکلی تھیں مگر شاید جانگی کی مزاج پرسی کے لیے اس طرف آگئی تھیں۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" ایک عورت نے میری طرف دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں پوچھا۔

"اندر کوئی گڑبڑ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

اندر سے اٹھا پٹخ کی آوازیں سن کر وہ دونوں عورتیں بھی چونک گئیں۔ میں نے ان عورتوں کی طرف دیکھا اور پھر گھوم کر دروازے پر کندھے سے زوردار ٹکر ماری۔ دروازہ پہلی ہی ٹکر میں جھول گیا۔

اندر کا منظر بڑا سنسنی خیز تھا۔ منگ شوئی اور ہوکیدو ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ ہوکیدو کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ منگ شوئی نے ایک ہاتھ سے اس کا منہ بند کر رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اسے زیر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دروازہ ٹوٹتے ہی وہ پہلے ہماری طرف گھوما پھر ہوکیدو کو چھوڑ کر بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جیب سے پستول نکال لیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ پستول والا ہاتھ سیدھا کرتا میں اس پر چھلانگ لگا چکا تھا۔

میرے پیر کی ٹھوکر اس کے پستول والے ہاتھ پر لگی۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔ وہ ایک لمحے کو بدحواس ہوا لیکن پھر دوسرے ہی لمحے اس نے سنبھل کر مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ میں غافل تو نہیں تھا۔ اسے اس طرح آڑھے ہاتھوں لیا کہ وہ بلبلاتا ہوا کمرے میں ناچنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ میں محض بھکشو ہوں لیکن میرے دو چار ہاتھوں نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیے۔

منگ شوئی نے موقع پاتے ہی دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ دروازے میں کھڑی ہوئی ایک عورت سے ٹکرایا۔ وہ چیختے ہوئے نیچے گری۔ جبکہ منگ شوئی نے سنبھل کر بیرونی دروازے کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی لپکا لیکن وہ باہر گلی میں جا چکا تھا۔

میں واپس آگیا۔ تین چار عورتیں کمرے میں جمع ہو چکی تھیں۔ ہوکیدو بیڈ پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کا لباس پھٹا ہوا تھا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ سینے اور گردن پر خراشیں نظر آرہی تھیں۔ جانگی نے اسے سہارا دے کر اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

بستی کی بیشتر عورتیں اور مرد کھیتوں پر گئے ہوئے تھے۔ جو لوگ بستی میں تھے وہ شور سن کر جمع ہو گئے تھے۔ میں نے کمرے میں ایک طرف پڑا ہوا منگ شوئی کا پستول اٹھا لیا اور کمرے سے باہر آگیا۔

آدھے گھنٹے میں ہوکیانگ اور چھ سات دوسرے کسان اطلاع پاکر کھیتوں سے آگئے۔ وہ سب بہت غصے میں تھے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد منگ شوئی کی تلاش شروع ہو گئی۔ ہر جگہ دیکھ لیا گیا لیکن منگ شوئی بستی میں نہیں تھا اور پھر ایک بچے نے بتایا کہ اس نے منگ شوئی کو بستی سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ کچھ لوگ اس کی تلاش میں بچے کی بتائی ہوئی سمت میں کھیتوں میں نکل گئے۔

دوپہر تک منگ شوئی کی تلاش جاری رہی لیکن وہ غائب ہو چکا تھا۔ ہوکیانگ میرا بہت شکر گزار تھا کہ میں نے اس کی

بیوی کی عزت بچالی تھی۔ میں نے منگ شوئی کا پستول ہوکیانگ کے حوالے کر دیا تھا۔

اس واقعے کے بعد بستی والوں کی نظروں میں ہماری عزت بڑھ گئی تھی۔ بستی کے سب ہی لوگ شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس آتے رہے۔ منگ شوئی کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ تقریباً آٹھ مہینے پہلے یہاں آیا تھا اور اس دوران میں اس نے دو تین مرتبہ ایسی حرکتیں کی تھیں۔ ایک مرتبہ تو وہ پٹتے پٹتے رہ گیا تھا۔ اسے وارننگ دی گئی تھی کہ آئندہ ایسی کوئی حرکت کی تو بستی سے نکال دیا جائے گا۔

گزشتہ تین مہینوں کے دوران میں یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ وہ پھر کوئی ایسی حرکت کرنے والا ہے۔ وہ ہوکیدو اور ایک اور عورت کو اکثر گھور گھور کر دیکھا کرتا تھا۔ وہ ہوکیانگ کے گھر کبھی نہیں آیا تھا لیکن جانگی اور میری وجہ سے اسے موقع مل گیا۔ وہ جانگی کی مزاج پرسی اور مجھ سے ملنے کے بہانے یہاں آنے لگا اور اس دوران میں شاید وہ موقع کی تلاش میں رہا تھا۔

ہوکیانگ کھیتوں پر چلا گیا تھا اور میں مکان کے پچھلی طرف چبوترے پر آگیا جہاں یوگا کی مشق کیا کرتا تھا۔ منگ شوئی نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اس نے سوچا ہوگا جانگی سو رہی ہوگی۔ وہ ویسے بھی بیمار عورت تھی اس کی طرف سے مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا اور اسے بستی چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا۔

ہم چاروں مزید اس بستی میں رہے۔ اچھی خوراک اور آرام کی وجہ سے جانگی اب پہلے سے کافی بہتر ہو گئی تھی۔

"اب آگے چلنے کا موڈ ہے یا نہیں۔"

"بہت آرام ہو چکا بھئی۔" جانگی نے میری بات کاٹ دی "میں تو بستر پر لیٹے لیٹے اکتا گئی ہوں۔ اب تو یہاں سے ہل ہی جانا چاہیے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ ہم کل صبح یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔" میں نے کہا۔

اس رات میں نے ہوکیانگ سے بھی بات کر لی تھی۔ یہ طے ہوا کہ صبح سویرے ہمیں چھکڑے پر لویانگ پہنچا دیا جائے گا۔ یہ گاؤں اس بستی سے اٹھارہ میل دور ہائی وے کے کنارے پر واقع تھا۔ وہاں سے ہمیں یوشو وانگ کے لیے بس مل جائے گی۔

صبح رخصت ہونے سے پہلے ہوکیدو نے کپڑے کا ایک تھیلا میرے ہاتھ میں تھما دیا جس میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں تھیں۔ جانگی پہلی چادر لپیٹ کر ایک بار پھر بھکشو بن گئی تھی۔ بستی کے باہر چھکڑے کے قریب بہت سے لوگ جمع تھے۔ اس چھکڑے کے پہیے کسی موٹر کے تھے جس وجہ سے یہ زیادہ اونچا نہیں تھا۔ آگے ایک خچر جتا ہوا تھا۔ کوچوان کی سیٹ سستا اونچی تھی جبکہ پچھلا حصہ کسی قدر نیچے تھا۔ جس میں پیال بچھی ہوئی تھی۔ دور دراز کے علاقوں میں مال برداری اور آمد و رفت کے لیے اسی قسم کی سواریاں تھیں۔ ہم سب لوگوں سے رخصت ہو کر چھکڑے میں بچھی ہوئی پیال پر بیٹھ گئے اور کوچوان نے خچر کو ہانک دیا۔ ادھیڑ عمر کوچوان بھی خچر کی طرح مریل اور دبلا پتلا سا تھا۔ اس نے سر پر چوڑے چھجے والا ہیٹ پہن رکھا تھا۔ جانگی اور میں نے بھی اسی قسم کے ہیٹ اوڑھ رکھے تھے جو ہمیں بستی والوں نے دیے تھے۔ بستی کے دوسرے لوگوں نے بھی ہمیں کھانے پینے کی بہت سی چیزیں دی تھیں جن سے میرا تھیلا بھر گیا تھا۔ یہ چیزیں ایسی تھیں جو کئی دنوں تک خراب نہیں ہو سکتی تھیں اور ہم انہیں اطمینان سے استعمال کر سکتے تھے۔

چھکڑا کھیتوں کے درمیان کچے راستوں پر اچھلتا ہوا جا رہا تھا۔ اچھے خاصے جھٹکے لگ رہے تھے۔ دھوپ جیسے جیسے تیز ہو رہی تھی گرمی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا' چھجوں والے ہیٹ اس وقت ہمارے کام آرہے تھے۔ چھکڑا جس رفتار سے چل رہا تھا' اس سے مجھے لگ رہا تھا کہ ہم اٹھارہ میل کا فاصلہ دو گھنٹوں سے پہلے طے نہیں کر سکیں گے۔ کوچوان تو چابک سے خچر کی خوب پٹائی کر رہا تھا لیکن اس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم دھان کے کھیتوں سے نکل کر کھلی جگہ پر آگئے۔ یہ راستہ کسی قدر ہموار تھا اور اس کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں تھیں۔ راستے سے تقریباً پچاس فٹ ہٹ کر ایک چوڑی نہر بہہ رہی تھی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کوچوان کے قریب اس کی سیٹ پر بیٹھ گیا اور رک رک کر بولتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا کہ ہمیں ابھی اور کتنا فاصلہ طے کرنا ہوگا۔

"تقریباً آدھے گھنٹے کا راستہ باقی ہے۔" کوچوان نے جواب دیا اور جیب سے بیڑی کی طرح کا ایک لمبا سا چرٹ نکال کر سلگانے لگا۔ اس کی بو بڑی ناگوار سی تھی۔ میں دوبارہ اپنی جگہ پر آگیا۔

تقریباً دس منٹ تک اس راستے پر چلتے رہنے کے بعد چھکڑا دائیں طرف مڑ گیا۔ آگے نہر کا پل تھا اور اس سے آگے جنگل سا تھا۔ وہ راستہ اسی جنگل میں سے گزرتا تھا۔ نہر

تقریباً چالیس فٹ چوڑی تھی۔ ابھی پل کا آدھا فاصلہ طے ہوا تھا کہ چھکڑا رک گیا۔ کوچوان نے پیچھے مڑ کر کچھ کہا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا تو دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ گردن پر سوئیاں سی چبھتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

تین آدمی پل پر راستہ روکے کھڑے تھے۔ ان میں دو کے پاس رائفلیں تھیں اور تیسرے کے پاس ریوالور۔ درمیان میں قد آور آدمی کو پہچاننے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ منگ شوئی تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ انہیں دیکھتے ہی نہ صرف کوچوان نے چھکڑا روک لیا تھا بلکہ لگام چھوڑ کر دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا دیے تھے۔

دو آدمی فوراً ہی چھکڑے کے دائیں بائیں آگئے تھے۔ ان دونوں نے مجھے اور جانگی کو رائفلوں کی زد میں لے لیا جبکہ منگ شوئی نے کوچوان کو گریبان سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ کوچوان... خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"منگ شوئی۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" وہ گھگیا رہا تھا۔

"میں تم پر اپنی گولی ضائع نہیں کروں گا لیکن ظاہر ہے تمہیں زندہ بھی نہیں چھوڑا جاسکتا۔" منگ شوئی نے کہا اور اسے ایک ہی ہاتھ سے گریبان سے پکڑ کر زمین سے تقریباً دو فٹ اوپر اٹھالیا۔ کوچوان اس کی منت سماجت کررہا تھا لیکن منگ شوئی نے اسے مزید اوپر اٹھا کر ایک جھٹکے سے نہر کی طرف اچھال دیا۔

کوچوان کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی خوفناک تھی۔ اس کے پیر پل کی ریلنگ سے ٹکرائے اور وہ قلابازی کھاتا ہوا نہر میں جا گرا۔ پل کے نیچے پلرز کے قریب پانی میں بھنور سے بن رہے تھے۔ کوچوان ایسے ہی ایک بھنور میں گر کر پانی کی تہ میں غائب ہوچکا تھا۔

میں نے جانگی کی طرف دیکھا۔ وہ تو پہلے ہی بیمار رہ چکی تھی۔ اس وقت اس کا چہرہ خوف سے بالکل سفید ہورہا تھا۔ ہم چھکڑے کے دونوں طرف سے رائفلوں کی زد پر تھے۔ میرے پاس اگرچہ دو پستول موجود تھے لیکن اس وقت کوئی حرکت کرنا خودکشی کرنے کے مترادف تھا۔

منگ شوئی نے چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا۔ ان میں سے ایک چھکڑے پر پچھلی طرف سوار ہوگیا۔ دوسرا کوچوان کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے رائفل اپنے سامنے پائدان کے قریب کھڑی کرکے لگام سنبھال لی۔ منگ شوئی بھی اس کے ساتھ ہی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کا رخ ہماری طرف تھا اور اس نے مجھے رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔ چھکڑا حرکت میں آگیا۔

"منگ شوئی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم ایک غلطی کرچکے ہو جس کے نتیجے میں تمہیں یہاں سے فرار ہونا پڑا۔ اب تم دوسری غلطی کررہے ہو۔ اس کا نتیجہ بھی نکلے گا۔ تم اچھی طرح سمجھتے ہوگے۔"

"اس کا نتیجہ صرف تمہاری موت کی صورت میں نکلے گا۔" منگ شوئی نے غراتے ہوئے جواب دیا۔ "تم دونوں کی مداخلت کی وجہ سے مجھے نہ صرف ان لوگوں کے سامنے ذلیل ہونا پڑا بلکہ بستی بھی چھوڑنی پڑی۔"

"ہماری مداخلت سے تو تمہیں بھاگنے کا موقع بھی مل گیا تھا۔ اگر پکڑے جاتے تو وہ لوگ تمہیں قتل کردیتے۔" میں نے کہا۔

"وہ لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔" منگ شوئی نے کہا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ ہوکیدو والوں کو بتا دیتی کہ میں نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا؟ نہیں مسٹر بھکشو۔ میں آٹھ مہینوں سے اس بستی میں رہ رہا تھا۔ بستی کی عورتیں اپنے مردوں کو کچھ نہیں بتاتیں۔ ہوکیدو بھی اپنی زبان بند رکھتی۔ ان آٹھ مہینوں کے دوران میں کئی عورتیں میری قوت کا مظاہرہ دیکھ چکی ہیں۔ کسی نے آج تک زبان نہیں کھولی' ہوکیدو بھی خاموش رہتی لیکن تمہاری وجہ سے مجھے وہاں سے بھاگنا پڑا۔ تمہیں تو ظاہر ہے میں زندہ نہیں چھوڑوں گا لیکن تمہاری ساتھی۔ اسے تو میں کئی دنوں تک زندہ رکھوں گا۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے منگ شوئی۔" میں نے جواب دیا "میری موجودگی میں تم نے ایک عورت کی عزت لوٹنے کی کوشش کی اور بچ کر بھاگ نکلے اور پھر میری نظروں کے سامنے ایک بے گناہ کو اٹھا کر نہر میں پھینک دیا۔ دونوں جرائم نہایت سنگین ہیں اور ہم ان دونوں جرائم کے چشم دید گواہ ہیں لیکن ہم بھکشو لوگ ہیں۔ ان دنیاوی بکھیڑوں میں نہیں الجھنا چاہتے۔ تم ہماری منزل کھوٹی مت کرو۔ ہمیں اپنے راستے پر جانے دو۔ ہم سب کچھ بھول جائیں گے۔"

"تم تو سب کچھ بھول جاؤ گے مگر میں بستی والوں کے سامنے اس ذلت کو کیسے بھول سکوں گا جس کے ذمے دار دونوں ہو۔" منگ شوئی نے کہا "تمہارے بارے میں تو فیصلہ کرلیا ہے کہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا اور تمہاری ساتھی کو بھی اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ یہ کسی کے سامنے اپنی زبان کھول سکے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ تو وقت بتائے گا کہ کون کیا کرتا ہے۔"

میں نے کہا "لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔"

"پوچھو۔ میں سمجھا دوں گا تمہیں۔" منگ شوئی نے کہا۔

"تم لوگ یہاں اس طرح ہمارا راستہ روکے کھڑے تھے جیسے تمہیں پہلے سے معلوم ہو کہ ہم اس طرف سے گزریں گے۔" میں نے کہا۔

"اس بستی میں کم از کم دو آدمی اب بھی ایسے ہیں جو میرے ہمدرد ہیں۔ وہ دونوں ہمیشہ میری سرگرمیوں میں شریک رہے ہیں۔" منگ شوئی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "کل رات تم نے ہوکیانگ کو بتا دیا کہ صبح بستی سے جانا چاہتے ہو۔ ہوکیانگ نے رات ہی کو کمیونٹی ہال میں سب کو بتا دیا کہ تم صبح روانہ ہونا چاہتے ہو۔ یہ پروگرام وہیں پر طے ہوا تھا کہ تم لوگوں کو چھکڑے پر لوہانگ چھوڑ دیا جائے گا۔ مجھے رات ہی کو یہ اطلاع مل گئی تھی اور میں صبح سے یہاں تم لوگوں کے انتظار میں کھڑا تھا۔"

"تم ہمیں کہاں لے جانا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"زیادہ دور نہیں۔" منگ شوئی نے جواب دیا "اسی جنگل میں تھوڑا ہی آگے ایک محفوظ جگہ ہے جہاں کسی کی مداخلت کا بھی اندیشہ نہیں ہے۔"

میں نے جانگی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی خوف کی پیلاہٹ تھی۔ ہم رائفلوں کی زد میں بیٹھے تھے۔ منگ شوئی نے ہمیں اپنے منصوبے سے بھی آگاہ کردیا تھا۔ بظاہر ایسی صورت میں مطمئن کیسے ہوسکتے تھے۔

خچر گاڑی پل سے دو فرلانگ آگے جاکر جنگل میں بائیں طرف مڑ گئی تھی۔ اس طرف کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔ درخت زیادہ گنجان نہیں تھے۔ خچر گاڑی ان کے بیچ میں گھومتی ہوئی جارہی تھی۔

جانگی میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کر میرے قریب آگئی اور میرے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی۔ میں نے اپنی چادر میں ہاتھ ڈال کر ایک پستول نکال لیا اور غیر محسوس انداز میں ہاتھ کو حرکت دیتا ہوا جانگی کی چادر میں داخل کردیا اور پستول جانگی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اگر اسے مجھ سے الگ کردیا جاتا تو وہ کم از کم اپنا دفاع تو کرسکے گی۔

خچر گاڑی تقریباً آدھے گھنٹے تک جنگل میں چلتی رہی اور بالآخر ایک کھنڈر نما چھوٹی سی عمارت کے سامنے رک گئی۔ یہ یقیناً کوئی بدھ عبادت گاہ تھی جو کھنڈروں میں تبدیل ہورہی تھی۔

منگ شوئی اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا اور اس کے دونوں ساتھی گاڑی سے نیچے اتر گئے اور رائفلوں کی زد پر لے کر ہمیں بھی نیچے اتار لیا۔

"یہ تمہارے گرو بدھ کی عبادت گاہ ہے۔" منگ شوئی نے گاڑی سے اتر کر مجھے دھکا دیتے ہوئے کہا "یہاں تو اب بدھ کا مجسمہ بھی نہیں رہا لیکن تمہیں موت کے گھاٹ اتار کر اس چبوترے پر اس طرح بٹھا دیا جائے گا کہ برسوں بعد اگر کوئی بھکشو اس طرف آنکلا تو تمہارا ڈھانچا دیکھ کر حیران ضرور ہوگا۔"

"دیکھو منگ۔" میں نے کہا۔ میرا لہجہ اب بھی پرسکون تھا "تم بہت بڑی غلطی کررہے ہو۔ ایک جرم کو چھپانے کے لیے کئی جرم کرنا پڑتے ہیں۔ تم راستے سے بھٹک رہے ہو۔ اب بھی وقت ہے' ہمیں یہاں سے جانے دو۔ ہم سب کچھ بھول جائیں گے۔"

"اندر چلو۔ ابھی میں تمہاری زبان بند کرتا ہوں۔" منگ شوئی نے مجھے ایک اور دھکا دیا۔

مرکزی ہال زیادہ بڑا نہیں تھا۔ سامنے ہی ایک ٹوٹا پھوٹا چبوترا تھا۔ ہال کے بائیں طرف ایک تنگ سی راہداری تھی۔ وہ ہمیں دھکے دیتے ہوئے اس راہداری میں لے گئے۔ اس راہداری کے اختتام پر آمنے سامنے دو کمرے تھے۔ دروازہ کسی کمرے کا نہیں تھا۔

منگ شوئی جانگی کو بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا دائیں طرف والے کمرے میں لے گیا جبکہ اس کے دونوں ساتھی مجھے رائفلوں کی زد پر لے کر دوسرے کمرے میں داخل ہوگئے اور مجھے دائیں طرف والی دیوار کے ساتھ کھڑا کردیا۔ ہم جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے دوسرے کمرے میں نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد دوسرے کمرے سے کچھ ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ جانگی اور منگ شوئی میں کچھ کھینچا تانی ہورہی تھی پھر جانگی کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ اس کے فوراً ہی بعد منگ شوئی کا زوردار قہقہہ سنائی دیا۔

میں دیوار کے قریب کھڑا تھا۔ میری مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ میرے سامنے کھڑے ہوئے دونوں آدمی میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

جانگی کی ایک دو دبی دبی سی چیخیں اور سنائی دیں اور پھر منگ شوئی کی دہاڑتی ہوئی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ چیختے ہوئے گالیاں بک رہا تھا پھر جانگی کی ایک اور چیخ سنائی دی اور اس کے فوراً ہی بعد فائر کی آواز گونج اٹھی۔ میرا دل اچھل کر حلق

میں آگیا۔ میرے سامنے کھڑے ہوئے دونوں آدمی بھی اچھل پڑے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ان میں سے ایک بڑی تیزی سے دروازے کی طرف لپکا تھا۔

اب میرے سامنے جو آدمی کھڑا رہ گیا تھا' اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ ایک لمحے کو بھی میری طرف سے غافل نہیں ہوا تھا لیکن ٹھیک ایک منٹ بعد دوسرے کمرے سے اپنے ساتھی کی چیخ سن کر اس نے ایک لمحے کو دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ اگر میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاتا تو دنیا کا سب سے بڑا احمق کہلاتا۔ میں کھڑے کھڑے اپنی جگہ سے اچھلا اور ہوا میں اڑتا ہوا اس کی طرف لپکا۔ میں دونوں ٹانگیں جوڑ کر ہوا میں اچھلا تھا لیکن اس کے قریب پہنچتے ہی میرے دونوں پیر الگ ہوگئے۔ میرا ایک پیر اس شخص کے منہ پر لگا اور دوسرا پیر اس کے ریوالور والے ہاتھ پر لگا تھا۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلاتا ہوا پچھلی دیوار سے ٹکرا کر گرا۔ ریوالور بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر کمرے کے ایک کونے میں جا گرا تھا۔

میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اس طرف جاکر ریوالور اٹھاتا۔ اس سے زیادہ پھرتی سے میں نے اپنا پستول نکال لیا اور سنبھلتے ہی دوسرے کمرے کی طرف دوڑ لگادی۔

منگ شوئی کا دوسرا ساتھی کمرے کے وسط میں سامنے ہی کھڑا تھا۔ اس نے فرش پر پڑی ہوئی جانکی کو رائفل کی زد پر لے رکھا تھا لیکن وہ بہت پھرتیلا اور حاضر دماغ ثابت ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی دیکھ لیا تھا کہ کمرے میں داخل ہونے والا اس کا ساتھی نہیں کوئی اور تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے اپنا رخ بدلا تھا لیکن میں اس سے پہلے ہی چھلانگ لگا چکا تھا۔ چھلانگ لگاتے ہوئے میں نے بڑے زور سے۔یل (YELL) بھی کیا تھا۔ حریف پر حملہ آور ہوتے ہوئے چنگھاڑتی ہوئی آواز حریف پر دہشت طاری کردیتی ہے۔ اس مرتبہ بھی میرے چنگھاڑنے کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ وہ آدمی بدحواس ہوگیا۔ میں اس کے اوپر گرا تو اس کی رائفل کی نال میرے بازو کے نیچے سے ہوتی ہوئی پیچھے نکل گئی تھی۔ اس شخص نے ٹریگر دبادیا تھا۔ رائفل سے نکلنے والی گولی سامنے والی دیوار پر لگی تھی۔

میں اس شخص کے اوپر گرا تھا لیکن فوراً ہی سنبھل کر پستول کی نال اس کے کھلے ہوئے منہ میں ٹھونس دی۔ اس نے ایک بار پھر رائفل کا ٹریگر دبادیا تھا۔ گولی اس مرتبہ بھی دیوار پر لگی تھی۔

"رائفل چھوڑ دو۔" میں غرایا "ورنہ پستول کی گولی تمہارے تالو کو چیرتی ہوئی کھوپڑی کے پار ہوجائے گی۔"

اس نے رائفل چھوڑ دی۔ پستول کی نال اس کے منہ میں ٹھنسی ہونے کی وجہ سے وہ کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ وہ دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھیں اس کی دلی کیفیت کا اظہار کررہی تھیں۔

اسی دوران میں اپنے عقب میں پستول کے فائر کی آواز سن کر میں نے تیزی سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دوسرا شخص بھی فلانگ کک لگا کر دوسرے کمرے میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ وہ کمرے سے صرف دو قدم آگے ایک ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے کھڑے لہرا رہا تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس دم ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ اس کی گولی اس کے پیر کے نیچے اڑ گئی تھی۔

میں نے گردن گھما کر دوسری طرف دیکھا۔ جانکی فرش کے بل فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھا۔ میری طرف دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

میں اپنے حریف کو چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ پستول اس کے منہ سے نکال لیا لیکن اپنا ایک پیر اس کی گردن پر رکھ دیا۔ اس نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش تک نہیں کی تھی۔ جانکی چھکڑے کے پچھلے حصے میں بیٹھ گئی اور میں نے کچوان کی جانکی بھی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی چادر ایک سیٹ سنبھال کر لگام تھام لی۔ اسی لمحے مجھے وہ کچوان یاد آگیا پڑی تھی اور بلاؤز پھٹا ہوا تھا۔ اس کے چند قدم کے فاصلے پر بڑی بے دردی سے نہر کی تیز لہروں میں پھینک دیا گیا تھا۔ منگ شوئی کی لاش پڑی تھی اس کے سینے سے بنے مجھے امید نہیں تھی کہ وہ زندہ بچا ہوگا۔ وہ تو ڈوبنے سے پہلے فرش پر بچھی ہوئی پیال پر بہہ رہا تھا۔

جانکی نے پستول ٹھنسے ہوئے بلاؤز کے اندر ٹھونس میں نے خچر کو ہانکتے ہوئے گاڑی کا رخ موڑ دیا اور ایک چادر اٹھا کر بدن پر لپیٹنے لگی۔ میں اب بھی اس شخص بار پیچھے مڑ کر عبادت گاہ کی طرف دیکھا۔ ایسی ویران عبادت پر پیر رکھے کھڑا تھا۔ گاہیں ہی ڈاکوؤں اور منگ شوئی جیسے لوگوں کا مسکن بنتی ہیں۔

"اسے ساتھ لے جانے کا ارادہ ہے کیا۔ ختم کر بھی۔" جانکی نے کہا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ جنگل میں پہیوں کے نشان نظر آرہے تھے۔ میں خچر کو اس راستے پر چلاتا رہا اور بالآخر نہر کی طرف سے آنے والے راستے پر بائیں طرف موڑ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ یہی راستہ ہمیں لوہانگ لے جائے گا۔

میں دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اپنے دو ساتھیوں کا یہ کروہ شخص خوف سے اَدھ موا ہورہا تھا۔ دہشت سے آنکھیں پھٹی جارہی تھیں۔ وہ چند لمحے میری طرف یہ بالکل ویران تھا۔ جاتے یا واپس آتے ہوئے ہمیں کوئی ذی روح دکھائی نہیں دیا تھا اس لیے میں مطمئن تھا کہ غالباً کئی دنوں تک منگ شوئی اور اس کے ساتھیوں کی لاشوں کا راز فاش نہیں ہوسکے گا۔ اگر کسی وقت لاشیں کسی کو مل بھی گئیں تو کوئی یہ اندازہ نہیں لگا سکے گا کہ ان کا قاتل کون ہے۔

خچر اپنی مرضی سے چل رہا تھا۔ تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے ہوا تھا کہ سامنے راستے پر ایک آدمی کو پڑے دیکھ کر میں نے خچر کی لگام کھینچ لی۔ گاڑی رک گئی۔

پستول اور رائفلیں بھی لاشوں کے قریب ہی چھوڑ دی گئی تھیں۔

باہر نکلتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ لاشوں کے معاملے میں میرا کھانا خاصا طویل ہوتا جارہا تھا۔ بعض ایسے لوگ بھی میرے ہاتھوں مارے گئے تھے جنہیں میں مارنا نہیں چاہتا تھا لیکن اگر انہیں زندہ چھوڑ دیا جاتا تو میری اپنی زندگی خطرے میں پڑجاتی۔ اب یہی مثال آپ کے سامنے ہے۔ منگ شوئی کو میں نے اور جانکی نے ایک عورت کے ساتھ زیادتی سے روکنے کی کوشش کی تھی اور اس نے ہمیں ختم کرنے کا منصوبہ بنالیا تھا۔ اس نے جو کچھ بھی کہا تھا مجھے اس پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ یقیناً مجھے ختم کردیتا اور پھر جانکی کی موت بھی بڑی دردناک ہوتی۔ جو لوگ دوسروں پر رحم کرنا نہیں جانتے وہ بھی کسی ہمدردی اور رحم کے مستحق نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کا رخصت سے اٹھ جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔

خچر گاڑی اس کھنڈر نما عبادت گاہ سے چند گز دور درختوں کے نیچے کھڑی تھی۔ وہ خچر واقعی بڑا بھلا مانس تھا جس نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش تک نہیں کی تھی۔ جانکی چھکڑے کے پچھلے حصے میں بیٹھ گئی اور میں نے کچوان کی چادر ایک سیٹ سنبھال کر لگام تھام لی۔ اسی لمحے مجھے وہ کچوان یاد آگیا پڑی تھی اور بلاؤز پھٹا ہوا تھا۔ اس کے چند قدم کے فاصلے پر بڑی بے دردی سے نہر کی تیز لہروں میں پھینک دیا گیا تھا۔ منگ شوئی کی لاش پڑی تھی اس کے سینے سے بنے مجھے امید نہیں تھی کہ وہ زندہ بچا ہوگا۔ وہ تو ڈوبنے سے پہلے فرش پر بچھی ہوئی پیال پر بہہ رہا تھا۔

جانکی نے پستول ٹھنسے ہوئے بلاؤز کے اندر ٹھونس میں نے خچر کو ہانکتے ہوئے گاڑی کا رخ موڑ دیا اور ایک چادر اٹھا کر بدن پر لپیٹنے لگی۔ میں اب بھی اس شخص بار پیچھے مڑ کر عبادت گاہ کی طرف دیکھا۔ ایسی ویران عبادت پر پیر رکھے کھڑا تھا۔ گاہیں ہی ڈاکوؤں اور منگ شوئی جیسے لوگوں کا مسکن بنتی ہیں۔

"اسے ساتھ لے جانے کا ارادہ ہے کیا۔ ختم کر بھی۔" جانکی نے کہا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ جنگل میں پہیوں کے نشان نظر آرہے تھے۔ میں خچر کو اس راستے پر چلاتا رہا اور بالآخر نہر کی طرف سے آنے والے راستے پر بائیں طرف موڑ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ یہی راستہ ہمیں لوہانگ لے جائے گا۔

یہ جنگل ویران تھا۔ جاتے یا واپس آتے ہوئے ہمیں کوئی ذی روح دکھائی نہیں دیا تھا اس لیے میں مطمئن تھا کہ غالباً کئی دنوں تک منگ شوئی اور اس کے ساتھیوں کی لاشوں کا راز فاش نہیں ہوسکے گا۔ اگر کسی وقت لاشیں کسی کو مل بھی گئیں تو کوئی یہ اندازہ نہیں لگا سکے گا کہ ان کا قاتل کون ہے۔

خچر اپنی مرضی سے چل رہا تھا۔ تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے ہوا تھا کہ سامنے راستے پر ایک آدمی کو پڑے دیکھ کر میں نے خچر کی لگام کھینچ لی۔ گاڑی رک گئی۔

"کیا ہوا؟" جانکی نے پوچھا۔

"راستے میں کوئی آدمی پڑا ہوا ہے۔" میں نے اشارہ کیا اور محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال ابھرا تھا۔ ہوسکتا ہے ڈاکو آس پاس درختوں میں کہیں چھپے ہوئے ہوں۔ ان کا ایک ساتھی راستے میں اس طرح پڑ گیا کہ ہمیں مجبوراً خچر گاڑی روکنی پڑے۔ میں نے فلموں میں ایسے بہت سے سین دیکھے تھے۔

میں نے جانکی کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خچر گاڑی سے اتر کر محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی میں دائیں بائیں دیکھ بھی رہا تھا کہ ڈاکو کس طرف سے برآمد ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی نیکر میں اڑسا ہوا پستول نکال لیا تھا اور میرا دوسرا ہاتھ چادر کے اندر ہی تھا۔

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس شخص کے قریب پہنچ گیا۔ وہ اوندھا پڑا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ سینے کے نیچے تھا دوسرا پھیلا ہوا تھا۔ ایک ٹانگ دہری تھی اور دوسری بالکل سیدھی۔ میں نے دو قدم دور ہی رک کر بڑے محتاط انداز میں جھک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اچھل کر سیدھا ہوگیا۔

یہ ہمارا وہی کچوان تھا جسے منگ شوئی نے نہر میں پھینک دیا تھا۔ میں نے جلدی سے اسے سیدھا کیا۔ اسے کوئی زخم وغیرہ نہیں لگا تھا۔ وہ بے ہوش تھا۔

میں نے اسے اٹھا کر راستے سے ہٹ کر گھاس پر لٹادیا۔ وہ کسی طرح نہر میں ڈوبنے سے بچ گیا تھا اور باہر نکل کر اوہانگ کی طرف جارہا ہوگا کہ بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ اس کے کپڑے ابھی تک گیلے تھے۔ میں نے جانکی کو بھی بلالیا اور ہم دونوں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔

وہ تقریباً دس منٹ بعد ہوش میں آسکا تھا۔ کچھ دیر تک تو اس پر بدحواسی سی طاری رہی۔ وہ ویران سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اس کے حواس آہستہ آہستہ بحال ہونے لگے۔ اسے زندہ دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہورہی تھی۔

"وہ۔۔۔ وہ کہاں ہیں؟" اس نے خوف زدہ سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"وہ لوگ بھاگ گئے۔ اب کبھی نہیں آئیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم تقریباً آدھا گھنٹا وہاں بیٹھے رہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ پانی میں غوطے کھاتا ہوا تقریباً سو گز دور کنارے کی جھاڑیوں میں الجھ گیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے باہر نکلا۔ پہلے نہر کے کنارے پر بیٹھا رہا پھر لوہانگ کی طرف جانا چاہتا تھا کہ اس پر انجانا سا

خوف طاری ہوا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

میرے خیال میں کوچوان کو لویانگ لے جانا مناسب نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے وہ وہاں کسی سے کوئی ایسی بات کر دیتا جس سے ہم بھی پھنس جاتے اس لیے ہم نے اسے وہیں سے واپس بھیج دینا مناسب سمجھا۔ ہمارا تھیلا چھکڑے ہی میں پڑا تھا۔ میں نے کھانے پینے کی کچھ چیزیں نکال کر اسے دے دیں۔ اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر لگام سنبھالی اور خچر کو موڑ کر اس پر چابک برسانے لگا۔

لویانگ دو میل سے زیادہ دور نہیں تھا۔ سڑک کے دونوں طرف یہ ایسی ہی دیہی آبادی تھی جس کا آپ تصور کر سکتے ہیں۔ مکان زیادہ تر کچے تھے۔ اکا دکا دو منزلہ اور پختہ عمارتیں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ سڑک کے دونوں طرف دکانیں تھیں۔

یہ خاصا مصروف ہائی وے تھا۔ بسوں اور مال بردار ٹرکوں کی آمد و رفت زیادہ تھی۔ پرائیویٹ گاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

اس وقت دن کے بارہ بجنے والے تھے۔ ہم صبح سات بجے اس بستی سے روانہ ہوئے تھے۔ اگر راستے میں منگ شوئی والی اُفتاد نہ پڑتی تو ہم کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہوتے۔

کئی بسیں آئیں اور رُکے بغیر گزر گئیں اور پھر جیسے ہی ایک بس رُکی ہم تیزی سے اس طرف لپکے۔ دو آدمی اور بھی ہمارے ساتھ اس طرف دوڑے تھے۔ بس سے اترنے والے مسافروں کی تعداد تین تھی۔ ہمارے ساتھ دوسرے دو آدمی تو بس میں سوار ہو گئے مگر کنڈیکٹر نے ہمیں روک دیا اور بس آگے روانہ ہو گئی۔

تین چار مرتبہ ہمارے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ دو بسیں تو ایسی تھیں جن میں کئی کئی سیٹیں خالی تھیں مگر کنڈیکٹروں نے ہمیں سوار نہیں ہونے دیا تھا۔ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک آدمی بہت دیر سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی سائیکل پر غالباً منجن قسم کی کوئی پروڈکٹ بیچ رہا تھا۔ سائیکل کے آگے ٹوکری بنی ہوئی تھی اور ہینڈل پر ایک چھوٹا سا بورڈ بھی لگا ہوا تھا جس پر چینی زبان میں کوئی لمبی چوڑی تحریر درج تھی۔

پانچویں بس کے کنڈیکٹر نے بھی ہمیں دھتکار دیا تو وہ آدمی ہمارے قریب آ گیا۔ ہمارے چہروں سے اتنا تو وہ سمجھ گیا تھا کہ ہم چینی نہیں ہیں۔ وہ ہمیں کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی زبان ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے جیب سے یوآن (چینی کرنسی) کا ایک نوٹ نکال کر ہمیں دکھایا اور اشاروں میں کچھ بتانے لگا۔ اشارہ میری سمجھ میں آ گئی۔

ہم بھکشو تھے جو عام طور پر بھیک مانگ کر ہی گزا ہیں۔ وہ بسوں اور ٹرینوں میں سفر بھی بغیر ٹکٹ ہی کر ہمیں مفت خورہ سمجھ کر کوئی کنڈیکٹر ہمیں بس میں نہ تیار نہیں تھا۔ بستی والوں نے کھانے پینے کی چیزوں ہمیں کچھ رقم بھی جمع کر کے دی تھی جو تھیلے ہی میں ر تھی۔ میں نے چند نوٹ نکال لیے اور بس کا انتظار کر

انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ چند منٹ ایک بس وہاں آ کر رکی۔ میں اور جانگی تیزی سے بس لپکے۔ ایک ادھیڑ عمر عورت اس سے اُتر رہی تھی۔ بعد ہم جیسے ہی آگے بڑھے اندر کھڑے ہوئے کنڈ ہمیں بھکاریوں کی طرح جھڑک دیا۔ میں نے جلدی سے میں پکڑے ہوئے نوٹ آگے کر دیے۔ نوٹ دیکھ کر چہرے کے تاثرات بدل گئے اور ہونٹوں پر خفیف مسکراہٹ بھی آ گئی۔ اس نے راستے سے ہٹتے ہوئے اوپر آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے پہلے جانگی کو بس میں ہونے کا موقع دیا اور پھر خود اوپر چڑھ گیا۔ آخر میں تین سیٹیں خالی تھیں۔ دو سیٹوں والی ایک برتھ پر ہم نے کر لیا۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے میں یوشونگ وانگ پہنچے۔ زیادہ بڑا شہر نہیں تھا لیکن آبادی بے تحاشا تھی۔ سے اترتے ہی ہم نے شاؤلن ٹمپل جانے کے لیے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ میں چینی زبان میں رُک رُک کر بات کرتا تھا لیکن یہاں کی زبان میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بالآخر ایک آدمی ہماری مدد پر آمادہ ہو گیا۔ وہ ہمیں پکڑ کر ایک کے پاس لے گیا جو لنگڑی لولی انگریزی بھی سمجھتا تھا۔ بتایا کہ اس وقت یہاں سے ہمیں ڈانگ فو کے لیے سکتی ہے۔ وہاں رات گزارنے کے بعد صبح شاؤلن کے لیے بس مل جائے گی۔ اگر ہم چاہیں تو یہیں گزار لیں۔ صبح چھ اور سات بجے کے درمیان یہاں شاؤ یانگ کے لیے بسیں روانہ ہوتی ہیں لیکن ہم رات بسر کرنے کے بجائے اپنا سفر جاری رکھنا مناسب

اس شخص کی باتوں سے مجھے یہ بھی پتا چل گیا تک چین کے صوبوں ہونان اور گیزو میں سفر کرتے اور اس وقت ہم صوبہ ہونان میں ہیں۔ اس طرف وانگ اس صوبے کا پہلا بڑا شہر ہے۔ شاؤلن ٹمپل

تاریخی عبادت گاہ بھی اسی صوبے میں واقع ہے۔ شاؤ یانگ پہنچنے کے بعد ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

تین بجے کے قریب ہمیں ڈانگ کو جانے کے لیے بس میں جگہ مل گئی۔ جس نے شام سات بجے کے قریب ہمیں ڈانگ کو پہنچا دیا۔ میرا خیال تھا کہ ڈانگ کو بڑا شہر ہو گا لیکن یہ درمیانے درجے کا قصبہ تھا اور دیہی رنگ نمایاں تھا۔ یہ قصبہ شاؤلن ٹمپل کے راستے پر تھا۔ اس طرف بدھ بھکشو آتے رہتے تھے۔ یہاں معقول تعداد میں بدھ کے پیرو کار آباد تھے اور دو چھوٹی عبادت گاہیں بھی تھیں۔ ایک عبادت گاہ دریا کے کنارے پر تھی۔ ہمیں اس طرف کا راستہ بتا دیا گیا۔

صبح والے واقعے کا تھوڑا بہت اثر اب بھی جانگی کے ذہن پر تھا اور پھر دن بھر کے سفر نے اسے کچھ نڈھال سا کر دیا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اسے پھر بخار نہ ہو جائے۔ اس طرح ہمارے لیے پریشانیوں میں اضافہ ہو سکتا تھا۔

ہم ابھی عبادت گاہ سے دور ہی تھے کہ جانگی نے میرا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"وہ دیکھو۔ اس طرف۔ یہ وہی بھکشو ہے جو باگونگ میں ہمیں لوٹ کر بھاگ گیا تھا۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا اور میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ ہکسیان ہی تھا وہی آوارہ گرد بھکشو جس نے باگونگ کی عبادت گاہ میں نشہ آور مٹھائی کھلا کر ہمیں بے ہوش کر دیا تھا اور ہمارا تھیلا لے کر غائب ہو گیا تھا اور ہمیں باگونگ میں تین چار دن بھیک مانگنی پڑی تھی۔

ہکسیان کے علاوہ ہمیں بازار میں کچھ اور بھکشو بھی نظر آئے تھے اس لیے میرا فیصلہ تھا کہ اگر ہم ہکسیان کا تعاقب کرتے ہیں تو اسے شبہ نہیں ہو گا۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ میں نے جانگی کو سمجھا دیا اور ہم نے تقریباً بیس گز کے فاصلے سے ہکسیان کا تعاقب شروع کر دیا۔ میں سڑک کے ایک طرف تھا اور جانگی دوسری طرف چلی گئی تھی۔ ابھی شام ہوئی تھی۔ چین کی آبادی نے تو مجھے حیران کر دیا تھا۔ آپ جہاں بھی نکل جائیں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آئے گا۔ ڈانگ فو کے اس بازار کی صورت حال بھی کچھ زیادہ مختلف نہ تھی..... کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ میں اپنے اور ہکسیان کے بیچ زیادہ فاصلہ اس لیے بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا کہ اس رش میں اس کے گم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

ہکسیان اس بازار سے ایک اور سڑک پر مڑ گیا۔ اس طرف زیادہ دکانیں نہیں تھیں۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اس عبادت گاہ کی طرف ہی جا رہا تھا جس کا پتا ہمیں بتایا گیا تھا۔ ہم بھی اس کے پیچھے لگے رہے۔ اس کی گردن ناپنے کے لیے مجھے کسی مناسب موقع کی تلاش تھی۔

جانگی بھی اس وقت میرے ساتھ ہی چل رہی تھی۔ ہکسیان ایک اور سڑک پر مڑ گیا۔ یہ رہائشی علاقہ تھا۔ دکانیں وغیرہ نہیں تھیں البتہ لاتعداد بچے کھیلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آگے دریا کی موجودگی کی خبر دے رہے تھے۔

رہائشی علاقے کی یہ سڑک آگے جا کر اسٹریٹ روڈ سے مل گئی تھی۔ دریا کے کنارے بند پر واقع یہ سڑک بھی بارونق تھی۔ دریا اور سڑک کے درمیان ایک کشادہ پارک تھا جو دائیں بائیں دُور تک چلا گیا۔ پارک میں چہل پہل تھی۔ ایک طرف شاید کشتیوں کا گھاٹ تھا۔ وہاں زیادہ رونق نظر آ رہی تھی۔

ہکسیان دائیں طرف چلتا رہا۔ وہ عبادت گاہ شاید اسی طرف تھی۔ سڑک کے ساتھ پارک اب ختم ہو گیا تھا۔ سڑک کی ڈھلان سے ذرا آگے دریا تھا۔ میں نے جانگی کو اشارہ کیا اور ہم دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ہکسیان کے قریب پہنچ گئے۔ اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سن کر ہکسیان نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اسٹریٹ لائٹ وہاں سے بہت دور تھی۔ اس جگہ کسی قدر تاریکی تھی۔ اپنے سامنے دو بھکشوؤں کو دیکھ کر وہ یقیناً بہت خوش ہوا ہو گا۔

"تم لوگوں کو یقیناً رہائش کے لیے کسی جگہ کی تلاش ہے۔" وہ بولا "اس طرف ایک عبادت گاہ ہے۔ میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔"

ہکسیان کے پیچھے آتے ہوئے میں نے اپنی پنڈلی کے فیتے سے خنجر نکال لیا تھا۔ کھیتوں والی اجڑی ہوئی عبادت گاہ میں یہ خنجر ہو کیانگ نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا جو بعد میں مجھے واپس کر دیا گیا تھا۔

میں نے خنجر کی نوک ہکسیان کے پہلو سے لگا دی۔

"ہمیں رہائش کے لیے جگہ کی تلاش تو تھی ہکسیان لیکن اتفاق سے تم مل گئے۔ اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو گی۔"

"کک۔۔۔ کون ہو تم۔۔۔؟" میری زبان سے اپنا نام سن کر ہکسیان اچھل پڑا۔

"اب یہ مت کہنا کہ تم ہمیں بالکل نہیں جانتے۔" میں

نے کہا "ہمیں بھول گئے ہو تو کوئی بات نہیں۔ باگونگ کی عبادت گاہ تو تمہیں یاد ہوگی۔ جہاں چند روز پہلے تم ہمیں لوٹ کر بھاگ گئے تھے۔ آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کوئی غلط حرکت مت کرنا ورنہ یہ خنجر تمہارے پہلو میں پیوست ہوجائے گا۔" میں نے بات کرتے ہوئے خنجر سے ذرا سا دباؤ بھی ڈال دیا تھا۔

"مم۔۔۔ میں نے پہچان لیا ہے۔" وہ ہکلایا "مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔ میں معافی مانگتا ہوں اور تمہاری چیزیں واپس کرنے کو تیار ہوں۔ دیکھو۔۔۔ ہم تو سنگی ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے۔ مجھے اپنی غلطی۔۔۔"

"تمہیں شرم آنی چاہیے۔" میں نے کہا "بھکشو ہو کر لوگوں کو لوٹتے ہو۔ دوسروں کو بھی بدنام کرتے ہو۔ چلو۔ اس طرف۔ ابھی تمہاری خبر لیتا ہوں۔" میں نے دریا کی طرف اشارہ کیا۔

اس وقت ایک کار ہمارے قریب سے گزری۔ ہم تینوں کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آگئے تھے۔ کار والوں نے ہمیں دیکھا بھی ہوگا تو توجہ نہیں دی ہوگی۔

ہکسیان بار بار معافی مانگ رہا تھا۔ وہ ہماری لوٹی ہوئی رقم واپس کرنے کو تیار تھا۔ میں اسے دھکے دیتا ہوا دریا کے کنارے کی طرف لے گیا۔ اب میں نے خنجر والا ہاتھ بھی چادر سے باہر نکال لیا تھا اور خنجر کی نوک اس کی پشت سے لگا دی تھی۔ دریا کے کنارے پر پہنچ کر ہم رک گئے۔ جانگی نے اس کے ہاتھ سے تھیلا لے لیا اور اس کی تلاشی لینے لگی۔ تھیلے میں اور چیزیں تو بھری ہوئی تھیں مگر رقم نہیں تھی۔

"اس کی جامہ تلاشی لو۔" میں نے جانگی سے کہا اور پھر ہکسیان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "چادر اوپر سے کھول دو۔"

"مم۔۔۔ میں نے نیچے کچھ نہیں پہنا ہوا۔" وہ ہکلایا۔

"کوئی بات نہیں۔ یہاں ہمارے سوا تمہیں دیکھنے والا اور کوئی نہیں ہے۔" میں نے کہتے ہوئے جانگی کو اشارہ کیا۔

جانگی نے آگے بڑھ کر اس کی چادر ہٹانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ ہکسیان اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے چادر میں ہاتھ ڈال کر پستول نکال لیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے جانگی کو گرفت میں لے لیا تھا۔

"اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا ورنہ تمہارے ساتھی کو گولی مار دوں گا۔" اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔

ہکسیان کی اس حرکت نے مجھے چونکا دیا۔ ہم نے اپنی حفاظت کے لیے خنجر اور پستول چھپا کر رکھے ہوئے تھے اور ہکسیان تو جرائم پیشہ آدمی تھا۔ مجھے پہلے ہی سوچنا چاہیے تھا کہ اس کے پاس ایسی کوئی چیز ضرور ہوگی۔

جانگی کی پشت پر پہنچ کر اس نے پستول کی نال اس کی کھوپڑی سے لگا دی اور اسے پوری طرح اپنی گرفت میں لینے کے لیے دوسرا بازو اس کے سینے پر لپیٹ دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی چونچی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

"تو یہ بات ہے۔" وہ جانگی کے سینے کو ٹٹولتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا "تم بھکشو نہیں ہو۔ کسی خطرناک ارادے سے یہ بھیس اپنا رکھا ہے۔ کسی بھکشو کی زندگی میں عورت کا کوئی دخل نہیں ہوتا لیکن میں جانتا ہوں۔ بھکشو بھی انسان ہیں۔ ان کے سینوں میں بھی دل ہے اور وہ اپنے جذبات کی تسکین کے لیے اِدھر اُدھر منہ مارتے رہتے ہیں لیکن کسی بھکشو نے مستقل طور پر کسی عورت کو اپنے ساتھ کبھی نہیں رکھا اور تم اسے ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہو لیکن آج یہ میرے کام آئے گی۔ تم اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا ورنہ میں اسے گولی مار دوں گا۔"

جانگی کسمسا رہی تھی۔ ہکسیان جانگی کو اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا اُلٹے قدموں سڑک کی طرف چلنے لگا۔ میں بھی چند قدم کے فاصلے پر ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ خنجر میرے ہاتھ میں تھا۔ میں چاہتا تو پستول بھی نکال سکتا تھا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ہکسیان نے جانگی کو اپنی ڈھال بنا رکھا تھا۔

وہ جانگی کو اُلٹے قدموں تقریباً گھسیٹتا ہوا سڑک پر پہنچ گیا اور ٹھیک اسی لمحے ایک تیز رفتار کار سڑک پر نمودار ہوئی۔ ہکسیان اور جانگی اس کی روشنی کی زد میں آگئے۔ جانگی اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دم نیچے جھک گئی تھی۔

ہکسیان بھی جانگی کے اوپر سے فلا بازی کھاتا ہوا سڑک پر گرا۔ جانگی نے اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر ہکسیان نے گولی چلا دی۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی سناٹے میں جانگی کی چیخ بھی گونجی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر رہ گئی۔ وہ تیز رفتار کار سرپر پہنچ چکی تھی۔ بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز فضا میں گونج گئی۔ جانگی کار سے ٹکرا کر سڑک پر گری۔ کار بھی رک گئی۔

میں تیزی سے آگے دوڑا۔ ہکسیان اس صورت حال سے خوف زدہ ہوگیا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا سڑک کے دوسری طرف تاریکی میں غائب ہوگیا۔

میں ہوا میں اُڑتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ جانگی کار کے آگے سڑک پر پڑی ہوئی تھی۔ میں جلدی سے جھک کر جانگی کو دیکھنے لگا۔ اسی وقت کار کا ڈرائیونگ سائڈ کا دروازہ کھلا اور ایک چینی عورت بڑی تیزی سے ہمارے قریب پہنچ گئی۔ میں جانگی کو سڑک سے اٹھا کر اس کا سر اپنے گھٹنے پر رکھے اسے نارمل حالت میں لانے کی کوشش کررہا تھا۔ اس وقت میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ میرے خیال میں جانگی کو گولی لگی تھی اور وہ کار سے بھی ٹکرائی تھی۔

"جانگی۔۔۔ جانگی۔۔۔" میں اسے ہلاتے ہوئے چیخا۔

"میں ٹھیک ہوں وجدان۔" جانگی کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

کار سے اترنے والی چینی عورت نے جانگی پر جھکتے ہوئے چینی زبان میں کچھ کہا لیکن میں پوری طرح اس کی بات نہیں سمجھ سکا۔

"ڈو یو اسپیک انگلش۔" میں نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں تھوڑی بہت انگلش بول اور سمجھ سکتی ہوں۔" اس عورت نے جواب دیا "ہاں۔" یہ بھکشو میری گاڑی سے ٹکرایا تھا لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ اچانک سامنے آگیا تھا مگر میں تمہاری ہیلپ کرنے کو تیار ہوں۔ اسے میری گاڑی میں ڈالو تاکہ اسپتال پہنچا دیا جائے۔ اس کے علاج کے تمام اخراجات میں دوں گی اور۔۔۔ اور ہرجانہ بھی۔"

میرا خیال ہے گاڑی کی تیز رفتاری کی وجہ سے اس عورت نے فائر کی آواز نہیں سنی تھی لیکن اس نے دوسرے بھکشو کو سڑک سے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا لیکن قرب و جوار میں موجود دوسرے لوگوں نے فائر کی آواز ضرور سنی ہوگی اور پھر سناٹے میں گاڑی کے بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز بھی دُور تک سنی گئی ہوگی۔ گاڑی کے ہیڈ لیمپس جل رہے تھے۔ گاڑی کو کھڑے دیکھ کر بھی لوگ صورت حال معلوم کرنے کے لیے اس طرف دوڑے آئیں گے اس لیے میں بھی جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

میں نے جانگی کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ اس عورت نے کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا اور جانگی کو سیٹ پر ڈالنے میں میری مدد کرنے لگی۔ دوسری طرف کے دروازے سے اترتے ہوئے اس نے الجھی ہوئی نظروں سے پہلے جانگی اور پھر میری طرف دیکھا تھا۔

اس نے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کردیا اور گاڑی حرکت میں آگئی۔ میں نے جانگی کو بانہوں سے پکڑ کر سیٹ پر اس طرح بٹھا دیا کہ وہ نیم دراز سی ہوگئی۔ یہ عورت جانگی کو اسپتال لے جانا چاہتی تھی لیکن میں نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ راستے میں کسی جگہ اتر جاؤں گا۔

تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرکے گاڑی دائیں طرف ایک سڑک پر مڑ گئی لیکن تھوڑی ہی دور جاکر رُک گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی عورت کی نظریں سامنے لگے ہوئے عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے پر مرکوز تھیں پھر وہ بیٹھے بیٹھے کسی قدر پیچھے کی طرف گھوم گئی اور جانگی کی طرف دیکھنے لگی۔ میری نظریں بھی جانگی کی طرف اٹھ گئیں اور میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ چادر جانگی کے سینے پر سے ہٹی ہوئی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہے؟" وہ عورت رُک رُک کر بولی "کوئی عورت تو بھکشو نہیں ہوتی لیکن۔۔۔"

"کوئی پراسرار معاملہ نہیں ہے میڈم۔" میں نے جواب دیا "یہ عورت بھکشو نہیں۔ میں بھی بھکشو نہیں ہوں۔ ہم نے اپنے دشمنوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے یہ بھیس بدل رکھا ہے۔ میری بات پر یقین کرو پلیز۔ ہم کوئی خطرناک لوگ نہیں ہیں۔ ہم تو خود چاروں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "میری ساتھی کو زیادہ چوٹ نہیں لگی۔ اسے اسپتال لے جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں یہیں اتار دو پلیز!"

اس نے ایک بار پھر جانگی کی طرف دیکھا اور پھر میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔ کار کے اندر جلنے والے بلب کی مدھم روشنی میں بھی میں نے اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ لی تھی۔

"ہوں۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی "پھر تو تم لوگوں کے پاس رہنے کو بھی جگہ نہیں ہوگی۔" وہ کار کو گیئر میں ڈالتے ہوئے بولی۔

"ہم رات گزارنے کے لیے عبادت گاہ کی تلاش میں اس طرف جارہے تھے۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ آدمی کون تھا جو وہاں سے بھاگا تھا۔" اس نے کار کو ریورس میں لیتے ہوئے پوچھا "تمہارا ساتھی یا۔۔۔"

"وہ ہمارے دشمنوں کا ایجنٹ تھا۔" میں نے جواب میں کہا۔ میرے خیال میں اس وقت جھوٹ بولنے میں کوئی حرج نہیں تھا "ہم آج شام ہی یہاں پہنچے تھے۔ اس نے ہمیں تلاش کرلیا اور اس وقت وہ میری ساتھی کو پستول کی زد پر لے کر جارہا تھا کہ میری ساتھی نے اسے دھکا دے کر بھاگنے کی کوشش کی۔ اس شخص نے گولی چلا دی۔ میری ساتھی بدحواس ہو کر سڑک پر گر رہی تھی کہ تمہاری گاڑی سے ٹکرا

گئی۔ اسے زیادہ چوٹ نہیں لگی۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین ہو تو ہمیں یہاں اتار دو۔ ہم کسی محفوظ جگہ پر چلے جائیں گے۔"

"مجھے تمہاری سچ بیانی پر کوئی شبہ نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔ گاڑی ریورس میں چلتی ہوئی اسی سڑک پر پہنچ چکی تھی جس سے ہم اس ذیلی سڑک پر مڑے تھے۔ اس نے گاڑی کا رخ اسی طرف موڑ دیا جس طرف سے ہم آئے تھے "اگر تمہارے دشمن کے ایجنٹ نے تمہیں تلاش کرلیا ہے اور نوبت فائرنگ تک پہنچ چکی ہے تو پھر ڈانگ کو میں تمہیں کوئی جائے پناہ نہیں مل سکتی۔ میں نے تمہاری بات پر یقین کرلیا ہے۔ تمہارے لہجے میں سچائی کی جھلک نمایاں ہے۔ مجھے صرف ایک بات بتادو۔ تم انڈین تو نہیں ہو؟"

"نہیں۔ ہم تھائی ہیں۔" میں نے جواب دیا "لیکن کیا انڈین ہونا جرم ہے؟"

"چین کی حدود میں اسے جرم ہی سمجھا جاتا ہے۔" اس عورت نے جواب دیا "چین اور ہندوستان کی دشمنی بہت پرانی ہے۔ کئی بار سرحدوں پر جھڑپیں ہو چکی ہیں۔ انڈیا اس خطے کی سپر پاور بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ آس پاس کی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں پر قبضہ کرتا جارہا ہے۔ سب سے پہلے گوا کو ہڑپ کیا اور پھر سکم اور بھوٹان کو نگل لیا۔ برما کے صوبے آسام پر بھی اس کا قبضہ ہے اور دوسری طرف پاکستان کے ایک علاقے کشمیر پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ ان دونوں علاقوں میں انڈیا کے خلاف پچاس سال سے مزاحمت ہورہی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں ریاستوں میں آزادی کی تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "انڈیا نے ماضی میں چین کے کچھ علاقوں پر بھی قدم جمانے کی کوشش کی تھی لیکن اسے ایسی مار لگی کہ وہ آج تک اپنے زخم چاٹ رہا ہے۔ انڈیا چونکہ اس خطے کی سپر پاور بننے کے خواب دیکھ رہا ہے اس لیے اپنے پڑوسی ممالک کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس نے چین میں اپنے لاتعداد جاسوس چھوڑ رکھے ہیں۔ بعض پکڑے بھی جاتے ہیں لیکن بعض کسی نہ کسی طرح اپنی خفیہ سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں اس لیے ہندوستانیوں کو سب سے زیادہ شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔"

مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اس کی باتیں بڑی دلچسپ تھیں جنہیں میں غور سے سن رہا تھا۔ ہندوستان کے وسعت پسندانہ عزائم کے بارے میں تو مجھے یوما نے بھی بتایا تھا۔ وہی یوما جو گولڈن ٹرائی اینگل سے میرے ساتھ فرار ہوا تھا۔

ہندوؤں کے بارے میں مجھے بھی کچھ تلخ تجربات ہو چکے تھے۔ سب سے پہلا تجربہ بنکاک میں جانکی کی ملازمہ ہندو کے آوارہ گرد نواسے راجو کے حوالے سے ہوا تھا جس نے مجھے اور تھائی کو پھنسانے کی کوشش کی تھی اور ہم بڑی مشکل سے جانکی کے مکان سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ دوسرا تجربہ سوامی رگھوناتھ کے حوالے سے ہوا تھا۔ جس نے بنکاک کے نواح میں آشرم کی آڑ میں عیاشی کا بہت بڑا اڈا بنا رکھا تھا اور وہ یہاں آنے والوں کو بلیک میل کرکے ان سے دولت سمیٹ رہا تھا۔ راجو اور رگھوناتھ دونوں ہی تھائی کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ دوسری طرف جانکی دیوی تھی جس نے میری خاطر اپنا سب کچھ تج دیا تھا اور اپنی عزت اور جان کو داؤ پر لگائے میرے ساتھ ماری ماری پھر رہی تھی۔

پانچوں انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں۔ میں بارہ چودہ سال کی عمر تک سنگاپور میں رہا تھا۔ وہاں بھی ہندوستانی کثیر تعداد میں آباد تھے۔ وہاں بھی میں نے کچھ ایسی ملی جلی باتیں ہی دیکھی تھیں لیکن اس زمانے میں مجھے اتنا شعور نہیں تھا۔ میں نے ایسی باتیں کبھی سوچی ہی نہیں تھیں اور اب آہستہ آہستہ ان باتوں کا مفہوم سمجھ میں آرہا تھا۔

میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی اور چادر بھی درست کرلی تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے جن سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ کسی قسم کی تکلیف محسوس کررہی ہے۔

"کیا بات ہے۔ تم ٹھیک تو ہو نا؟" میں نے جانکی سے جان بوجھ کر انگریزی میں بات کی تاکہ وہ عورت بھی مطلب سمجھ سکے۔

"کار سے ٹکرانے سے کندھے پر چوٹ لگی تھی۔ تکلیف ہورہی ہے۔" جانکی نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔

"تھوڑی دیر اور تکلیف برداشت کرلو۔" اس عورت نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا "میں جہاں تم لوگوں کو لے جارہی ہوں وہاں پہنچ کر تم لوگ اپنی ساری تکلیفیں بھول جاؤ گے۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر سامنے سڑک پر ہجوم دیکھ کر خاموش ہوگیا۔ اس عورت نے بھی کار کی رفتار کم کرلی۔ میرے خیال میں یہ وہی جگہ تھی جہاں جانکی کی اس کار سے ٹکر ہوئی تھی۔

کار ہجوم کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ سڑک کے کنارے پولیس کی گاڑی بھی کھڑی تھی اور دو پولیس والے وہاں پر موجود لوگوں سے پوچھ گچھ کررہے تھے۔ ان لوگوں کی تعداد تیس بائیس تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔

"ہیلو آفیسر۔" ہماری ساتھی عورت نے ایک پولیس والے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "کیا معاملہ ہے۔ کوئی ایکسیڈنٹ؟"

"اوہ مادام کاراشان۔" پولیس آفیسر اسے دیکھ کر بولا "یہاں کوئی ایکسیڈنٹ ضرور ہوا تھا لیکن سڑک پر ٹائر گھسٹنے کے نشانات کے سوا اور کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی۔ تاہم اس پارک میں موجود لوگوں نے یہاں فائر کی آواز بھی سنی تھی لیکن بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"ہو سکتا ہے ایکسیڈنٹ زیادہ سنگین نہ ہو اور وہ جو کوئی بھی تھے پولیس کو اطلاع دیے بغیر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہوں۔" مادام کاراشان نے کہا۔

"ہو سکتا ہے لیکن وہ فائر۔۔۔"

"تم اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتے رہو آفیسر۔ میری مدد کی کوئی ضرورت ہو تو؟" مادام کاراشان بولی۔

"تھینک یو مادام!" پولیس آفیسر نے جواب دیا۔ مادام سے باتیں کرتے ہوئے اس نے کم از کم دو مرتبہ ہماری طرف دیکھا تھا لیکن ہمارے بارے میں مادام سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

مادام کار کو حرکت میں لے آئی۔ اس صورت حال سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ پارک میں موجود لوگوں نے فائر کی آواز سن کر پولیس کو اطلاع دے دی تھی۔

"تم نے مجھے جو بات بتائی تھی اس پر میں نے کوئی شبہ نہیں کیا تھا۔" مادام کاراشان نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "تمہاری سچائی کا ایک ثبوت تو مل گیا کہ تم میں سے کسی پر فائر کیا گیا تھا۔ میرے دل میں جو شبہات تھے وہ بھی اب ختم ہوگئے ہیں۔"

"شکریہ مادام کاراشان۔" میں نے جواب دیا۔

"شکریے کی کوئی بات نہیں۔" مادام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

کار اس سڑک پر سیدھی دوڑتی رہی۔ سڑک کے ساتھ پارک ختم ہوگیا تھا اور اب دریا کے کنارے پر کہیں کہیں بہت وسیع و عریض کوٹھیاں نظر آرہی تھیں۔

میرے دل میں بھی اس عورت کے بارے میں جو شبہات تھے وہ اب ختم ہوگئے تھے لیکن یہ ذہنی الجھن ضرور تھی کہ صرف میری باتوں پر یقین کرکے یہ ہماری مدد کرنے پر آمادہ کیوں ہوگئی ہے۔ میں نے پہلی مرتبہ غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے جسم پر کیمونو قسم کا پھول دار سلکی لباس بہت قیمتی تھا۔ ائرکنڈیشنڈ یہ کار بھی بہت شان دار اور قیمتی تھی۔ اس پولیس آفیسر نے جس طرح اس سے بات کی تھی، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ اس شہر میں ایک معزز حیثیت کی مالک ہے۔

دریا کے کنارے پر بنگلے ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے۔ میرا خیال تھا کہ یہ شہر کے رئیسوں کے بنگلے تھے۔ دریا میں کچھ بادبانی کشتیاں بھی موجود تھیں جن پر جلتی ہوئی رنگ برنگی بتیاں دور ہی سے دکھائی دے رہی تھیں۔

اس سڑک پر تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار کی رفتار کم ہوگئی اور وہ دریا کی ڈھلان پر بجری کی ایک سڑک پر مڑ گئی۔ تقریباً بیس گز آگے لوہے کی سلاخوں والا ایک گیٹ لگا ہوا تھا جس کے دونوں طرف اونچی دیوار نے وسیع و عریض رقبہ گھیر رکھا تھا۔

مادام کاراشان نے دور ہی سے ہارن بجا دیا۔ قریب پہنچنے تک گیٹ کھل گیا اور مادام کار کو اندر لیتی چلی گئی۔ اندر بھی بجری کی سڑک تھی جس کے دونوں طرف اونچے سایہ دار درخت تھے۔ اوپر سے ان کی شاخیں آپس میں ملی ہوئی تھیں اور ایک سرنگ سی بن گئی تھی۔

کار پورچ میں رک گئی۔ انجن بند ہونے سے پہلے ہی ایک ادھیڑ عمر عورت دروازے سے نکل کر برآمدے میں آگئی۔ اس نے پنڈلیوں تک لمبا پھول دار فراک پہن رکھا تھا۔ اس کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ تھی۔ بالوں میں ہلکی سی سفیدی نظر آرہی تھی۔ ہمیں مادام کاراشان کے ساتھ اترتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

ہم کاراشان کے ساتھ اندر آگئے۔ بہت وسیع و عریض ہال تھا۔ دبیز قالین اور شان دار فرنیچر آراستہ تھا اور ہال کے ایک کونے میں مہاتما بدھ کے خوب صورت اسٹیچو پر مہاتما بدھ کا کانسی کا مجسمہ دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کاراشان بدھ کی پیروکار تھی۔

"تم نے بتایا تھا کہ تم لوگ بھکشو نہیں ہو۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کو اس وقت کچھ کھانے پینے پر بھی اعتراض نہیں ہوگا۔" مادام کاراشان نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر اس ادھیڑ عمر عورت کی طرف رخ کرکے کچھ ہدایات دیں اور دوبارہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں نے ہوتین سے کھانے کے لیے کہہ دیا ہے۔ تم لوگ اتنی دیر میں اپنے جیسے درست کرلو۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ ہمیں ایک کمرے میں لے گئی۔ جانکی بار بار اپنا ہاتھ کندھا دبا رہی تھی۔ کندھے پر چوٹ لگنے کے بعد وہ ائر کنڈیشنڈ کار میں بیٹھی رہی تھی جس سے اس کی تکلیف بڑھ گئی تھی۔ یہ بنگلا بھی ائر کنڈیشنڈ ہی تھا مگر ائر کنڈیشنڈ بند تھے اور پنکھے چل رہے تھے۔

اس کمرے میں دو دیواروں کے ساتھ شیشوں کے سلائڈنگ ڈور والے وارڈ روب بنے ہوئے تھے۔ ہر وارڈ روب میں لاتعداد قیمتی ملبوسات ٹنگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک نظر جانکی کی طرف دیکھا پھر ایک ڈریس نکال لیا اور جانکی کی طرف بڑھاتے ہوئے ایک دروازے کی طرف اشارہ کردیا۔

جانکی نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ وہ باتھ روم تھا۔ جانکی کا راشان کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ کاراشان مجھے لے کر اس کمرے سے باہر آگئی اور دروازہ بند کردیا۔ وہ مجھے ایک اور کمرے میں لے آئی۔

یہ ایک بہت کشادہ اور شان دار بیڈ روم تھا۔ ڈریسنگ روم کے وارڈ روب میں مردانہ ملبوسات ٹنگے ہوئے تھے۔

"یہ باتھ روم ہے۔" کاراشان ڈریسنگ روم سے آگے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "نہانے کے بعد ان میں سے جو لباس پسند آئے پہن لینا۔ میں اپنے کمرے میں یا ہال میں ملوں گی۔"

وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں نے دروازہ بند کردیا اور وارڈ روب کا جائزہ لینے لگا۔ تھری پیس سوٹ بھی تھے۔ چین کے روایتی لباس بھی اور اوپن شرٹس اور پتلونیں بھی۔ ایک طرف جینز اور ٹی شرٹس بھی ٹنگی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک ٹی شرٹ اور جینز نکال لی۔ جسم پر لپٹی ہوئی چادر اتار کر جینز کو پہن کر چیک کیا۔ لمبائی میں وہ میرے ٹخنوں تک تھی البتہ کمر سے کسی قدر ڈھیلی تھی۔ وارڈ روب میں کئی بیلٹ بھی ٹنگے ہوئے تھے۔ میں نے ایک بیلٹ بھی نکال لیا۔

مجھے کئی دنوں بعد نہانے کا موقع ملا تھا۔ گرم پانی سے میں دیر تک نہاتا رہا اور جب نہا کر نکلا تو اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا سا محسوس کررہا تھا۔ صاف ستھرے کپڑے بھی کئی روز بعد پہننے کا موقع ملا تھا۔ اپنے کپڑے باتھ روم میں ہی چھوڑ دیے اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

ٹھیک اسی وقت مادام کاراشان بھی اپنے کمرے سے نکل رہی تھی۔ اسے دیکھ کر میں ٹھٹک گیا۔ دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اس نے چوڑے پائنچوں والا ریشمی کرتا پاجامہ اور اوپن شرٹ پہن رکھی تھی۔ جس کے نیچے صرف دو بٹن لگے ہوئے تھے اور اوپر گلے تک کا حصہ کھلا تھا۔ شرٹ کے نیچے سینے پر تین چار انچ چوڑی پٹی سی لپٹی تھی۔ یہ منظر کسی زاہد صد سالہ پر بھی لرزہ طاری کردینے کے لیے کافی تھا۔ میرا سانس بھی بے ربط ہونے لگا تھا۔ اس کے بال کتھئی رنگت کے تھے جسے اس نے گول جوڑے کی شکل میں سر پر سمیٹ رکھا تھا۔

میں نے پہلی بار غور سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا بلکہ اس وقت تو قیامت ہی لگ رہی تھی۔ میرے اندازے سے اس کی عمر تیس بتیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو مسٹر بھکشو؟"

"چارمنگ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"تھینک یو۔" وہ مسکرا دی اور قریب آکر دونوں ہاتھ میرے بازوؤں کے مسلز پر رکھ دیے۔ مجھے لگا جیسے وہ میرے مسلز میں انگلیاں گاڑنے کی کوشش کررہی تھی لیکن میرے مسلز پتھر کی طرح سخت تھے جن میں جونک بھی نہیں لگ سکتی تھی "ویری اسمارٹ!" اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی "بھکشو کے لباس میں تو تم کچھ عجیب سے لگ رہے تھے۔"

عین اسی وقت جانکی بھی دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آئی۔ کاراشان کا حلیہ اور اس کے ہاتھ میری بانہوں پر دیکھ کر اس کی بھویں تن گئیں۔ کاراشان بھی شاید سمجھ گئی۔ اس نے ہاتھ ہٹا لیے۔

میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔ اس نے میکسی نما لمبا فراک پہن رکھا تھا۔ گریبان اس کا بھی خاصا فراخ تھا۔

"یہی لباس اس وقت مجھے اچھا لگا۔ آرام دہ ہے۔" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "صبح میں دو سوٹ کپڑے پہن لوں گی۔ وارڈ روب میں پینٹ اور شرٹس وغیرہ بھی ہیں لیکن رات کے لیے مجھے یہی لباس اچھا لگا۔"

جانکی نے یہ بات اردو میں کی تھی اس لیے کاراشان کچھ نہیں سمجھ سکی۔ اسی دوران میں ہال کی طرف سے ایک عورت کی آواز سنائی دی جسے کاراشان نے کھانا تیار کرنے کے لیے کہا تھا۔

"آؤ۔ کھانا تیار ہوگیا ہے۔" کاراشان نے مسکرا کر ہوئے کہا۔

ہم ہال کمرے سے گزر کر ڈائننگ روم میں آگئے۔ یہ بھی خاصا کشادہ کمرا تھا لیکن عام ڈائننگ رومز سے قطعی مختلف۔ یہاں نہ تو ڈائننگ ٹیبل تھی اور نہ ہی کرسیاں۔ کمرے کے وسط میں فرش سے تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچی گول میز تھی۔ یہ دراصل دہری میز تھی۔ درمیان کا گول حصہ ریوالونگ تھا جس پر کھانے کی ڈشیں اور باؤل وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ اس میز کا بیرونی حصہ ساکت تھا۔ جس پر پلیٹیں، چمچے، کانٹے اور چوب اسٹکس رکھی ہوئی تھیں۔ میز کے اطراف میں فوم کے کشن پڑے ہوئے تھے۔ کاراشان ایک کشن پر ٹانگیں نیچے کی طرف موڑ کر مخصوص انداز میں بیٹھ گئی۔ میں نے بھی اسی طرح دو زانو ہو کر بیٹھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا اور بالآخر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ جانکی بھی آلتی پالتی مار کر بیٹھی تھی۔

میز کے وسطی ریوالونگ حصے پر کئی کھانے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ اس عورت نے پون گھنٹے کے اندر اندر اتنے سارے کھانے کیسے تیار کرلیے تھے۔ چکن چوپ سوئے ڈائیڈ رائس، چکن چاؤلن، سوئیٹ اینڈ ساؤ، فرائیڈ پران، فرائیڈ بینز اور نجانے کیا کیا تھا۔

میں نے ایک پلیٹ میں فرائیڈ رائس اور چکن چاؤلن نکال لیا۔ جانکی نے فرائیڈ رائس کے ساتھ چکن چوپ سوئے پسند کیا کیونکہ اس میں چکن کے ساتھ سبزی بھی تھی۔

کھانا بے حد خوش ذائقہ اور لذیذ تھا۔ کئی روز بعد ایسا کھانا کھانے کو ملا تھا۔ فرائیڈ پران بھی بہت مزے دار تھے۔ میں اور جانکی کسی لحاظ و مروت کے بغیر کھانے پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔

"یہ ہم پر اتنی مہربان کیوں ہوگئی ہے؟" جانکی نے کھانے کے دوران میں میری طرف دیکھتے ہوئے اردو میں کہا "بھکشوؤں سے تو لوگ دور بھاگتے ہیں اور یہ ہمیں اپنے محل نما بنگلے میں لے آئی ہے۔"

"اس لیے کہ ہم بھکشو نہیں ہیں۔" میں نے جواب دیا "ویسے ہال میں اس مجسمے کو دیکھ کر تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ یہ بدھ کی پیروکار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسے ہم پر ترس آگیا ہو۔"

"مجھے تو کچھ اور ہی لگتا ہے۔" جانکی بولی "جس طرح کا اس نے لباس پہن لیا ہے اور جس طرح یہ تمہارے بازو ٹٹول رہی تھی۔ اس سے تو میں کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو رہی ہوں۔"

"مجھے بھی اپنی عزت خطرے میں نظر آرہی ہے۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "مجھے محتاط رہنا پڑے گا۔"

"شان دار گاڑی، عالی شان بنگلا اور قیمتی ساز و سامان دیکھ کر لگتا ہے کہ اس کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔"

"ہمیں اس کی دولت سے کیا لینا۔ ایک آدھ دن یہاں رہیں گے اور پھر اس کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرکے چلے جائیں گے۔" میں نے کہا۔

"مجھے شبہ ہے۔" جانکی بولی "ہم آسانی سے یہاں سے نہیں جاسکیں گے۔"

"تم لوگ کیا باتیں کررہے ہو؟" کاراشان نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

"میری دوست کھانے کی تعریف کررہی ہے۔" میں نے جواب دیا "بہت مختصر وقت میں بہت لذیذ کھانا تیار کیا ہے۔"

"ہوتین کھانے بنانے کی ماہر ہے۔" کاراشان مسکرائی۔

کھانے کے بعد ہم ہال میں آگئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہوتین نے چھوٹی چھوٹی خوب صورت پیالیوں میں ہمارے سامنے قہوہ رکھ دیا۔ قہوہ بھی بہت خوش ذائقہ تھا۔

ہمیں یہاں آئے ہوئے تقریباً دو گھنٹے ہوچکے تھے۔ اس دوران میں ہوتین کے علاوہ صرف ایک اور عورت نظر آئی تھی۔ گویا اتنے بڑے بنگلے میں صرف وہی تین عورتیں تھیں۔ میں نے جس بیڈ روم میں جاکر کپڑے بدلے تھے وہ کسی مرد کا تھا لیکن ابھی تک کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔

کاراشان ہماری کہانی جاننے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ ہمارے دشمن کون تھے، ہمارے پیچھے کیوں لگے ہوئے تھے اور یہ کہ ہم کہاں جانے کا قصد رکھتے ہیں۔ میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ اپنے دشمنوں کے بارے میں ایک فرضی کہانی سنادی اور بتایا کہ ہم مارشل آرٹ کی تربیت حاصل کرنے کے لیے شاؤلن ٹیمپل جارہے ہیں۔ چونکہ ہمارے پاس پاسپورٹ وغیرہ نہیں ہیں اس لیے ہم نے بھکشوؤں کا بھیس اپنا رکھا تھا۔ بھکشوؤں کو سیلانی سمجھ کر ان سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کی جاتی اور وہ آزادی سے گھوم پھر سکتے ہیں لیکن چونکہ کوئی عورت بھکشو نہیں ہوسکتی اس لیے جانکی کی وجہ سے ہمیں کچھ دشواریاں بھی پیش آتی رہی ہیں۔ ایک موقع پر جانکی کا راز فاش ہوگیا تھا۔ کن منگ میں کچھ غنڈوں نے جانکی کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ایک غنڈے کی پٹائی کردی۔ اس کا بازو توڑ

دیا تھا۔ اس وقت سے وہ لوگ ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ان کے ایک ساتھی نے شام کو پھر جانکی کو پستول کی زد پر اغوا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن عین وقت پر کاراشان کی گاڑی اس طرف آجانے سے فائرنگ کرتا ہوا بھاگ گیا اور جانکی اس کی کار سے ٹکرا کر گر گئی۔

اس دوران میں کاراشان باری باری ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔

"اب وہ لوگ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔" کاراشان نے میرے خاموش ہونے پر کہا "تم لوگ دو چار دن یہاں رہو۔ اس کے بعد میں خود تم لوگوں کو شاؤلن ٹیمپل پہنچا دوں گی لیکن اس دوران میں تم لوگ احتیاطاً اس بنگلے کی چار دیواری سے باہر نہیں نکلو گے۔ میں اس بھکشو کا بھی انتظام کردوں گی۔ اسے دم دلا کر یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔"

میں نے اور جانکی نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر میرے ہی سوال کے جواب میں کاراشان اپنے بارے میں بتانے لگی۔

اس کا تعلق شنگھائی کے متوسط گھرانے سے تھا۔ اس نے ایک اکیڈیمی میں داخلہ لے لیا اور پچیس سال کی عمر میں ایک ڈانسر بن گئی۔ شروع میں وہ شنگھائی کے درمیانے درجے کے ہوٹلوں میں پروگرام کرتی رہی پھر اسے بڑے ہوٹلوں میں پروگرام ملنے لگے۔

سیان چانگ سے اس کی ملاقات ایک ہوٹل ہی میں ہوئی تھی۔ سیان چانگ اس علاقے میں چائے کے باغات کا مالک تھا۔ اس کا شمار صوبہ ہونان کے چند کروڑ پتیوں میں کیا جاسکتا تھا۔ اس وقت وہ عمر میں کاراشان سے تقریباً تیس سال بڑا تھا لیکن چند ملاقاتوں کے بعد ہی وہ سیان چانگ سے شادی پر آمادہ ہوگئی۔ شادی کے بعد وہ چند مہینے شنگھائی ہی میں رہی پھر سیان چانگ اسے ڈانگ کو لے آیا۔

سیان چانگ نہ صرف عمر میں اس سے تیس سال بڑا تھا بلکہ شکل وصورت میں بھی وہ بہت ہی گیا گزرا تھا۔ بھاری بھرکم اور بھدا و بے ڈول جسم، کوتاہ گردن، پھولے ہوئے گال اور ہاتھی کی طرح چھوٹی آنکھیں۔ اگر اس کے پاس بے حساب دولت نہ ہوتی تو کوئی عورت اسے اپنے قریب نہ پھٹکنے دیتی لیکن دولت ہر عیب چھپا لیتی ہے۔ کاراشان بھی اس کی دولت پر ہی مرمٹی تھی۔

ڈانگ کو میں دو سال بڑے سکون سے گزرے تھے۔ وہ شہزادیوں جیسی زندگی بسر کررہی تھی۔ ہر طرح کا عیش و آرام تھا۔ سوسائٹی میں بھی اسے ایک معزز مقام حاصل تھا لیکن دو سال بعد کاراشان کا سکون برباد ہونے لگا۔

سیان چانگ کاروبار کے سلسلے میں مختلف شہروں میں جاتا رہتا تھا اور پھر یہ انکشاف کاراشان کے لیے بڑا تکلیف دہ اور تکلیف دہ ثابت ہوا تھا کہ سیان چانگ نے مختلف شہروں میں داشتائیں پال رکھی تھیں۔

ان کے تعلقات میں ایک رخنہ سا آگیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان خلیج گہری ہوتی چلی گئی۔ ان میں کئی بار ان باتوں پر جھگڑا بھی ہوا تھا۔ ان کی آخری لڑائی بہت زوردار تھی۔

یہ تقریباً چھ مہینے پہلے کی بات تھی۔ کاراشان کو پتا چلا کہ سیان چانگ فان کنگ میں رہنے والی ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کاراشان ایک روز فان کنگ پہنچ گئی۔ پتا چلا کہ نامی وہ عورت ایک عالی شان فلیٹ میں رہائش پذیر تھی۔ یہ فلیٹ اسے سیان چانگ ہی نے لے کر دیا ہوا تھا اور اس کے تمام اخراجات وہی اٹھا رہا تھا۔

کاراشان کرائے کے دو غنڈے ساتھ لے کر گئی تھی۔ غنڈوں نے تو یانگ کو پر ہاتھ نہیں اٹھایا البتہ اس کی ہر چیز توڑ پھوڑ کر رکھ دی۔ دوسری طرف کاراشان نے یانگ کو دھمکا کر رکھ دیا تھا اور اسے دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے سیان چانگ سے شادی کا خیال دل سے نہ نکالا تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گی۔

سیان چانگ ان دنوں ہانگ کانگ گیا ہوا تھا۔ وہ ایک ہفتے بعد لوٹا تو غصے میں بھرا ہوا تھا۔ یانگ کو نے اسے ہانگ کانگ ہی میں فون پر اطلاع دے دی تھی کہ اس پر کیا بیت چکی ہے۔ وہ ہانگ کانگ سے پہلے فان کنگ گیا تھا جہاں یانگ کو نے کاراشان کے خلاف پولیس میں باقاعدہ رپورٹ لکھوا رکھی تھی۔ سیان چانگ نے ایک بڑی رقم خرچ کرکے رپورٹ ختم کرا دی اور ڈانگ کو چلا آیا جہاں کاراشان سے زوردار معرکا ہوا۔ اس نے کاراشان کو طلاق کی دھمکی دی تھی لیکن اس دھمکی پر وہ عمل اس لیے نہیں کرسکا تھا کہ طلاق کی صورت میں اسے اپنی آدھی جائداد سے کاراشان کے حق میں دستبردار ہونا پڑتا۔ کاراشان نے پکی عقل مندی کی تھی کہ شادی کے وقت کچھ شرائط لکھوالی تھیں۔ جن سے اسے کچھ تحفظ مل گیا تھا۔

ایک ہفتہ ڈانگ کو میں رہنے کے بعد سیان چانگ پھر کاروباری دورے پر چلا گیا تھا اور پھر واپس نہیں آیا۔ تین مہینے پہلے کاراشان کو اطلاع ملی کہ سیان چانگ نے یانگ سے شادی کرلی ہے اور وہ دونوں ساتھ رہ رہے ہیں۔

کاراشان تلملا کر رہ گئی لیکن ظاہر ہے وہ کچھ نہیں کرسکتی تھی۔ البتہ وہ اس کانٹے کو راستے سے ہٹانے کا موقع تلاش کررہی تھی جس نے اس کی زندگی میں زہر بھر دیا تھا لیکن اسے کوئی ایسا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس دوران میں وہ شنگھائی بھی گئی تھی جہاں اس نے ایک نامی گرامی غنڈے کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن بات نہیں بنی تھی۔ وہ غنڈا جانتا تھا کہ کاراشان کیسرے ڈانسر نہ تھی۔ وہ اب کروڑ پتی ہے۔ اس نے صرف دو مطالبے کیے تھے۔ ایک شرط یہ بھی کہ وہ اس کے ساتھ ایک رات گزارنا چاہتا تھا اور دوسرا مطالبہ اتنی زیادہ رقم کا تھا جو کاراشان کے لیے قابل قبول نہیں تھا۔ وہ رقم بھی پوری ایڈوانس مانگ رہا تھا۔

کاراشان کے ساتھ رات گزارنے کا مطالبہ کوئی نیا نہیں تھا۔ کیسرے ڈانسر کی حیثیت سے بڑے ہوٹلوں میں پروگرام حاصل کرنے کے لیے اس نے بہت سے لوگوں کے ایسے مطالبے پورے کیے تھے۔ اس غنڈے کا مطالبہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ رات گزارنے کے بعد خطیر رقم وصول کرکے بھی وہ اس کا کام کرنے سے انکار کردیتا۔ ایسی صورت میں وہ اس کا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ وہ خاموشی سے ڈانگ کو واپس چلی آئی۔

جانکی اور میں بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ ہوتین اپنے سارے کام ختم کرکے سامنے آکر کھڑی ہوگئی تو ان کی باتوں کا سلسلہ تھوڑی دیر کے لیے رک گیا۔ اس نے کاراشان سے کچھ کہا۔ جواب میں کاراشان نے بھی کچھ کہا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"ہوتین سونے کے لیے جارہی ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "آؤ ذرا دریا کی سیر کر آئیں۔ چاندنی رات میں دریا کی سیر کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

میں نے جانکی کو اشارہ کیا اور ہم دونوں بھی اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ بنگلے کے عقبی دروازے سے نکل کر ہم کھلی جگہ پر آگئے۔ اس طرف کنکریٹ کا بہت وسیع و عریض چبوترا بنا ہوا تھا جو زمین کی سطح سے تقریباً پانچ فٹ اونچا تھا۔ چبوترے پر ماربل کے بڑے بڑے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ آگے نیچے اترنے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ اس طرف تین چار مونولائٹیں جل رہی تھیں۔ جن کی روشنی میں چبوترے کے آگے کا کچھ حصہ بھی نظر آرہا تھا۔

ہم سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آگئے۔ آگے ایک ریتیلی زمین تھی اور تقریباً سو گز آگے دریا تھا۔ جس طرح بنگلے کے سامنے کے رخ پر پختہ دیواریں تھیں اسی طرح پچھلی طرف بھی دائیں بائیں اونچی دیواریں تھیں۔ البتہ سامنے دریا کے کنارے پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک تقریباً پندرہ فٹ اونچا آہنی جنگلا لگا ہوا تھا۔ خاردار تاریں اتنی گنجان تھیں کہ بلی کا بچہ بھی نہیں گزر سکتا تھا۔ درمیان میں بوٹ ہاؤس بنا ہوا تھا۔

ہم ریت پر چلتے ہوئے بوٹ ہاؤس تک پہنچ گئے۔ کاراشان نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوکر بتی جلا دی۔ روشنی ہوتے ہی میں آنکھیں پٹ پٹا کر رہ گیا۔

بوٹ ہاؤس خاصا بڑا تھا اور اس میں دریائی پانی، کائی اور مچھلیوں کی مخصوص بو سمائی ہوئی تھی۔ بوٹ ہاؤس کے دونوں اطراف میں لکڑی کے تختوں سے چار چار فٹ چوڑے پلیٹ فارم بنے ہوئے تھے۔ ایک پلیٹ فارم کے ساتھ ایک چھوٹی موٹر بوٹ بندھی ہوئی تھی۔ جس میں صرف تین افراد بیٹھ سکتے تھے۔ ایک بوٹ کے انجن کے ساتھ والی سیٹ پر اور دو سامنے دوسری سیٹ پر۔ دوسرے پلیٹ فارم کے ساتھ ایک اور بڑی کشتی آہنی ہک سے بندھی ہوئی تھی۔ یہ بہت شان دار کشتی تھی۔ اسے لانچ تو نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن اس میں لانچ کی طرح ایک مختصر سا کیبن بنا ہوا تھا جس کی چھت پر بھی صوفہ نما لمبی سی سیٹ بنی ہوئی تھی۔ اس سے آگے ذرا سا ئڈ میں کنٹرول وہیل اور سوئچ پینل وغیرہ بنے ہوئے تھے۔

"اس کشتی پر کبھی میں اور سیان چانگ چاندنی راتوں میں دریا کی سیر کا لطف اٹھایا کرتے تھے۔" کاراشان نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "لیکن لگتا ہے کہ ایسا موقع اب کبھی نہیں آئے گا کہ ہم دونوں اکٹھے اس کشتی پر بیٹھ سکیں۔"

اس نے بوٹ ہاؤس کا دریا کی طرف والا گیٹ کھول دیا۔ پہلے ہمیں اوپر چڑھنے کا اشارہ کیا اور پھر پلیٹ فارم کے ہک کے ساتھ بندھی ہوئی رسی کھول کر خود بھی اوپر آگئی۔ کنٹرول وہیل کے قریب ہی ایک کیبنٹ میں سے ایک کپڑا نکال کر اس نے وہیل اور سوئچ بورڈ صاف کیا اور پھر صوفہ نما سیٹ جھاڑنے لگی جس پر سرخ مخملی کشن رکھے ہوئے تھے۔ اس نے کپڑا دوبارہ اس کیبنٹ میں ڈال دیا اور وہیل کے سامنے کھڑی ہوکر انجن اسٹارٹ کرنے لگی۔ ہم صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔

فیول بتانے والے ڈائل کی سوئی بتا رہی تھی کہ ٹینک بھرا ہوا تھا لیکن کئی ہفتوں سے کشتی استعمال نہیں ہوئی تھی اس لیے انجن تیسری کوشش پر اسٹارٹ ہوسکا تھا۔

کشتی بوٹ ہاؤس سے نکل کر دریا میں آگئی اور وسط کی طرف بڑھنے لگی۔ انجن کی پھٹ پھٹ کی بہت ہلکی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دریا کے دوسرے کنارے پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں جن پر کہیں کہیں مکان نما کاٹیج بنے ہوئے تھے۔ جبکہ اس کنارے پر جہاں سے ہم روانہ ہوئے تھے' تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنگلے بنے ہوئے تھے جن کی روشنیاں دریا کے پانی میں لہروں کے ساتھ جھلملا رہی تھیں۔ بہاؤ کے مخالف سمت بہت دور گھاٹ پر بہت سی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ دریا میں بھی کہیں کہیں کچھ رنگ برنگی روشنیاں تیرتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

چاند کی چودھویں شب تھی اور لوگ چاندنی رات میں دریا کی سیر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

ہماری کشتی بہاؤ کے رخ پر جارہی تھی۔ میں اور جانکی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر کاراشان کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ کچھ ہی دیر بعد سامنے سے تیرتی ہوئی روشنیاں دکھائی دیں۔ وہ کوئی کشتی تھی جو مخالف سمت سے آرہی تھی۔ کاراشان نے اپنی کشتی کے آگے والی بتیاں جلادیں۔ کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی طرح تیز روشنی دریا کی لہروں پر مچلنے لگی۔

سامنے سے آنے والی کشتی ہمارے قریب سے گزر گئی۔ وہ بادبانی کشتی تھی جس میں پندرہ سولہ افراد تھے۔ ان میں کئی لوگوں نے ہماری طرف دیکھ کر ہاتھ ہلائے تھے۔ میں نے بھی بے اختیار ہاتھ ہلادیا۔

کشتی ہلکی رفتار سے چلتی ہوئی تقریباً دو میل آگے نکل گئی۔ اس جگہ دریا خم کھاتا ہوا بائیں طرف گھوم رہا تھا۔ بائیں کنارے پر ماہی گیروں کی چھوٹی سی بستی تھی جہاں کچھ روشنیاں ٹمٹماتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ کاراشان نے وہاں سے کشتی موڑنا شروع کردی اور اس طرح ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔

ہماری کشتی اپنے بنگلے کے قریب سے اور گھاٹ کے سامنے سے گزرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اس طرف ہم کافی دور نکل آئے۔

"وہ عبادت گاہ ہے۔" کاراشان نے دریا کے کنارے پر ایک جگہ روشنیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عبادت گاہ کی عمارت دریا کے اندر تک تھی اور میرا خیال ہے کہ ہم شام کو اسی عبادت گاہ کی طرف آرہے تھے کہ راستے میں ہکسیان سے ٹکراؤ ہوگیا اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا ہکسیان اس وقت اسی عبادت گاہ میں ہوگا یا اس نے کوئی اور محفوظ جگہ تلاش کرلی ہوگی۔

اس عبادت گاہ سے کافی آگے نکل جانے کے بعد کشتی واپس مڑی تھی اور جب کشتی دوبارہ بوٹ ہاؤس میں داخل ہوئی تو تین بجنے والے تھے۔

بوٹ ہاؤس سے باہر آکر لگتا تھا کاراشان چبوترے پر بیٹھ کر کچھ باتوں کے موڈ میں تھی لیکن ہم بری طرح تھکے ہوئے تھے۔

چبوترے والے دروازے سے اندر داخل ہو کر کاراشان نے دروازہ لاک کردیا اور ہم دونوں کو الگ الگ کمرے دکھا دیے۔ مجھے وہی کمرا ملا تھا جہاں شام کو میں نے کپڑے بدلے تھے اور یہ یقیناً کاراشان کے شوہر سیان چانگ کا روم تھا۔

میں کچھ دیر جانکی والے کمرے میں بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہا اور پھر اپنے کمرے میں آکر بستر پر گر گیا۔ کئی روز بعد نرم و گداز بستر پر لیٹنا نصیب ہوا تھا۔ میں بہت تھک گیا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور کچھ ہی دیر بعد میں کاراشان کے بارے میں سوچتا ہوا نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

○☆○

باتوں کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔

سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی ساڑھے آٹھ کا وقت بتا رہی تھی۔ میں غور سے وہ آوازیں سننے لگا۔ ان میں ایک آواز کاراشان کی آواز تھی اور دوسری کسی مرد کی۔ میرے ذہن میں شبہات سر ابھارنے لگے۔ میں بیڈ سے اٹھ کر دبے قدموں کمرے سے باہر آگیا۔

راہداری میں بھی دبیز قالین بچھا ہوا تھا اس لیے چپل سے ہلکی سی آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ ویسے بھی میں ننگے پیر تھا۔ جانکی کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

آوازیں ہال کی طرف سے آرہی تھیں۔ میں راہداری کے آخری سرے پر پہنچ کر رک گیا اور جھانک کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ صوفے پر جو آدمی بیٹھا ہوا تھا' اس کی پشت میری طرف تھی اس کے جسم پر پولیس کی وردی تھی۔ اس کے دائیں طرف والے صوفے پر شب خوابی کے لباس میں کاراشان بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اگر گردن گھماتی تو مجھے دیکھ سکتی تھی۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ قتل ہکسیان نے ہی کیا ہوگا۔ وہ جرائم پیشہ آدمی تھا۔ ہوسکتا ہے اس نے اس آدمی کو لوٹنے کی کوشش کی ہو اور مزاحمت کرنے پر ہکسیان نے اس پر گولی چلادی۔

"سوری آفیسر۔" کاراشان کی آواز سنائی دی "ان دونوں بھکشوؤں کو میں نے کچھ رقم دے کر شروالی عبادت گاہ کی طرف جانے والی سڑک کے موڑ پر اتار دیا تھا۔"

"میں نے وہاں بھی معلوم کرلیا تھا لیکن اتفاق ہے کہ گزشتہ شام سات بجے عبادت گاہ کا گیٹ بند ہونے کے بعد کوئی بھکشو وہاں نہیں آیا۔" آفیسر نے کہا۔

"ہوسکتا ہے وہ کسی اور طرف نکل گئے ہوں۔ کوئی سرائے وغیرہ۔" کاراشان نے کہا۔

"میں چیک کرچکا ہوں مگر کوئی سراغ نہیں ملا۔" آفیسر بولا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دو بھکشوؤں کی آپ کو تلاش کیوں ہے۔ جبکہ قتل کی وہ واردات وہاں سے دو میل دور مخالف سمت میں ہوئی تھی؟" کاراشان نے پوچھا۔

"پارک والی سڑک پر تین بھکشوؤں کو آگے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔" پولیس آفیسر نے کہا "ہوسکتا ہے وہ تینوں ایک دوسرے کو جانتے ہوں اور وہ دونوں قاتل بھکشو کے بارے میں کچھ بتا سکیں۔"

"سوری آفیسر۔" کاراشان کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوگئی "میں ان بھکشوؤں کو نہیں جانتی اور اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتی۔"

پولیس آفیسر بھی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے میز پر رکھی ہوئی ٹوپی اٹھا کر سر پر جمائی اور کاراشان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہوگیا۔ مادام کاراشان بھی برآمدے کے دروازے تک رخصت کرنے کے لیے اس کے ساتھ گئی تھی۔ میں تیزی سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا اور کاراشان کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ واقعی ہماری ہمدرد تھی۔ اس نے ہمیں چھپا کر ایک طرح سے پولیس کو بھی اپنا دشمن بنالیا تھا۔ بعد میں جب کسی وقت پولیس کو پتا چلے گا کہ ہمیں مادام کاراشان نے پناہ دے رکھی تھی اور پولیس آفیسر کے سامنے غلط بیانی سے کام لیا تھا تو نجانے پولیس اس کے ساتھ کیا سلوک کرے لیکن یہ بات میرے لیے اب تک الجھن بنی ہوئی تھی کہ کاراشان نے ہمیں پناہ کیوں دی تھی اور ہماری طرف داری کیوں کررہی تھی۔

کاراشان کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر میں نے جلدی سے نیچے بیٹھ گیا۔ میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھارنے لگے۔ اگر کاراشان نے ہمیں پکڑوانے کے لیے اس پولیس آفیسر کو بلوایا تھا تو ہمارے بچنے کا کوئی چانس نہیں تھا لیکن پھر یہ خیال میں نے جھٹک دیا۔ اگر اسے پکڑوانا ہوتا تو کاراشان کو بڑے مواقع ملے تھے۔

جب وہ ٹکر کے بعد جانکی کو اسپتال لے جارہی تھی تو اس نے دیکھ لیا تھا کہ جانکی مرد نہیں عورت تھی اور پھر میں نے بھی اعتراف کرلیا تھا کہ ہم بھکشو نہیں ہیں۔ اپنے گھر کی طرف آتے ہوئے راستے میں وہ پولیس والوں کے پاس رکی بھی تھی جہاں سڑک پر کار کے ٹائروں کے گھسٹنے کے نشانات تھے۔ وہ اگر چاہتی تو ہمیں اسی وقت پولیس کے حوالے کردیتی۔ اس کے برعکس اس نے گھر لاکر ہماری بڑی خاطر مدارات کی تھی اور دریا کی سیر کے بعد جب ہم اپنے کمروں میں سو رہے تھے تو وہ اس وقت پولیس کو بلا کر ہمیں ان کے حوالے کرسکتی تھی۔ میں اپنی جگہ پر دبک کر ان کی باتیں سننے لگا۔ وہ پولیس آفیسر کہہ رہا تھا۔

"بات یہ ہے مادام کہ آپ کے وہاں سے آنے کے بعد میں نے اپنی تفتیش جاری رکھی تھی اور پارک میں موجود کچھ لوگوں نے بتایا تھا کہ تین بھکشوؤں کو دریا والی عبادت گاہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ ان میں ایک آگے تھا اور دو اس سے ذرا پیچھے۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"پارک میں موجود لوگوں کا بیان ہے کہ فائر کی آواز تقریباً اسی جگہ سے سنائی دی تھی جہاں کار کے ٹائروں کے گھسٹنے کے نشانات پائے گئے تھے۔ میں نے آپ کی کار میں دو بھکشوؤں کو بیٹھے دیکھا تھا۔ میں اسی وقت آپ کی طرف آنا چاہتا تھا لیکن ہماری کار کے ریڈیو پر اطلاع ملی کہ وہاں سے تقریباً دو میل دور ایک آدمی کو قتل کردیا گیا ہے۔ اسے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا اور گولی چلانے والا ایک بھکشو تھا۔ ہمیں فوراً جائے واردات پر پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا۔

"وہاں تحقیقات میں خاصی دیر ہوگئی۔ میں آپ کی کار میں دو بھکشوؤں کو بھول گیا تھا اور جب خیال آیا تو اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ میں نے اس وقت یہاں آنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ بدھ کی پیروکار ہیں اور اس شہر میں آنے والے بھکشوؤں کی مدد و اعانت کرتی رہتی ہیں۔ بعض بھکشوؤں کو تو آپ اپنے ہاں کئی کئی روز تک ٹھہرا بھی لیتی ہیں۔ اگر وہ دونوں بھکشو اس وقت یہاں موجود ہیں تو میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

آنکھیں بند کرلیں اور ہلکے ہلکے خراٹے لینے لگا۔

"میں جانتی ہوں تم جاگ رہے ہو۔ یہ ڈراما کرنے کی ضرورت نہیں۔" کارا شان کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی "میں نے تمہیں رابداری میں دیکھ لیا تھا۔ وہ پولیس آفیسر جاچکا ہے۔ آنکھیں کھول دو۔"

میں نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"میں اپنے کمرے میں ہوں۔ تم وہیں آجاؤ۔" کارا شان نے کہا اور مڑ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔

میں چند لمحے بستر پر بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔

پندرہ منٹ بعد میں کارا شان کے بیڈ روم میں موجود تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر کافی کے دو کپ رکھے ہوئے تھے جن سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کارا شان بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا اور میری نظریں اس کی طرف اٹھتے ہوئے جھجک رہی تھیں۔

"یہ تو تم جان گئے ہو کہ وہ پولیس آفیسر یہاں تم لوگوں کی تلاش میں آیا تھا لیکن میں نے اسے ٹال دیا۔" کارا شان نے کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یس مادام!" میں نے جواب دیا "میں نہیں سمجھ سکا کہ ہماری وجہ سے تم اپنے آپ کو مصیبت میں کیوں ڈال رہی ہو۔ اگر پولیس کو پتا چل گیا کہ ہم نے یہاں پناہ لے رکھی ہے تو تم پر بلاوجہ شک کیا جائے گا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ہم کوئی جرائم پیشہ تو نہیں ہیں کہ پولیس سے اس طرح چھپتے پھریں۔ پولیس والے ہم سے صرف اس بھکشو کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں جس نے بازار میں کسی کو قتل کردیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اور جانکی کو پولیس کے سامنے پیش ہوجانا چاہیے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" مادام نے کہا "لیکن جب پولیس کو پتا چلے گا کہ جانکی مرد نہیں عورت ہے اور تم لوگ بھکشو نہیں ہو تو پولیس قتل کی اس واردات کو بھول جائے گی اور تم دونوں سے پوچھ گچھ شروع ہوجائے گی۔ یہاں ہر اجنبی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کسی پر بھی جاسوسی کا الزام بڑی آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ تم لوگ ایک مرتبہ پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو زندہ یا مردہ کسی صورت بھی یہاں سے نہیں نکل سکو گے۔"

کارا شان نے غلط نہیں کہا تھا۔ میں کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے اس کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ کم بخت ہلیسان کی وجہ سے اچھی خاصی الجھن پیدا ہوگئی تھی اور ظاہر ہے جب تک معاملہ سرد نہ پڑجاتا ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔

"اب صورت حال یہ ہے۔" کارا شان نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "فی الحال تم لوگوں کے لیے باہر نکلنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں بنگلے میں رہتے ہوئے تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ حالات جیسے ہی پرسکون ہوں میں خود تم لوگوں کو یہاں سے نکال دوں گی۔"

"اگر تمہارے ملازمین میں سے کسی نے ہمارے بارے میں بتا دیا تو؟" میں نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"ایسا نہیں ہوگا۔" کارا شان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میرے بنگلے پر کوئی مرد ملازم نہیں ہے۔ ہوتیوں کے علاوہ دو عورتیں اور ہیں۔ ایک گھر کے کام کاج کے لیے اور دوسری سیکیورٹی گارڈ۔ وہ ریڈ آرمی کی ریٹائرڈ آفیسر ہے گیٹ کی ڈیوٹی سنبھالنے کے علاوہ باغبانی اور اس قسم کے دوسرے کام بھی وہی انجام دیتی ہے۔ گزشتہ شام جب میں نے لوگوں کو لے کر یہاں آئی تھی تو میں نے اسی وقت ان تینوں کو سمجھا دیا تھا۔ مجھ سے ملاقات سے پہلے اس پولیس آفیسر نے یقیناً میری سیکیورٹی گارڈ اور ہوتین وغیرہ سے بھی پوچھا ہوگا لیکن انہوں نے اپنی زبانیں بند رکھیں۔"

"ہمیں کب تک یہاں رہنا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"جب تک یہ معاملہ سرد نہیں پڑجاتا۔" کارا شان نے جواب دیا "اور میرا خیال ہے اس میں دو چار دن لگیں گے۔ اس کے بعد تم لوگوں کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہوگی۔"

میں نے کافی کا آخری گھونٹ بھر کر خالی کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ چند لمحے کارا شان کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر کمرے سے باہر آگیا۔ دوسری عورت' جسے کل شام میں نے صرف ایک مرتبہ دیکھا تھا' ہال میں فرنیچر کی صفائی کررہی تھی۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دی تھی۔ میں اس پر توجہ دیے بغیر جانکی کے کمرے میں آگیا۔

اس وقت دس بجنے والے تھے جانکی ابھی تک سو رہی تھی۔ میں بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا اور جانکی کو جگانے کے لیے دھیمے لہجے میں ایک دو مرتبہ اس کا نام لے کر پکارا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے اپنے سامنے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"ارے۔ تم کب سے یہاں بیٹھے ہو؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تمہارے کمرے میں تو ابھی آیا ہوں لیکن میں جلد ہی جاگ گیا تھا۔ یہاں کچھ گڑبڑ کے آثار نظر آرہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"کیا؟ کیسی گڑبڑ؟" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"پولیس ہماری تلاش میں یہاں آئی تھی۔" میں نے کہا اور پھر اسے تفصیل بتانے لگا "یہ کم بخت ہلیسان ہمارے لیے مسئلہ بنتا جارہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کی وجہ سے ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔"

"ایسی صورت میں تو ہمیں پہلی فرصت میں یہ شہر چھوڑ دینا چاہیے۔"

"لیکن کارا شان کے خیال میں ہمیں چند روز تک اس بنگلے سے باہر قدم بھی نہیں رکھنا چاہیے۔" میں نے کہا "ہمارے معاملے میں اس نے اگرچہ پولیس کو غلط راستے پر ڈال دیا ہے۔ اس غلط بیانی کی وجہ سے وہ خود بھی کسی الجھن میں مبتلا ہوسکتی ہے لیکن۔۔۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال کر ہماری مدد کیوں کررہی ہے۔" جانکی نے کہا "اگر ہمارا تعلق بدھ مت سے ہوتا تو یہ سمجھا جاسکتا کہ۔۔۔"

"مجھے بھی اس پر کسی قسم کا شبہ ہونے لگا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "بہرحال' اب صورت حال یہ ہے کہ ایک دو دن تک ہم یہاں رہنے پر مجبور ہیں۔ پولیس کا معاملہ ٹھنڈا پڑجانے کے بعد بھی اس نے ہمیں روکنے کی کوشش کی تو پھر کچھ سوچا جائے گا۔ تم اٹھ کر تیار ہوجاؤ۔ ناشتا کرنے کے بعد کچھ سوچیں گے۔ معدہ خالی ہو تو دماغ بھی کچھ سوچنے سے انکار کردیتا ہے۔"

جانکی مجھ سے پہلے بیڈ سے اتر کر دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے دروازہ بند کرنا چاہا لیکن میں جلدی سے اٹھ گیا۔

"مجھے باہر جانے دو۔" میں دروازے کی طرف بڑھا۔

جانکی دروازہ بند کرتے کرتے رک گئی اور پھر میں جیسے ہی باہر نکلا اس نے دھڑ سے دروازہ بند کردیا۔

اپنے کمرے میں آکر میں باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے کسل مندی بڑی حد تک دور ہوگئی۔ کل رات میں نے اپنے پرانے کپڑے غسل خانے ہی میں چھوڑ دیے تھے لیکن اب وہ کپڑے یہاں نظر نہیں آرہے تھے۔ شاید ہوتین یا دوسری ملازمہ نے اٹھا کر کہیں ڈال دیے تھے۔

میں اس وقت بھی کارا شان ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ ہم پر اتنی مہربان کیوں تھی؟ اور پھر یہ بات بھی مجھے بڑی عجیب لگی تھی کہ اس بنگلے میں کسی مرد کا وجود نہیں تھا۔ سیکیورٹی گارڈ بھی ایک عورت ہی تھی۔ کارا شان کا شوہر چھ مہینوں سے الگ رہ رہا تھا۔ گھر میں کوئی مرد موجود نہ ہو تو عورت عدم تحفظ کا شکار رہتی ہے۔ دولت مند عورت کے لیے تو خطرات اور بھی بڑھ جاتے ہیں لیکن کارا شان نے کسی مرد کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اس نے عورتوں پر ہی بھروسا کیا تھا۔ اس کی سیکیورٹی گارڈ بھی عورت ہی تھی۔

میں جب کمرے سے باہر نکلا تو جانکی اور کارا شان ہال میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ کارا شان نے وہی لباس پہن رکھا تھا جو کل شام ہم نے اس کے جسم پر دیکھا تھا۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ہم ڈائننگ روم میں اس گول میز کے گرد بیٹھے ناشتا کررہے تھے۔ ناشتے کے دوران میں ہی کارا شان نے بتایا کہ ناشتے کے بعد وہ ایک ضروری کام سے چلی جائے گی۔ ہمیں یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم بنگلے کے اندر اور لان میں آزادی سے گھوم پھر سکتے ہیں البتہ ہم باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں۔ ہمیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو ہم بلا تکلف ہوتین سے کہہ دیں۔

کارا شان چلی گئی۔ ہم دیر تک لان میں گھومتے رہے۔ بہت سرسبز لان تھا۔ وسط میں ایک خوب صورت فوارہ بھی تھا جس کے اطراف میں بیٹھنے کے لیے بینچیں بنی ہوئی تھیں۔ گیٹ سے پورچ تک آنے والی بجری کی روش کے دونوں طرف درخت تھے جن کی شاخیں اوپر سے آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ بیرونی چار دیواری خاصی اونچی تھی۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ اندر کی طرف بھی قطار میں درخت لگے ہوئے تھے لیکن ان درختوں کی شاخیں پھیلی ہوئی نہیں تھیں۔ بالکل سیدھے اوپر تک چلے گئے تھے۔

گیٹ کے ساتھ کیبن کے سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی محافظ عورت کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ درمیانے قد کی صحت مند عورت تھی اور چہرے سے بڑی خرانٹ لگ رہی تھی۔ اس کی گود میں آٹومیٹک رائفل رکھی ہوئی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ رائفل پر تھا۔ ہم قریب سے گزرے تو وہ ہماری طرف دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

ہم لان میں گھومنے کے بعد اندر آگئے اور گھوم پھر کر تمام کمرے دیکھنے لگے۔ کام کرنے والی دوسری عورت تو نظر نہیں آئی تھی البتہ ایک دو مرتبہ ہوتین سے آمنا سامنا ہوا تھا۔ اس نے ہمیں کسی بھی کمرے میں جانے سے روکنے یا

ٹوکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آخر میں ہم جانکی والے کمرے میں آگئے۔

باتوں کے لیے ہمارے پاس صرف دو ہی موضوع تھے۔ کاراشان اور ہلکیان۔ ہلکیان کی وجہ سے ہم مصیبت میں پھنسے تھے اور کارا شان ہمیں اس مصیبت سے نکالنا چاہتی تھی۔ میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ کارا شان ہماری مدد کیوں کرنا چاہتی ہے؟ میرا اب تک کا تجربہ یہ تھا کہ کسی مطلب کے بغیر کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔

دوپہر کا کھانا ہم نے اکیلے ہی کھایا تھا۔ کاراشان واپس نہیں آئی تھی۔ کھانے کے بعد میں اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔ ذہن پر غنودگی سی طاری ہورہی تھی اور پھر نجانے کب میں سوگیا۔

آنکھ کھلی تو پانچ بج چکے تھے۔ جانکی میرے بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہم دونوں باہر آکر لان میں فوارے کے سامنے بیٹھ گئے۔ فوارے کا پانی کئی فٹ اوپر تک اچھل رہا تھا اور اس کی پھوار چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

کاراشان ابھی تک نہیں آئی تھی۔ کچھ دیر بعد ہوتین نے آکر پوچھا کہ ہم کافی اندر بیٹھ کر پئیں گے یا یہیں لے آئے۔ جانکی نے اسے کافی یہیں پر لانے کو کہہ دیا۔

ہوتین نے بانس کی کھپچیوں کی ایک چھوٹی میز ہمارے سامنے رکھ دی اور تھوڑی دیر بعد کافی بھی لے آئی۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد بھی ہم دیر تک وہیں بیٹھے رہے۔ ہوتین نے لان کی بتیاں جلا دی تھیں۔ ایک مرتبہ ہوتین اس طرف سے گزری تو میں نے اس سے کاراشان کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنے ایک ذاتی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر چلی گئی ہے۔ واپسی رات کو دیر سے ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے وہ رات کو واپس ہی نہ آئے۔

نجانے کیوں میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھارنے لگے۔

"یہ ہمیں کسی چکر میں پھنسانے کی کوشش تو نہیں کررہی؟" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم سے اس کی کیا دشمنی ہے۔" جانکی نے کہا "کسی چکر میں پھنسانا ہوتا تو ہمیں پہلے ہی پولیس کے حوالے کرچکی ہوتی۔ دولت مند عورت ہے۔ ایسے لوگوں کی مصروفیات بھی بڑھتی رہتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کسی ضروری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑگیا ہو۔ ہمیں اس پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"لیکن نجانے کیوں میرا دل مطمئن نہیں ہورہا۔" میں نے کہا۔

"وہم ہے تمہارا۔" جانکی نے جواب دیا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے جانکی غیر ارادی طور پر کاراشان کے کمرے میں گھس گئی۔ یہاں بیڈ کے عین سامنے والی دیوار کے قریب ایک خوب صورت ٹرالی پر ٹی وی سیٹ بھی رکھا ہوا تھا۔ ٹرالی کے نچلے خانے میں وی سی آر بھی تھا اور اس کے ساتھ والے خانے میں ویڈیو کیسٹس رکھے ہوئے تھے۔ جانکی پندرہ لمحے ٹی وی کا جائزہ لیتی رہی پھر اس نے پاور کا بٹن دبا دیا اور ریموٹ کنٹرول کے بٹن دبانے لگی۔ تمام چینلز پر چینی پروگرام تھے۔ کوئی بھی غیر ملکی چینل نہیں تھا۔

جانکی نے ایک کیسٹ نکال کر وی سی آر پر لگا دیا۔ میں اس وقت بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ چینی فلم تھی مگر بہت بے ہودہ قسم کی۔ جانکی بھی میرے قریب بیٹھ گئی اور اسکرین پر جب بھی کوئی اس قسم کا منظر آتا وہ مجھے چٹکیاں کاٹنے لگتی۔ میں ہر مرتبہ اسے گھور کر رہ جاتا۔ ایک مرتبہ میں نے اسے دھکا دیا تو وہ بیڈ سے نیچے گر گئی۔

قریب ہی ڈریسنگ ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔ جانکی قالین پر بیٹھے بیٹھے ڈریسنگ کی درازیں کھول کر دیکھنے لگی۔ اس سے یہ حرکت غیر ارادی طور پر سرزد ہوئی تھی مقصد تلاشی لینا نہیں تھا۔ سب سے نیچے والی دراز میں گتے کا ایک ڈبا رکھا ہوا تھا۔ اس نے ڈبا دراز سے نکال کر کھول لیا اور پھر اس کے قہقہوں کی آواز سن کر میں بھی اس طرف دیکھنے لگا۔ ڈبے پر نظر پڑتے ہی میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں اور سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

جانکی پاگلوں کی طرح قہقہے لگا رہی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے ڈبا چھین کر دراز میں رکھا اور دھڑ سے دراز بند کردی۔ اس وقت ٹی وی اسکرین پر بھی بڑا خوفناک قسم کا منظر آرہا تھا۔ میں ایک جھٹکے سے بیڈ سے اٹھ گیا اور ٹی وی بند کردیا اور جانکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے دروازے کی طرف کھینچنے لگا۔ جبکہ جانکی بدستور قہقہے لگا رہی تھی۔

جانکی کے کمرے میں آکر میں نے اسے بیڈ پر گرا دیا اور اپنے کمرے میں آگیا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہورہی تھی۔ میں کرسی پر بیٹھا سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامے کاراشان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئی تھی کہ اسے کسی مرد کی ضرورت کیوں نہیں تھی۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ کارا شان اپنے انہی گندے مقاصد کی تکمیل کے لیے تو مجھے یہاں لے کر نہیں آئی؟ یقیناً ایسی ہی بات ہوگی۔ میں نے صبح اس پولیس آفیسر کی باتیں بھی سنی تھیں۔ کاراشان اکثر آوارہ گرد بھکشوؤں کو کئی کئی روز تک اپنے گھر میں رکھتی رہی ہے۔ لوگوں کو بظاہر یہی تاثر ملتا تھا کہ وہ ان کی مالی مدد کرتی ہے مگر اس کا اصل مقصد کچھ اور تھا۔ کسی بھکشو کو عورت کے قریب جانے کی اجازت نہیں ہوتی لیکن بھکشو بھی آخر انسان ہی ہوتے ہیں۔ کسی مرد کے لیے بہکنا مشکل نہیں ہوتا اور جب کاراشان جیسی حسینہ انہیں دعوت گناہ دے تو کسی مرد کے لیے نفس پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا ہوگا۔ مقامی لوگوں کو کاراشان شاید اسی لیے قریب نہ آنے دیتی ہو کہ اس میں بدنامی کا خدشہ تھا۔ بھکشو تو دو چار روز رہ کر چلے جاتے ہیں۔ ان کی طرف سے بدنامی کا کوئی ڈر نہیں تھا اور ہمیں بھی شاید وہ اس لیے لائی تھی۔ پہلے تو وہ جانکی کو بھی مرد ہی سمجھی تھی پھر جب یہ انکشاف ہوا کہ وہ عورت ہے تو وہ ہمیں راستے میں اتارنے کے بجائے یہاں لے آئی تھی۔ اس نے مجھ سے اپنی امیدیں وابستہ کرلی تھیں۔ یہاں آنے کے بعد جب میں نے نہا کر کپڑے بدلے تھے تو وہ میرے بازوؤں کے مسلز ٹٹولنے لگی تھی اور مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا اور اب عریاں قسم کی فلمیں اور ڈریسنگ کی دراز میں وہ ڈبا دیکھ کر مجھے اس کی نیت کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

میں کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جانکی آگئی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ وہ میرے قریب بیٹھ گئی۔ مجھے اس وقت جانکی کی نیت میں بھی فتور نظر آرہا تھا لیکن وہ شرافت سے بیٹھی رہی۔

ہم دیر تک کاراشان کے کردار پر باتیں کرتے رہے۔ گزشتہ رات کاراشان نے ہمیں اپنے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اب مجھے اس پر بھی شبہ ہورہا تھا۔ جو عورتیں اس طرح غلط راستے پر نکل جاتی ہوں وہ مردوں کے قابل نہیں رہتیں۔ انہیں مردوں سے تسکین نہیں ملتی۔ ہوسکتا ہے کاراشان کا اپنے شوہر سے بھی کچھ اسی قسم کا جھگڑا شروع ہوگیا ہو اور اس نے دوسری شادی کرلی۔ جانکی نے بھی میری طرح کچھ اسی قسم کا نظریہ قائم کیا تھا۔

ڈیڑھ بج گیا۔ کاراشان کے اس وقت آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ مجھے بھی نیند آنے لگی تھی۔ میں نے جانکی کو زبردستی اس کے کمرے میں بھیج دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

ڈاکٹر جی ایم نازکی

شہرۂ آفاق کتاب

ازدواجی نفسیات

قیمت 40 روپے

ڈاک خرچ 23 روپے

- زندگی کے ساتھی کا آئیڈیل
- منگنی اور آئیڈیل
- ازدواجی ہم آہنگی
- ازدواجی زندگی کا جنسی پہلو

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

خط و کتابت کا پتہ

kitabiat@hotmail.com

kitabiat1970@yahoo.com

صبح میری آنکھ جلدی کھل گئی۔ اس وقت سات بجے تھے۔ میں اپنے کمرے سے باہر آگیا۔ ہال میں ہوتین سے پتا چلا کہ کاراشان صبح پانچ بجے واپس آگئی تھی اور آتے ہی سوگئی تھی۔ میں ہوتین سے کافی کا کپ لے کر لان میں آگیا۔

تقریباً تین گھنٹوں بعد کاراشان سے آمنا سامنا ہوا تو میں نے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور چہرے پر عجیب سے تاثرات محسوس کیے تھے۔ میں اس کی اس کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکا مگر اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا۔ ایک لمحے کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ شاید اسے پتا چل گیا تھا کہ گزشتہ رات ہم نے اس کی ڈریسنگ ٹیبل میں وہ ڈیوائس دیکھ لیا تھا۔ وہ فلم کیسٹ تو رات کو ہم نے وی سی آر ہی میں لگا چھوڑ دیا تھا۔ اس قسم کا رازفاش ہوجانے پر تو اس کے چہرے پر شرمندگی اور ندامت ہونی چاہیے تھی لیکن اس کے چہرے پر تو عجیب سے تاثرات تھے۔ جس سے میرے اندر بے چینی سی بھر گئی تھی اور میری چھٹی حس کسی گڑبڑ کا احساس دلانے لگی تھی۔ میری چھٹی حس نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا تھا اور اس وقت بھی مجھے یقین تھا کہ بہت جلد کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔

"کل تو تم دن بھر اور پھر رات بھی غائب رہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس بھکشو والے معاملے کا کیا ہوا؟"

"کل دوپہر کے بعد مجھے ایک ضروری کام سے شہر سے باہر جانا پڑ گیا تھا۔" کاراشان نے جواب دیا "بھکشو والا معاملہ ابھی جوں کا توں ہے۔ پولیس نہ تو قاتل بھکشو کو گرفتار کرسکی ہے اور نہ ہی دوسرے دو بھکشوؤں کا کوئی سراغ ملا ہے۔ پولیس کی تحقیقات ابھی جاری ہے۔ گرد بیٹھنے میں ابھی تھوڑا وقت لگے گا لیکن تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تم لوگ بالکل محفوظ ہو۔"

جانکی گیارہ بجے کے قریب سو کر اٹھی تھی۔ بارہ بجے کے قریب کاراشان گاڑی پر باہر چلی گئی۔ اس کی واپسی چار بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس وقت بھی میں نے اس کی آنکھوں میں وہی چمک دیکھی تھی۔

اس رات کھانے کے بعد ہم کاراشان کے ساتھ ہال کمرے ہی میں بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب کاراشان کی فرمائش پر ہوتین نے ہمیں کافی بنا کر دی اور سونے کے لیے کوٹھی کے پہلو میں واقع اپنے سرونٹ کوارٹر میں چلی گئی۔

کافی پینے کے بعد ہم زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھے۔ جانکی کو بڑے زور کی نیند آرہی تھی اور میں بھی دماغ میں کچھ بوجھل پن سا محسوس کررہا تھا۔ جانکی اکیلی سونے کو تیار نہیں تھی۔ وہ میرے کمرے میں آکر بیڈ پر لیٹ گئی۔ میں نے نیوب لائٹ بجھا کر نائٹ بلب روشن کردیا اور بیڈ کے کنارے پر لیٹ گیا۔ میں رات کے وقت جانکی سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اس روز وہ کاراشان کے پراسرار رویے سے کچھ گھبرا سی گئی تھی اور میرے ساتھ سونے پر بضد تھی۔ میں نے اپنے اور اس کے درمیان کم از کم دو بالشت کا فاصلہ رکھا تھا۔ جانکی چند منٹ باتیں کرتی رہی اور پھر سوگئی۔

اور پھر یکایک مجھے یوں لگا جیسے وہ خواب نہیں سب کچھ حقیقت تھا۔ میں نے سر کو دو تین جھٹکے دیے لیکن حقیقت سے فرار میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ میرے جسم پر لباس نہیں تھا اور وہ حسینہ مجھے دبوچے ہوئے تھی۔ میں اسے پیچھے دھکیلنے لگا۔ میرے خیال میں وہ جانکی تھی جو موقع پاکر یہ گندی حرکت کرگزری تھی لیکن یہ خوفناک انکشاف میرے لیے بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ وہ جانکی نہیں کاراشان تھی۔ میں نے اسے ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا دیا اور خود بھی پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ ہورہی تھی اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ کاراشان بیڈ پر پڑی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ نیلگوں روشنی میں اس کا چہرہ اس وقت مجھے کسی چڑیل سے بھی زیادہ بھیانک اور گھناؤنا لگ رہا تھا۔

"کل رات تمہارے بیڈ روم میں وہ چیزیں دیکھ کر تمہارے گھناؤنے کردار کا پتا چل گیا تھا۔" میں نے اٹھ کر کپڑے پہنتے ہوئے کہا "مجھ سے غلطی ہوگئی۔ ہمیں کل دن میں ہی یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔"

"تم ایسی کسی کوشش میں کامیاب نہ ہوپاتے۔" کاراشان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اگر تم زبردستی یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتے تو میری گارڈ یا تو تم لوگوں کو پولیس کے حوالے کردیتی یا گولی سے اڑا دیتی۔"

"تمہارا گھناؤنا مقصد پورا ہوچکا ہے۔" میں نے کہا "بہتر ہے کہ دن کی روشنی پھیلتے ہی ہمیں یہاں سے چلے جانے دو۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ جانکی کہاں ہے؟" میرا خیال تھا کہ اس نے جانکی کو نیند کی حالت میں ہی اٹھا کر دوسرے کمرے میں لٹا دیا تھا اور مجھے حیرت بھی ہورہی تھی کہ جانکی اتنی گہری نیند سوگئی تھی کہ اس طرح اٹھا کر لے جائے جانے پر اس کی آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔

"جانکی جہاں بھی ہے محفوظ ہے۔ تمہیں اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" کاراشان نے جواب دیا۔

اس کے الفاظ پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ جانکی اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ اس کا بستر خالی تھا۔ جانکی کاراشان کے بیڈ روم میں جھانکا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ میں نے تمام کمرے دیکھ ڈالے۔ جانکی کہیں بھی نہیں تھی۔ میرا دماغ گھوم گیا۔ آج دن میں میری چھٹی حس غلط نہیں تھی۔ مجھے خطرے کا احساس دلا رہی تھی، وہ شروع ہوچکی تھی۔ بار بار جس گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی، وہ جانکی کا غائب ہوجانا تھا۔

"کپڑے پہنو۔" میں نے اسے گھورا "ہم ہال کمرے میں بیٹھ کر بات کریں گے۔"

اس نے کرسی پر پڑا ہوا شب خوابی کا لباس اٹھا کر پہن لیا اور کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی میں نے بیڈ کا میٹریس اٹھا کر اس کے نیچے چھپایا ہوا خنجر نکال کر قمیص کے نیچے پتلون میں اڑس لیا۔ پستول میں نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ یہ دونوں چیزیں میں نے پہلے ہی روز یہاں چھپا دی تھیں۔ جانکی کا پستول بھی اس کے بیڈ کے میٹریس کے نیچے چھپا ہوا تھا۔

میں ہال کمرے میں پہنچا تو کاراشان کچن میں داخل ہوچکی تھی۔ میں صوفوں کے درمیان قالین پر ٹہلنے لگا۔

کاراشان تقریباً پندرہ منٹ بعد کچن سے باہر نکلی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں کافی کے کپ اٹھا رکھے تھے۔ میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے اس نے دونوں کپ شیشے کے ٹاپ والی سینٹر ٹیبل پر رکھ دیے۔

"میرا خیال ہے تم بھی اس وقت کافی کی طلب محسوس کررہے ہوگے۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی "بیٹھ جاؤ۔ اس طرح کب تک زمین کا سینہ کوٹتے رہو گے۔"

"میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ تمہارا اگلا گھونٹ دوں۔" میں اسے گھورتا ہوا اس کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا "تم لوگوں کے سامنے بہت نیک اور پارسا بنتی ہو۔ بھکشوؤں کی مدد کرتی ہو۔ انہیں اپنے گھر میں ٹھہرا کر ان کی خاطر مدارات کرتی ہو۔ لوگ تمہاری تعریفیں کرتے ہوں گے۔ کتنی مہربان اور ہمدرد ہو تم لیکن میں نے تمہاری اصلیت جان لی ہے۔ تم نہایت گھٹیا اور نیچ عورت ہو۔ تم ہمدردی کے جذبے کے تحت نہیں، اپنے سفلی جذبات کی تسکین کے لیے بھکشوؤں کو گھر پر لے کر آتی ہو۔ اپنی ہوس کی آگ بجھانے کے لیے انہیں راستے سے بھٹکاتی ہو۔ تم انسان نہیں شیطان ہو۔"

"شیطان میں نہیں۔" کاراشان نے بے غیرتی سے مسکراتے ہوئے کہا "شیطان تو ان لوگوں کے اندر چھپا ہوتا اپنی جنسی بھوک مٹانا چاہتی تھی۔ ہمیں یہی کہتی رہی تھی کہ پولیس کو دو بھکشوؤں کی تلاش ہے اس لیے ہمارے لیے باہر نکلنا مناسب نہیں۔ گویا یہ ہمارے لیے دھمکی تھی لیکن اب اس نے جانکی کو بھی غائب کردیا تھا۔ اس طرح وہ اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتی تھی۔

مجھے شبہ تھا کہ اس کوٹھی کے نیچے کوئی تہ خانہ موجود ہے جہاں جانکی کو غائب کیا گیا تھا۔

ہے جو مذہب کا لبادہ اوڑھ کر پارسا بنے ہوئے ہیں۔ یہ بھکشو بدھ کے پیروکار ہیں۔ بدھ کے پیروکاروں کے لیے تزکیہ نفس پہلی شرط ہے اور بھکشوؤں پر تو اس مذہب کے حوالے سے بہت سی شرائط اور پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ وہ چوری نہیں کرے گا۔ جھوٹ نہیں بولے گا۔ کوئی نشہ آور چیز استعمال نہیں کرے گا۔ زنا نہیں کرے گا۔ رقص و سرور کی محفلوں میں شریک نہیں ہوگا۔ خوشبو استعمال نہیں کرے گا۔ بیٹھنے کے لیے گدا یا آرام دہ سیٹ استعمال نہیں کرے گا اور کسی سے سونا چاندی قبول نہیں کرے گا۔ مگر۔۔۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی "کیا تم نے کوئی ایسا بھکشو دیکھا ہے جو ان شرائط پر پورا اترتا ہو۔ پیلی چادر اوڑھ لینے سے کوئی راہب نہیں بن جاتا۔ یہ لبادہ تو انہوں نے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے اوڑھ رکھا ہے۔ ان میں ہر وہ برائی موجود ہے جس کی گوتم بدھ نے ممانعت کی تھی۔ جھوٹ یہ بولتے ہیں، چوریاں یہ کرتے ہیں۔ شراب اور ہر نشہ آور چیز یہ استعمال کرتے ہیں۔ کوئی عورت مل جائے تو بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ وہ کون سا گناہ ہے جو یہ لوگ نہیں کرتے۔" کاراشان کے لہجے میں بے پناہ تلخی تھی "تم پہلے مرد ہو جسے میں نے اپنے سامنے نظریں جھکائے ہوئے دیکھا ہے اور یہ بھکشو۔۔۔ میں اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے انہیں یہاں لے کر آتی ہوں۔ مجھے زبان سے کچھ نہیں کہنا پڑتا۔ نہ ہی اشاروں کنایوں سے کام لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مجھے اپنے جسم سے صرف ذرا سا لباس سرکانا پڑتا ہے اور وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ دیکھو۔۔۔" اس نے اپنی میکسی اتار دی "میرے جسم پر یہ ان کے ناخنوں اور دانتوں کے نشان ہیں۔ کیا تم انہیں راہب اور کسی ایسے شخص کا نام دے سکتے ہو جو کسی مذہب کا سچا پیروکار ہو۔"

اس کی ٹانگوں، پیٹ اور سینے پر ایسے نشان نظر آرہے تھے جیسے دانتوں اور ناخنوں سے نوچا گیا تھا۔

"یہ انسان نہیں وحشی ہیں۔ انہوں نے صرف پیلی چادر اوڑھ رکھی ہے، یہ لوگ ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور یہاں آنے والوں کو میں یہ موقع فراہم کرتی تھی۔ اس رات تم دونوں کو سڑک پر دیکھ کر بھی میرے دل میں ایسا ہی خیال آیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ تمہارے ساتھی کی اسپتال سے مرہم پٹی کروا کر تم دونوں کو خدمت کے بہانے اپنے گھر لے آؤں گی لیکن راستے میں یہ انکشاف بڑا دلچسپ ثابت ہوا کہ میری کار سے ٹکرانے والا تمہارا ساتھی مرد نہیں عورت ہے۔ بہرحال میں تم لوگوں کو یہاں لا۔۔۔ پھر تم نے بھی یہ اعتراف کرلیا کہ تم بھکشو نہیں ہو۔۔۔ تھا کہ تم لوگوں نے کسی خاص مقصد کے لیے بھیس۔۔۔ ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ چین۔۔۔ جاسوس ہونے کا شبہ کیا جاتا ہے۔ تم لوگ تو۔۔۔ اس شبے کی زد میں آسکتے تھے۔ میں نے تم لوگوں۔۔۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔" وہ ایک۔۔۔ لمحوں کو خاموش ہو کر کافی کی چسکیاں لیتی رہی پھر۔۔۔ رکھتے ہوئے کہنے لگی "پہلا مقصد تو یہی تھا۔۔۔ دوسری شادی سے کوئی غرض نہیں۔ وہ دس شادیاں اور بھی صورت اور بھرپور جوان سے اپنی ہوس کی پیاس۔۔۔ جب میں نے تمہیں اپنی طرف سے آنکھیں چرا۔۔۔ دیکھا تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ حالانکہ میں ایسی چیز۔۔۔ مجھے دیکھ کر عبادت گاہ کی طرف جانے والے۔۔۔ بھی ڈانواں ڈول ہوجائے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ شاید۔۔۔ ساتھی کی وجہ سے مجھ سے کترا رہے ہو لیکن اب میں۔۔۔ سے کہہ سکتی ہوں کہ تمہاری ساتھی بھی تمہارے۔۔۔ ترس گئی ہوگی۔" وہ خاموش ہوگئی۔ اس کے ہونٹوں پر۔۔۔ بھی وہی مسکراہٹ تھی جو مجھے اس وقت بڑی مکروہ۔۔۔

میں نے تمہیں اپنے شوہر کے بارے میں بتایا تھا۔۔۔ ہے۔ میں نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ تم۔۔۔ بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ کہاں ہے وہ؟"

"میں نے کہا نا کہ تمہیں اس کے لیے پریشان ہونے۔۔۔ ضرورت نہیں۔ وہ خیریت سے ہے۔" کاراشان نے۔۔۔ تمہیں اپنے شوہر سیان چانگ کے بارے میں بتا رہی۔۔۔ نے دوسری شادی کرلی ہے۔ ایک سال پہلے سیان چانگ۔۔۔ جو وصیت تیار کی تھی اس کے مطابق اس کی ساری۔۔۔ اور جائداد کی واحد وارث میں ہوں لیکن اب مجھے۔۔۔ کہ اس نے اپنے وکیل سے نئی وصیت تیار کرنے کو۔۔۔ جس میں مجھے ہر چیز سے محروم کردیا جائے گا اور اس۔۔۔ بیوی کو واحد قانونی وارث قرار دیا جائے گا۔"

"کیا یہ کافی نہیں کہ تمہیں آدھی جائداد مل جائے گی۔" میں نے کہا "اس بنگلے کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔۔۔ میں اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ مجھے۔۔۔ تمہیں بھی کسی قسم کی شرط طلاق کی صورت میں ہے۔"

"آدھے حصے کی شرط طلاق نہیں دیتا اور اپنے مقاصد حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔" وہ ایک۔۔۔ کاراشان نے جواب دیا "اگر وہ مجھے طلاق نہیں دیتا اور میت میں مجھے ہر چیز سے محروم کردیتا ہے تو اس کے مرنے کے بعد مجھے ایک پوتی۔۔۔ بھی نہیں ملے گا۔ مجھے سیان چانگ کی دولت اور بھرپور جوان سے اپنی ہوس کی پیاس۔۔۔ جب میں نے تمہیں اپنی طرف سے آنکھیں چرا۔۔۔ دیکھا تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ حالانکہ میں ایسی چیز۔۔۔ مجھے دیکھ کر عبادت گاہ کی طرف جانے والے۔۔۔ بھی ڈانواں ڈول ہوجائے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ شاید۔۔۔ ساتھی کی وجہ سے مجھ سے کترا رہے ہو لیکن اب میں۔۔۔ سے کہہ سکتی ہوں کہ تمہاری ساتھی بھی تمہارے۔۔۔ ترس گئی ہوگی۔" وہ خاموش ہوگئی۔ اس کے ہونٹوں پر۔۔۔ بھی وہی مسکراہٹ تھی جو مجھے اس وقت بڑی مکروہ۔۔۔

میں نے تمہیں اپنے شوہر کے بارے میں بتایا تھا۔۔۔ ہے۔ میں نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ تم۔۔۔ بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ کہاں ہے وہ؟"

"میں نے کہا نا کہ تمہیں اس کے لیے پریشان ہونے۔۔۔ ضرورت نہیں۔ وہ خیریت سے ہے۔" کاراشان نے۔۔۔ تمہیں اپنے شوہر سیان چانگ کے بارے میں بتا رہی۔۔۔ نے دوسری شادی کرلی ہے۔ ایک سال پہلے سیان چانگ۔۔۔ جو وصیت تیار کی تھی اس کے مطابق اس کی ساری۔۔۔ اور جائداد کی واحد وارث میں ہوں لیکن اب مجھے۔۔۔ کہ اس نے اپنے وکیل سے نئی وصیت تیار کرنے کو۔۔۔ جس میں مجھے ہر چیز سے محروم کردیا جائے گا اور اس۔۔۔ بیوی کو واحد قانونی وارث قرار دیا جائے گا۔"

"سیان چانگ کے قانونی مشیر کے دفتر کا ایک کلرک میرا دوست ہے۔" کاراشان نے میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "اس نے مجھے بتایا تھا کہ سیان چانگ نے وکیل کو نئی وصیت تیار کرنے کو کہا ہے اور اس نئی وصیت کے مطابق ہر چیز سے محروم کردیا جائے گا لیکن اگر نئی وصیت تیار ہونے سے پہلے ہی سیان چانگ اس دنیا سے رخصت ہوجائے تو پرانی وصیت کے مطابق اس کی قانونی وارث میں ہی ہوں گی۔"

میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔

"مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

"تم سیان چانگ کو موت کے گھاٹ اتار دو۔" کاراشان نے اس طرح پرسکون لہجے میں کہا جیسے میز پر پڑا ہوا گلاس اٹھانے کو کہہ رہی ہو۔

میں اچھل پڑا۔ میرے بدترین خدشات درست ثابت ہورہے تھے۔ میں نے شرٹ کے نیچے سے خنجر نکال لیا اور بڑی پھرتی سے اٹھ کر خنجر کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی۔

"میں کسی بے گناہ کو موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا لیکن اگر تم نے جانکی کا پتا نہیں بتایا تو یہ خنجر تمہارے دل میں اتار دوں گا۔ بتاؤ جانکی کہاں ہے؟"

"میں نے ابھی اپنی بات پوری نہیں کی۔" کاراشان کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اپنے آپ کو خنجر کی زد میں پاکر بھی اس کے چہرے پر خوف کے معمولی سے تاثرات بھی نہیں ابھرے تھے "تم میرے سینے میں خنجر اتارنے کا شوق پورا کرسکتے ہو لیکن اس طرح نقصان تمہارا ہی ہوگا اور جانکی بھی نہیں ملے گی۔ البتہ میری بات مان لو تو تم فائدے ہی میں رہو گے۔ میرے خیال میں تین قتل کرنے کے بعد چوتھا قتل کرنے میں تمہیں کوئی جھجک محسوس نہیں ہونی چاہیے۔"

"تین قتل!" میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا "کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہو تم؟"

"کل دوپہر پولیس آفیسر سے باتوں کے دوران میں پتا چلا کہ یہاں سے ساٹھ ستر میل دور ایک چھوٹے سے گاؤں کے قریب جنگل میں واقع ایک بہت پرانی عبادت گاہ میں تین آدمیوں کی لاشیں ملی تھیں۔ پولیس کو دو بھکشوؤں پر قتل کا شبہ ہے۔" کاراشان نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہنے لگی "مجھے تجسس ہوا اور میں صورت حال معلوم کرنے کے لیے خود اس قصبے تک چلی گئی اور پھر معلومات حاصل کرتے ہوئے میں اس چھوٹی سی بستی میں بھی پہنچ گئی جہاں دو ایسے بھکشوؤں نے چند روز قیام کیا تھا جن میں ایک عورت بھی تھی۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"اس بستی میں ہماری ملاقات ہوکیانگ اور ہوکیدو سے بھی ہوئی تھی جن کے گھر میں تم دونوں نے قیام کیا تھا۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی "تم دونوں نے منگ شوئی کے ہاتھوں ہوکیدو کو رسوا ہونے سے بھی بچایا تھا جس پر بستی کے سب لوگ تم دونوں کے شکر گزار تھے۔

"اور جب تم لوگوں کو ایک خچر گاڑی پر وہاں سے روانہ کیا گیا تو راستے میں منگ شوئی اور اس کے دو ساتھیوں نے تم

لوگوں کو گھیر لیا اور بوڑھے کو نہر میں پھینک کر تم دونوں کو جنگل میں واقع ایک پرانی عبادت گاہ میں لے گئے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہی؟" وہ خاموش ہو کر میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتی رہی پھر بولی "جس بوڑھے کو جوان کو نہر میں پھینکا گیا تھا وہ بچ گیا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح نہر سے نکل آیا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد تم لوگوں نے اسے سڑک پر بے ہوش پڑے ہوئے پایا۔ تم لوگ اسے ہوش میں لائے اور اسے خچر گاڑی پر بستی واپس بھیج دیا۔"

کاراشان یہ ساری تفصیل اس طرح بتا رہی تھی جیسے یہ سب کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ مجھے اپنے پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میری شرٹ پسینے سے تر ہونے لگی۔ وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کل صبح جنگل کی اس عبادت گاہ سے تین آدمیوں کی لاشیں ملی ہیں جن میں ایک لاش منگ شوئی کی ہے اور دو اس کے ساتھیوں کی۔ پولیس کو ان دو بھگوڑوں کی تلاش ہے جو اس روز قصبے کے اسٹاپ سے ڈانگ کو آنے والی بس میں سوار ہوئے تھے۔ پولیس ابھی اس چھوٹی سی بستی تک نہیں پہنچی۔ یہ کہانی صرف میں جانتی ہوں کہ وہ دونوں بھگوڑے کون تھے۔ اب یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ تم کون سا راستہ اختیار کرتے ہو۔ میری بات مان لینے کی صورت میں تم فائدے میں رہو گے۔ میرا کام ہو جانے کے بعد تم لوگ جہاں چاہو گے، بحفاظت پہنچا دیے جاؤ گے لیکن اگر تم کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر کے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو گے تو اس شہر سے بھی باہر نہیں جا سکو گے۔"

میرا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ میرا خنجر والا ہاتھ نیچے جھک گیا۔ کاراشان اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"میں تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی۔" وہ میری طرف جھکتے ہوئے بولی "ہو سکتا ہے اس سے پہلے بھی کچھ لوگ تمہارے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے ہوں اور میں سمجھتی ہوں کہ کسی کو قتل کرنا تمہارے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ایک اور آدمی کو ٹھکانے لگا دینے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں تمام تحفظات فراہم کرنے کے علاوہ تمہیں منہ مانگا معاوضہ بھی ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جیسے سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔ میری زبان بھی جیسے گنگ ہو گئی تھی۔ ہونٹ سل گئے تھے۔ منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ حلق خشک ہو گیا تھا اور [illegible] کرکانٹے کی طرح تالو میں چبھ رہی تھی۔

کاراشان نے کچھ اور میری طرف جھکتے ہوئے بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں۔ اس کے ساتھ ہی میرا ہوش میں آ گیا۔ میں نے اس کے ہاتھ اپنی گردن سے اور کمر سے پکڑ کر اچھال دیا۔ وہ ہوا میں اڑتی ہوئی فٹ دور سامنے والے صوفے پر گری اور صوفے دوسری طرف الٹ گئی۔ اس کے منہ سے چیخ نکل [illegible] میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کار [illegible] اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے کولہا اور ہاتھ سے کندھا سہلا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سی بھر گئی تھی۔ اسے یقیناً اس بات پر حیرت تھی بیٹھے بیٹھے اسے اتنی دور کس طرح اچھال دیا تھا۔

وہ چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑی رہی پھر میرے قریب اس نے میرے دونوں بازو پکڑ لیے اور مسلز میں گاڑنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"مجھے تمہاری طاقت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ تم [illegible] سے بڑی آسانی سے کسی سانڈ کی گردن بھی مروڑ سکتے [illegible]

"اس وقت تو میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں تمہیں [illegible] مروڑ دوں۔" میں نے اس کے دونوں ہاتھ جھٹکتے جواب دیا "اگر جانگی کو کوئی نقصان پہنچا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔"

"جانگی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" اس کے [illegible] ایک بار پھر مسکراہٹ آ گئی "میں سمجھتی ہوں کہ اب [illegible] کچھ اپ سیٹ ہو رہے ہو۔ کوئی بات ڈھنگ سے [illegible] سکو گے۔ اب تم آرام کرو۔ ہم صبح بات کریں گے۔" لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "تم نے کافی نہیں [illegible] ٹھنڈی ہو چکی ہے۔ اگر کہو تو میں تازہ کافی بنا دوں؟"

میں اس وقت واقعی کافی کی طلب محسوس کر [illegible] زبان کو حرکت دینے کے بجائے میں نے اثبات میں [illegible] وہ سینٹر ٹیبل پر پڑے ہوئے کپ اٹھا کر کچن کی طرف [illegible] میں نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ صبح کے [illegible] والے تھے۔ اس وقت جس قسم کی صورت حال [illegible] تھا، نیند آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ [illegible] آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ کاراشان ہمیں اپنے [illegible] آئی تھی تو میں اسے بہت ہمدرد اور نیک دل خاتون لیکن وہ بڑی حرافہ ثابت ہوئی تھی۔ اس کی عیاری [illegible] کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ اس نے [illegible]

کم از کم 3 میل دور اس چھوٹی سی بستی تک پہنچ کر ہمارے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لی تھیں بلکہ میرے گرد ایک ایسا جال بھی بُن دیا تھا جس سے نکلنا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور تھا۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو اسے قتل کر کے بڑی آسانی سے یہاں سے فرار ہو سکتا تھا لیکن مجھے جانگی کی فکر تھی جسے اس نے کہیں غائب کر دیا تھا۔

وہ پندرہ بیس منٹ بعد کافی بنا کر لے آئی۔ اس نے کپ میرے سامنے میز پر رکھ دیا۔ وہ خود بھی شاید بیٹھنا چاہتی تھی لیکن میں تنہائی چاہتا تھا اور فی الحال اس کی بکواس نہیں سننا چاہتا تھا۔

"مجھے تنہا چھوڑ دو۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں کپ اٹھا کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ چند گھونٹ بھرنے کے بعد میرے دماغ کی سنسناہٹ بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔

اس میں شبہ نہیں کہ کاراشان نے بڑی چالاکی سے میرے گرد جال بنا تھا۔ میری جلد بازی یا جذباتیت صورت حال کو مزید بگاڑ سکتی تھی۔ اس معاملے پر ٹھنڈے دماغ سے سوچنے کی ضرورت تھی۔ ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہمیں پولیس کے حوالے کر دیا جاتا۔ جاسوسی کا الزام نہ سہی لیکن منگ شوئی اور اس کے دو ساتھیوں کے قتل آسانی سے ثابت کیے جا سکتے تھے۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ کسی اجنبی ملک میں اگر کسی کو چوری کے معمولی سے جرم میں بھی پکڑ لیا جائے تو جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔

عجیب صورت حال تھی۔ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ میری زندگی ٹکٹکوں میں بسر ہو رہی تھی۔ میں نے دارا، ٹائیگر، پیڈرو اور جنرل کھوراٹ تک کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے تھے لیکن اس حسین ناگن نے مجھے اس طرح بےبس کر دیا تھا کہ سامنے ہوتے ہوئے بھی میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا۔ میں چونکا تو اس وقت جب ہوتین بھی دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ اس وقت صبح کے سات بجنے والے تھے۔ ہوتین بڑی عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں اٹھ کر کمرے میں آیا اور بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ خنجر میں نے دوبارہ میٹریس کے نیچے چھپا دیا تھا۔ فی الحال اس کی ضرورت نہیں تھی۔

میری آنکھوں میں شدید جلن تھی۔ دماغ میں ایک بار پھر سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور جانگی کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہو گی۔

میں شاید سو گیا تھا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو گیارہ بج رہے تھے۔ دماغ میں اب بھی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔ میں اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے کچھ سکون سا ملا۔

جب میں ہال کمرے میں آیا تو کاراشان پہلے سے وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر وہی رات والا شب خوابی کا لباس تھا۔ سفید شیفون جیسے باریک کپڑے سے اس کا جسم جھلک رہا تھا۔ اس نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور اٹھ کر سائڈ ٹیبل کے قریب جا کر بیٹھ گئی جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ملایا۔ کچھ دیر چینی زبان میں بات کرتی رہی پھر فون اٹھا کر میرے قریب آ گئی۔

"لو۔ جانگی سے بات کر لو۔ تاکہ تمہیں تسلی ہو جائے کہ وہ خیریت سے ہے۔" اس نے کہتے ہوئے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے اس سے ریسیور لے کر کان سے لگا لیا۔ اس کے ساتھ ہی جانگی کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"ہیلو وجدان۔۔۔ تم کہاں ہو۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔؟"

"تم کیسی ہو جانگی۔ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں ہوئی۔" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں۔ میں ابھی تھوڑی دیر پہلے تو بیدار ہوئی ہوں۔ رات کو شاید کافی میں بے ہوشی کی دوا ملائی گئی تھی۔ کیا کاراشان۔۔۔"

"ہاں جانگی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "جسے ہم بہت معصوم اور بھولی بھالی سمجھتے تھے۔ وہ بڑی خطرناک عورت نکلی، اس نے یہ سب کچھ بڑی پلاننگ کے تحت کیا ہے۔ اس نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ منگ شوئی اور اس کے دو ساتھی ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ اس نے تمہیں بے ہوش کر کے کہیں اور پہنچا دیا اور مجھے بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔"

"کیا چاہتی ہے وہ۔ ہمارے پاس کیا ہے جس کے لیے یہ تمہیں بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔" جانگی نے کہا۔

"اسے شبہ ہے کہ اس کا شوہر ایک نئی وصیت لکھنے والا ہے جس میں اسے ہر چیز سے محروم کر دیا جائے گا۔ کاراشان اس نئی وصیت پر دستخط ہونے سے پہلے اپنے شوہر کو میرے ہاتھوں قتل کروانا چاہتی ہے تاکہ پرانی وصیت کے مطابق

کا راشان ہی اس کی واحد قانونی وارث قرار پائے۔"

"اوہ۔۔۔!" جانکی کی آواز سنائی دی "تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"اگر تمہیں یہ غمال نہ بنایا جاتا تو میرا فیصلہ کچھ اور ہوتا لیکن اب مجھے سوچنا پڑے گا۔ انکار کی صورت میں اس نے ہم دونوں کو پولیس کے حوالے کرنے کی دھمکی دی ہے اور تم جانتی ہو ہمارے خلاف منگ شوئی اور اس کے ساتھیوں کا قتل ثابت کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔"

"اوہ!" جانکی صرف اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

"تم کہاں ہو۔ میرا مطلب ہے کسی تہ خانے میں یا۔۔۔"

"نہیں۔ یہ پہاڑیوں میں کوئی مکان ہے۔" جانکی نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "سرسبز پہاڑیاں ہیں۔ مکان کے پچھلی طرف ایک جھرنا بھی بہہ رہا ہے۔ کھڑکی میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔"

"تمہاری حفاظت کے لیے کتنے آدمی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"آدمی نہیں دو عورتیں ہیں لیکن آدمیوں سے زیادہ خطرناک۔ دونوں مسلح ہیں اور بڑی خرانٹ ہیں۔" جانکی نے جواب دیا۔

میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر قریب کھڑی ہوئی کا راشان نے ریسیور میرے ہاتھ سے لے کر فون بند کردیا۔

"اب تو تمہیں اطمینان ہوگیا ناکہ جانکی محفوظ ہے اور اس کی عزت کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "آؤ۔ باقی باتیں ہم ناشتے کے دوران میں کرلیں گے۔"

ہم ڈائننگ روم میں آگئے۔ گول میز پر ناشتا لگا ہوا تھا۔ جانکی سے بات ہوجانے کے بعد مجھے کچھ اطمینان ہوگیا تھا۔ اس لیے میں نے ناشتے کے ساتھ بھی پورا پورا انصاف کیا۔

"تو گویا تم میرا کام کرنے کو تیار ہو؟" کا راشان نے میری طرف دیکھا۔

"لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ کام ہوجانے کے بعد تم ہمارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کرو گی؟" میں نے کہا۔

"تمہیں میری زبان پر بھروسا کرنا پڑے گا۔" کا راشان نے کہا "میں اگر چاہتی تو یہ کام کسی اور شخص سے بھی لے سکتی تھی۔ یہاں کرائے کے قاتل حاصل کرنا کوئی مشکل نہیں لیکن اس میں خطرہ یہ ہے کہ میں جس شخص سے بھی یہ کام لوں گی وہ بعد میں مجھے بلیک میل کرنے لگے گا۔ جبکہ تم سے مجھے ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش اپنی سوتن سے انتقام لینا اور شوہر کی ساری دولت اور جائداد پر قبضہ کرنا ہے۔ اس کے بعد تو میرا اور کوئی کام نہیں رہ جائے گا۔ پھر تم دونوں کو بڑے احترام سے رخصت کردوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے اور تمہیں میرے وعدے پر یقین کرنا ہوگا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ تمہارا شوہر فان کنگ میں ہے۔ پھر تمہارے خیال میں، میں کسی رکاوٹ کے بغیر آسانی سے وہاں تک پہنچ سکوں گا؟" میں نے کہا۔

"سیان چانگ کو قتل کرنے کے لیے تمہیں فان کنگ جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم چاہو تو یہ کام آج ہی رات کرسکتے ہو۔"

"کیا وہ یہاں آیا ہوا ہے۔ میرا مطلب ہے اس شہر میں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" کا راشان نے نفی میں سر ہلایا۔

"دریا کے دوسری طرف تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر چائے کے باغات ہیں۔ سیان چانگ آج کل وہیں آیا ہوا ہے۔ وہ تقریباً ایک ہفتہ وہاں رہے گا۔ وہ ایسی جگہ ہے کہ تم آسانی سے اسے موت کے گھاٹ اتار سکتے ہو لیکن مجھے کیسے پتا چلے گا کہ سیان چانگ کو واقعی قتل کیا جاچکا ہے۔"

"تم میرے ساتھ چلو۔ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے ہوئے دیکھ لینا۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔ اگر میں آس پاس کہیں دیکھ لی گئی تو مجھ پر شبہ کیا جائے گا۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ حاشی تمہارے ساتھ چلا جائے۔"

"حاشی کون؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میری گارڈ۔" کا راشان نے جواب دیا "ٹھیک ہے حاشی ہی تمہارے ساتھ جائے گی۔ تم لوگ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی یہاں سے روانہ ہوجاؤ۔ اگر کام جلدی ہوگیا تو آدھی رات سے پہلے واپس بھی آسکتے ہو۔"

"کیا تمہارا شوہر انگریزی زبان سمجھتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں۔ کیا اس سے گپ شپ کا ارادہ ہے۔" اس نے مجھے گھورا۔

"میں اسے دور سے گولی نہیں ماروں گا۔" میں نے جواب دیا "میں اس سے کسی بھی بہانے براہ راست ملاقات کروں گا اور بہلا پھسلا کر ایسی جگہ پر لے آؤں گا جہاں حاشی

پہلے ہی سے چھپی ہوئی ہوگی۔ میں حاشی کے سامنے اسے گھاٹ اتاروں گا تاکہ تمہارے بھی دل میں کوئی شبہ نہ رہے۔"

ناشتے کے بعد کا راشان نے حاشی کو بلالیا اور میں اپنے کمرے میں آگیا۔ میں نے کا راشان سے سیان چانگ کے بارے میں کچھ ضروری معلومات حاصل کرلی تھیں تاکہ اسے شناخت کرنے میں پریشانی نہ ہو۔

اور پھر اس شام اندھیرا پھیلتے ہی میں حاشی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگیا۔ ہم میں طے ہوا تھا کہ میرے جانے کے بعد کا راشان، جانکی کو بنگلے پر لے آئے گی اور میں اپنے مشن سے جیسے ہی واپس لوٹوں گا جانکی کو لے کر یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا۔

یہ ایک بندوین تھی۔ حاشی نے اسٹیئرنگ سنبھال رکھا تھا اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ روانگی سے تھوڑی دیر پہلے حاشی کو میں نے پہلی بار غور سے دیکھا تھا۔ اس کی عمر اگرچہ چالیس کے لگ بھگ تھی لیکن کا راشان سے زیادہ زور دار جسم کی عورت تھی۔ اس وقت اس نے نیلی جینز اور اسی رنگ کی اوپن شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ صحت مند عورت تھی اور جسمانی طور پر اس میں کا راشان کے مقابلے میں سیکس اپیل زیادہ تھی۔

سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ دریا کا پُل پار کرتے ہی وین کی رفتار تیز ہوگئی۔

وہ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ دونوں طرف ٹیلا نما چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں جن پر سبزہ تو نظر آرہا تھا لیکن میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کس قسم کے پودے یا درخت تھے۔ یہ تو حاشی نے بتایا تھا کہ یہ چائے کے باغات تھے جو ان ٹیلا نما پہاڑیوں میں میلوں دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

ایک گھنٹے تک اس سڑک پر چلتے رہنے کے بعد حاشی نے وین کی رفتار کم کرلی اور پھر اسے بائیں طرف ایک پتھریلے راستے پر موڑ دیا۔ اس طرف ٹیلے زیادہ بلند نہیں تھے۔ ایک وادی تھی جو دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ دن کا وقت ہوتا تو میرے لیے یہ نظارہ قابل دید ہوتا لیکن رات کے اندھیرے میں پودوں کے ہیولوں کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

"یہاں سے سیان چانگ کے چائے کے باغات شروع ہوجاتے ہیں۔" حاشی نے دائیں بائیں اشارہ کرتے ہوئے بتایا "یہ باغات میلوں دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔ ان باغات کا دورہ کرنے کے لیے گاڑی میں ڈیڑھ گھنٹا لگ جاتا ہے۔"

تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے وین ایک اور راستے پر موڑ لی۔ دونوں طرف چار پانچ فٹ اونچے چائے کے پودے تھے۔ وین تقریباً دس منٹ تک ان پودوں کے درمیان چلتی رہی اور بالآخر ایک جگہ رک گئی۔ حاشی نے انجن بند کردیا اور مجھے اشارہ کرتی ہوئی نیچے اتر گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی وین سے اتر آیا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ تک ہم دونوں پودوں میں چلتے ہوئے ایک ٹیلے پر پہنچ گئے۔ دوسری طرف نشیب میں تقریباً دو سو گز دور کچھ روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

"وہ روشنیاں دیکھ رہے ہو۔" حاشی اشارہ کرتے ہوئے بولی "وہاں سپروائزر کا مرکزی دفتر، چائے کی پتیاں بریو کرنے کی ایک چھوٹی سی فیکٹری اور سیان چانگ کا رہائشی کاٹیج ہے۔ اس کے ساتھ ہی ٹیلے کے دوسری طرف مزدوروں کے پانچ چھ ہٹس ہیں جو یہاں سے نظر نہیں آرہے۔ دائیں طرف سب سے الگ تھلگ روشنی سیان چانگ کے کاٹیج کی ہے۔ کھڑکیوں میں بھی روشنی نظر آرہی ہے۔ سیان چانگ اس وقت اپنے کاٹیج ہی میں ہوگا۔ ہوسکتا ہے سپروائزر کے علاوہ کچھ مزدور بھی اس کے ساتھ موجود ہوں۔ تمہیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ معمولی سی غلطی تمہاری موت کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ دائیں طرف کی اس پگڈنڈی پر چلتے ہوئے تم کاٹیج کے عقب میں پہنچ جاؤ گے۔"

حاشی یہ سب کچھ اس طرح بتا رہی تھی جیسے یہاں کا چپا چپا اس کا دیکھا ہوا ہو اور میرے خیال میں اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ کا راشان کے ساتھ یہاں آتی رہتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "تم یہیں رکو گی۔ میں سیان چانگ کو لے کر یہیں آؤں گا اور تمہارے سامنے اس کی زندگی کا چراغ گل کروں گا تاکہ تم اپنی مالکہ کو یقین دلا سکو کہ اس کا راستہ صاف ہوچکا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہاں انتظار کروں گی لیکن تم اسے یہاں تک کیسے لاؤ گے؟"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" میں نے جواب دیا اور ٹیلے سے نیچے اترنے لگا۔ میں چائے کے پودوں کے درمیان تنگ سی راہداریوں میں چلتا ہوا نشیب میں اترنے لگا۔ اس کاٹیج تک پہنچنے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا قریب پہنچ گیا اور ایک کھڑکی سے جھانک کر اندر دیکھنے لگا، وہ کمرا خالی تھا۔ میں دوسری کھڑکی کے سامنے آگیا اور اندر جھانکتے ہی میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

اس کمرے میں ایک آدمی اور دو عورتیں تھیں۔ وہ

دونوں جوان عورتیں نیم عریاں لباس میں تھیں اور اس آدمی کو پہچاننے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ سیان چانگ تھا۔ درمیانے قد کا بھدے جسم کا مالک۔ چہرہ بلڈاگ سے ملتا جلتا تھا۔ جبڑوں کے نیچے گوشت لٹکا ہوا تھا۔ شکل و صورت بھی بس یونہی سی تھی۔ اگر اس کا تعلق عام طبقے سے ہوتا تو کوئی عورت اس کے قریب پھٹکنا بھی پسند نہ کرتی لیکن وہ دولت مند آدمی تھا۔ دولت کی طرح اسے حسین عورتوں کی بھی کمی نہیں تھی۔

میں چند لمحے کھڑکی کے قریب کھڑا رہا پھر اوپر سے گھوم کر سامنے کے رُخ پر آگیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا لیکن تیسرا قدم اٹھاتے ہی اپنی پشت پر ایک خوفناک قسم کی غراہٹ سن کر میں اچھل پڑا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو ورنہ چھلنی کردوں گا۔"

یہ الفاظ چینی زبان میں کہے گئے تھے۔ اس غراتے ہوئے لہجے میں یہ الفاظ دنیا کی کسی بھی زبان میں کہے گئے ہوتے تو ان کا مفہوم سمجھ میں آسکتا تھا کیونکہ اس غراہٹ کے ساتھ ہی کسی رائفل کی نال بھی میری پشت سے ٹک گئی تھی۔

میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ پستول میرے ہاتھ میں ہی تھا اور پھر پیچھے کھڑے ہوئے شخص نے میرے ہاتھ سے پستول لے لیا۔ یہ اس نے بہت بڑی حماقت کی تھی۔ اگر وہ پستول پھینک دینے کو کہتا تو دوسری بات تھی۔ پستول پر قبضہ کرکے اس نے اپنی گردن پھنسوالی تھی۔

پستول اس نے نال کی طرف سے پکڑا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے رائفل میری پشت سے لگا رکھی تھی اور ظاہر ہے انگلی ٹریگر پر نہیں ہوگی۔ اس وقت وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ فوری طور پر پستول یا رائفل کا ٹریگر دبا سکتا اور میں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

میں بڑی تیزی سے نیچے جھک گیا۔ اس کے ساتھ ہی پیر کی ایڑی سے اس کی پنڈلی پر ٹھوکر رسید کردی۔ وہ شخص اس جوابی کارروائی کے لیے تیار نہیں تھا۔ پنڈلی کی ہڈی پر ٹھوکر لگنے سے وہ بلبلا اٹھا۔ میں نے سنبھلتے ہی اس کے گھٹنے کے پیچھے ہلکا سا چوپ مار دیا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور چیختا ہوا نیچے گرا۔

میرا پستول اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا اور رائفل پر قبضہ کرنے میں، میں نے زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ میں نے جھک کر پستول اٹھایا اور اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس شخص کو میں نے رائفل کی زد پر لے رکھا تھا جو اب بھی زمین پر گرا ہوا تھا۔

اس شخص کے چیخنے کی آواز سن کر دو آدمی اور دوڑتے ہوئے اس طرف پہنچ گئے تھے۔ وہ دونوں خالی ہاتھ تھے۔ وہ اپنے ساتھی کی چیخ سن کر وہ کچھ بھی سمجھے ہوں لیکن اس صورتِ حال کی توقع ہرگز نہیں رہی ہوگی۔

"چلو۔ تم بھی اٹھ کر ان کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ۔" میں نے نیچے گرے ہوئے آدمی کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"تم جو کوئی بھی ہو یہاں سے بچ کر نہیں جاسکو گے۔" اس شخص نے اٹھتے ہوئے کہا "بہتر ہے رائفل پھینک دو اور اپنے آپ کو میرے حوالے کردو۔"

"بکواس مت کرو اور مجھے اپنے باس کے کمرے میں لے چلو۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور پھر خود ہی ان تینوں کو ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

سیان چانگ کے کمرے کا دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ میں نے رائفل سے اشارہ کیا۔ وہ تینوں دروازہ کھولتے ہوئے جھجک رہے تھے۔ میں نے پیر کی ٹھوکر سے دروازہ کھول دیا اور ان تینوں کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔

اس طرح دھڑ سے دروازہ کھلنے پر اندر موجود دونوں عورتیں چیخ اٹھیں اور پھر میرے ہاتھ میں رائفل دیکھ کر ان کے چہرے خوف سے پیلے پڑ گئے اور ایک دوسری سے لپٹ کر خوف زدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ سیان چانگ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ شراب کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی خوف ابھر آیا تھا۔

"یہ... یہ سب کیا ہے۔ کون ہو تم...؟" وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ وہ کبھی میری طرف دیکھ رہا تھا اور کبھی اپنے ان تینوں آدمیوں کی طرف جنہیں میں نے کمرے کے ایک گوشے میں کھڑا کردیا تھا۔

"میں تمہارے لیے اجنبی ضرور ہوں مسٹر سیان چانگ لیکن دشمن نہیں۔ تمہارا دوست ہوں۔" میں نے کہا "اس وقت میں بہت بڑا خطرہ مول لے کر یہاں آیا ہوں۔ بات تمہارے فائدے کی ہے۔ کیا ہم تنہائی میں گفتگو کرسکتے ہیں؟"

"دوست اس طرح اسلحہ لے کر نہیں آتے۔" سیان چانگ نے کہا۔ میں نے انگریزی میں بات کی تھی اور اس نے جواب بھی انگریزی ہی میں دیا تھا۔

میں نے رائفل اس کے سامنے میز پر رکھ دی اور دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوگیا۔

"اگر تم ان لوگوں کو باہر بھیج دو تو ہم اطمینان سے بات کرسکتے ہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سیان چانگ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اپنے آدمیوں کو باہر جانے کا حکم دیا۔ جس شخص سے میں نے رائفل چھینی تھی، اس نے تیز لہجے میں کچھ کہا۔ جواب میں سیان چانگ کا لہجہ ایسا تھا جیسے اسے ڈانٹ رہا ہو۔ وہ تینوں باہر جانے لگے تو میں نے رائفل اٹھانے اور ان کی طرف اشارہ کیا۔ اس شخص نے رائفل اٹھالی اور ان تینوں کے ساتھ دونوں عورتیں بھی باہر نکل گئیں۔ وہ اب بھی سہمی ہوئی تھیں۔

میں بے تکلفی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ سیان چانگ بھی اپنی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" اس نے گھورتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر جیسے لہجے میں اسے اپنی آمد کا مقصد بتانے لگا۔

"کیا ضمانت ہے کہ تم میرے ساتھ دھوکا نہیں کرو گے۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولا۔

"اگر میں نے تمہیں قتل کرنا ہوتا تو یہ کام یہاں بھی بڑے اطمینان سے کرسکتا تھا۔" میں نے جواب دیا "تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ میں تمہارے آدمیوں کو کس طرح بے بس کرچکا تھا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری دوست کی زندگی خطرے میں ہے۔ کاراشان کو یقین دلانے کے لیے ضروری ہے کہ تمہیں حاشی کے سامنے قتل کیا جائے۔"

سیان چانگ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔"

ہم دونوں باہر آگئے۔ برآمدے کے سامنے اب پانچ چھ آدمی نظر آرہے تھے ان میں سپروائزر بھی تھا۔ وہ دونوں عورتیں برآمدے میں ایک طرف سہمی ہوئی کھڑی تھیں۔ سیان چانگ نے سپروائزر سے کچھ کہا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔

"اگر تم لوگ مائنڈ نہ کرو تو میں ایک فائر کردوں۔" میں نے جیب سے پستول نکالتے ہوئے کہا اور ہاتھ اونچا کرکے ایک ہوائی فائر کردیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے سیان چانگ کے گن مین کو اشارہ کردیا۔ اس نے بھی رائفل سے ایک ہوائی برسٹ مار دیا تھا۔

میں اور سیان چانگ کانیج کے پچھلی طرف نکل کر چائے کے پودوں میں پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ ہم دھیمے لہجے میں باتیں کررہے تھے۔

مقررہ جگہ تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ حاشی کس جگہ چھپی ہوگی۔ یہ اندازہ لگاتے ہی میں نے چیختے ہوئے سیان چانگ کو دبوچ لیا۔

"تمہاری زندگی کے دن پورے ہوچکے ہیں سیان چانگ۔" میں چیخا "اب دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجھ سے نہیں بچاسکتی۔"

جواب میں سیان چانگ بھی چیخا تھا اور پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے۔ ہم دونوں کے منہ سے غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ حاشی یہ سب کچھ دیکھ رہی ہوگی اور پھر سیان چانگ کے حلق سے نکلنے والی وہ چیخ بہت بھیانک تھی۔ میں اسے چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

پودوں کی سرسراہٹ سن کر میں ایک دم پیچھے مڑا۔ حاشی کسی چوہیائے کی طرح رینگتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے آرہی تھی۔

"کیا ہوا؟" اس کی سرگوشی میری سماعت سے ٹکرائی۔

"ختم ہوگیا۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا "میں نے اس کی گردن مروڑی ہے۔ تم بھی تسلی کرلو۔"

حاشی آگے آگئی اور جھک کر سیان چانگ کو دیکھنے لگی۔ تقریباً ایک منٹ تک اس کا معائنہ کرتی رہی۔ گردن کو بھی ہلا جلا کر دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ بہت آہستہ آہستہ میری طرف گھومی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ پستول کا رخ میری طرف تھا۔

"تمہارا کام ختم ہوگیا مسٹر اور اب تمہیں بھی ختم ہوجانا ہے۔" اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی۔

حاشی کی یہ حرکت میرے لیے غیر متوقع نہیں تھی۔ اس قسم کی کسی بھی صورت حال کے لیے میں پہلے ہی سے تیار تھا۔ آج صبح جب کاراشان نے کہا تھا کہ وہ کسی مقامی غنڈے سے بھی اپنے شوہر کو قتل کرواسکتی ہے لیکن اندیشہ یہ تھا کہ وہ بعد میں اسے بلیک میل کرتا رہے گا اس لیے وہ یہ کام مجھ سے لینا چاہتی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ میں منگ شوئی اور اس کے دو ساتھیوں کے قتل میں ملوث تھا اور پولیس کے پاس نہیں جاسکتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ مجھے یہاں سے چلے جانا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ کاراشان کسی قسم کا کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں ہوگی۔ میں کسی بھی وقت اس کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔ وہ مجھے کیسے زندہ چھوڑ سکتی تھی۔

"یہ... یہ کیا کررہی ہو تم؟" میں ہکلا کر رہ گیا۔

"مجھے مادام کا یہی حکم تھا کہ سیان چانگ کے قتل کے

بعد تمہیں بھی ٹھکانے لگا دیا جائے۔ وہ تمہیں زندہ رکھ کر اپنے لیے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی۔" حاشی نے کہا "تمہاری زندگی اتنی ہی تھی۔ اب تم بھی مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

اس نے پستول والا ہاتھ ذرا سا اوپر اٹھایا۔ اس کی انگلی یقیناً ٹریگر پر ہوگی لیکن اس سے پہلے کہ ٹریگر پر انگلی کا دباؤ ڈالتی میں حرکت میں آگیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میں نے مکمل طور پر اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی بلکہ میری اپ چاگی کک اس کے پستول والے ہاتھ پر لگی اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑتا ہوا پودوں میں کہیں جا گرا۔

اپ چاگی فرنٹ کک چاپا باکسنگ میں کک لگانے کا ایک انداز ہے۔ کھڑے کھڑے ایک ٹانگ کو سامنے کی طرف نیچے سے اوپر اس طرح حرکت دی جاتی ہے کہ پیر کی ٹو حریف یا اوبجیکٹ کو نشانہ بناتی ہے۔ میرے پیر کی ٹو حاشی کے ہاتھ کے نچلے حصے پر لگی تھی۔ جس سے اس کا ہاتھ اوپر کی طرف اٹھتا چلا گیا تھا اور پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔

حاشی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ اس کے اس حملے کے لیے میں تیار نہیں تھا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل گرا۔ حاشی میرے اوپر تھی۔ وہ مجھے پودوں میں رگیدتی ہوئی دور لے گئی۔

کاراشان نے مجھے بتایا تھا کہ حاشی ریڈ آرمی میں رہ چکی ہے۔ ہتھیاروں کے استعمال کے علاوہ وہ خالی ہاتھ لڑائی کے فن میں بھی ماہر ہوگی۔ اس نے جس طرح میرے اوپر چھلانگ لگائی تھی اور مجھے رگیدا تھا۔ اس سے مجھے اندازہ ہوگیا۔ کہنے کو تو وہ عورت تھی مگر اس کے ہاتھ پیر مردوں کی طرح مضبوط اور طاقت ور تھے۔

وہ میرے سینے پر سوار تھی اور دونوں ہاتھوں سے میرا گلا دبوچ رکھا تھا۔ میرے نرخرے پر اس کے انگوٹھوں کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا۔ اس کے منہ سے بلی جیسی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔

مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ پہلے میں اس کی گرفت چھڑانے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس کی گرفت آہنی شکنجے کی طرح مضبوط تھی۔ میں نے دونوں ہاتھ اس کی کلائیوں پر جما دیے اور دونوں پیر اس کی ٹانگوں میں پھنسا کر اسے آہستہ آہستہ اوپر اٹھانے لگا۔

میری یہ کوشش رائگاں نہیں گئی۔ وہ میرے اوپر سے الٹی قلابازی کھاتے ہوئے پیچھے گری۔ میں ایک ہاتھ سے سہلاتے ہوئے اٹھنے لگا۔ وہ مجھ سے زیادہ پھرتیلی ثابت ہوئی وہ نہ صرف مجھ سے پہلے سنبھل گئی بلکہ اس نے پیر کی ٹو ٹھوکر نے میری پسلیوں کو بھی سہلا دیا۔ میں کراہتا ہوا دوبارہ اٹھنے کی کوشش میں ایک اور ٹھوکر میرے کندھے پر لگی لیکن میں نے اسے تیسری ٹھوکر مارنے نہیں دیا۔

حاشی کا وار روک کر میں نے اس کے پہلو پر زور سائڈ کک لگا دی۔ وہ کراہتی ہوئی دہری ہوگئی۔ میری دوسری کک اس کے سینے پر اس طرح لگی کہ وہ چیختی ہوئی الٹی پیچھے گری۔ اس مرتبہ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے جیب سے پستول نکال لیا اور جھک کر اس کی نال حاشی کھوپڑی سے لگا دی۔

"اب اگر تم نے کوئی حرکت کی تو کھوپڑی اڑا دوں گا کھڑی ہوجاؤ اٹھ کر۔" میں نے غرا کر اسے حکم دیا۔

حاشی کراہتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ سہلا رہی تھی۔ کک شاید کچھ زیادہ ہی زور دار لگ گئی تھی۔ میں نہ تو اسے جان سے مارنا چاہتا تھا اور نہ ہی نقصان پہنچانا چاہتا تھا لیکن اس نے جس طرح بہادری دکھانے کی کوشش کی تھی اسے تھوڑی بہت سزا دینا ضروری ہوگیا تھا۔

ہم دونوں لڑتے ہوئے اس جگہ سے کافی دور نکل آئے تھے جہاں میں نے سیان چانگ کو ڈھیر کیا تھا۔

حاشی سینہ سہلاتی ہوئی نیچے بیٹھ گئی۔ اب مجھے تشویش ہونے لگی۔ میں اس کی پشت پر تھا۔ اسے دیکھنے کے لیے جھکے ہی نیچے جھکا اس نے پوری قوت سے دونوں کہنیاں میرے پیٹ میں ماردیں۔ میرے منہ سے اوغ کی آواز نکلی۔ میں دوہرا ہوگیا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔ اس دوران میں حاشی نے بھی اٹھنے کی کوشش کی لیکن میں نے موقع نہیں دیا اس مرتبہ دو چار کراری قسم کی ٹھوکریں رسید کردیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ بہت جان دار قسم کی عورت تھی۔ اس کا حوصلہ بھی قابل تعریف تھا۔ وہ آسانی سے ہتھیار ڈالنے والی نہیں تھی لیکن میں نے اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا۔

اسی دوران میں تقریباً سو گز دور کسی جگہ فائر کی آواز سنائی دی۔

"تمہارے باپ سیان چانگ کی تلاش میں اس طرف آرہے ہیں۔" میں نے زمین پر پڑی ہوئی حاشی کو ہلکی سی ٹھوکر مارتے ہوئے کہا "اگر وہ اس طرف آگئے تو ہم دونوں

گولیوں سے چھلنی کردیں گے۔ ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر یہاں سے نکل چلیں۔"

بات حاشی کی سمجھ میں آگئی۔ وہ بڑی پھرتی سے اٹھ گئی۔ اس مرتبہ اس نے میرے ساتھ کوئی پنگا لینے کی کوشش نہیں کی۔ وہ تیزی سے ایک طرف چلنے لگی۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

وین کا دروازہ لاک نہیں تھا۔ پہلے میں اندر داخل ہوکر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور پھر حاشی نے اسٹیئرنگ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کردیا اور پودوں میں یو ٹرن لیتے ہوئے وین کو واپسی کے لیے موڑ دیا۔

چائے کے باغات سے نکل کر سڑک پر آتے ہی حاشی نے وین کی رفتار بڑھا دی۔ اس کے منہ سے وقفے وقفے سے کراہیں بھی خارج ہورہی تھیں اور وہ بار بار سیٹ پر پہلو بدل رہی تھی۔ اسے کئی روز تک اپنے جسم کی سکائی کرنی پڑے گی۔

میں جانگی کے بارے میں سوچنے لگا۔ کاراشان نے مجھے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا تو مجھے شبہ تھا کہ وہ جانگی کو بھی بنگلے پر نہیں لائی ہوگی۔ اگر ایسا ہوا تو میرے لیے مزید مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔ جانگی کی بازیابی بہت ضروری تھی اس کے بغیر تو میں یہاں سے نکلنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

ہم جب بنگلے کے گیٹ پر پہنچے تو دس بجنے والے تھے۔ وین کے ہارن کے جواب میں گیٹ کاراشان نے کھولا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اسے حاشی کی واپسی کا بے چینی سے انتظار تھا۔

وین جیسے ہی گیٹ کے اندر داخل ہوئی میں پسنجرز سیٹ پر آگیا اور دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی۔ اس وقت کاراشان گیٹ بند کررہی تھی۔ میں نے دوڑ کر ایک ہاتھ سے اسے گرفت میں لے لیا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول اس کی کنپٹی سے لگا دیا۔ کاراشان بری طرح بوکھلا گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

"مجھے ایسے لوگوں سے سخت نفرت ہے جو وعدہ خلافی کرتے ہیں۔" میں نے غراتے ہوئے کہا "تم نے مجھے بھی مار ڈالنے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن میں بچ کر آگیا ہوں۔ جانگی کہاں ہے؟"

"وہ۔۔۔ وہ یہیں ہے۔" کاراشان ہکلائی "تت۔۔۔ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے کوئی وعدہ خلافی نہیں کی۔"

"ذرا حاشی کی طرف دیکھ لو جس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔" میں نے حاشی کی طرف اشارہ کیا جو چند گز دور وین سے اتر رہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے سینہ سہلا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات نمایاں تھے۔

حاشی کی حالت دیکھ کر کاراشان اچھل پڑی۔

"میں نے وعدے کے مطابق اس کے سامنے تمہارے شوہر کی گردن مروڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور پھر حاشی نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ اب یہ بے چاری کئی روز تک بستر سے نہیں اٹھ سکے گی۔ جانگی کہاں ہے۔ جلدی بتاؤ ورنہ تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔" میں نے کہا۔

"وہ۔۔۔ وہ یہیں ہے۔ ابھی بلاتی ہوں۔" کاراشان نے کہا اور چند گز دور کھڑی ہوئی ہوتین کو اشارہ کیا۔

ہوتین بنگلے کے اندر دوڑ گئی۔ چند منٹ بعد وہ جانگی کو لے کر واپس آگئی۔ جانگی کو دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ جانگی دوڑ کر میرے قریب پہنچ گئی۔

"بھگوان کا شکر ہے تم زندہ ہو۔" جانگی نے کہا "اس کتیا کا منصوبہ بہت خطرناک تھا۔ یہ لوگ مجھے تقریباً ایک گھنٹا پہلے پہاڑی والے کاٹیج سے واپس لے آئے تھے اور اس نے کہا تھا کہ تمہیں وہیں ختم کردیا جائے گا اور مجھے ہاتھ پیر باندھ کر دریا میں پھینک دیا جائے گا۔ اسے حاشی کی واپسی کا انتظار تھا کہ صورت حال کے مطابق اگلا قدم اٹھایا جائے۔ اب یہاں ایک منٹ رکنا بھی حماقت ہوگی۔ بھاگ چلو یہاں سے۔"

"تم وین اسٹارٹ کرکے اس طرف لے آؤ جانگی۔" میں نے کہا اور حاشی کی طرف دیکھنے لگا جو گھاس پر لیٹی ہوئی ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔

جانگی وین کی طرف دوڑ گئی اور پھر ایک منٹ بعد ہی وہ وین اسٹارٹ کرکے گیٹ کے قریب لے آئی۔ میں نے کاراشان کو پسنجرز سیٹ پر دھکیل دیا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"ہوتین وغیرہ سے کہہ دو کہ اگر انہوں نے فون پر پولیس کو اطلاع دینے کی کوشش کی تو تم زندہ نہیں بچو گی۔" میں نے کاراشان کے پہلو میں پستول کی نال گاڑتے ہوئے کہا۔

کاراشان نے چیخ کر ہوتین وغیرہ کو ہدایت کردی کہ وہ کوئی غلط حرکت نہ کریں۔ میرے اشارے پر جانگی نے وین آگے بڑھا دی۔

سڑک پر تقریباً پچاس گز آگے سنسان جگہ پر میں نے وین رکوالی اور کاراشان کو لے کر نیچے اتر آیا۔

"اگر تم نے اس وین کے بارے میں پولیس کو اطلاع دی تو ہمارے ساتھ تم بھی پھنسو گی۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ گھر جاکر خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔ ممکن ہو تو جاگتی آنکھوں سے کوئی اچھا سا خواب دیکھنا شروع کردو۔ آنے والا وقت تمہارے لیے بہت کچھ لے کر آرہا ہے۔" میں نے اسے دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا اور اچھل کر وین میں بیٹھ گیا۔

جانکی فوراً ہی وین کو حرکت میں لے آئی تھی۔ میں جانکی کو راستہ بتاتا رہا اور وہ گاڑی سڑکوں پر دوڑاتی رہی۔ بالآخر ہم دریا کا پل پار کرکے پہاڑیوں کی طرف جانے والی سڑک پر نکل آئے۔

"اس طرف کہاں۔ کوئی ٹھکانا ذہن میں ہے کیا؟" جانکی نے پوچھا۔

"اس طرف چائے کے باغات ہیں۔ سیان چانگ اپنے کانیچ میں ہمارا انتظار کررہا ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا مطلب!" جانکی کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر بہک گئے اور وین سڑک پر لہرانے لگی لیکن اس نے فوراً ہی قابو پالیا "سیان چانگ یعنی کاراشان کا شوہر۔ جسے تم قتل کرآئے ہو؟"

"میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ وہ اس وقت اپنے چائے کے باغ میں بیٹھا ہمارا انتظار کررہا ہے۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے بتانے لگا "میں نے حاشی کو دور ہی چھوڑ دیا تھا اور پھر کانیچ میں جاکر سیان چانگ سے ملاقات کرکے اسے کاراشان کی سازش سے آگاہ کردیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ ہم بھی مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میں نے اسے بڑی مشکل سے ایک ڈراما کرنے پر آمادہ کرلیا اور اسے اس جگہ لے آیا جہاں حاشی پودوں میں چھپی ہوئی تھی۔ منصوبے کے مطابق میں اور سیان چانگ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے اور وہ بڑی شرافت سے "ڈھیر" ہوگیا۔ حاشی نے اسے ہلا جلا کر دیکھ لیا کہ وہ واقعی مرچکا ہے۔ یہ اطمینان ہوجانے کے بعد حاشی نے میرے اوپر پستول تان لیا اور غرا کر کہنے لگی کہ کاراشان نے اسے مجھے قتل کردینے کا حکم دیا تھا لیکن میں اتنا شریف آدمی بھی نہیں ہوں کہ ایک عورت کے ہاتھوں مارا جاتا لیکن یہ اعتراف ضرور کروں گا کہ حاشی بڑی مشکل عورت ثابت ہوئی تھی۔ میں نے اس پر بڑی مشکل سے قابو پایا۔

"میری اور حاشی کی لڑائی سیان چانگ کی "لاش" کے آس پاس ہی ہوتی رہی لیکن مجال ہے جو اس کے جسم میں ذرا سی بھی حرکت پیدا ہوئی ہو۔ وہ تو غضب کا اداکار ثابت ہوا۔ واقعی مُردوں کی طرح اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔

بہرحال پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم اس کو کانیچ جارہے ہیں۔ وہ ایک دو دن میں ہماری آگے روانگی کا بندوبست کردے گا۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے واقعی اس کی گردن مروڑ دی ہو؟" جانکی نے کہا۔

"نہیں۔ میں نے تو اس کی گردن کو ہاتھ ہی نہیں لگایا تھا۔ بس اس کے کان میں سرگوشی کی تھی کہ اب وہ میرے ہاتھوں قتل ہوجائے۔ وہ بڑے بھیانک انداز میں چیختا ہوا ہو ہوگیا تھا۔"

"اور اگر یہاں بھی ہمارے ساتھ دھوکا ہوا تو؟" جانکی بولی "کاراشان بھی بڑی ہمدردی جتلا کر ہمیں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔"

"ایسے خدشات تو ہمیشہ ساتھ رہیں گے لیکن میرا خیال ہے کہ سیان چانگ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا۔ میں اس کی باتوں سے اندازہ لگا چکا ہوں کہ وہ ایک شریف آدمی ہے۔ کاراشان ہی بدکردار اور بدمعاش عورت ہے۔ وہ اس کی جائداد پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔" میں نے کہا۔

جانکی خاموش رہی۔ وین تیز رفتاری سے ویران اور سنسان سڑک پر دوڑی جارہی تھی۔ میں ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سامنے سڑک پر دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے جانکی کو وین کی رفتار ہلکی کرنے کو کہا۔ کچھ ہی آگے جانے کے بعد مجھے وہ موڑ نظر آگیا۔

"گاڑی بائیں طرف موڑ لو اور رفتار ہلکی رکھو۔ آگے راستہ ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے آگے موڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وین چائے کے باغات میں آڑھے ترچھے راستوں پر اچھلتی ہوئی چلتی رہی۔ تقریباً چالیس منٹ بعد نشیب میں ایک جگہ روشنیاں دکھائی دینے لگیں اور مزید پانچ منٹ بعد وین کانیچ کے سامنے رک گئی۔ تین چار مسلح آدمیوں نے وین کو گھیرلیا۔ جانکی نے انجن بند کردیا۔ پہلے میں نیچے اترا اور پھر جانکی بھی اتر آئی۔

سیان چانگ مجھے دیکھتے ہی کرسی سے اٹھ گیا۔ وہ دونوں عورتیں اب بھی اس کے کمرے میں موجود تھیں۔ سیان چانگ آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹ گیا۔

"اگر میں حاشی کی زبان سے سب کچھ نہ سن لیتا تو شاید مجھے تمہاری بات کا یقین نہ آتا۔" وہ کہہ رہا تھا "تم نے مجھے بہت بڑی تباہی سے بچالیا۔ میری زندگی بچالی۔ میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھول سکوں گا۔"

"میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔" میں نے جواب دیا "ہم خود اس عورت کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے۔ میں کسی بے گناہ کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا تھا۔ اگر میں تمہیں قتل بھی کردیتا تو پھر بھی اس کی سازش کا شکار ہوجاتا۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تمہارے قتل کے بعد وہ ہمیں بھی ٹھکانے لگانے کی کوشش کرے گی۔ میرا یہ شبہ درست نکلا۔ اگر میں محتاط نہ ہوتا تو حاشی مجھے موت کے گھاٹ اتار چکی ہوتی۔ بہرحال اب تمہیں اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔"

"میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔" سیان چانگ نے کہا "رات یہاں آرام کرو اس کے بعد جب چاہو گے میں تمہاری روانگی کا بندوبست کردوں گا۔"

"ہم کل ہی یہاں سے چلے جانا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" سیان چانگ نے کہا اور پھر سپروائزر کو بلا کر ہدایات دینے لگا کہ دوسرے کانیچ میں ہماری رہائش کا بندوبست کردیا جائے اور ہمارے کھانے پینے کا بھی انتظام کیا جائے۔

سپروائزر وہاں سے تقریباً بیس گز دور ایک اور ہٹ میں لے آیا۔ اسی ہٹ میں ایک کمرا تو سپروائزر کے تصرف میں تھا دوسرے میں ہمارے لیے شب بسری کا انتظام کردیا گیا۔ ہمیں کمرے میں چھوڑ کر سپروائزر ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کرنے چلا گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب ہم کھانا کھا رہے تھے تو دو گاڑیاں اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ گاڑیوں کی آواز لمحہ بہ لمحہ دُور ہوتی گئی۔

کھانے کے بعد جانکی تو جلد ہی سوگئی لیکن مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ شدید تھکن ہونے کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

اس کمرے میں اسپرنگ والا صرف ایک ہی بیڈ تھا جس پر جانکی سو رہی تھی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور جب بیٹھے بیٹھے کمر اکڑ گئی تو میں کرسی سے اٹھ کر جانکی کے ساتھ بیڈ پر لیٹ گیا اور بالآخر میری آنکھیں بھی نیند کے بوجھ سے بند ہونے لگیں۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ میں بیڈ سے اتر کر کمرے سے باہر گیا۔ گاڑی سیان چانگ کے کانیچ کے سامنے رکی تھی۔ سیان چانگ اور تین اور آدمی گاڑی سے اُترے۔ سیان چانگ تو اپنے کانیچ میں چلا گیا اور وہ تینوں آدمی اس ٹیلے کی طرف چلے گئے جس کے دوسری طرف مزدوروں کے ہٹس تھے۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ وہ دین مجھے نظر نہیں آئی تھی جس پر ہم یہاں آئے تھے۔

میں دوبارہ کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد دیر تک مجھے نیند نہیں آسکی تھی۔ میں سیان چانگ کے بارے میں سوچتا رہا کہ وہ کہاں گیا تھا۔

صبح سات بجے کے قریب ایک بار پھر میری آنکھ کھل گئی۔ جانکی بھی جاگ گئی تھی اور پھر کسی گاڑی کی آواز سن کر میں کمرے سے باہر آگیا اور دروازے کے قریب ہی رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آس پاس کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ سب لوگ شاید اپنے اپنے کام پر چلے گئے تھے۔ کاشتکار کسان وغیرہ سورج نکلنے سے پہلے ہی اپنا کام شروع کردیتے ہیں۔

گاڑی کی آواز اب بہت قریب سے سنائی دے رہی تھی اور پھر اچانک ہی ایک گاڑی سیان چانگ والے کانیچ کے پچھلی طرف سے گھوم کر سامنے آگئی۔

وہ پولیس کی گاڑی تھی۔ مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے ذرا سی گردن گھما کر جانکی کو پولیس کے بارے میں آگاہ کیا۔ وہ بستر سے اٹھ کر دروازے کے پیچھے دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑی ہوگئی۔

گاڑی سیان چانگ کے کانیچ سے ذرا آگے آکر رکی۔ چار پولیس والے نیچے اترے۔ دو وہیں کھڑے رہے اور دو تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے میری طرف آنے لگے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہوگئی تھی اور دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ دونوں پولیس والے بڑی تیزی سے میرے قریب آرہے تھے اور مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

دونوں پولیس والے میرے سامنے دو قدم کے فاصلے پر رک گئے۔ ان میں سے ایک نے تیز لہجے میں کچھ کہا مگر ایک بھی لفظ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے دوبارہ کچھ کہا مگر اس بار بھی کچھ نہ سمجھ پایا۔ اس نے آگے بڑھ کر مجھے بازو سے پکڑ لیا۔ میرے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ پولیس والے نے رائفل والے ہاتھ سے گاڑی کی طرف اشارہ کیا جہاں دوسرے دو پولیس والے کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ چلتے ہوئے میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا مگر آس پاس کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا۔ سیان چانگ رات کو کئی گھنٹوں کے لیے یہاں سے غائب رہا تھا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے شہر جا کر کاراشان سے ملاقات کی ہو اور کاراشان نے اسے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہو۔ کاراشان آخر اس کی بیوی تھی۔ ایسے رشتے آسانی سے تو نہیں ٹوٹتے البتہ سیان چانگ نے مجھے پولیس کے حوالے کرنے کا پروگرام بنالیا ہو۔ میں ان کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ میں اور جانکی بھکشوؤں کا بھیس بدل کر دھوکا دے رہے تھے اور پھر ہم پر تین آدمیوں کے قتل کا الزام تھا۔ یہ لوگ ہماری باتوں پر یقین کیوں کرنے لگے؟

میں جیسے جیسے سوچتا گیا' میرا ذہن الجھتا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میری بے چینی بھی بڑھتی رہی۔ اگر ہم پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو بچنے کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی تھی اور یہاں سے فرار کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا اگر ہماری طرف سے ایسی کوئی کوشش ہوتی تو یہ لوگ ہمیں گولیوں سے چھلنی کردیں گے۔

ہم گاڑی کے قریب پہنچ گئے۔ گاڑی کے قریب کھڑے ہوئے پولیس والوں میں سے ایک نچلے درجے کا آفیسر تھا۔ جس پولیس والے نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے اسی تیز لہجے میں کچھ کہا۔ میرا ہاتھ اب بھی اس کی گرفت میں تھا۔

آفیسر کی بھنویں تن گئیں۔ وہ چند لمحے میری طرف گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس نے بھی اسی لب ولہجے میں کچھ کہا۔ میں صرف ایک لفظ سمجھ سکا۔ سیان چانگ۔

"کیا بات ہے؟ مجھے کیوں پکڑا ہے۔ کیا چاہتے ہو تم؟ کس کی تلاش ہے تمہیں۔" میں نے مینڈرین زبان میں رک رک کر کئی سوال کرڈالے۔

آفیسر کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس نے اپنے ماتحت سے کچھ کہا' اس نے جلدی سے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ آفیسر میری طرف دیکھتے ہوئے مینڈرین میں بولا۔

"ہم مسٹر سیان چانگ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میرا یہ ماتحت تم سے اس کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا "کیا معاملہ ہے۔ تم اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟" میں مزید اطمینان کرلینا چاہتا تھا۔

"رات کو مسٹر سیان چانگ کی شروالی کوٹھی میں اچانک آگ بھڑک اٹھی تھی۔ کوٹھی کی آگ پر ابھی تک پوری طرح قابو نہیں پایا جاسکا لیکن اس کی مسز اور دو ملازم عورتوں کو نکال لیا گیا تھا مگر ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا۔ مسز سیان چانگ کا آدھا جسم تو جل کر راکھ ہوچکا ہے۔"

مجھے کلیجا منہ کو آتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ آندھیاں سی چلنے لگیں۔ ایک لمحے کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو کر رہ گئیں۔ میں نے سر کو دونوں دیے اور ہونٹوں کی طرح آفیسر کی طرف دیکھنے لگا۔

"مسٹر سیان چانگ کو اس افسوس ناک واقعے کی اطلاع دینا ضروری ہے۔ وہ کہاں ہے؟" آفیسر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں جیسے ہوش میں آگیا۔ انہیں وہیں رکنے کا کہہ کر اور سیان چانگ کے کاٹیج کی طرف دوڑ گیا۔ اس کے دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے دو تین مرتبہ دستک دی دروازہ کھلا۔ وہ ان دونوں عورتوں میں سے ایک تھی گزشتہ رات سیان چانگ کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس کے بکھرے ہوئے اور سرخ آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔

"سیان چانگ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

وہ جواب دینے کے بجائے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ میں اسے دھکا دیتے ہوئے اندر آگیا۔ کنگ سائز ڈبل بیڈ پر دوسری عورت آڑھی ترچھی سو رہی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ سیان چانگ کمرے میں موجود نہیں تھا۔ میں تیزی سے باہر نکل آیا۔ اس نے باہر پولیس کو دیکھ لیا تھا اور دوسرے ہی لمحے دروازہ بند کردیا۔

"میں اسے تلاش کرتا ہوں۔ وہ شاید پچھلی طرف ہے۔" میں نے پولیس آفیسر سے کہا اور اس ٹیلے کی طرف چلنے لگا جس کے دوسری طرف مزدوروں کے کاٹیجز تھے ٹیلے پر پہنچا ہی تھا کہ دوسری طرف سے سپروائزر دکھائی دیا۔

"کیا بات ہے مسٹر۔ تم بہت گھبرائے ہوئے ہو۔" سپروائزر نے کہا اور پھر پولیس کو دیکھ کر چونک گیا "اوہ! یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"شہر میں مسٹر سیان چانگ کی کوٹھی میں آگ لگ گئی۔ مسز سیان چانگ جل کر مرگئی ہیں۔ یہ لوگ ماسٹر کو اطلاع دینے آئے ہیں۔"

"اوہ!" سپروائزر کا چہرہ بھی دھواں ہوگیا "تم پاس چلو۔ میں ماسٹر کو لے کر آتا ہوں۔" وہ واپس مڑا میں دوبارہ پولیس والوں کے پاس آگیا اور پوچھنے لگا کہ آگ کیسے لگی تھی۔

"یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" آفیسر نے

کہا۔ "لیکن ہمارے آفیسرز کا خیال ہے کہ آگ شارٹ سرکٹ سے لگی تھی جو اچانک ہی بھڑک اٹھی اور ان تینوں عورتوں کے نکلنے کا موقع نہیں مل سکا۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر کوہانے بولا "لیکن تخریب کاری کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ مسٹر سیان چانگ کاروباری لوگ ہیں۔ ان کے کچھ دوست اور مسز سیان چانگ بھی ہوسکتے ہیں۔ لوگ جانتے ہیں کہ مسٹر سیان چانگ شہر میں موجود نہیں ہیں اور ہوسکتا ہے کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ آگ ان کے کسی دشمن نے لگائی ہو۔ بہرحال تحقیقات کے بعد ہی اصل بات سامنے آئے گی۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر سیان چانگ' سپروائزر اور دو تین اور آدمیوں کو ٹیلے کی طرف سے آتے دیکھ کر خاموش ہوگیا۔

سیان چانگ کو اپنے سامنے دیکھ کر تینوں پولیس والے اور آفیسر بھی مؤدب ہوگیا۔ آفیسر دھیمے لہجے میں اسے کوٹھی میں لگنے والی آگ کے بارے میں بتانے لگا۔ اس وقت سیان چانگ کا چہرہ بھی دھواں ہو رہا تھا۔

سیان چانگ اپنے کیبن میں چلا گیا اور چند ہی منٹ بعد واپس بھی آگیا۔ اس نے پولیس والوں سے کچھ کہا۔ وہ جلدی سے اپنے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ سیان چانگ اور سپروائزر کاٹیج کے پچھلی طرف چلے گئے۔ جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ دو تین آدمیوں کے ساتھ میں بھی ان کے ساتھ ہی اس طرف آگیا تھا۔

گاڑی کا دروازہ کھولنے سے پہلے سیان چانگ نے ایک ادھیڑ عمر عورت کو سپروائزر کی ذمے داریاں سونپ دیں اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہوسکتا ہے مجھے آج کا سارا دن اور رات بھی شہر ہی میں رہنا پڑے۔ تم لوگ آرام سے یہاں رہو۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں واپس آجاؤں تو تم لوگوں کی روانگی کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہارے آنے کے بعد ہی ہم کہیں جاسکیں گے۔" میں نے کہا۔

پولیس کی گاڑی آگے نکل چکی تھی۔ سیان چانگ کی گاڑی بھی اس کے پیچھے ہی روانہ ہوگئی۔

میں ان مزدوروں کے ساتھ واپس آگیا۔ جس عورت کو سپروائزر کی ذمے داری سونپی گئی تھی' اس کا نام کوبانا تھا۔ اس نے چوڑے پائنچے والا پاجامہ اور اوپن شرٹ پہن رکھی تھی۔ سر پر بالوں والا چوڑے چھجے کا ہیٹ تھا۔

"ہم نے ابھی تک ناشتا نہیں کیا۔ کچھ کھانے کو مل جائے گا؟" میں نے کوبانا کو روک کر کہا۔

"یہاں تو کچھ نہیں ملے گا۔ اس ٹیلے کے دوسری طرف بستی میں آجاؤ۔ میں بندوبست کردیتی ہوں۔" کوبانا کہتے ہوئے سیان چانگ والے کاٹیج کی طرف مڑگئی اور دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔

میں اپنے ہٹ کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا لیکن اس میں ذرا سی جھری تھی اور مجھے یقین تھا کہ جانکی دروازے کے دوسری طرف کھڑی اس جھری میں سے باہر کی صورت حال کا جائزہ لے رہی ہوگی۔ میں نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو وہ ایک طرف ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے دروازہ پوری طرح کھول دیا۔

جانکی کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کے چہرے پر ہلکے سے خوف کے تاثرات صاف نظر آرہے تھے۔

"خطرہ ٹل گیا ہے۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "بات وہ نہیں تھی جو ہم سمجھے تھے۔ معاملہ کچھ اور نکلا۔ پستول کو چھپالو۔ فی الحال ہمیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"کیا معاملہ تھا؟" مجھے مطمئن پاکر جانکی کے چہرے پر بھی طمانیت سی آگئی۔ اس نے پستول اپنے لباس کے اندر چھپالیا "پولیس یہاں کیوں آئی تھی اور میرا خیال ہے سیان چانگ ان کے ساتھ گیا ہے۔"

"سنو گی تو اچھل پڑو گی۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ جانکی میرے سامنے اسپرنگ والے بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی "کل رات تک ہم جس کوٹھی میں تھے گزشتہ رات اس میں پراسرار طور پر آگ لگ گئی۔ کاراشان اور اس کے ساتھ دو عورتیں بھی ایسی آگ میں جل کر راکھ ہوگئیں۔"

"کیا؟" جانکی واقعی اچھل پڑی۔

"یہ درست ہے۔" میں نے کہا "پولیس والے سیان چانگ کو اطلاع دینے اور اسے ساتھ لے جانے کے لیے یہاں آئے تھے۔"

"آگ کیسے لگی؟" جانکی نے پوچھا۔

"پولیس آفیسر کے کہنے کے مطابق آگ لگنے کی وجہ بجلی کا شارٹ سرکٹ ہوسکتا ہے۔ بعد میں تحقیقات ہوں گی لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ لوگ آگ لگنے کی اصل وجہ کبھی نہیں جان سکیں گے۔"

"کیوں؟" جانکی نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"اس کمرے میں آنے کے بعد تم تو جلدی سو گئی تھیں لیکن میں جاگتا رہا تھا۔ عجیب سی بے چینی تھی۔ تھکن کے باوجود نیند نہیں آرہی تھی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "آدھی رات کے قریب سیان چانگ کچھ آدمیوں کے ساتھ یہاں سے گیا تھا۔ وہ ہماری وین بھی لے گئے تھے۔ جو اس وقت موجود نہیں ہے۔ یہ لوگ صبح ہونے سے تقریباً ایک گھنٹا پہلے لوٹے تھے۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ آگ سیان چانگ نے لگائی ہوگی؟" جانکی بولی۔

"معاملہ سیان چانگ کی زندگی اور جائداد کا تھا۔" میں نے کہا "کاراشان سیان چانگ کی دوسری شادی سے خوف زدہ تھی۔ اسے کسی طرح پتا چل گیا تھا کہ سیان چانگ دوسری وصیت تیار کروا رہا ہے جس میں کاراشان کو ہر چیز سے محروم کردیا جائے گا۔ وہ وصیت پر دستخط ہونے سے پہلے سیان چانگ کو قتل کروا دینا چاہتی تھی تاکہ پرانی وصیت کے مطابق وہ خود واحد اور قانونی وارث قرار پائے۔ سیان چانگ کو قتل کرانے کے لیے اس نے مجھے بلیک میل کیا۔ اس کی تفصیل میں تمہیں بتا چکا ہوں اور جب سیان چانگ کو ہمارے ذریعے کاراشان کی سازش کا پتا چلا تو اس نے کاراشان ہی کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا اور اس نے اس فیصلے پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی اور میرے خیال میں یہ ہمارے حق میں بہتر ہی ہوا۔"

"وہ کیسے؟" جانکی نے پوچھا۔

"یہاں کی پولیس کو جنگل میں منگ شوئی اور اس کے ساتھیوں کے قتل کی اطلاع تو مل چکی تھی اور وہ مشتبہ بھگشوؤں کی تلاش میں بھی تھے لیکن کاراشان پولیس سے زیادہ چالاک نکلی اور وہ ہوکیانگ کی بستی تک پہنچ گئی اور ہمارے بارے میں سب کچھ معلوم کرلیا۔ اپنی انہی معلومات کے بل بوتے پر وہ ہمیں بلیک میل کررہی تھی لیکن ہمارا یہ راز بھی اس کے ساتھ ہی جل کر راکھ ہوچکا ہے۔ اب ہمیں کم از کم وہ پریشانی تو نہیں رہی۔"

"اور اگر سیان چانگ نے کوئی اور حرکت کردی تو؟" جانکی نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"وہ ایسا نہیں کرے گا۔" میں نے وثوق بھرے لہجے میں جواب دیا "مگر مجھے تو اس وقت بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ ناشتے کے لیے ہمیں ٹیلے کے دوسری طرف بستی میں جانا پڑے گا۔"

"چلو۔ بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔" جانکی کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

کاٹیج کے باہر ایک درخت کے نیچے پانی سے بھرا رکھا ہوا تھا۔ ہم دونوں نے اس ڈرم کے پانی سے دھوئے۔ اس وقت وہ دونوں عورتیں بھی سیان چانگ کاٹیج سے نکل کر اس طرف آتی ہوئی دکھائی دیں۔ ان دونوں نے کھلے پائنچے کے پاجامے اور سلیو گیر پہن رکھی تھیں۔ قریب پہنچ کر وہ دونوں ہماری طرف مسکرا دیں۔ وہ بھی مزدوروں کی بستی کی طرف جارہی ہم بھی ان کے ساتھ ہی ہولیے۔

تیس پینتیس مزدور ایک درخت کے نیچے بیٹھے کررہے تھے۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی چانگ کی کوٹھی میں آتش زدگی اور کاراشان کی ہلا کت سب تک پہنچ گئی تھی اور اس وقت وہ اپنا سارا کام اپنے اپنے انداز میں اسی خبر پر تبصرے کررہے تھے۔

کوبانا ہمیں ایک ہٹ میں لے گئی۔ وہ دونوں بھی ہمارے ساتھ ہی تھیں۔ ہٹ میں ایک میز پر ناشتہ منتظر تھا۔ تندور کی بیک کی ہوئی موٹی سی روٹی اور ہوا گوشت۔ جس میں مسالا برائے نام ہی تھا۔

ناشتے کے فوراً ہی بعد ہم اپنے کاٹیج میں واپس

وہ دن گزر گیا اور پھر رات بھی گزر گئی۔ سیان واپس نہیں آیا تھا۔ البتہ اگلے روز دوپہر کے وقت واپس آگیا۔ اس نے بتایا کہ ماسٹر کو دو تین دن مزید پڑے گا۔

سورج غروب ہونے سے پہلے ہی تمام مزدور واپس آگئے تھے۔ انہوں نے سپروائزر کو گھیر لیا اور آتش زدگی کے بارے میں پوچھنے لگے۔

دو دن اور گزر گئے۔ شہر سے آنے والے آدمی کہ سیان چانگ کو شہر میں چند روز لگیں گے۔ ہم یہاں ہوں۔ آرام سے یہاں رہیں۔

ان تین چار دنوں کے دوران میں چیکو اور میکو ان دونوں عورتوں سے جانکی کی دوستی ہوگئی تھی۔ ان میں سے کسی کی عمر بھی تیس سے زیادہ نہیں تھی اور حسین ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ دونوں کی رہنے والی تھیں اور سیان چانگ اپنا دل بہلانے انہیں خاص طور پر یہاں لے کر آیا ہوا تھا۔

جانکی اب تک تو میکسی نما وہی لباس پہنے رہی اس نے کاراشان کے بنگلے میں پہنا تھا مگر چیکو نے ایک پینٹ اور شرٹ دے دی تھی۔ وہ دونوں قد

تقریباً ایک جیسی تھیں اس لیے جانکی کو یہ کپڑے تقریباً فٹ آگئے تھے۔

یہاں سخت بوریت تھی۔ میں سپروائزر کے ساتھ گھومتا رہتا اور جانکی سر پر چوڑے چھجے کا ہیٹ جمائے پشت پر مخصوص طرز کی بنی ہوئی لمبی سی ٹوکری لگائے دوسرے مزدوروں کے ساتھ باغ میں چائے کی پتیاں چنتی رہتی۔

دس دن گزر گئے۔ اس دوران میں سیان چانگ ایک مرتبہ خود بھی آیا تھا لیکن صرف ایک دو گھنٹوں کے لیے۔ اس نے بھی مجھے تسلی دی تھی کہ ہم پریشان نہ ہوں۔ جیسے ہی شہر کے معاملات سے فارغ ہوگا وہ یہاں آکر ہماری روانگی کا بندوبست کردے گا۔ کوٹھی میں آتشزدگی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس آگ میں تین عورتیں جل مری تھیں جن میں ایک اس کی بیوی تھی۔ وہ دولت مند آدمی تھا اور اس چھوٹے سے شہر میں ایک معزز مقام رکھتا تھا۔ شہر کے لوگ اس واقعے پر اظہار افسوس اور اس کی بیوی کی تعزیت کے لیے اس کے پاس آرہے تھے۔ اس کے علاوہ آتشزدگی سے کچھ قانونی الجھنیں بھی پیدا ہوگئی تھیں جنہیں سلجھانا بہت ضروری تھا۔

سیان چانگ گیارھویں دن واپس آیا تو اس کی گاڑی کے پیچھے سیاہ رنگ کی ایک اسٹیشن ویگن بھی تھی جس میں دو آدمی تھے۔

وہ رات بھی ہمیں وہیں گزارنی پڑی اور پھر صبح سویرے ہی سیان چانگ نے ہمیں رخصت کردیا۔ چیکو اور میکوشی بھی اسی وین میں ہمارے ساتھ جارہی تھیں۔ سیان چانگ نے مجھے ایک بڑی رقم دی تھی جو میں نے یہ سوچ کر قبول کرلی کہ کام آئے گی۔ اب ہم بھگشوؤں کے بھیس میں نہیں تھے اور سیان چانگ کے کہنے کے مطابق ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

"میرے یہ دونوں آدمی شاؤیانگ تک تمہارے ساتھ جائیں گے۔" سیان چانگ نے کہا تھا "راستے میں کوئی گڑبڑ ہوگی تو یہ سنبھال لیں گے۔ شاؤیانگ سے آگے چیکو تمہاری مدد کرے گی۔"

ہم سورج نکلنے سے پہلے ہی روانہ ہوگئے۔ شاؤیانگ کی طرف جانے والی ہائی وے تک پہنچنے کا ایک راستہ تو یہ تھا کہ ہم ڈانگ کو جاتے اور وہاں سے ہائی وے کی طرف نکلتے لیکن ڈرائیور نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔

اس خطے میں چھوٹے بڑے دریاؤں کی بہتات تھی۔ ان کے نام کچھ اس قدر مشکل تھے کہ کم از کم میرے لیے انہیں یاد رکھنا ممکن نہیں تھا۔ ہماری وین ایک دریا کے ساتھ ساتھ گاؤشانای قصبے کی طرف دوڑتی رہی۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں ہم گاؤشا پہنچے اور وہاں سے دوسری سڑک پر مڑ گئے۔ مزید ایک گھنٹا سفر کرنے کے بعد ہم مین ہائی وے پر پہنچ گئے۔ ڈرائیور نے بتایا کہ یہاں سے شاؤیانگ تقریباً سات گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے اور میرے اندازے کے مطابق ہمیں چار یا پانچ بجے تک شاؤیانگ پہنچ جانا چاہیے تھا۔

ہائی وے پر بسوں، مال بردار ٹرکوں اور پرائیویٹ گاڑیوں کی آمدورفت تھی لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی اس لیے ڈرائیور کو تیز رفتاری سے گاڑی چلانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔

اس علاقے میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں جن کے دامن میں چائے کے باغات تھے لیکن تین گھنٹے بعد ہم نے سبزے کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اب ہمارے چاروں طرف بنجر اور ویران پہاڑیاں تھیں۔ بعض پہاڑیاں تو بہت بلند تھیں۔

ڈرائیور کے ساتھ پسنجرز سیٹ پر اس کا ساتھی موبائنگ بیٹھا ہوا تھا۔ میں جانکی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر اور چیکو اور میکوشی ہم سے پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

شیطان صفت
دستِ انتقام
سبز قدم
اسیرِ ہوس
قانونی پیچیدگیاں عدالتی کارروائی کے اہم موڑ و نکات۔
زن، زر اور زمین کے تنازعوں سے نمٹنے والے قدیمات
ایک بینائز ڈوی ایس پی کی پیشہ ورانہ زندگی کی پیچیدہ گتھیوں کی روداد
جرم و سزا کی وہ کہانیاں جو انسانی حرص و ہوس کا آئینہ ہیں
قیمت فی کتاب -/60 روپے ڈاک خرچ فی کتاب -/23 روپے
چار کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ -/29 روپے
کتاب کی قیمت، مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں
کتاب سیلز کلب
7200 آئی آئی چندریگر روڈ کراچی
Kitabistan1970@yahoo.com

ایک بجے کے قریب وین ایک چھوٹے سے اسٹاپ پر رک گئی۔ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ چند دکانیں اور دو تین ریسٹورنٹس تھے۔ ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتے ہوئے یہ اطلاع ملی کہ تقریباً تیس میل آگے ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے ہائی وے پر لوٹ مار مچا رکھی ہے اور اس وقت آگے جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ ہمیں تقریباً دو گھنٹے وہاں رکنا پڑا اور جب مخالف سمت سے آنے والی ایک گاڑی میں سوار لوگوں سے اطلاع ملی کہ راستہ صاف ہے تو ہم فوراً ہی روانہ ہوگئے۔

تقریباً ایک گھنٹا ہائی وے پر سفر کرنے کے بعد سامنے سڑک پر بڑے بڑے پتھر دیکھ کر ڈرائیور نے گاڑی روک لی۔ اس کی آنکھوں میں تشویش اُبھر آئی۔ اس کے ساتھی نے جیب سے پستول نکال لیا اور وہ دونوں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

سڑک پر پتھر دیکھ کر میرا بھی ماتھا ٹھنکا تھا۔ شاہراہوں پر عام طور پر اس طرح روڈ بلاک کرکے لوٹ مار کی وارداتیں کی جاتی تھیں۔ میں نے بھی پستول نکال لیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

دونوں طرف بنجر اور ویران پہاڑیاں تھیں۔ کسی ذی روح کا نام و نشان تک نظر نہیں آرہا تھا لیکن میری چھٹی حس خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔

ڈرائیور اور موبانگ کچھ دیر تک تیز لہجے میں آپس میں مشورہ کرتے رہے اور بالآخر ڈرائیور نے وین سڑک سے اتار کر پہاڑیوں میں ایک تنگ سے راستے پر موڑ لی۔

"دو ڈھائی میل ان پہاڑیوں میں چلتے رہنے کے بعد ہم دوبارہ ہائی وے پر نکل آئیں گے۔" ڈرائیور نے بتایا "لیکن تم لوگ سیٹوں سے نیچے ہو کر بیٹھ جاؤ۔ ہو سکتا ہے۔۔۔"

پہاڑیوں میں گونجتی ہوئی فائر کی آواز سے اس کا جملہ مکمل نہ ہو سکا۔ ڈرائیور کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور وہ اسٹیئرنگ کے ساتھ دروازے کی طرف لڑھک گیا۔ اس کی پیشانی سے خون کا فوارہ بہہ نکلا تھا۔ سامنے کسی جگہ سے چلائی جانے والی گولی ونڈ اسکرین میں سوراخ کرتی ہوئی اس کی کھوپڑی میں گھس گئی تھی۔

جانکی، چیکو اور میکوشی چیخ اٹھیں۔ وین بے قابو ہو کر ایک چٹان سے ٹکرا گئی۔ میرا سر بڑے زور سے اگلی سیٹ سے ٹکرایا اور میرا دماغ جھنجنا اٹھا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل پاتا، فضا ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس مرتبہ گولیاں گاڑی کے مختلف حصوں پر لگی تھیں۔ ونڈ شیلڈ بھی دھماکوں سے پھٹ گئے تھے۔ موبانگ نے دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول سے اندھا دھند فائرنگ کرنے لگا اور پھر اس کی خوفناک چیخ سنائی دی۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی۔ وہ لہراتا ہوا نیچے گرا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

"سیٹوں کے نیچے دبکی رہو۔ اٹھنے کی کوشش مت کرنا۔" میں نے چینی زبان میں چیخ کر چیکو اور میکوشی سے کہا اور جانکی کو بھی سیٹ پر دبائے رکھا۔

میرے پاس پستول موجود تھا مگر مقابلے کی کوشش کرنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہوتی۔ ہم چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے اور ان لوگوں کو چیلنج کرنا خود کشی کے مترادف ہوتا۔

تقریباً دو منٹ خاموشی میں گزر گئے اور پھر بائیں طرف سے ایک دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ہمیں وین سے اترنے کا حکم دیا جا رہا تھا اور ساتھ ہی یہ وارننگ بھی دی گئی تھی کہ اگر ہم میں سے کسی نے غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔

"حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" میں کہتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔

چیکو اور میکوشی کے چہرے بالکل زرد ہو رہے تھے۔ وہ دونوں خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

میں نے پستول جیب میں ڈال لیا۔ دروازہ کھلا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر نیچے اتر آیا۔ میرے پیچھے جانکی اور پھر چیکو اور میکوشی بھی اتر آئیں۔ چند سیکنڈ بعد ہی مختلف سمتوں سے پانچ آدمی سامنے آگئے۔ ان کے پاس آٹومیٹک رائفلیں تھیں اور ہم ان رائفلوں کی زد پر تھے۔

وہ لوگ آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھتے رہے اور جب وہ قریب پہنچے ان میں ایک آدمی کو دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

وہ ہلکیان تھا۔ جرائم پیشہ بھکشو۔ جس کی وجہ سے چین میں ہمارے لیے مصیبتوں کا دَور شروع ہوا تھا اور آغا بتا رہے تھے کہ یہ صورت حال مزید آگے چلے گی۔

ہلکیان کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی اور میرے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔

ہلکیان نے جانکی کی طرف دیکھا اور مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رک کر رائفل کا رخ میرے سینے کی طرف کر لیا۔ اس کی انگلی ٹریگر پر تھی اور مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ہلکیان کی انگلی کی معمولی سی حرکت کسی بھی وقت میری زندگی کا خاتمہ کر سکتی تھی۔

"نہیں۔" ہلکیان نے رائفل نیچے جھکا لی "میری تم سے ایسی کوئی دشمنی تو نہیں کہ تمہیں موت کے گھاٹ اتارنے کی ضرورت پیش آئے۔ معمولی سا جھگڑا تھا ہم دونوں کا۔ اگر تم اس تھیلے اور اس میں موجود چند ہزار یوآن کی رقم کو بھول جاتے تو بات آئی گئی ہو جاتی۔ مگر۔۔۔" وہ چند لمحے کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "مگر مجھے ڈانگ کو خنجر سے ہلاک کرتے ہوئے دیکھ کر تم نے مجھے خنجر کی نوک پر رکھ لیا تھا۔ اپنے آپ کو خطرے میں دیکھ کر مجھے مجبوراً پستول نکالنا پڑا تھا۔ میں اس وقت تم دونوں کو ایک ایسی جگہ پر لے جانا چاہتا تھا جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ ہوتا اور ہم اطمینان سے بیٹھ کر یہ جھگڑا طے کر لیتے مگر برا ہو اس گاڑی کا جو عین وقت پر اس طرف آگئی تھی۔ تمہاری ساتھی نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے مجھے مجبوراً گولی چلانی پڑی۔ تمہاری یہ ساتھی میری گولی سے تو بچ گئی مگر کار سے ٹکرا گئی۔ یہ خوش قسمت ہے کہ کار سے ٹکرانے کے بعد بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا اور میں بد قسمت ثابت ہوا کہ تم لوگوں سے بچ نکلنے کے بعد مجھے ایک بار پھر شکاری نے گھیرنے کی کوشش کی۔"

"شکاری!" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا "لیکن میری اطلاع کے مطابق وہاں سے تقریباً دو میل دور تم نے کسی آدمی کو لوٹنے کی کوشش کی تھی اور مزاحمت کرنے پر تم نے قتل کر کے بھاگ گئے تھے۔"

"قتل کی حد تک تمہاری اطلاع درست ہے مگر اس کا پس منظر تمہیں معلوم نہیں، میں بتاتا ہوں۔" ہلکیان نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "وہاں سے بھاگنے کے بعد میں ایک نیم تاریک گلی میں جا رہا تھا کہ ایک آدمی نے اچانک ہی تاریکی سے نکل کر خنجر کی نوک میرے پہلو سے لگا دی۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم نے مجھے خنجر کی زد پر لیا تھا۔ بعض لوگ بھکشوؤں کے بارے میں اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ان کے پاس بڑی دولت ہوتی ہے۔ بھیک مانگ کر پیٹ بھر لیتے ہیں اور جو نقد رقم لوگوں سے ملتی ہے، اسے جان سے لگائے رکھتے ہیں۔ میرے بارے میں بھی اس شخص کا یہی خیال تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میرے کندھے سے لٹکا ہوا تھیلا یوآن کے نوٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ رہزن تھا مگر اسے شکار کی شناخت نہیں تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شکاری خود شکار کے ہاتھوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ بہرحال۔" اس نے ایک بار پھر خاموش ہو کر گہرا سانس لیا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میں تو پکڑے جانے کے خوف سے پولیس سے چھپتا رہا اور تمہارے بارے میں سنا کہ تم لوگ اس دولت مند عورت کی کوٹھی میں عیش کر رہے ہو جس کی کار سے تمہاری یہ ساتھی ٹکرائی تھی۔ میرے لیے کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ نہ کوئی عبادت گاہ اور نہ کسی سرائے کا رخ کر سکتا تھا۔ پولیس بڑی سرگرمی سے اس بھکشو کو تلاش کر رہی تھی جس کے ہاتھوں ایک شریف شہری مارا گیا تھا۔

"اگر اس رات مجھے یہ شریف آدمی نہ مل جاتا تو میں آہنی سلاخوں کے پیچھے بند ہو چکا ہوتا۔" اس نے دائیں طرف کھڑے ہوئے پستہ قامت۔۔۔ اور بھاری بھرکم چینی کی طرف اشارہ کیا "یہ چو آن ہے۔ ڈاکوؤں کے اس چھوٹے سے گروہ کا سردار۔ محض اتفاق سے ہی ہمارا آمنا سامنا ہو گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ پولیس کو ایک قاتل بھکشو کی تلاش ہے۔ اس نے جس طرح مجھ سے سوالات کیے تھے، اس سے مجھے شبہ ہو گیا کہ یہ بھی کوئی شریف آدمی نہیں ہے۔ میں نے اسے بتا دیا کہ میں وہی بھکشو ہوں جو پولیس کو مطلوب ہے۔ یہ مجھے اپنے ساتھ دریا کے پار پہاڑیوں میں لے گیا جہاں ان دنوں انہوں نے اپنا ٹھکانا بنا رکھا تھا۔ ویسے ان کا کوئی مستقل ٹھکانا نہیں ہے۔ یہ شہروں میں وارداتیں نہیں کرتے۔ شاہراہوں پر سفر کرنے والے مسافروں کو لوٹتے ہیں اور ٹھکانے کیا ملاقاتے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اس نے مجھے اپنے گروہ میں شامل ہونے کی پیشکش کی جسے میں نے فوراً ہی قبول کر لیا۔ ویسے بھی میں زندگی کی یکسانیت سے اکتا چکا تھا۔ بھیک مانگ کر کھانا، لوگوں کو دھوکا دے کر لوٹنا اور عبادت گاہوں میں راتیں بسر کرنا۔ کوئی مزہ نہیں رہا تھا اس زندگی میں۔ زیادہ رقم بھی نہیں ملتی تھی جبکہ اس نئی زندگی میں ایکشن ہے، ہنگامہ ہے، تھرل ہے۔ جب ہم ہائی وے پر کسی گاڑی کو روکتے ہیں تو اس میں سوار لوگ ہمیں دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگتے ہیں اور اگر کوئی بہادری دکھانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے جسم میں کہیں نہ کہیں ایک چھوٹا سا رنگین سوراخ کر دیا جاتا ہے۔ جسے دیکھ کر دوسرے لوگ ہمارے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور گڑگڑا کر رحم کی بھیک مانگنے کے علاوہ اپنا سب کچھ ہمارے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہیں۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ کتنا تھرل ہے اس زندگی میں۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ پکڑے جانے کا بھی خوف نہیں۔ کسی ہائی وے پر دور دور تک پولیس کا نام و نشان نہیں ہوتا اور جب کسی قصبے کی پولیس کو اطلاع ملتی ہے تو ہم جائے واردات سے میلوں دور پہنچ چکے ہوتے ہیں۔"

میں خاموش کھڑا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے

اس نے یہیں کھڑے کھڑے اپنے کارناموں کی تفصیل بتانے کا پروگرام بنا رکھا ہو۔ اس کی باتیں سن کر چیکو اور میکوشی کے چہروں پر زردی کچھ اور گہری ہوگئی تھی جیسے ہلدی لیپ دی گئی ہو۔ جانگی عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کچھ دن پہلے ہم نے ڈانگ کو کے دوسری طرف کچھ وارداتیں کیں پھر اس طرف آگئے۔ ایک واردات ہم نے کل ڈانگ کو سے چند میل کے فاصلے پر کی تھی اور ایک واردات تم لوگوں کے آنے سے... چند گھنٹے پہلے کرچکے ہیں لیکن مزہ نہیں آیا۔ ہم نے سوچا تھا کہ آخری واردات کرکے شاؤ یانگ کی طرف نکل جائیں گے۔ چو آن کا کہنا ہے کہ شاؤ یانگ اور ہنگ یانگ کی درمیانی شاہراہ پر بڑا مال ملتا ہے۔ ہنگ یانگ میں ائرپورٹ ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے دولت مند لوگ اس شاہراہ پر سفر کرتے ہیں۔ بڑا مال ہے وہاں۔ اس طرف تو ہم وقت ہی ضائع کرتے رہے۔

"تم لوگوں کے آنے سے پہلے ہم نے جو واردات کی تھی اس میں بھی کچھ زیادہ نہیں ملا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ اس وقت بھی ہمیں مایوسی ہی ہوگی لیکن دنیا کی سب سے قیمتی دولت اس وقت میرے سامنے موجود ہے۔" اس نے خاموش ہو کر پہلے جانگی اور پھر چیکو اور میکوشی کی طرف دیکھا۔

"یہ سردار چو آن بڑا عقل مند آدمی ہے۔" وہ بولتا رہا "لوگوں کو لوٹنے کے لیے بڑے بڑے نفسیاتی حربے استعمال کرتا ہے۔ شاہراہ بلاک کی تھی تو اسے یقین تھا کہ اس طرف جو بھی گاڑی آئے گی' روڈ بلاک دیکھ کر اسی کچے راستے پر نکلنے کی کوشش کرے گی یا واپسی کا راستہ اختیار کرے گی۔ اگر تمہارا ڈرائیور عقل مند ہوتا تو سڑک پر سے ایک آدھ پتھر ہٹا کر راستہ بناتا اور سیدھا نکل جاتا لیکن وہ اس راستے پر نکل آیا جہاں ہم تیار بیٹھے تھے۔ پہلا وار ہم کرتے ہیں تاکہ دوسرے دہشت زدہ ہوجائیں اور انہیں کچھ سوچنے کا موقع بھی نہ ملے۔ ویسے یہ بات میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھی کہ یہاں تم سے آمنا سامنا ہوجائے گا۔ ڈرو نہیں۔ میری تمہاری ایسی دشمنی بھی نہیں ہے کہ تمہاری جان لینے کی کوشش کروں۔ دراصل میں اور میرے ساتھی کئی روز سے اس نعمت کے لیے ترسے ہوئے ہیں۔" اس نے جانگی وغیرہ کی طرف اشارہ کیا "ان پہاڑوں میں اندر جا کر کہیں ایک آدھ روز آرام کریں گے اور پھر ہمارے اور تمہارے راستے الگ الگ ہوجائیں گے۔ تم لوگ کہاں جانے کے لیے آزاد ہوگے۔"

ممکن ہے ہکسیان رکے بغیر کچھ اور بھی بولتا رہتا مگر سردار چو آن کی وجہ سے اسے اپنی زبان کو بریک لگانا پڑا۔ وہ چند لمحے خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"سردار چو آن کا خیال ہے کہ ہمیں زیادہ دیر یہاں نہیں رکنا چاہیے۔ ہماری وین انہی پہاڑیوں میں ذرا آگے کھڑی ہے۔ تم لوگوں کو زیادہ نہیں چلنا پڑے گا لیکن... پہلے اپنا خنجر میرے حوالے کردو۔"

میں نے جھک کر پنڈلی پر بندھا ہوا خنجر نکالا اور خاموشی سے اس کے حوالے کردیا۔ یہ غنیمت ہے کہ اسے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ میرے اور جانگی کے پاس پستول بھی ہوسکتے ہیں۔ اس نے ہمیں رائفل کی زد پر لے کر ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا اور ساتھ ہی اپنے دو ساتھیوں کو بھی اشارہ کردیا۔

وہ دونوں بڑی تیزی سے وین کی طرف بڑھے۔ ایک تو ڈرائیور اور موبانگ کی لاشوں کے لباس کی تلاشی لینے لگا اور دوسرا وین میں گھس گیا تھا۔ دو منٹ بعد وہ چیکو اور میکوشی کا سوٹ کیس لے کر باہر آگیا۔ سوٹ کیس زمین پر رکھ کر اس نے ایک جھٹکے سے تالا توڑ دیا اور ڈھکنا اٹھا کر تلاشی لینے لگا۔ وہ کپڑے اٹھا اٹھا کر باہر پھینکتا رہا۔ کپڑوں کے نیچے نوٹوں کے بنڈل رکھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ہی جیولری باکس بھی تھا۔ اس نے نوٹوں کے بنڈل اور جیولری باکس اٹھا کر سردار چو آن کے حوالے کردیے اور سوٹ کیس کو زوردار ٹھوکر مار کر دور اچھال دیا۔ سردار نے جیولری باکس اور نوٹوں کے بنڈل کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں رکھتے ہوئے کچھ کہا تو وہی مختصر سا چیکو اور میکوشی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ان دونوں کے گلوں میں طلائی لاکٹ تھے۔ اس نے دونوں لاکٹ کھینچ لیے۔ ان دونوں نے اپنی اپنی انگلیوں سے انگوٹھیاں اتار کر خود ہی لٹیرے کے حوالے کردیں۔ ان دونوں سے فارغ ہو کر وہ جانگی کی طرف متوجہ ہوگیا مگر یہاں اسے مایوسی ہوئی۔ جانگی کے جسم پر کوئی زیور نہیں تھا۔ اس نے لاکٹ اور انگوٹھیاں بھی سردار کے حوالے کردیں۔ اس دوران میں دوسرا آدمی بھی لاشوں کے لباس کی تلاشی لے چکا تھا۔ اس نے بھی ان کی جیبوں سے برآمد ہونے والی رقم سردار کے حوالے کردی اور پھر ہمارا مارچ شروع ہوگیا۔

دو آدمی ہم سے بیس گز آگے تیز تیز چل رہے تھے۔ سردار اور ہکسیان ہم سے تین چار قدم پیچھے تھے۔ ان پانچوں ساتھی سب سے پیچھے تھا۔

ہکسیان نے ٹو پینٹ اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ البتہ

ان ڈاکوؤں کے لباس بالکل مختلف تھے۔ جسم کے زیریں حصے پر جو کچھ پہن رکھا تھا' اسے پاجامہ یا پتلون نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اس قسم کے ٹراؤزر ریس کے گھوڑوں کے جوکیوں کو پہنے ہوئے دیکھا تھا۔ گھٹنوں کے اوپر سے کسی قدر پھولا ہوا اور نیچے پنڈلیوں کے قریب پائنچے ٹانگ سے بالکل چپکے ہوئے۔ سائڈ پنڈلیوں کے قریب پائنچے تک لمبی زپ لگی ہوئی تھی جس سے پائنچوں کو تنگ یا کھلا جاسکتا تھا۔ اوپر پوری آستین والی جیکٹیں تھیں۔ کھلا سا عجیب سی ٹوپیاں جنہیں بوقتِ ضرورت نیچے کھینچ کر سروں پر چھپایا جاسکتا تھا۔ ہر شخص کے سینے پر کراس کرتے ہوئے بیلٹ تھے جن میں رائفلوں کی گولیاں بھری ہوئی تھیں۔

تقریباً بیس منٹ بعد ہم رک گئے۔ دائیں طرف سڑک سے ذرا ہٹ کر دو چٹانوں کے درمیان ایک کشادہ کٹاؤ میں ایک اسٹیشن ویگن کھڑی تھی جس کے چاروں طرف ایسی رنگ برنگی تصویریں بنی ہوئی تھیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس ویگن کا تعلق کسی سرکس سے ہے۔

ہم چاروں کو ایک سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ سردار ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اس سے پچھلی سیٹ پر ہکسیان ایک آدمی کے ساتھ بیٹھ گیا اور پانچواں آدمی ہماری سیٹ کے پیچھے فرش پر بیٹھ گیا تھا جہاں تیل کے تین گیلن اور کچھ اور چیزیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔

وین اس کٹاؤ سے نکل کر پتھریلے راستے پر دوڑنے لگی۔ تقریباً تین گھنٹوں تک وین رکے بغیر چلتی رہی۔ اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ڈرائیور نے ہیڈ لیمپس روشن کرلیے۔ اس کے بعد بھی وین اس ویرانے میں تقریباً ایک گھنٹے تک چلتی رہی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ انہیں کسی خاص ٹھکانے پر پہنچنا تھا اور بالآخر وین پہاڑیوں میں ایک اور تنگ سے راستے پر مڑ گئی۔ چٹانوں میں دو تین چکر کاٹنے کے بعد وین رک گئی اور ہمیں نیچے اتار کر رائفلوں کی زد پر لے لیا گیا۔ تقریباً پندرہ منٹ ان چٹانوں میں چلنے کے بعد ہم ایک غار میں داخل ہوگئے۔

غار کافی کشادہ تھا اور غالباً اکثر استعمال میں رہتا تھا۔ ایک آدمی نے ٹارچ روشن کرکے وہاں پر پہلے سے موجود مشعلیں جلالیں۔ غار کے فرش پر چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف پتھروں سے بنا ہوا چولھا اور اس کے پاس لکڑیوں کا ڈھیر بھی لگا ہوا تھا۔

ہمیں ایک دیوار کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ ایک ڈاکو نے ہم سے چند گز دور بیٹھ کر ہم پر رائفل تان لی۔ سردار سامنے والی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اور اپنے آدمیوں کو مختلف احکامات جاری کرنے لگا۔ یہ لوگ وین کی چھت سے پانی کا ہیں گیلن والا ایک کین' ایک پتیلی' ایک کیتلی اور ایک تھیلا بھی اٹھا لائے تھے۔ جس میں چاولوں کے علاوہ کچھ برتن بھی موجود تھے۔

چولھے میں آگ جلائی گئی اور چاول پکانے کی تیاری شروع کردی گئی۔ ہکسیان سردار کے قریب بیٹھا ٹھسر پھسر کررہا تھا۔

چاول اُبالتے وقت تھوڑا سا نمک بھی ڈال دیا گیا تھا۔ آدھے گھنٹے میں چاول تیار ہوگئے جو اس وقت کی خوراک تھی۔

ڈاکوؤں کا یہ گروہ اس قسم کا سارا سامان ساتھ لے کر چلتا تھا اور انہوں نے جگہ جگہ ایسے خفیہ ٹھکانے بھی بنا رکھے تھے جہاں تھوڑے بہت انتظامات پہلے ہی سے موجود تھے۔

کھانا کھانے کے بعد سردار نے آج دن بھر کی لوٹ کا مال اپنے سامنے ڈھیر کرلیا۔ ایک گھنٹے تک حساب ہوتا رہا اور پھر اس مال کی تقسیم شروع ہوگئی۔ ہر ڈاکو اپنے حصے کی رقم اپنی جیکٹ کے اندر کی خفیہ جیبوں میں چھپانے لگا۔ ہکسیان کے حصے میں اچھی خاصی رقم آئی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے ایک لاکٹ پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس نے مختصر سے عرصے کے اندر اس گروہ میں اپنے لیے اچھی خاصی جگہ بنالی تھی۔

غار کا دہانہ اگرچہ تنگ تھا لیکن اندر سے کافی کشادہ تھا۔ دائیں طرف ایک کشادہ کٹاؤ تھا جو اندر کی طرف لمبائی میں بھی چھ سات فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ پچھلے حصے میں ایک جگہ تقریباً تین فٹ اوپر ایک اور تنگ سا دہانہ تھا۔ جہاں سے بیک وقت ایک آدمی ہی اندر داخل ہوسکتا تھا لیکن لگتا تھا اندر سے وہ غار بھی کافی کشادہ ہوگا۔ کیونکہ کھانا کھانے کے کچھ ہی دیر بعد ایک آدمی مشعل لے کر اس دہانے میں چلا گیا تھا اور اندر کافی دیر تک اس کے قدموں کی آوازیں سنائی دیتی رہی تھیں۔ وہ آدمی مشعل اوپر والے غار میں چھوڑ کر ہی واپس آگیا تھا۔

سردار چو آن اور ہکسیان بدستور سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ میں کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا اور میں نے نوٹ کیا تھا کہ دو آدمی چیکو وغیرہ کو گھور رہے تھے۔ انہیں اس طرح گھورتے دیکھ کر میرے ذہن میں جو اندیشہ ابھرا تھا' وہ غلط نہیں تھا۔ ان میں سے ایک آدمی اٹھ کر ہمارے قریب آگیا۔ وہ چند لمحے تینوں عورتوں کو گھورتا رہا اور

پھر میکوشی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگا۔ میکوشی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔ میں سمجھ گیا اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اگرچہ میں اس کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا مگر خاموش بھی نہیں بیٹھا رہ سکتا تھا۔ وہ شخص قہقہے لگاتے ہوئے میکوشی کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا میکوشی چیختے ہوئے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کررہی تھی۔ اس کی چیخیں سن کر دوسرے آدمی بھی قہقہے لگانے لگے۔

میری قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ میں نے بڑی پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس شخص کے منہ پر زوردار گھونسا جڑ دیا۔ وہ شخص میکوشی کا ہاتھ چھوڑ کر چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ اس کے منہ سے خون بہہ نکلا تھا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر ایک ڈاکو نے میرے اوپر رائفل تان لی اسی لمحے ہکسیان چیخ اٹھا۔ جواب میں رائفل بردار بھی کچھ بھونکا تھا۔ سردار نے بھی چیخ کر کچھ کہا تو اس شخص نے بڑی پھرتی سے رائفل کو نال کی طرف سے پکڑلیا اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا اس نے رائفل کے بٹ سے دو تین وار کردیے۔ ایک ضرب میرے شانے پر لگی اور دو تین ضربیں کمر پر۔ ہکسیان تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اس شخص کو پکڑ کر گھسیٹتا ہوا پیچھے لے گیا۔

صورتِ حال خاصی کشیدہ ہوگئی تھی۔ ہر ڈاکو نے رائفل تان لی تھی۔ میں جانکی کے قریب زمین پر گرا ہوا تھا۔ میں نے جس شخص کو گھونسا مارا تھا' وہ چند لمحے خوں خوار سی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر جیکٹ کی آستین سے ہونٹ پونچھتا ہوا آگے بڑھا۔ میری طرف دیکھتے ہوئے چیخ کر کچھ کہا اور دوبارہ میکوشی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگا۔

"یہ کہہ رہا ہے کہ پہلے تو اس لڑکی کو الگ لے جانا چاہتا تھا لیکن اب جو کچھ بھی کرے گا تم لوگوں کے سامنے کرے گا۔ واہ! کیا منظر ہوگا۔" ہکسیان نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور قہقہے لگانے لگا۔

وہ آدمی میکوشی کو گھسیٹتا ہوا غار کے کٹاؤ میں لے گیا۔ میکوشی چیختے ہوئے مزاحمت کررہی تھی لیکن اس شخص نے دو تین منٹ کے اندر اندر اس کے کپڑے پھاڑ دیے۔ میکوشی نے اس کے بازو پر دانت گاڑ دیے۔ اس شخص نے زور دار جھٹکا دیا تو میکوشی اس کٹاؤ کے باہر دوسرے آدمی کے قریب گری۔

میں اپنی جگہ پر پڑا بے بسی سے میکوشی کی طرف دیکھ رہا تھا اور پھر میں نے دیکھا کہ قریب ہی دیوار پر لگی ہوئی مشعل کی روشنی میں اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے نہایت جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قریب بیٹھے ہوئے شخص کی رائفل جھپٹ لی اور اس کا رخ کٹاؤ میں کھڑے ہوئے آدمی کی طرف کرکے ٹریگر دبادیا۔

غار فائر کے ساتھ اس آدمی کی چیخ سے بھی گونج اٹھی۔ گولی اس شخص کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر لگی اور وہ ڈھیر ہوگیا۔

ایک لمحے کو سناٹا سا چھا گیا اور اس سے پہلے کہ میں سوچ سکتا۔ غار ایک بار پھر فائر اور چیخ کی آواز سے گونج اٹھا۔ یہ چیخ میکوشی کی تھی۔ دائیں طرف بیٹھے ہوئے ڈاکو کی کھوپڑی اڑادی تھی۔

میں پھرتی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جانکی اور چیکو مجھ سے لپٹ گئیں۔ میری آنکھوں میں دہشت سی ابھر آئی تھی۔

غار میں چند لمحے سکوت سا رہا اور پھر دو آدمی اچانک ہم پر ٹوٹ پڑے۔ وہ لاتوں اور گھونسوں سے ہم تینوں کی تواضع کرتے رہے۔ جانکی اور چیکو کی چیخیں غار میں گونج رہی تھیں اور پھر سردار کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ ان دونوں نے ہمیں چھوڑ دیا۔ سردار نے پھر چیخ کر کچھ کہا اور ہم تینوں کو والے غار میں دھکیل دیا گیا۔

یہ غار نیچے والے غار سے زیادہ کشادہ تھا لیکن اس کی زمین ہموار نہیں تھی۔ کہیں چھوٹے چھوٹے گڑھے تھے تو کہیں چار پانچ چھ انچ اونچے پتھر ابھرے ہوئے تھے۔ اگر زمین ہموار ہوتی تو یہ غار زیادہ محفوظ ہوتا۔

نیچے والے غار سے شور کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سب چیخ چیخ کر آپس میں باتیں کررہے تھے۔ ان میں ہکسیان کی آواز بھی شامل تھی۔ میں غور سے وہ آوازیں سننے لگا۔ سب چیخ چیخ کر بول رہے تھے۔ ان کی باتوں سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ڈاکو ہکسیان کو اپنے ساتھی کی موت کا ذمے دار ٹھہرا رہے تھے۔ جو ہمیں یہاں لے کر آیا تھا۔ ان کے خیال میں ہم سب کو وہیں ختم کردینا چاہیے تھا۔

ان کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ جھگڑا بڑھے گا۔ ہکسیان اس گروہ کا آدمی نہیں تھا۔ نیا نیا ان کے ساتھ شامل ہوا تھا اور میرے اندازے کے مطابق وہ ان سب پر حاوی ہونے کی کوشش کررہا تھا اور اب اس کی وجہ سے ان کا ایک آدمی بھی مارا گیا تھا۔

اس قسم کی صورتِ حال سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔ ہمارے پاس دو پستول تھے۔ ایک میرے پاس اور ایک جانکی اور چیکو کو اشارہ کرتا ہوا دراڑ کی طرف بڑھ گیا۔

دراڑ خاصی تنگ تھی۔ میں دیواروں کے ساتھ گھستا ہوا بڑی مشکل سے اندر داخل ہوسکا تھا۔ میرے پیچھے چیکو اور اس کے پیچھے جانکی تھی۔

تقریباً بیس گز تک ہم اسی طرح دراڑ.... کے ساتھ گھستے ہوئے چلتے رہے۔ آگے جاکر بائیں طرف مڑتے ہی دراڑ کچھ کشادہ ہوگئی تھی۔ میں ٹنول ٹنول کر آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک جگہ رک گیا۔

ہم ایک موڑ گھوم کر اچانک ہی کھلی جگہ پر نکل آئے تھے۔ میں کچھ دیر تک ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر بڑے بڑے پتھروں کا سہارا لیتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ چیکو اور جانکی بھی میری پیچھے پیچھے آرہی تھیں۔ ہم تو ایسی کٹھنائیوں کے عادی ہوچکے تھے مگر چیکو کی زندگی میں شاید اس قسم کا یہ پہلا موقع تھا۔ چٹانوں سے اترتے ہوئے اس کے منہ سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

تقریباً دس منٹ بعد ہم چٹان سے اتر آئے اور پھر اچانک ہی فائرنگ کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ یہ آوازیں چٹان کے دوسری طرف سے آئی تھیں لیکن چاروں طرف گونجتی ہوئی سی محسوس ہورہی تھیں۔

چیکو کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑلیا اور ہم پتھروں میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے ایک طرف دوڑنے لگے۔ ایک بہت بڑے چٹان نما پتھر کے اوپر سے گھومتے ہی چیکو لڑکھڑا کر گر گئی۔ میں اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا مگر اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور منہ سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

"اے۔ وہ دیکھو۔ اس طرف۔"

جانکی کی چیختی ہوئی آواز سن کر میں چونک گیا۔ ہم سے تقریباً پندرہ گز کے فاصلے پر وین کھڑی تھی۔ دوسری طرف فائرنگ کی آوازوں میں بھی اب شدت آگئی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ڈاکوؤں میں پھوٹ پڑگئی تھی اور وہ آپس ہی میں لڑ پڑے تھے۔ یہ تو میں دیکھ ہی چکا تھا کہ ہکسیان کو سردار کی حمایت حاصل تھی۔ ہوسکتا ہے وہ دونوں ایک طرف ہوں اور دوسرے دو ڈاکو بغاوت کرکے ان سے الگ ہوگئے ہوں اور ان دونوں پارٹیوں میں فائرنگ کا تبادلہ ہورہا ہو اور مجھے یقین تھا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی وین کی طرف آنے ہی والا ہوگا۔

"جانکی۔" میں چیخا "جلدی کرو۔ وین تک پہنچو۔ اگر ان میں سے کوئی وین تک آگیا تو ہم یہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔ میرے پستول میں چار گولیاں تھیں' اگر جانکی کا پستول بھرا ہوا بھی ہو تو کل دس گولیاں ہوتی تھیں۔ یہ غار ہمارے لیے محفوظ تھا۔ ہم تنگ سے دہانے سے فائرنگ کرسکتے تھے لیکن وہ چار آدمی تھے۔ ہماری طرف سے پہلا فائر ہوتے ہی ہوشیار ہوجاتے۔ ہوسکتا ہے ہمارے ہاتھوں ان میں سے ایک آدھ مارا بھی جاتا لیکن ہم بھی یہاں سے زندہ نہیں نکل سکتے تھے۔

میں مقابلے کا خیال ذہن سے نکال کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چٹان کے کافی اندر ہونے کے باوجود اس غار میں گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ کسی طرف سے تازہ ہوا آرہی تھی۔

دہانے کے قریب ہی دیوار پر مشعل لگی ہوئی تھی۔ اس سے ذرا ہٹ کر چیکو دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ مشعل کی روشنی میں اس کا چہرہ کچھ اور بھی زرد ہورہا تھا۔ میکوشی کی موت نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا اور شاید اپنی موت بھی سامنے نظر آرہی تھی۔ اس کے بدن پر کپکپاہٹ واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ جانکی اگرچہ بیسیوں مرتبہ اس قسم کی خوفناک صورتِ حال سے دوچار ہوچکی تھی لیکن اس وقت اس کے چہرے پر بھی خوف کے ہلکے سے تاثرات نظر آرہے تھے۔

ادھر ادھر دیکھتے ہوئے میری نظریں غار کے آخر میں ایک تنگ سی دراڑ پر جم گئیں۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس دراڑ کے قریب پہنچ گیا۔ اس طرف سے تازہ ہوا آرہی تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ دراڑ کسی کھلی جگہ پر کھلتی تھی۔

"جانکی!" میں نے اس کے قریب پہنچ کر سرگوشی میں کہا "اس تنگ سی دراڑ سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہوسکتا ہے اس غار سے باہر نکلنے کا موقع نکل جائے۔"

"اگر اس دراڑ سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہوتا تو یہ لوگ ہمیں یہاں بند نہ کرتے۔" جانکی نے جواب دیا "یہ لوگ اکثر یہاں آتے رہتے ہیں اور انہیں اس دراڑ کے بارے میں بھی معلوم ہوگا۔"

"لیکن ہوسکتا ہے انہوں نے اس حوالے سے کبھی توجہ نہ دی ہو۔ ہمیں ایک کوشش تو کرنی چاہیے۔" میں نے کہا۔

"اگر یہاں سے نکلنے کا موقع مل جائے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔" جانکی نے کہا۔

میں نے دہانے کے قریب آڑ میں کھڑے ہو کر نیچے جھانکنے کی کوشش کی۔ ان میں کوئی نظر تو نہیں آیا تاہم ان لوگوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں

گے۔"

جانکی وین کی طرف دوڑی۔ میں نے چیکو کو کندھے پر لادا اور وین کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

وین کے دروازے لاک نہیں تھے۔ اس ویرانے میں دروازے لاک کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں قریب پہنچا تو جانکی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ میں نے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر چیکو کو پسنجرز سیٹ پر ڈال دیا اور خود بھی اندر گھس گیا۔

فائرنگ کی آوازیں قریب آرہی تھیں۔ جانکی انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش کررہی تھی مگر انجن اسٹارٹ ہو کر نہیں دے رہا تھا اور بالآخر پانچویں کوشش پر انجن اسٹارٹ ہوا۔ آگے جانے کا راستہ نہیں تھا۔ جانکی یوٹرن لیتے ہوئے وین کو واپس گھمانے لگی اور پھر اسی وقت ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"چچو آن۔ بھاگو۔ وہ وین لے جارہے ہیں۔"

یہ ہلکسان کی آواز تھی۔

"ہری اپ جانکی۔" میں چیخا۔

جانکی نے کلچ پلیٹ پر سے پیر ہٹالیا۔ وین مینڈک کی طرح اچھل کر آگے بڑھی اسی لمحے چٹانیں ایک بار پھر تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھیں۔ اس مرتبہ وین پر فائرنگ کی گئی تھی۔ کئی گولیاں وین کے پچھلے حصے پر کسی جگہ لگیں۔ جانکی نے ایکسی لریٹر پر پیر کا دباؤ ڈال دیا۔ وین پتھریلے راستے پر اچھلتی ہوئی دوڑنے لگی اور پھر چٹان کے ساتھ موڑ گھومتے ہی ہم گولیوں کی زد سے محفوظ ہوگئے۔

یہ تنگ سا راستہ تھا۔ تاریکی میں تیز رفتاری کسی خوفناک حادثے کا سبب بھی بن سکتی تھی۔ جانکی نے ہیڈ لیمپس روشن کرلیے اور اس خطرناک راستے پر وین کو اسی تیز رفتاری سے دوڑاتی رہی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہم کشادہ راستے پر پہنچ گئے۔ جانکی نے وین روک لی۔

"اب مجھے یاد نہیں کہ ہم لوگ کس طرف سے آئے تھے۔" جانکی کہتے ہوئے دائیں بائیں دیکھنے لگی۔

"دائیں طرف موڑ لو۔ میرا خیال ہے ہم اسی طرف سے آئے تھے۔" میں نے کہا۔

جانکی نے وین اس طرف موڑ لی اور رفتار بڑھاتی چلی گئی۔ میں دروازے کے ساتھ ٹکا ہوا تھا اور چیکو میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ وہ اس طرح تھر تھر کانپ رہی تھی جیسے جاڑے سے بخار آگیا ہو۔ اس کے دانت بھی بج رہے تھے۔

یہ خوف کی انتہا تھی۔ پہلے اس نے ہمارے ساتھی ڈائیور سے آنے والے ڈرائیور اور اس کے ساتھی کو ڈاکوؤں کی گولیوں سے مرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر غار میں میکوشی کو اس کی آنکھوں کے سامنے تڑپتے اور جان دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے والی لڑکی کے لیے یہ صورتِ حال بہت ہی خوفناک تھی۔

میں نے اسے اپنے ساتھ لپٹالیا اور اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

"ہم خطرے سے نکل آئے ہیں چیکو۔ اب ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ سراسر زیادتی ہے وجدان۔" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میری موجودگی میں تم اسے اپنے سینے سے لگا رہے ہو اور۔۔۔"

"اور تم جل کر کباب ہوئی جارہی ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"جلتی ہے میری جوتی۔" جانکی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "اب دیکھوں گی میں، تم میرے سامنے کس طرح مزا کرتے ہو۔"

"ایسا موقع نہیں آئے گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

جانکی مجھے گھور کر رہ گئی اور پھر سامنے دیکھنے لگی۔

وین تقریباً ایک گھنٹے تک دوڑتی رہی۔ اس دوران چیکو بھی بڑی حد تک اپنے آپ پر قابو پاچکی تھی۔ میں کوشش کررہا تھا کہ گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں بات نہ کی لیکن ظاہر ہے اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چیکو میکوشی کو یاد کرکے رونے لگی اور پھر باتوں میں یہ پتا چلا کہ دونوں آپس میں کزنز تھیں۔ میکوشی اس سے دو سال بڑی تھی۔ وہ دونوں کلب ڈانسرز تھیں۔ اس پیشے میں رہتے ہوئے عورتوں کے لیے اپنے آپ کو بچائے رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ یہ دونوں بھی سیان چانگ جیسے دولت مندوں کا دل بہلانے کا کھلونا بن گئیں۔ کسی مرد کے بستر کی زینت بننا دونوں کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ بکاؤ ضرور تھیں لیکن لوٹ کا مال نہیں تھیں۔ ڈاکوؤں نے تو انہیں لوٹ کا مال ہی سمجھا تھا اور میکوشی نے مزاحمت کرتے ہوئے جان دے دی تھی۔

ہمیں ان پہاڑیوں میں سفر کرتے ہوئے تین گھنٹے ہوگئے تھے۔ جس وقت ڈاکو ہمیں ہائی وے سے لے کر روانہ ہوئے تو شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ تقریباً چار گھنٹوں کے سفر کے بعد اس غار تک پہنچے تھے۔ تقریباً دو گھنٹے غار میں گزارے تھے اور اب سفر کرتے ہوئے تین گھنٹے ہوچکے تھے اور یہ رات کا آخری پہر تھا۔

"ہم غلط راستے پر تو نہیں نکل آئے؟" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت جلدی خیال آگیا تمہیں۔" میں نے کہا "اب واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہتر ہے کہ اسی راستے پر چلتے رہو۔ کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جائیں گے۔"

"اور اگر پہاڑیوں ہی میں بھٹکتے رہے تو؟" جانکی بولی۔

"دیکھا جائے گا۔" میں نے کندھے اچکا دیے۔

آدھا گھنٹا مزید چلنے کے بعد وین کے انجن سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں۔ جانکی نے وین روک لی۔ عجیب سے پہلا انکشاف تو یہ ہوا کہ ٹینکی میں پیٹرول ختم ہوچکا تھا۔ اس کی زیادہ پریشانی اس لیے نہیں تھی کہ تیل کے کین بھرے ہوئے رکھے تھے۔ لیکن انجن کی آوازوں نے پریشان ضرور کردیا تھا۔ اگر اس میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی تو ہم یقیناً ان ویران پہاڑوں میں بھٹکتے رہیں گے۔

چیکو میرے کندھے پر سر رکھے سوگئی تھی۔ میں نے اسے جگا دیا اور ہم لوگ وین سے اتر آئے۔ وین میں بیٹھے بیٹھے ٹانگیں بھی جیسے جُڑ گئی تھیں۔ میں تھوڑی دیر تک ٹہلتا رہا اور پھر جانکی کے قریب ہی پتھر پر بیٹھ گیا۔ جانکی کا خیال تھا کہ وین پہلے بھی چار گھنٹے چلتی رہی تھی اور اب بھی تین گھنٹوں سے مسلسل دوڑ رہی تھی۔ شاید انجن گرم ہوجانے کی وجہ سے ایسی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔

آدھے گھنٹے بعد انجن پہلی ہی کوشش میں اسٹارٹ ہوگیا لیکن اس مرتبہ ہم زیادہ دور نہیں جاسکے تھے۔ پہاڑیاں ختم ہوگئی تھیں لیکن ان پہاڑیوں کے ختم ہوتے ہی زوردار دھماکا ہوا اور وین لڑکھڑانے لگی۔

چیکو اچھل کر میرے ساتھ لپٹ گئی۔ اس دھماکے سے میں بھی بدحواس ہوگیا تھا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔ دھماکے کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی تھی۔ وین کا آگے کا ایک ٹائر برسٹ ہوگیا تھا۔ جانکی نے وین روک لی اور ہم نیچے اتر آئے۔

اس وقت صبح کا ملگجا سا اُجالا پھیلنے لگا تھا اور سامنے بہت دور نشیب میں سرسبز وادی پھیلی ہوئی تھی۔ ابھی دن کی روشنی پوری طرح نہیں پھیلی تھی اس لیے اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ کوئی جنگل تھا یا کھیت وغیرہ تھے۔

وین کے پچھلے حصے میں ٹول بکس تو موجود تھا مگر فاضل ٹائر نظر نہیں آرہا تھا۔ میں دروازے کے پائدان پر پیر رکھ کر کھڑا ہوگیا۔ چھت پر فاضل ٹائر بھی رکھا ہوا تھا جسے میں نے کھینچ کر نیچے پھینک دیا لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ بھی پنکچر تھا اور ہمارے لیے بیکار تھا۔

یہاں تک پہنچ کر یہ بات تو ہم جان گئے تھے کہ غار سے فرار ہونے کے بعد ہم نے غلط راستے کا انتخاب کیا تھا کیونکہ جس ہائی وے پر ہم سفر کرتے رہے تھے وہاں دور دور تک سبزے کا نام و نشان تک نہیں تھا اور یہاں ہمارے سامنے نشیب میں سرسبز وادی پھیلی ہوئی تھی۔

دن کی روشنی پھیلتی جارہی تھی۔ ہم تینوں پتھروں سے ٹیک لگائے بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں غرق تھے۔ میں چیکو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک بار پھر خوف کے سائے پھیل گئے تھے۔ وہ ایسے حالات کی عادی نہیں تھی۔ مجھے وہ وقت یاد آگیا جب برما کی سرحدی بستی سے نکلنے کے بعد میں اور جانکی تین دن تک پہاڑوں میں بھٹکتے رہے تھے اور پھر اس کے کئی روز بعد دو دن تک لوگوں کی نظروں سے چھپتے ہوئے وھان کے کھیتوں میں بھوکے پیاسے بھٹکتے رہے تھے بالآخر ایک ٹوٹی پھوٹی عبادت گاہ میں پناہ مل گئی تھی۔ جہاں ہم رات کو تربوز کھا کر سوئے تھے اور صبح ہمیں ہوکیانگ اور ایں کے ساتھیوں نے گھیر لیا تھا۔ ہم تو کئی برسوں سے اسی قسم کے حالات سے دوچار تھے۔ کئی مرتبہ موت کے جبڑوں میں پھنسے تھے اور اب ہم ایسی مشکلوں کے عادی ہوگئے تھے لیکن چیکو کے لیے یہ ایک تکلیف دہ صورتِ حال تھی۔

چیکو اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگی اور پھر اچانک ہی وہ چیخ اٹھی۔ میں نے اور جانکی نے بیک وقت اس کی طرف دیکھا۔ وہ چیخنے والے انداز میں کچھ کہتے ہوئے ایک طرف اشارہ کررہی تھی۔ ہم دونوں اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گئے اور پھر میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

نشیب میں تاحدِ نگاہ دھان کے کھیت پھیلے ہوئے تھے اور بہت اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین چار جگہوں سے دھوئیں کی لکیریں سی اٹھتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ کوئی چھوٹی سی بستی تھی۔

وین میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو ہم ساتھ لے جاسکتے۔ ہمارا اثاثہ دو پستول تھے جن میں ایک میرے پاس تھا اور دوسرا جانکی کے پاس۔ چیکو بالکل خالی ہاتھ تھی۔ وہ سیان چانگ سے جو کچھ کما کر لائی تھی ڈاکوؤں کے قبضے میں جاچکا تھا۔ اندوہناک یادوں کے سوا اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

ہم فوراً ہی نشیب میں اترنے لگے۔ دور دور تک زرد رنگ کی کانٹے دار جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں جن میں چلنا

مشکل ہو رہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد دھان کے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کے مزید ایک گھنٹے بعد ہم بستی میں پہنچ سکے تھے۔

دس بارہ گھروں پر مشتمل بہت مختصر سی بستی تھی۔ کسانوں نے ہمیں گھیر لیا۔ چیکو نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ ہماری گاڑی خراب ہوگئی تھی اور ہم بھٹکتے ہوئے اس طرف آنکلے ہیں۔ اس نے پہاڑوں کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی ڈاکوؤں کی بات کی تھی جس سے میں سمجھ گیا کہ وہ اصل بات کو چھپانا چاہتی ہے اس لیے میں نے بھی اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھی۔

ہمیں اس چھوٹی سی بستی میں کھانے کو بھی مل گیا اور آرام کرنے کا موقع بھی۔ اس بستی کا سربراہ ساٹھ سالہ ایک بوڑھا تھا۔ جس کی شکل وبیت نام کے انقلابی لیڈر ہوچی منہ سے ملتی جلتی تھی۔ اس نے بتایا کہ یہاں سے دس میل دور لانگ ہوئی نامی قصبہ ہے جہاں سے پچاس میل آگے شاؤ یانگ کا بڑا شہر ہے۔

اس بوڑھے کا مشورہ تھا کہ ہم آج کا دن اور رات اس بستی میں رہیں اور کل صبح چلے جائیں لیکن ہم رکنا نہیں چاہتے تھے۔ ہم نے بوڑھے سے اصرار کیا کہ وہ ہمیں لانگ ہوئی کی طرف جانے والا راستہ بتادے۔

"ٹھیک ہے۔" بوڑھے نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "اگر تم لوگ آج کا دن رک جاتے تو کل صبح میں تمہیں ٹریکٹر گاڑی پر بھیج دیتا لیکن بہرحال دس میل کا فاصلہ تم جیسے نوجوان کے لیے زیادہ بھی نہیں ہے۔"

ہم لوگ بستی سے باہر آگئے۔ دو عورتیں اور کچھ بچے بھی ہمارے ساتھ تھے۔

"یہ راستہ سیدھا لانگ ہوئی کی طرف جاتا ہے۔" بوڑھے نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آگے بھی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ ممکن ہے وہاں سے تمہیں کوئی سواری مل جائے۔"

ہم اس بوڑھے، عورتوں اور بچوں کا شکریہ ادا کرکے وہاں سے روانہ ہوگئے۔ ہم تازہ دم ہوچکے تھے۔ پیٹ بھی بھرچکا تھا۔ اس لیے ہمارے چلنے کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اس وقت دس بجے کا وقت ہوگا۔ تیز دھوپ چمک رہی تھی لیکن غنیمت تھا کہ اس کشادہ راستے کے دونوں طرف درخت تھے جن کے سائے میں ہم چل رہے تھے۔

چیکو میرے اور جانگی کے درمیان چل رہی تھی۔ جانگی نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

"تم نے اس بوڑھے کو اصل بات کیوں نہیں بتائی تھی۔" میں نے چیکو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم ان کمیونسٹوں کو نہیں جانتے۔" چیکو نے جواب دیا "اگر میں انہیں بتادیتی کہ ہم ڈاکوؤں کی قید سے فرار ہوئے ہیں اور تین قتل بھی ہوچکے ہیں تو یہ لوگ ہمیں بستی سے بھی نہ دیتے۔ ہمیں کسی نہ کسی بہانے یا زبردستی روک لیتے اور لانگ ہوئی سے پولیس کو بلوا کر ہمیں ان کے حوالے کردیتے اور پھر تم لوگ یہاں کی پولیس سے بھی واقف نہیں ہو۔ ایک بہت معمولی سے جرم میں بھی کسی کو پکڑوایا جائے تو اسے جان چھڑانی مشکل ہوجاتی ہے۔"

"لیکن شاؤ یانگ پہنچ کر تو تمہیں پولیس کو سب کچھ بتانا پڑے گا۔" میں نے کہا "سیان چانگ کے دو آدمی مارے گئے ہیں۔ میکوشی ختم ہوچکی ہے۔ یہ ساری باتیں پولیس کے علم میں لانی ہوں گی۔ چلو۔ پولیس کو نہ سہی۔ گھر پہنچ کر تو تمہیں میکوشی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ کیا بتاؤ گی۔ کیسے چھپاؤ گی اتنی بڑی بات کو؟"

"میرا گھر جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" چیکو نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" میں اچھل پڑا۔

"گھر جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں ایسی مصیبتوں میں پھنس جاؤں گی جن سے زندگی بھر چھٹکارا نہیں پاسکوں گی۔" چیکو نے کہا۔

"تو پھر کہاں جاؤ گی؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگوں کے ساتھ۔" چیکو نے اطمینان سے جواب دیا "تم لوگ شاؤلن ٹیمپل جارہے ہو۔ میرے لیے محفوظ ترین جگہ وہی ہے۔"

میں نے معنی خیز نظروں سے جانگی کی طرف دیکھا۔

"ہم تو اس لیے سامنے نہیں آنا چاہتے کہ ہم غیر قانونی طور پر چین میں داخل ہوئے ہیں۔" میں نے کہا "لیکن تم یہاں کی رہنے والی ہو۔ اس طرح غائب ہوجانے پر تم سے پوچھ گچھ کیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے ہمیں اور تمہیں ہی ان واقعات کا ذمے دار قرار دیا جائے اور ہماری تلاش شروع ہوجائے۔ ایسی صورت میں ہمیں پولیس سے کہیں پناہ مل سکے گی؟"

"چینی پولیس میں بھی سب فرشتے نہیں ہیں۔" چیکو نے جواب دیا "دنیا کے کسی بھی ملک کی پولیس ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوتی۔ یہ لوگ صرف کمزوروں کو دباتے ہیں۔ قانون کی تمام پابندیاں شریف لوگوں کے لیے ہیں، جرائم پیشہ اور طاقت ور لوگ تو ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں۔ اگر کوئی قتل کرنے کے بعد بھی پولیس کے ہاتھ نہ آنا چاہے تو پولیس اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ سیان چانگ کی مثال تمہارے سامنے ہے۔"

"سیان چانگ!" میں چونک گیا "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" حالانکہ میں اس کا مطلب بہت اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ اس کی شہروالی کوٹھی میں آگ اتفاقیہ طور پر لگی ہوگی۔" چیکو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "جس روز تم دونوں چائے کے باغ والے کاٹیج میں آئے تھے۔ اس رات سیان چانگ چار پانچ آدمیوں کو لے کر شہر چلا گیا تھا۔ ان کی واپسی رات کے آخری پہر ہوئی تھی اور صبح اطلاع ملی تھی کہ اس کی کوٹھی اور اس کی بیوی کا راشان آگ میں جل کر راکھ ہوچکی ہیں۔"

"اوہ!" میں نے کہا "تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟ کیا تمہارے خیال میں کوٹھی کو آگ سیان چانگ نے لگائی تھی اور اپنی بیوی کو اسی نے قتل کیا ہے؟"

"اور کون ہوسکتا ہے۔" چیکو بولی "ان دولت مندوں کے کھیل بھی بہت نرالے ہوتے ہیں۔ یہ کھلونوں سے نہیں لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتے ہیں۔ میں سیان چانگ کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ کاراشان سے شادی کرکے پچھتا رہا تھا۔ کاراشان نے اسے بری طرح اپنی سازشوں کے جال میں پھنسا رکھا تھا۔ بہت چھوٹے گھرانے کی لڑکی کو جب دولت ملی تو وہ اپنی اوقات بھول گئی۔ وہ سیان چانگ کی ساری دولت پر قبضہ کرنا چاہتی تھی اور یہ قبضہ سیان چانگ کی موت کی صورت میں ہی ہوسکتا تھا۔ وہ دو مرتبہ پہلے بھی اسے موانے کی کوشش کرچکی ہے۔ سیان چانگ نے اپنی وصیت تبدیل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ کاراشان کو کسی طرح اس کا پتا چل گیا اور اس نے سیان چانگ کو قتل کرنے کے لیے تمہیں بھیج دیا اور شاید اس وقت سیان چانگ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔ اس نے اسی رات شہر جاکر کاراشان کو اس طرح ختم کردیا کہ کسی کو شبہ بھی نہ ہوسکا کہ آگ محض اتفاقیہ لگی تھی یا لگائی گئی تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "سب جانتے ہیں سیان چانگ نے فان کنگ میں دوسری شادی کرلی تھی اور کاراشان سے اس کا جھگڑا چل رہا تھا۔ ایسے حالات میں شوہر یا بیوی میں سے کوئی اس طرح پُراسرار طور پر ہلاک ہوجائے تو پہلا شبہ زندہ بچ جانے والے فریق پر کیا جاتا ہے۔ کاراشان کی موت کے بعد سیان چانگ پر شبہ کیا جانا چاہیے تھا۔ وہ جائے واردات سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ صرف پچاس میل کا فاصلہ جو ایک سوا گھنٹے میں طے ہوسکتا ہے۔ اصولی طور پر سب سے پہلے اس پر شبہ ہونا چاہیے تھا لیکن دولت تو بڑے بڑے راز چھپالیتی ہے۔ سیان چانگ تقریباً دس دن شہر میں رہا تھا اور اس دوران میں اس نے پولیس سے تمام معاملات طے کرلیے تھے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کیسے پتا چلا؟" میں نے پوچھا۔

"میں تین سال سے سیان چانگ کی خدمت کررہی ہوں۔" چیکو نے جواب دیا "ہم جیسی عورتیں تو سیان چانگ جیسے مردوں کے دلوں کے اندر بھی جھانک لیتی ہیں۔ وہ جو بات اپنی بیویوں کو نہیں بتانا چاہتے ہم اگلوالیتی ہیں۔ کوٹھی کی آتش زدگی اور کاراشان کی ہلاکت کے بارے میں سب کچھ میں نے اسی رات اگلوالیا تھا جب وہ شہر سے واپس آیا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ پولیس نے سیان چانگ پر کسی قسم کا شبہ ظاہر نہیں کیا بلکہ اس کے کہنے پر آتش زدگی اور کاراشان کے قتل کی رپورٹ ایک نامعلوم عورت اور مرد کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ جو پچھلے کئی روز سے چوری چھپے اس کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔"

"کیا۔۔۔؟" میں اچھل پڑا۔ جانگی نے بھی چونک کر میری طرف دیکھا تھا۔

"میں نے کہا تھا ناکہ دولت مندوں کے کھیل بڑے نرالے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کھلونوں سے نہیں انسانی زندگیوں سے کھیلتے ہیں۔" چیکو نے کہا "اسے تم لوگوں سے ایسی ہمدردی نہیں تھی کہ اتنے روز تک مہمان رکھا اور دو آدمیوں کے ساتھ اپنی گاڑی پر رخصت کیا۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر نامعلوم عورت اور مرد کے خلاف رپورٹ لکھوائی تھی اور جب کبھی ضرورت پڑے گی۔ وہ دونوں نامعلوم، معلوم ہوجائیں گے۔"

مجھے اپنی گردن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ میں سیان چانگ کو بہت شریف آدمی سمجھا تھا لیکن چیکو نے اس کی شرافت کا بھرم کھول دیا تھا لیکن بہرحال اتنی شرافت کا ثبوت اس نے ضرور دیا تھا کہ رپورٹ ہمارے ناموں سے نہیں لکھوائی تھی اور ہمیں پولیس کے حوالے نہیں کیا تھا۔

"اگر ہمارے ساتھ راستے میں یہ حادثہ پیش نہ آتا تو شاؤ یانگ پہنچ کر ہمارے اور تمہارے راستے الگ ہوجاتے اور اس کے بعد مجھے یاد بھی نہ رہتا کہ تم کون ہو۔ لیکن۔۔۔" وہ چند

لمحوں کو خاموش ہوگئی پھر بولی "اس غار میں جو کچھ بھی ہوا' میں اسے کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ میکوشی کو بچانے کے لیے تم جس طرح لپکے تھے اور تمہاری جس طرح پٹائی ہوئی تھی اور اس کے بعد جس طرح تم لوگوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ وہاں سے نکالا ہے وہ بھی مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ تم میری زندگی میں آنے والے پہلے شخص ہو جس پر بھروسا کیا جاسکتا ہے اور اس لیے میں نے تمہارے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا ہے کہ وقت پڑنے پر تم لوگوں کی مدد کرسکوں۔"

"ہماری مدد کیسے کرسکو گی؟" میں نے پوچھا۔

"سیان چانگ نے اس وقت تو قانون کو فریب دے دیا ہے مگر میں جانتی ہوں کہ جلد یا بدیر یہ معاملہ سر ضرور اٹھائے گا۔ اس وقت پولیس سیان چانگ کو تنگ کرے گی تو وہ بڑے اطمینان سے تم دونوں کو پولیس کے حوالے کردے گا۔ سیان چانگ اور پولیس کے مُرتشی افسروں کے لیے تمہارے خلاف جرم ثابت کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ اس وقت میں تمہارے کام آؤں گی۔ میں یہ بتاؤں گی کہ نھی کو آگ کس نے لگائی تھی اور کار راشان کا قاتل کون ہے۔"

"لیکن اگر ہمارے ساتھ تمہیں بھی دھرلیا گیا تو؟" میں نے کہا۔

"اب اگر میں پولیس کے چکر میں پھنس گئی تو میرے لیے چھٹکارا پانا مشکل ہوجائے گا اور میں تم لوگوں کی کوئی مدد نہیں کرسکوں گی لیکن تم لوگوں کے ساتھ رہ کر میں تمہارے کام ضرور آؤں گی۔ سیان چانگ یا کوئی اور سوچ بھی نہیں سکے گا کہ میں بھی شاؤلن ٹیمپل میں موجود ہوں۔" چیکو نے کہا۔

ہمیں چلتے چلتے تقریباً ایک گھنٹا ہوچکا تھا۔ دھوپ تیز ہوگئی تھی۔ درختوں کے سائے میں ہونے کے باوجود میرا جسم پسینے میں شرابور ہورہا تھا۔ چیکو اور جانگی کی شرٹس بھی بھیگ کر جسم سے چپکی ہوئی تھیں۔ میرے خیال میں ہم آدھا راستہ طے کرچکے تھے۔ چیکو پیدل چلنے کی عادی بھی نہیں تھی۔ وہ تھک گئی تھی۔ سامنے بہت دور کسی آبادی کے آثار نظر آرہے تھے۔ میرا خیال تھا ہم وہاں کچھ دیر کو رک جائیں گے مگر تھوڑا ہی آگے ایک چھوٹی سی ندی دیکھ کر چیکو کے ساتھ جانگی بھی پسر گئی۔

ہم تینوں ندی کنارے پر بیٹھ گئے۔ بالکل صاف وشفاف پانی تھا۔ پہلے پیاس بجھائی اور پھر میں منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔

پندرہ بیس منٹ رکنے کے بعد ہم آگے روانہ ہوگئے اور آدھے گھنٹے میں اس بستی تک پہنچ گئے۔ ہم بستی میں رکے بغیر چلتے رہے۔ بستی سے نکل کر لانگ ہوئی کی طرف جانے والی ایک خچر گاڑی پر ہمیں لفٹ مل گئی۔ جس نے ہمیں ڈیڑھ گھنٹے میں لانگ ہوئی پہنچادیا۔

لانگ ہوئی خاصا بڑا قصبہ تھا۔ اس کی آبادی پچاس ساٹھ ہزار کے لگ بھگ ضرور رہی ہوگی۔ تنگ سی گلیاں، بازار۔ دکانوں کے آگے سامان کے انبار' ہاکروں کے ٹھیلے اور ٹھیلے۔ لانگ ہوئی بھی دنیا کے کسی بھی چھوٹے شہر یا قصبے سے مختلف نہیں تھا۔ فرق صرف آبادی کا تھا۔ یہاں لوگوں کی اس قدر کثرت تھی کہ راستہ چلنا مشکل ہو رہا تھا۔

"تم ہمیں کہاں لے جارہی ہو چیکو؟" میں نے پوچھا۔

"تم شاید بھول گئے ہو کہ ہمیں شاؤ یانگ جانا ہے اور ہمارے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔" چیکو نے جواب دیا۔ "ہمارے پاس اتنی رقم تو ہونی چاہیے کہ ہم شاؤ یانگ تک بس کا کرایہ ادا کرسکیں اور میں اسی کا بندوبست کرنے جارہی ہوں۔"

ایک اور بازار میں گھوم کر چیکو نے ہمیں ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں بٹھادیا۔ میلے کچیلے لباس میں ایک نوجوان ویٹر لڑکے کو ہمارے لیے چائے کا کہہ کر باہر چلی گئی۔

ہمیں تقریباً آدھا گھنٹا وہاں انتظار کرنا پڑا۔ وہ جب واپس آئی تو اس کے ساتھ ایک دُبلا پتلا اور نسبتاً دراز قامت..... آدمی بھی تھا۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ چند بال ٹھوڑی پر اور چند دائیں بائیں گلوں پر۔ کانوں میں چوڑیوں کے سائز کی چاندی کی بالیاں تھیں۔ بائیں ہاتھ میں چاندی کا کڑا۔ لباس بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے اس کا تعلق تیسری جنس سے ہو۔ وہ بڑی عجیب سی نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ چانگ تو ہے۔" چیکو نے اس کا تعارف کرایا۔ "لانگ ہوئی کا ایک معزز اور معتبر بزنس مین اور میرا بڑا اچھا دوست....."

میں نے شیک ہینڈ کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر وہ ہاتھ ملانے کے بجائے ایک مرتبہ میرے سامنے اور دوسری مرتبہ جانگی کے سامنے جھک گیا۔

چیکو کے کہنے پر ہم نے سیٹیں چھوڑ دیں۔ ہمارا چانگ بل چانگ تو نے اوا کیا اور ہم باہر آگئے۔ گنی تنگ و عریض آبادی والے بازاروں اور گلیوں میں گھومتے ہوئے ہم ایک کشادہ سڑک پر آگئے جہاں ایک طرف چانگ تو کھڑی تھی۔ اس کار کا اصل رنگ تو نجانے کیا رہا ہوگا اس وقت اس پر برش سے سرخ رنگ کیا گیا تھا۔ آگے اور پیچھے والے بمپرز پر لاتعداد ڈینٹ تھے۔ ہم دل ہی دل میں پیچھے والے بمپرز پر لاتعداد ڈینٹ تھے۔ ہم دل ہی دل میں دعائیں مانگتے ہوئے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ جبکہ چیکو آگے کھٹارا ٹیکسی بیٹھی تھی اور چانگ تو نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ پنجر ٹیٹ نظر آنے کے باوجود کار کا انجن بہترین حالت میں تھا۔ پہلی مرتبہ اسٹارٹ دباتے ہی انجن اسٹارٹ ہوگیا۔ کار چلنے لگی۔ دلچسپ انکشاف ہوا کہ اس میں ہارن نہیں تھا بلکہ ڈرائیونگ سائڈ پر باہر کی طرف بھونپو لگا ہوا تھا جسے چانگ تو بار بار بجا رہا تھا۔

پُرہجوم بازاروں سے نکل کر کار نواحی علاقے میں آگئی اور بالآخر ایک چھوٹے سے کاٹیج نما بنگلے کے سامنے رک گئی۔

تین چار کمروں پر مشتمل یہ کاٹیج اندر سے بہت شان دار تھا۔ ایک عدد ادھیڑ عمر ملازمہ کے سوا یہاں کوئی نہیں تھا۔ چانگ تو نے غالباً اسے پہلے ہی فون پر ہدایات دے دی تھیں اور وہ کچن میں مصروف تھی۔

ایک گھنٹے بعد ہمیں کھانا مل گیا۔ چین میں چکن' جھینگے اور مچھلی کا استعمال زیادہ ہوتا تھا۔ ان کی روز مرہ کی خوراک میں دوسری چیزیں بھی زیادہ تر ایسی تھیں جن کی تاثیر گرم تھی اور چین کی بے حساب آبادی کی اصل وجہ بھی غالباً ان کی یہ خوراک ہی تھی۔

کھانے کے تھوڑی ہی دیر بعد چانگ تو چلا گیا اور ہم تینوں نشست گاہ میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ چیکو مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی کہ چانگ تو اس کا بہت پرانا عاشق ہے جو کئی سال پہلے نائٹ کلبوں میں اس کے پروگرام دیکھنے کے لیے شاؤ یانگ آیا کرتا تھا۔

اب تک ہم قدم قدم پر لوگوں کے مکروہ فریب کا شکار ہوتے رہے تھے۔ ہر شخص نے ہمدرد بن کر ہمیں اپنے گھناؤنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی تھی اور ظاہر ہے چانگ تو کے بارے میں بھی اسی قسم کے خدشات جنم لے رہے تھے۔

"ہم شاؤ یانگ کب جائیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"کل صبح۔" چیکو نے جواب دیا "ایک بات کی وضاحت کرتی چلوں کہ یہاں دو شاؤ یانگ ہیں۔ ایک تو بہت بڑا شہر ہے جس کی آبادی بیس لاکھ سے بھی اوپر ہے۔ دوسرا شاؤ یانگ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کی آبادی چند ہزار سے زیادہ نہیں۔ شاؤلن ٹیمپل اسی چھوٹے قصبے سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر کہنے لگی "شاؤلن شہر یہاں سے پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں جانے کے لیے کسی بھی وقت بس مل سکتی ہے۔ شاؤ یانگ قصبہ جنوب کی طرف تقریباً چالیس میل دور ہے۔ وہ راستہ ٹھیک نہیں ہے۔ دونوں شاؤ یانگ کے درمیان ساٹھ میل کا فاصلہ ہے۔ اس لیے ہم یہاں سے سیدھے شاؤ یانگ قصبے کی طرف جائیں گے۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی پھر بولی "میں نے چانگ تو سے کچھ رقم مانگی تھی۔ اس نے یہ رقم صبح دینے کا وعدہ کیا ہے اس لیے ہمیں رات کو یہاں رکنا پڑے گا۔" آخری الفاظ کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

میں نے اور جانگی نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ چیکو نے بتایا تھا کہ چانگ تو اس کا پرانا چاہنے والا ہے اور ظاہر ہے کسی حسین عورت کا چاہنے والا مطلب کے بغیر رقم نہیں دے سکتا تھا۔

ہم دن بھر اس بنگلے میں بند رہے۔ بڑی مشکل سے ہم یہاں تک پہنچے تھے۔ منزل سے تھوڑی ہی دور رہ گئے تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ اس موقع پر کوئی گڑبڑ ہوجائے۔

چانگ تو نے کچھ اپنا پروگرام بنا رکھا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد وہ چیکو کو تھیٹر لے گیا۔ اخلاقاً اس نے ہم سے بھی پوچھا تھا مگر ہماری طرف سے انکار ہوگیا اور شاید وہ چاہتا بھی یہی تھا کہ ہم ساتھ جانے سے انکار کردیں۔

ان دونوں کی واپسی تقریباً ایک بجے کے قریب ہوئی تھی۔ جانگی تو سوگئی تھی لیکن میں جاگ رہا تھا۔ چیکو نے ہمارے کمرے میں جھانک کر دیکھا اور پھر غائب ہوگئی۔

○☆○

ہم صبح آٹھ بجے ہی روانگی کے لیے تیار ہوگئے تھے۔ ناشتے کے بعد چانگ تو نے میرے سامنے ہی چیکو کو کچھ کرنسی نوٹ دیے تھے جو اس نے مسکراتے ہوئے شرٹ کے نیچے گریبان میں ٹھونس لیے تھے۔

بس بہت ہی کھٹارا سی تھی۔ مسافر بکریوں کی طرح بھرے ہوئے تھے اور لطف کی بات تو یہ تھی کہ ایک مسافر کے ساتھ ایک عدد بکری اور ایک عورت کے پاس دو مرغیاں بھی تھیں۔

جانگی اور چیکو ایک سیٹ پر بیٹھ گئی تھیں' مجھے جو سیٹ ملی اس پر کھڑکی کی طرف ایک بھاری بھرکم ادھیڑ عمر عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ سیٹ کا زیادہ حصہ تو اسی نے گھیر رکھا تھا۔ میں تو بس کنارے پر ٹکا ہوا تھا۔

چالیس میل کا فاصلہ چار سو میل سے کم ثابت نہیں ہوا تھا اور یہ فاصلہ ساڑھے تین گھنٹوں میں طے ہوا تھا۔ ایک تو

سڑک کچی تھی اور پھر چھوٹی چھوٹی کئی بستیاں تھیں۔ بس ہر بستی میں رک رہی تھی۔ ہر اسٹاپ پر کتنی دیر تک رکی رہتی۔ ایک اسٹاپ پر تو ڈرائیور ہی غائب ہوگیا تھا۔ اسے آدھے گھنٹے بعد بستی کے ایک جھونپڑے سے ڈھونڈ نکالا گیا جہاں وہ ایک بہت موٹی عورت سے عشق لڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ راستے میں دو مرتبہ بس خراب بھی ہوئی تھی۔ تیسری مرتبہ شاؤیانگ سے دو میل دور بس کی کمانی ٹوٹ گئی اور یہ دو میل کا فاصلہ مسافروں کو پیدل طے کرنا پڑا تھا۔

شاؤیانگ زیادہ بڑا قصبہ نہیں تھا۔ اس کی آبادی بھی چھ سات ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ وہی پرانے طرز کے تنگ سے بازار اور گلیاں اور بے تحاشا آبادی۔ یہاں لاتعداد بھکشو بھی نظر آرہے تھے۔ کچھ عجیب وغریب حلیوں کے لوگ بھی دکھائی دیے تھے۔ بعض کے حلیے تو ایسے تھے جنہیں بلا تکلف تھرڈ ریٹ سڑک چھاپ غنڈے قرار دیا جاسکتا تھا۔

ہم اس قصبے میں زیادہ دیر نہیں رکے۔ ہماری اصل منزل یہاں سے چھ سات میل آگے پہاڑیوں میں تھی۔ دو بھکشو بھی اسی طرف جارہے تھے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہوگئے۔ اکاڈکا اور لوگ بھی آتے جاتے دکھائی دیے تھے۔

شاؤلن ٹیمپل تک جانے کے لیے ایک کشادہ سڑک بھی تھی لیکن وہ پہاڑیوں میں چکر کاٹتی ہوئی جاتی تھی جس سے فاصلہ بڑھ گیا تھا۔ وہ دونوں بھکشو ہمیں ایک اور راستے سے لے جارہے تھے۔ پہاڑیوں میں تنگ سی پگڈنڈی تھی اس کے علاوہ اور بھی ایسے بہت سے راستے تھے جن سے پیدل چلنے والوں کے لیے فاصلہ کم ہوجاتا تھا۔

پہاڑیوں میں بل کھاتی ہوئی اس پگڈنڈی پر چلتے ہوئے بالآخر ہم دوسری طرف آگئے۔ مجھے سامنے وہ منزل دکھائی دے رہی تھی جس تک پہنچنے کے لیے اتنے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا تھا۔

سامنے دوسری پہاڑی کے دامن میں وہ تاریخی اور قدیم عبادت گاہ تھی جس نے ایک طرف چین کی سیاست میں نہ صرف اہم کردار ادا کیا تھا بلکہ دوسری طرف یہ عبادت گاہ صدیوں سے مارشل آرٹ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ۱۷۴۴ء میں اس عبادت گاہ سے چنگ کوان نامی ایک راہب نے چی انگ بادشاہت کے شہنشاہ کے خلاف تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اسی چنگ کوان نے اس سے کچھ عرصہ پہلے چی انگ شہنشاہ کے خلاف صوبہ سیلو کی بغاوت کو کچل دیا تھا۔ چنگ کوان شہنشاہ کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ شہنشاہ نے اسے اپنی حکومت میں ایک بڑے عہدے کی پیشکش کی لیکن چنگ کوان کوئی عہدہ لینے سے معذرت کرکے اپنے ساتھیوں کو لے کر شاؤلن ٹیمپل واپس آگیا۔ جہاں عبادت و ریاضت کے علاوہ باکسنگ کی پریکٹس بھی ہوتی تھی۔

شہنشاہ کے بعض مصاحب اور حکومت کے عہدے دار چنگ کوان کی عزت افزائی سے جلنے لگے تھے۔ انہوں نے شہنشاہ کے کان بھرنا شروع کردیے کہ چنگ کوان شہنشاہ کی کمزوریوں کا اندازہ لگا چکا ہے۔ وہ عبادت کرنے عبادت گاہ واپس نہیں گیا بلکہ جنگ کی تیاری کرنے گیا ہے۔ وہ موقع پاتے ہی حملہ کردے گا اور شہنشاہ کو قتل کرکے حکومت پر قبضہ کرلے گا۔

شہنشاہ نے فوراً ہی چنگ کوان کے قتل کا حکم جاری کردیا۔ ایک فوجی دستے نے شاؤلن عبادت گاہ کو گھیرے میں لے کر آگ لگا دی۔ چنگ کوان کے ایک سو اٹھائیس ساتھیوں میں سے ایک سو دس اس آگ میں جل کر راکھ ہوگئے۔ اٹھارہ راہب عبادت گاہ کے ایک دور افتادہ گوشے میں عبادت و ریاضت میں مصروف تھے۔ صرف پانچ راہب زندہ بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہوسکے تھے۔ ان میں چنگ کوان بھی تھا۔ وہ پانچوں دشمنوں سے بچتے بچاتے، مصائب جھیلتے ہوئے کئی روز بعد ملحقہ صوبہ شان تنگ کے شہر فوکین پہنچنے میں کامیاب ہوگئے جہاں چی انگ سلطنت کا تختہ الٹنے کے لیے باقاعدہ تحریک کا آغاز کردیا گیا۔

وقت کا دھارا بہتا رہا۔ بدلنے والی ہر حکومت کے ساتھ شاؤلن عبادت گاہ پر بھی اِدبار نازل ہوتے رہے لیکن اس کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ صدیوں پہلے بھی شاؤلن ٹیمپل کو مارشل آرٹ کے حوالے سے امتیازی حیثیت حاصل تھی اور آج بھی اسے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ شاؤلن ٹیمپل کی یاترا دنیا کے ہر مارشل آرٹسٹ کا خواب ہے مگر بہت کم لوگ یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوپاتے ہیں۔ کچھ تو سیاسی مصلحتوں کا شکار ہوجاتے ہیں اور کچھ یہاں پہنچ جانے کے بعد تربیتی سختیاں برداشت نہیں کرپاتے اور ابتدائی مرحلے میں ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں لیکن میں بھاگنے کے ارادے سے نہیں آیا تھا۔

عبادت گاہ ایک بہت بڑی چٹان کے دامن میں تھی۔ چٹان کو کاٹ کر بھی بڑے بڑے ہال اور کمرے بنائے گئے تھے جو اس عبادت گاہ میں شامل تھے۔ اس قسم کے کمرے عام طور پر عبادت اور ریاضت کے لیے مخصوص تھے۔ زمانہ قدیم میں جو بدھ راہب گیان اور نروان کی تلاش میں یہاں آیا کرتے تھے۔ وہ انہی تاریک کمروں میں بیٹھ کر ریاضت کیا کرتے تھے لیکن اب یہاں حربی فن کی ریاضت ہوا کرتی تھی۔ عبادت کے لیے آنے والے راہب کونوں کھدروں میں چھپے رہتے تھے۔

عبادت گاہ کے سامنے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر دریا بہہ رہا تھا جس کا پاٹ اگرچہ زیادہ چوڑا نہیں تھا لیکن کہیں کہیں گہرائی بہت زیادہ تھی۔ یہ پہاڑی علاقہ تھا۔ دریا کے دوسری طرف زیادہ خطرناک اور نکیلی چٹانیں تھیں جن میں لاتعداد غار تھے۔ کچھ غار تو قدرتی تھے اور کچھ انسانی ہاتھوں سے بنائے گئے تھے۔ یہ تمام غار آباد تھے۔ عبادت گاہ کے اطراف کی پہاڑیوں میں بھی چھوٹے بڑے لاتعداد غار تھے جن پر مختلف لوگوں کا قبضہ تھا۔ قرب و جوار میں چند عمارتیں بھی نظر آرہی تھیں۔ کئی جمنازیم تھے جو مختلف ماسٹرز کے نام سے منسوب تھے۔

یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا جہاں مختلف ممالک اور مختلف قومیتوں کے لوگ نظر آرہے تھے۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ معقول چہرہ کوئی بھی نہیں تھا۔ سب جنگ جو اور لڑاکا تھے۔ بعض کے حلیے تو اتنے عجیب تھے کہ انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ کیا یہ بھی اپنے آپ کو انسان ہی سمجھتے ہیں۔

ماسٹر ہینگ پائی کو تلاش کرنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ میں نے کئی لوگوں سے دریافت کیا لیکن کوئی بھی کچھ نہ بتا سکا۔

"ماسٹر ہینگ پائی کون ہے؟" جانگی نے پوچھا "یہ تو مجھے کوئی گمنام سا لگتا ہے۔ کسی ایسے ماسٹر کو تلاش کرو جو کچھ شہرت تو رکھتا ہو۔"

"ماسٹر ہینگ پائی مہاراج کا استاد ہے۔" میں نے جواب دیا "یہ نام مجھے خود مہاراج نے بتایا تھا۔ انہوں نے جو کچھ سیکھا، اسی سے سیکھا اس لیے میں ماسٹر ہینگ پائی کو تلاش کررہا ہوں۔"

"اوہ!" جانگی کے منہ سے نکلا "مہاراج کی عمر ستر کے لگ بھگ ہے بلکہ اب تو زیادہ ہی ہوگی۔ ان کے استاد کی عمر کیا ہوگی۔ وہ زندہ بھی ہے یا اس دنیا سے رخصت ہوچکا ہے۔"

"معلوم ہوجائے گا۔" میں نے جواب دیا۔

سہ پہر ہوگئی تھی۔ صبح ناشتے کے بعد سے ہم نے کچھ بھی نہیں کھایا پیا تھا اور جانگی حسبِ معمول مجھے بار بار یاد دلا رہی تھی کہ اسے بھوک لگ رہی ہے کوئی ایسی جگہ تلاش کی جائے جہاں کچھ کھایا پیا جاسکے۔ اور بالآخر ہمیں ایک ایسی جگہ مل ہی گئی جہاں پیٹ بھرنے کے علاوہ ہم کچھ دیر آرام بھی کرسکتے تھے۔

ایک بہت بڑے شیڈ کے نیچے میزیں کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ جہاں کھانے پینے کی ہر مروجہ چیز دستیاب تھی۔ میز کرسیوں سے ذرا فاصلے پر اس شیڈ کے نیچے پیال قسم کی کوئی چیز بھی بچھی ہوئی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد جانگی اور چیکو اس پیال پر لیٹ گئیں۔ میں بھی ان کے قریب آکر بیٹھ گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد ایک لڑکی اور دو آدمی اور بھی ہمارے قریب آکر بیٹھ گئے۔ میں نے اس آدمی سے بھی ماسٹر ہینگ پائی کے بارے میں دریافت کیا لیکن اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں دو سال سے یہاں ہوں لیکن یہ نام میں نے پہلی مرتبہ سنا ہے۔" اسی شخص نے کہا "اسے تلاش کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ یہاں جتنے بھی جمنازیم ہیں باری باری سب میں جاکر پوچھتے رہو۔ ہوسکتا ہے اس طرح تمہیں اس کا کوئی پتا چل جائے۔"

یہاں چھوٹے بڑے تعداد جمنازیم تھے اور اس طرح کسی کو تلاش کرنا آسان نہیں تھا لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اب مجھے پریشانی ہونے لگی تھی، یا تو میں نام بھول گیا تھا اور یا جانگی کی بات ہی درست ہوسکتی تھی کہ وہ اس دنیا سے رخصت نہ ہوگیا ہو۔

رات کو ہمیں ایک سرائے میں کمرا مل گیا۔ یہ کمرا آٹھ بائی آٹھ فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فرش پر مصنوعی ریشے کا ایک پرانا سا قالین بچھا ہوا تھا۔ کثرتِ استعمال سے نہ صرف اس کا رنگ اڑ چکا تھا بلکہ جگہ جگہ سے ادھڑا ہوا تھا۔ اس کمرے کا کرایہ ہم سے ایڈوانس لے لیا گیا تھا۔

اس ادھڑے ہوئے قالین پر ہم دیر تک لیٹے باتیں کرتے رہے۔ چار گھنٹے کا اس کھٹارا سی بس کا اذیت ناک سفر اور پھر دن بھر گھومتے رہنے سے میں بھی تھک گیا تھا۔ چیکو کی تو آنکھیں بند ہوئی جارہی تھیں۔ دس بجے کے قریب جانگی نے دروازہ بند کرکے بولٹ چڑھا دیا اور پھر اس کے کچھ ہی دیر بعد نیند سے میری آنکھیں بھی بند ہونے لگیں۔

اور پھر دھڑ دھڑاہٹ کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ یوں لگا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ چیکو اور جانگی بھی جاگ گئی تھیں اور بدحواس سی ہوکر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ اسی لمحے دروازہ ایک بار پھر زور زور سے دھڑ دھڑایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی چیختی ہوئی ایک آواز بھی سنائی دی تھی۔ لگتا تھا جیسے

مزید تاخیر ہوئی تو دروازہ توڑ دیا جائے گا۔

میں نے چیکو اور جانکی کی طرف دیکھا اور اٹھ کر دروازے کا بولٹ ہٹا دیا۔ دروازے کو باہر سے زور سے دھکا دیا گیا تھا۔ اگر میں پھرتی سے ایک طرف نہ ہٹ جاتا تو اس کی زد میں آکر میرے چہرے کا نقشہ بگڑ چکا ہوتا۔

دروازہ کھلتے ہی دو آدمی اندر گھس آئے۔ ان میں ایک قدرے دراز قامت تھا۔ گٹھا ہوا جسم اور گنجا سر۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دوسرے کی عمر تیس یا بیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ درمیانے قدو قامت کا آدمی تھا۔ بال اس قدر لمبے تھے کہ اس نے گردن پر چٹیا بنا رکھی تھی۔ اس کی دائیں کلائی پر براؤن چمڑے کا بینڈ تھا جس پر ڈرائنگ پن جیسی کیلیں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے براؤن رنگ کی جینز اور نیلی بنیان پہن رکھی تھی۔ جبکہ دوسرے آدمی نے ٹائٹ یا نیچوں والی پینٹ پر بغیر آستین کی ڈینم کی جیکٹ پہن رکھی تھی جس کی زپ سامنے سے کھلی ہوئی تھی۔ اس کا سینہ ریچھ کی طرح سیاہ بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ دونوں بور پین تھے اور اپنے ان حلیوں سے سڑک چھاپ غنڈے ہی لگتے تھے۔

"ہیلو۔۔۔؟" گنجے نے باری باری ہم سب کی طرف دیکھا۔

اس سے پہلے کہ میں ان کے اس طرح کمرے میں گھس آنے پر کچھ کہتا سرائے کا منیجر بھی اندر داخل ہوا۔ وہ ادھیڑ عمر بھاری بھرکم چینی تھا۔ توند مٹکے کی طرح آگے کو نکلی ہوئی تھی۔ تنگ سی پیشانی اور آنکھیں چھوٹی تھیں۔ پہلی بار جب میں نے اسے دیکھا تھا تو اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ وہ بہت تنگ نظر، کینہ فطرت اور لالچی قسم کا آدمی ہے۔

"یہ دونوں بھی اسی کمرے میں رہیں گے۔" مٹکے جیسی توند والے چینی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر تم نے ہم سے کمرے کا کرایہ لیا ہے۔ ہم کسی اور کو اس کمرے میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔" میں نے کہا۔

"تم نے پورے کمرے کا نہیں سونے کی جگہ کا کرایہ دیا ہے۔" چینی نے غرا کر جواب دیا "تم لوگ اس طرف پڑے رہو یہ لوگ یہاں سو جائیں گے۔"

میں نے چیکو اور جانکی کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کی آنکھوں میں الجھن سی تیر رہی تھی۔

"جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔" جانکی نے اردو میں کہا "ایک ہی رات کی تو بات ہے۔ کل ہم کوئی اور ٹھکانا تلاش کرلیں گے۔"

میں کندھے اچکا کر رہ گیا۔ موٹا چینی مسکراتا ہوا واپس چلا گیا۔ وہ دونوں بور پین سامنے والی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر وہ آپس میں باتیں کرتے رہے پھر انہیں شاید ہماری موجودگی کا خیال آگیا۔ گنجا اپنی جگہ سے اٹھ کر ہمارے قریب آگیا۔

"تم لوگ بھی شاید ہماری طرح یہاں پھنس آئے ہو۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر جانکی اور چیکو کو گھورنے لگا۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں اسے ٹالنا چاہتا تھا مگر وہ باتوں پر تلا ہوا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی قریب آگیا تھا۔ وہ باتیں تو مجھ سے کررہے تھے مگر ان کی نظریں بار بار جانکی اور چیکو کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"مجھے تو یہ دونوں حرام کے جنے لگتے ہیں۔" جانکی نے اردو میں کہا "اس طرح گھور رہے ہیں جیسے نظروں ہی نظروں میں کھا جائیں گے۔"

"اگر انہوں نے کوئی نازیبا حرکت کی تو انہیں زندگی بھر پچھتانا پڑے گا۔" میں نے بھی اردو میں جواب دیا۔

وہ دونوں بات بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔ ان کی گفتگو میں بازاری پن اور انداز لوفرانہ تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسے الفاظ استعمال کررہے تھے جو خواتین کے سامنے زبان سے نہیں نکالے جاتے۔ ان گندے اور بے ہودہ الفاظ کے علاوہ انہوں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ البتہ یہ بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ گنجا بار بار جانکی کو گھور رہا تھا۔

وہ گنجا جرمن تھا اور دوسرا برطانوی۔ دونوں چار دن پہلے یہاں آئے تھے۔ وہ کنگ فو کی تربیت حاصل کرنا چاہتے تھے مگر انہیں ابھی تک اپنی پسند کا کوئی ماسٹر نہیں ملا تھا اور نہ ہی رہنے کے لیے کسی مستقل ٹھکانے کا بندوبست ہوا تھا۔

ان دونوں کی ملاقات یہاں آنے کے بعد ہی ہوئی تھی۔ وہ دونوں دن بھر مختلف جمنازیمز میں پھرتے رہتے۔ اور رات کو اسی طرح کہیں نہ کہیں پڑے رہتے۔ اس وقت بھی وہ ایک جمنازیم سے آئے تھے جہاں باؤٹ ہورہے تھے۔

اس وقت ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ ایک گھنٹا اور گزر گیا۔ جانکی اور چیکو میرے قریب آڑی ترچھی لیٹ گئیں۔ میں بڑی مشکل سے ان سے پیچھا چھڑا سکا تھا۔ وہ دونوں اٹھ کر اپنی جگہوں پر چلے گئے پھر گنجے نے اٹھ کر بتی بجھا دی اور جب وہ دروازہ۔۔۔ بند کرنے لگا تو میں نے اسے منع کردیا۔ اندھیرے میں مجھے اس کی سیٹی کی آواز سنائی دی

تھی۔ کھڑکی اور دروازے سے مدھم سی روشنی اندر آرہی تھی۔ وہ دونوں کچھ دیر تک کھسر پھسر کرتے رہے اور پھر خاموشی چھا گئی۔

میری نیند غائب ہوگئی تھی۔ ان دو غنڈوں کی موجودگی میں بھلا کیسے سو سکتا تھا۔ ان کی نظروں سے میں نے ان کی نیت کو بھی تاڑ لیا تھا اس لیے اب نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

مگر نیند پر قابو پانا کسی کے بس کی بات تو نہیں۔ نیند تو سوتے میں بھی آجاتی ہے۔ وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے میرے قریب ہی دو افراد آپس میں گتھم گتھا ہورہے ہوں۔ اس کے ساتھ ہی دبی دبی سی کوئی آواز بھی میری سماعت سے ٹکرائی تھی۔

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ کھڑکی سے آنے والی مدھم سی روشنی میں وہ منظر میرے لیے بہت ہی خوفناک تھا۔ ان دونوں غنڈوں نے جانکی یا چیکو کو دبوچ رکھا تھا۔ ایک نے اس کا منہ بھی دبا رکھا تھا جس سے اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ میرے بائیں طرف چیکو گہری نیند سو رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ جانکی تھی جسے ان دونوں نے دبوچ رکھا تھا۔ گنجا جانکی کے سینے پر سوار تھا اور دوسرے نے اس کے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے لے جاکر گرفت میں لے رکھے تھے۔

میں نے آہستہ آہستہ اپنی ٹانگیں سمیٹ لیں، سانس اندر کی طرف کھینچا، دونوں ہتھیلیاں فرش پر ٹکائیں اور کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ میرا ایک پیر جانکی کے سینے پر سوار گنجے کے سر پر اور دوسرا اس کے کندھے سے ذرا نیچے لگا تھا۔ وہ غلیظ گالی بکتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ میں بھی پہلو کے بل گرا تھا مگر بڑی پھرتی سے اٹھ گیا۔ ساتھ ہی میں نے پیر گھما دیا۔ میری ٹھوکر لمبے بالوں والے کے پہلو میں لگی اور وہ بلبلاتا ہوا دوسری طرف ڈھیر ہوگیا۔

جانکی ان کے شکنجے سے آزاد ہوگئی تھی۔ اس کی شرٹ اگرچہ پھٹ چکی تھی لیکن وہ برہنگی کی پروا کیے بغیر لمبے بالوں والے پر پل پڑی۔ اس دوران میں چیکو بھی جاگ گئی۔ چند لمحے تو وہ کچھ نہ سمجھ سکی اور جب صورتِ حال کی نزاکت کا احساس ہوا تو ہر قسم کا خوف ذہن سے نکال کر لمبے بالوں والے پر ٹوٹ پڑی۔ اس نے اس غنڈے کے لمبے بال دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے کر زور زور سے جھٹکے دینا شروع کردیے اور جانکی اس کے پیٹ اور سینے پر لاتیں مارنے لگی۔

گنجا بھی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے منہ سے غلیظ گالیوں کا گز اُبل رہا تھا۔ اور پھر اس نے دونوں ہاتھ آگے نکال کر کرائے کا مخصوص اسٹائل بنالیا اور پھر اچانک ہی اس نے میرے منہ پر پنچ مارنے کی کوشش کی۔ میں نے بائیں ہاتھ سے اس کا وار روک کر دائیں ہاتھ سے اس کی بغل میں زوردار پنچ رسید کردیا۔ وہ اپنی جگہ سے تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا میں اپنی جگہ سے اچھلا۔ میرے دونوں پیروں نے اس کی گردن پر ٹیک لاک لگا دیا۔ میرا سر اس وقت نیچے کی طرف تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر پیروں کو زوردار جھٹکا دیا۔ وہ منہ کے بل نیچے گرا۔ اس کا سر زمین سے ٹکرایا تھا۔

میں نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ گنجا بھی اٹھنے کی کوشش کررہا تھا لیکن میں نے موقع نہیں دیا اور ایک زوردار کک اس کی کھوپڑی پر رسید کردی۔ وہ بلبلاتا ہوا پھر ڈھیر ہوگیا۔ میں نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔ جسمانی لحاظ سے وہ مجھ سے کہیں زیادہ طاقت ور تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ اٹھ کر مارشل آرٹ کا کوئی داؤ استعمال کرنے کے بجائے مجھے گرفت میں لینے کی کوشش کرے گا اور اگر میں ایک مرتبہ اس کی گرفت میں آگیا تو اپنے آپ کو بچانا مشکل ہوجائے گا۔ اس لیے میں اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دے رہا تھا اور اس اصول پر عمل کررہا تھا کہ طاقت کم اور ٹیکنیک زیادہ استعمال کرو۔

دوسری طرف چیکو اور جانکی نے لمبے بالوں والے کو سنبھال رکھا تھا۔ کمرے میں بہت مدھم روشنی کے باوجود میں نے اس کے منہ سے خون بہتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور مجھے حیرت تھی کہ وہ کس قدر اطمینان سے دو عورتوں سے پٹ رہا تھا۔ وہ مارشل آرٹس خصوصاً کنگ فو کی اعلیٰ ٹیکنیک سیکھنے کے لیے یہاں آئے تھے اور ظاہر ہے انہوں نے اپنے اپنے شہروں میں بھی کچھ سیکھا ہوگا۔ کم سے کم بلیک بیلٹ تو ہوں گے۔ ہوسکتا ہے انہوں نے وہاں ٹریننگ سینٹر کھول رکھے ہوں اور اپنے ناموں کے ساتھ ڈان کی ڈگریوں کا بھی اضافہ کر رکھا ہو لیکن یہاں وہ اس قدر اطمینان سے پٹ رہے تھے جیسے بہت شریف زادے ہوں اور لڑائی بھڑائی سے واقف نہ ہوں۔

گنجے کا ایک داؤ چل گیا۔ اس کی کک میری پسلیوں پر لگی

تھی۔ میں بے اختیار کراہ اٹھا۔ میں تکلیف سے دہرا ہوگیا۔ گنجے کی دوسری کک میری ٹھوڑی کے نیچے لگی۔ میں پیچھے گرا۔ گنجے نے میرے اوپر چھلانگ لگا دی مگر میں بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی بڑی پھرتی سے اٹھ کر اس کی پشت پر سوار ہوگیا۔ میرا رخ اس کی ٹانگوں کی طرف تھا۔ میں نے اس کی دونوں ٹانگوں کو گرفت میں لے لیا اور پوری قوت سے پیچھے کی طرف موڑنے لگا۔

یہ فری اسٹائل ریسلنگ کا بوشن کریپ تھا۔ گنجے کا پیٹ اور سینہ فرش پر ٹکا ہوا تھا۔ سر کو ذرا سا اوپر اٹھالیا تھا اور دونوں ہاتھ فرش پر ٹیک رہا تھا اگر وہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے زور آزمائی کرتا تو اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی۔ میں بھی زیادہ زور نہیں لگا رہا تھا۔ میرا مقصد اسے ختم کرنا نہیں تھا۔

آپ ضرور حیران ہوں گے کہ مارشل آرٹ میں بوشن کریپ کہاں سے آگیا۔ تو یہ بتا تا چلوں کہ یہ کوئی مارشل آرٹ کی فائٹ بھی نہیں تھی۔ شروع میں جس طرح گنجے نے اسٹانس بنایا تھا' اس سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ بہت بڑا مارشل آرٹسٹ ہے مگر میرے ایک دو ہاتھ کھانے کے بعد ہی وہ غنڈا گردی اور اسٹریٹ فائٹ پر اتر آیا تھا اور مجھے بھی ایسے داؤ پیچ استعمال کرنا پڑے تھے جو مارشل آرٹس کے مسلمہ اصولوں کے خلاف تھے۔

میں نے ایک ہلکا سا جھٹکا دے کر اس کی ٹانگیں چھوڑ دیں اور اس کی پشت سے اتر گیا۔ وہ کچھ دیر تک فرش پر ہاتھ پٹختا رہا اور پھر آہستہ آہستہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس مرتبہ میں نے اس پر حملہ نہیں کیا۔

اور پھر ٹھیک اسی وقت دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ میں نے بولٹ ہٹا کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے وہی موٹا چینی اور تین چار اور آدمی کھڑے تھے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ گنجا اب بھی اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے ٹانگوں سے پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے باہر لے جا کر پھینک دیا۔ اس کے چند سیکنڈ بعد جانکی اور چیکو لمبے بالوں والے کو ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے باہر لے آئیں اور بھوسے کی بوری کی طرح پٹخ کر ہاتھ جھاڑنے لگیں۔

موٹا چینی اور دوسرے لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ..... یہ کیا ہے۔ کیا کیا ہے تم لوگوں نے ان کے ساتھ۔" موٹا چینی ہکلایا۔

"ان سے پوچھو" انہوں نے میری دوست کے ساتھ کیا کیا ہے۔" میں نے جانکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ جانکی کی شرٹ بالکل پھٹ چکی تھی۔ اس [illegible] کے سامنے بھی اپنی برہنگی چھپانے کی کوشش [illegible] نے اضافی رقم لے کر ان دونوں کو ہمارے کمرے [illegible] گزارنے کی اجازت دی تھی لیکن انہوں نے [illegible] اس کی انہیں تھوڑی بہت سزا تو ملنی ہی چاہیے تھی۔

اس دوران میں گنجا کسی طرح اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا [illegible] کے چہرے پر کرب کے تاثرات نمایاں تھے۔ [illegible] بھی اٹھ گیا تھا۔ اس کے چہرے' بانہوں اور گردن [illegible] کے نشان تھے اور یہ جانکی اور چیکو کے ناخنوں کا نشان [illegible] گنجا چینی ان دونوں پر برس پڑا۔ وہ چینی زبان میں [illegible] کیا کیا بکتا رہا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر لمبے بالوں [illegible] باہر کی طرف دھکا بھی دیا تھا۔ ان دونوں نے مڑ کر [illegible] نظروں سے میری طرف دیکھا اور خطرناک نتائج کی [illegible] دیتے ہوئے چلے گئے۔

جانکی اور چیکو کمرے میں آچکی تھیں۔ میں نے [illegible] آکر بتی جلائی اور دھڑ سے دروازہ بند کردیا۔ جانکی [illegible] دونوں کندھوں سے پھٹی تھی اور سامنے اوپن شرٹ [illegible] کھل گئی تھی۔ اس نے دونوں کنارے پکڑ کر زور [illegible] گرہ لگالی۔ فی شرٹ اب کھلے گلے کا مختصر سا بلاؤز بن [illegible] ہم دیر تک بیٹھے اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے [illegible] ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ پہاڑیوں میں [illegible] کے قریب لکڑی کے تختوں سے بنا ہوا ایک بہت بڑا رات کے آخری پہر ہم سوگئے۔

صبح دس بجے کے قریب دروازہ دھڑ دھڑانے [illegible] سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھول [illegible] اس سرائے کا مالک موٹا چینی تھا۔ اس نے بتایا [illegible] کمرے کا کرایہ پورا ہوچکا ہے اس لیے اب ہمیں [illegible] رخصت ہوجانا چاہیے۔ اگر ہم اگلی رات بھی یہاں [illegible] چاہتے ہوں تو کرایہ ایڈوانس ادا کردیں لیکن وہ [illegible] آنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس کے ایک گھنٹے [illegible] ضروریات سے فارغ ہوکر اس سرائے سے نکل رہے [illegible] مجھے یقین تھا کہ آج میں ماسٹر ہینگ پائی کو تلاش [illegible] گا۔ اس کا طریقہ بھی میرے ذہن میں آگیا تھا۔ [illegible] پہلے اچانک ہی مجھے خیال آیا تھا کہ ہوسکتا ہے [illegible] اپنے پروفیشن سے ریٹائر ہوچکا ہو اور نوجوان نسل [illegible] بارے میں کچھ نہ جانتی ہو۔ مجھے کسی بوڑھے [illegible] بارے میں پوچھنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوسکے گا [illegible] ہینگ پائی اپنے پیشے سے ریٹائر ہوا ہے یا اس دنیا سے [illegible] ہوچکا ہے۔

سب سے پہلے ہم نے ایک جگہ پر ڈٹ کر ناشتہ [illegible] کسی ایسے بوڑھے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے جس سے معلوم کیا جاسکے۔ ایسا بوڑھا ہمیں تقریباً ایک گھنٹے بعد مل گیا۔ اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ تھی۔ میری پوری بات [illegible] خواہ اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو لیکن ماسٹر ہینگ پائی کے نام سے وہ سمجھ گیا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ اس نے دریائے اس پار کی طرف اشارہ کردیا۔

"چانیوں کی طرف جاؤ۔ وہاں سے تمہیں پتا چل جائے گا کہ ماسٹر ہینگ پائی سے کہاں ملاقات ہوسکتی ہے۔"

ہم دریا پار آگئے۔ دریا پار کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا۔ رسّوں کا پل۔ جس کے پچلے حصے میں لکڑی کے تختے لگے ہوئے تھے۔ جہاں یہ پل بنایا گیا تھا وہاں دریا کا پاٹ ڈیڑھ سو گز سے زیادہ نہیں تھا۔ یہ پل دیکھ کر جانکی اور چیکو کی جان نکل گئی تھی لیکن ہمیں بہرحال' دوسری طرف جانے کے لیے اس پل پر سے گزرنا تھا۔

پل ہوا سے ہل رہا تھا۔ جانکی اور چیکو سائڈوں کے رسّے پکڑ کر چل رہی تھیں۔ ایک مرتبہ پل ذرا زور سے ہلا تو چیکو کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

دریا کے دوسری طرف منگ شول جمنازیم تلاش کرنے میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ پہاڑیوں کے قریب لکڑی کے تختوں سے بنا ہوا ایک بہت بڑا گیٹ تھا جسے مختلف حصوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ ایک حصے میں ایکسرسائز کے لیے کچھ مشینیں تھیں۔ دوسرے حصے میں باکسنگ کا رنگ اور ایک حصے میں مارشل آرٹس کی فائٹ کے لیے گول دائرے کی صورت میں رنگ بنا ہوا تھا۔ باقی حصے بھی ایسے ہی مختلف کاموں کے لیے مخصوص تھے۔ ہر حصے میں کچھ نہ کچھ لوگ ضرور نظر آئے تھے۔

یہاں ہماری ملاقات ماسٹر لیشی یان سے ہوئی۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔ دراز قامت' گٹھا ہوا جسم اور آنکھوں میں ذہانت کی چمک۔ وہ ہمیں اپنے دفتر میں لے گیا جہاں ایک پرانی سی آفس ٹیبل اور اس کے سامنے لکڑی کی کچھ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دیواروں پر شیشے کی الماریوں میں مارشل آرٹس میں استعمال ہونے والی مختلف چیزیں' ٹرافیاں اور ہتھیار سجے ہوئے تھے۔

ماسٹر لیشی یان پہلے تو یہی سمجھتا رہا کہ ہم اس کی اکیڈمی میں داخلہ لینے کے لیے آئے ہیں۔ اس نے مختلف سوالات کرتے ہوئے مجھ سے کاغذات طلب کیے۔ کاغذات سے مراد پاسپورٹ' چین کی وزارتِ داخلہ کا این او سی اور دیگر دستاویزات تھی۔ تب میں نے بتایا کہ میں ماسٹر ہینگ پائی سے ملنا چاہتا ہوں تو وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ چند لمحے گہری نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر سوالات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا اور جب میں نے مہاراج کا نام لیا تو وہ اچھل پڑا۔

"تمہاری مراد مہاراج وانگ ونگ یائے سے ہے۔ میرا مطلب ہے تم بنکاک سے آئے ہو؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں۔" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا "میں اس لیے ماسٹر ہینگ پائی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر میرے ساتھ بیٹھی ہوئی چیکو اور جانکی کی طرف دیکھنے لگا "یہ دونوں بھی تمہارے ساتھ بنکاک سے آئی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"جانکی تو میرے ساتھ بنکاک سے آئی ہے اور چیکو کا تعلق چین ہی سے ہے۔" میں نے جواب دیا "ڈانگ کو سے آتے ہوئے ڈاکوؤں نے ہماری وین پر حملہ کردیا تھا جس میں دو آدمی اور اس کی کزن ماری گئی۔ ڈاکو سب کچھ لوٹ کر لے گئے۔ ہم بڑی مشکل سے ان کے شکنجے سے نکلنے میں کامیاب ہوسکے تھے۔ اگر یہ ہمارے ساتھ نہ ہوتی تو ہم یہاں تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوپاتے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "چیکو ایک معروف رقاصہ ہے۔ ڈاکو اسے پہچانتے ہیں۔ یہ ان کے خوف سے اپنے گھر جانے کو تیار نہیں۔ اس کا خیال ہے کہ ڈاکو اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اس لیے یہ ہمارے ساتھ آگئی۔"

ماسٹر لیشی یان اب بھی باری باری گہری نظروں سے ہم تینوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار جانکی کے پھٹے ہوئے لباس کی طرف اٹھ رہی تھیں پھر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اگر میں غلط نہیں سمجھ رہا تو گزشتہ رات یوہان کی سرائے میں ان دو یورپین لڑکوں سے تمہارا ہی جھگڑا ہوا تھا۔"

اس مرتبہ چونکنے کی باری میری تھی "تمہیں کیسے پتا چلا ماسٹر؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بڑی چھوٹی جگہ ہے۔" ماسٹر لیشی یان نے جواب دیا "یہاں کوئی بات کسی سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ یوں سمجھ لو کہ کوئی معمولی سی بات بھی ہو تو اسے پر لگ جاتے ہیں۔"

"غلطی انہی کی تھی ماسٹر۔" میں نے کہا اور اسے تفصیل بتانے لگا "انہوں نے جانکی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ ان دونوں کو اپنے بازوؤں پر بڑا ناز تھا مگر شاید آج

کے بعد وہ کوئی ایسی حرکت کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"یہ یورپین بڑے بدمعاش ہوتے ہیں۔" ماسٹر لیشی یان نے کہا "یہ لوگ اپنے شہروں میں بھی بدمعاشیاں کرتے ہیں اور یہاں آکر بھی ایسی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ یہاں کسی نام نہاد اکیڈیمی سے سرٹیفکیٹ حاصل کرکے واپس چلے جاتے ہیں اور اپنے شہروں میں شاؤلن ٹیمپل کا رعب جھاڑتے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "شاؤلن ٹیمپل پتھروں کی بنی ہوئی عمارت کا نام نہیں۔ یہ تو ایک اکیڈیمی ہے۔ مارشل آرٹ کی ایک مکمل تاریخ ہے۔ لوگ دور دراز سے اس فن کی تربیت حاصل کرنے آتے ہیں۔ برسوں یہاں پڑے رہتے ہیں۔ ماسٹرز کی مار سہتے ہیں۔ دکھ اٹھاتے ہیں تب کہیں فن کے اس سمندر سے ایک قطرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوپاتے ہیں لیکن یہ یورپین باشندے یہاں آتے ہیں۔ مہینہ دو مہینے رہ کر چلے جاتے ہیں اور اپنے شہروں میں جاکر پہلے سے بڑے بدمعاش بن جاتے ہیں۔ اغوا، ڈکیتیاں، قتل و غارت، منشیات فروشی اور ایسے ہی گھناؤنے کاروبار یا تو یہ خود کرتے ہیں یا ایسے کاروبار میں ملوث لوگوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف دولت کمانا ہوتا ہے۔ کسی بھی طریقے سے۔ یہ فن دولت کمانے کے لیے نہیں ہے۔ نہ ہی بدمعاشی اور غنڈا گردی کے فروغ کے لیے ہے۔ یہ آرٹ تو اخلاقی قدروں کا محافظ ہے۔ برائیوں کے سامنے بند باندھنے کے لیے ہے لیکن یہ جان کر دکھ ہوتا ہے کہ یورپ میں اس فن کو برائیوں کے فروغ کے لیے استعمال کیا جارہا ہے لیکن بہرحال۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا "تم لوگ بیٹھو۔ میں ماسٹر ہنگ پائی سے بات کرتا ہوں۔"

وہ دفتر سے نکل کر شیڈ سے باہر چلا گیا۔ ہم اسے دفتر کی کھڑکی سے دیکھتے رہے۔ وہ سامنے والی چٹان پر چڑھ کر ایک غار میں داخل ہوگیا۔ غار کے دہلیز پر پتھر اس طرح چنے ہوئے تھے کہ ایک خوب صورت محراب سی بن گئی تھی۔ اس میں لکڑی کے تختوں کا دروازہ بھی لگا ہوا تھا۔ لیشی یان اس دروازے میں غائب ہوگیا۔

ماسٹر لیشی یان کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ وہ ہمیں اس چٹان والی محراب میں لے گیا۔ اندر سے یہ غار بہت بڑا تھا اور مختلف حصوں میں تقسیم تھا۔ ماسٹر لیشی یان ہمیں ایک بہت بڑے کمرے میں لے گیا۔ جہاں ایک چبوترے پر گوتم بدھ کا مجسمہ "فاسٹنگ بدھا" رکھا ہوا تھا۔ پتھر کا یہ مجسمہ بڑی نفاست سے تراشا گیا تھا۔ فاقہ زدہ بدھ کا پیٹ اندر کو دھنسا ہوا تھا اور پسلیاں نمایاں طور پر [illegible] تھیں۔ مجسمے کے سامنے ایک خوب صورت پیتل [illegible] سلگ رہا تھا۔ جس کی بھینی بھینی خوشبو پورے [illegible] ہوئی تھی۔

بدھا والے چبوترے کے سامنے زرد بائیں [illegible] چوکی پر ایک آدمی آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ [illegible] بھکشوؤں والی پیلی چادر تھی۔ کمر بالکل سیدھی اور [illegible] کے چھلکے کی طرح صاف تھا جو ٹیوب لائٹ کی روشنی [illegible] چمک رہا تھا۔ میرا خیال تھا وہ کوئی جوان آدمی ہے [illegible] طرح بالکل سیدھا بیٹھا ہوا ہے۔ ماسٹر لیشی نے [illegible] سرگوشی میں کچھ کہا اور جب پتھر کی چوکی پر بیٹھا [illegible] ہماری طرف گھوما تو میں اچھل پڑا۔ اس کے چہرے [illegible] کا جالا سا بنا ہوا تھا اگر میں کوشش بھی کرتا تو [illegible] گن سکتا تھا۔

وہ ماسٹر ہنگ پائی تھا۔

میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر پچاسی [illegible] کے درمیان ہوگی مگر وہ جس طرح سیدھا بیٹھا ہوا [illegible] مجھے شدید حیرت ہو رہی تھی۔ سامنے سے اس کا چہرہ [illegible] تھا اور گوتم بدھ کی طرح اس کی پسلیاں بھی نمایاں [illegible] آرہی تھیں۔

میں نے فوراً ہی اسے بوکیا تھا۔ ماسٹر لیشی یان [illegible] کے سامنے دونوں ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑا تھا۔ [illegible] پائی نے سیدھا ہاتھ آشیرباد دینے والے انداز میں [illegible] لیشی یان نے مجھے اشارہ کیا اور میں اس کے [illegible] بوڑھے کے سامنے دو زانو... ہو کر بیٹھ گیا۔ جانگی [illegible] ہمارے پیچھے دو قدم کے فاصلے پر بیٹھ گئی تھیں۔

ماسٹر ہنگ پائی کی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز [illegible] عجیب سی مقناطیسی کشش تھی ان نظروں میں [illegible] کے باوجود اپنی نظریں نہیں ہٹا سکا۔ میرے پورے [illegible] چیونٹیاں سی رینگنے لگیں اور ریڑھ کی ہڈی میں [illegible] ایک لہر سی دوڑتی چلی گئی۔ مجھے کئی سال پہلے کا واقعہ [illegible] جب بنکاک میں ماسٹر ہوچن عبادت گاہ کے [illegible] ایک ایسے ہی پُراسرار بوڑھے کے سامنے لے گیا [illegible] وقت بھی میری کچھ ایسی ہی کیفیت ہوئی تھی۔

ہم دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک [illegible] تھے۔ ایک لمحے کو ماسٹر ہنگ پائی کی آنکھوں میں [illegible] مہری نظر آئی۔ میں جھرجھری لے کر رہ گیا مگر میری [illegible] کے چہرے سے نہیں ہٹیں۔ ماسٹر کی آنکھوں میں [illegible] آئی اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے ایک بار پھر آشیرباد دینے والے انداز میں ہاتھ اٹھا دیا۔

"کہاں رہ گئے تھے۔ تمہیں تو ڈھائی مہینے پہلے یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔" ماسٹر ہنگ پائی نے کہا۔

بڑی جاندار آواز تھی اگر وہ پردے کے پیچھے بیٹھا بول رہا ہوتا تو یہ یقین کرنا مشکل ہوتا کہ یہ کسی اسی نوّے سالہ بوڑھے کی آواز تھی لیکن اس کی بات سن کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اسے کیسے پتا چلا کہ میں یہاں آرہا ہوں۔ میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر اسے راستے میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بتانے لگا اور پھر یہ بھی پوچھے بغیر نہ رہ سکا کہ اسے میرے بارے میں کیسے پتا چلا۔

"جب تم تھائی لینڈ سے نکلے تھے تو وانگ ونگ یائے نے مجھے ٹیلی فون پر تمہارے بارے میں بتا دیا تھا۔" ماسٹر ہنگ پائی نے کہا "مجھے بہت دنوں سے تمہارا انتظار تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے جس کے لیے وانگ ونگ یائے جیسا شخص اتنا بے تاب ہو رہا ہے۔ اس کا انتخاب غلط نہیں۔ گزشتہ رات پوہان کی سرائے میں جو کچھ بھی ہوا اس کا بھی مجھے علم ہوچکا ہے۔ وہ دونوں یورپین چند روز پہلے یہاں آئے تھے اور غنڈا گردی کرتے پھر رہے تھے۔ تم نے جس طرح ان کا حلیہ بگاڑا ہے وہ اسی کے مستحق تھے۔"

"میری فائٹ صرف ایک کے ساتھ ہوئی تھی۔ دوسرے کو تو میں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اس کا حلیہ تو ان دونوں نے بگاڑا تھا۔" میں نے پیچھے بیٹھی ہوئی جانگی اور چیکو کی طرف اشارہ کیا۔

"وانگ ونگ یائے نے تمہیں سونا بنا دیا ہے۔ یہاں تو پیا کی بھٹی سے تم کندن بن کر نکلو گے۔" ماسٹر ہنگ پائی نے کہا۔

اور اس کے بعد مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں اور پھر مجھے یہ بھی پتا چل گیا کہ ماسٹر ہنگ پائی کے بارے میں یہاں کے لوگ کیوں نہیں جانتے تھے۔ ہنگ پائی اس کا اصل نام تھا۔ جسے مہاراج اور اس کی عمر کے لوگ ہی جانتے تھے جبکہ یہاں وہ منگ شول کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا اور ہم ہنگ پائی کے نام سے پوچھتے رہے تھے اور بالآخر ہمیں ایک بوڑھے ہی نے اس کا پتا بتایا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹا وہاں بیٹھے تھے۔ ماسٹر ہنگ پائی دیر تک ہمارے بارے میں ہدایات دیتا رہا اور پھر ہم اس کے ساتھ اس غار سے باہر آگئے۔

ماسٹر لیشی یان ہمیں ایک اور غار میں لے آیا۔ یہ غار زیادہ بڑا نہیں تھا اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ یہاں دو آدمی پہلے ہی سے رہ رہے تھے۔

"یہاں دو جاپانی شاگرد رہ رہے ہیں۔" ماسٹر لیشی یان نے کہا "انہیں دوسری جگہ شفٹ کردیا جائے گا۔ میرا خیال ہے یہ کمرا تم تینوں کے لیے کافی ہوگا۔"

"ہمیں صرف سونے کی جگہ چاہیے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ دن ہماری آزادی کا تھا۔ ماسٹر لیشی یان نے ہمیں اجازت دے دی کہ اگر ہم چاہیں تو آج کا دن گھوم پھر کر اس شہر سے واقفیت حاصل کرسکتے ہیں۔ اس نے فاکو کا کوچی نام کے ایک طالب علم کو ہمارا گائیڈ مقرر کردیا۔ کوچی کو دیکھ کر مجھے گانگ یاو آگیا۔ کوچی کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ درمیانہ قد، چھریرا بدن، لمبے بال جنہیں وہ گردن پر چٹیا کی طرح باندھ لیا کرتا تھا۔ وہ دو سال سے یہاں تھا۔ وہ جاپان کے ساحلی شہر کوبے کا رہنے والا تھا۔ جہاں کچھ عرصہ اس نے ایک سال تک کیوکشن کی تربیت حاصل کی لیکن وہ اس سے مطمئن نہیں تھا پھر تائی کوانڈو کیمپ میں چلا گیا۔ وہاں بھی مطمئن نہیں ہوا تو شاؤلن ٹیمپل آگیا جہاں ابتدا سے کنگ فو کی تربیت کا آغاز کیا۔ دو سال میں وہ بہت کچھ سیکھ چکا تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ ابھی وہ ابتدائی مدارج میں ہے اور آگے چل کر اسے بہت کچھ سیکھنا ہے۔

کوچی کی رہائش اسی غار میں تھی جو اب ہمیں دیا جانے والا تھا۔ اس کا سامان وہیں رکھا ہوا تھا۔ اس نے چیکو اور جانگی کو بھی دیکھا۔ عورتوں کا نیم عریاں لباس اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن جانگی کو دیکھ کر نجانے کیوں اس کی نظریں خود بخود جھک گئی تھیں۔ اس نے پتھر کے چھوٹے سے چبوترے پر رکھے ہوئے اپنے سوٹ کیس میں سے ہلکے نیلے رنگ کی ایک ٹی شرٹ نکال کر جانگی کی طرف بڑھا دی اور ایک طرف اشارہ کردیا۔ ایک طرف کمبل تان کر غار کا ایک چھوٹا سا حصہ الگ کردیا گیا تھا۔ جانگی نے مسکرا کر کوچی کی طرف دیکھا اور کمبل کے پچھلی طرف چلی گئی اور دو تین منٹ بعد شرٹ تبدیل کرکے باہر آگئی۔

چیکو ہمارے ساتھ جانے کو تیار نہیں تھی۔ وہ آرام کرنا چاہتی تھی۔ اسے یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر رات والے یورپین غنڈوں سے آمنا سامنا ہوگیا تو جھگڑا ہوگا۔ ہم نے بھی ساتھ چلنے کے لیے اس پر زور نہیں دیا۔

دریا پار کرکے ہم شہر میں آگئے۔ یہ واقعی ایک چھوٹا سا

شہر ہی تھا۔ کوچی ہمیں سب سے پہلے شاؤلن ٹیمپل لے گیا۔ بہت بڑی عبادت گاہ تھی۔ مرکزی ہال میں ایک بڑے چبوترے پر گوتم بُدھ کا بہت بڑا سنگی مجسمہ استادہ تھا۔

یہ عبادت گاہ کئی حصوں میں منقسم تھی۔ ایک دور افتادہ حصہ عبادت و ریاضت کے لیے مخصوص تھا۔ زمانۂ قدیم میں بُدھ کے پیرو کار نروان کی تلاش میں دنیا کو تج کر یہاں آتے ہوں گے۔ اس زمانے میں یہ جگہ آبادی سے دور دراز اور الگ تھلگ سمجھی جاتی تھی۔ عبادت و ریاضت میں کسی مداخلت کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا۔ راہب پوری یکسوئی سے ریاضت میں مصروف رہتے ہوں گے لیکن اب وہ صورتِ حال نہیں رہی تھی۔ اب تو یہ بڑی پُرہنگام جگہ تھی۔ عبادت گاہ کا کنٹرول بہرحال اب بھی بھکشوؤں کے پاس تھا۔

ہم تقریباً دو گھنٹے... تک عبادت گاہ کے مختلف حصوں میں گھومتے رہے۔ ایک بھکشو بھی ہمارے ساتھ تھا جو کوچی کو جانتا تھا۔ وہ ہمیں عبادت گاہ کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔

عبادت گاہ سے نکل کر کوچی ہمیں مختلف جمنازیم میں گھماتا رہا۔ ہر جمنازیم میں رونق تھی۔ ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ یہاں مارشل آرٹ کی تربیت حاصل کرنے والوں میں نوّے فی صد تعداد غیر ملکیوں کی تھی۔ کوچی بتا رہا تھا کہ بعض لوگ تو دو تین مہینے رہ کر ہی واپس چلے جاتے تھے۔ ایسے لوگ کسی نام نہاد ماسٹر کو رقم دے کر سند حاصل کر لیتے تھے۔ جسے وہ اپنے شہروں میں جا کر استعمال کرتے تھے اور بعض لوگ کئی کئی سال تک یہاں تربیت حاصل کرتے تھے۔

"بدھ کی شام یہاں بڑی رونق ہوتی ہے۔" کوچی بتا رہا تھا "بدھ کی شام چھ بجے سے رات گیارہ بجے تک ہر جمنازیم میں باؤٹ ہوتے ہیں جن میں زیرِ تربیت مارشل آرٹسٹوں کو اپنی اپنی صلاحیتوں کو پرکھنے کا موقع ملتا ہے۔ مہینے میں ایک بار مرکزی جمنازیم میں چیلنجنگ مقابلے ہوتے ہیں جو بڑے دلچسپ اور سنسنی خیز ہوتے ہیں۔ ان مقابلوں کے دوران میں بعض اوقات ناخوشگوار واقعات بھی پیش آتے ہیں اور ماسٹرز کو مداخلت کرنی پڑتی ہے۔"

ہم مختلف جمنازیمز میں گھومتے رہے۔ ایک جمنازیم سے باہر نکلتے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔ سامنے سے وہی لمبے بالوں والا نوجوان آ رہا تھا جو گزشتہ رات جانکی اور چیکو کے ہاتھوں پٹ چکا تھا۔ جانکی نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

لمبے بالوں والا وہ غنڈا جمنازیم میں جا رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ رک گیا۔ اس کے ہونٹ سوجے ہوئے تھے اور دائیں رخسار پر بھی نیلا سا دھبا نظر آ رہا تھا۔ رات کو میں اس کا چہرہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکا تھا لیکن اب اندازہ ہو رہا تھا کہ جانکی اور چیکو نے اس کی اچھی خاصی مرمت کر ڈالی تھی۔ وہ ہمارے سامنے رک کر خوں خوار نظروں سے باری باری مجھے اور جانکی کو گھورنے لگا۔ ایک سرسری نگاہ اس نے کوچی پر بھی ڈالی تھی۔

"ہیلو۔" جانکی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر اشتعال دلانے والی مسکراہٹ تھی۔

اس کی بھویں تن گئیں۔ وہ چند لمحے جانکی کو گھورتا رہا پھر میری طرف رخ کر کے ایک انگلی اٹھاتے ہوئے بولا۔

"کل کی رات میں بھولا نہیں ہوں۔ ٹرو ڈر بھی ابھی اپنی چوٹیں سہلا رہا ہے لیکن وہ ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بھی کل رات کے واقعے کو ذہن میں رکھنا۔"

"ٹرو ڈر۔ اوہ۔" میں نے کہا "شاید تم اس گنجے کی بات کر رہے ہو۔ میں اسے بالکل نہیں بھولا لیکن تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہم تم لوگوں کو یہاں سے بھاگنے نہیں دیں گے۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"ہم بھاگنے کے لیے یہاں نہیں آئے۔ تمہارا یہ ہونٹ ٹھیک ہو جائے تو ملاقات کرنا۔" میں نے کہا۔

"اور میں دعا کروں گی کہ اس وقت تک تمہارا کسی لڑکی سے آمنا سامنا نہ ہو جائے۔" جانکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

وہ پیر پٹختا ہوا جمنازیم میں داخل ہو گیا۔

"یہ شاید ان دونوں میں سے ایک ہے جن کی گردن رات تم نے پنائی کی تھی۔" کوچی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسے تو میں نے چھوا بھی نہیں تھا۔ اس کا حلیہ تو جانکی اور چیکو نے بگاڑا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

کوچی ہمیں ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں لے گیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ ہمیں پھر گھماتا رہا اور مختلف جمنازیم اور ماسٹرز کے بارے میں بتاتا رہا۔

شام سے ذرا پہلے ہم واپس آ گئے۔ اس مرتبہ رنگ پل سے گزرتے ہوئے جانکی کو ذرا بھی خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔

کوچی اور اس کے ساتھی کا سامان اس غار سے برآمد ہوا تھا اور ہم تینوں کے لیے لکڑی کے تخت بچھا دیے گئے تھے۔ رات کو ماسٹر کیشی یان نے بتایا کہ صبح پانچ بجے ہمیں بیدار

جائے گا۔

ان پہاڑیوں میں لاتعداد غار تھے جہاں مختلف ماسٹرز نے اپنے ٹھکانے اور جمنازیم بنا رکھے تھے۔ یہاں نہ صرف بجلی بلکہ ٹیلی فون کا نظام بھی موجود تھا۔ دن بھر آوارہ گردی کرتے ہوئے ہم تھک گئے تھے اس لیے رات کو جلدی سوگئے۔

اور پھر صبح ٹھیک پانچ بجے ماسٹر لیشی یان نے ہمیں جگا دیا۔ جانگی چیکو کو جگانے کی کوشش کرتی رہی مگر وہ اٹھ کر نہیں دی۔ میں اور جانگی، غار سے نکل کر ماسٹر لیشی یان کے ساتھ چل پڑے۔

ان غاروں کو دیکھ کر مجھے بچپن میں اسپین کے بارے میں دیکھی ہوئی ایک ڈاکومنٹری فلم یاد آگئی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ شہروں میں تمام تر سہولتیں ہونے کے باوجود اسپین کے باشندے پہاڑی غاروں میں رہنا پسند کرتے تھے۔ ان غاروں میں بھی انہیں تمام تر شہری سہولتیں حاصل تھیں۔ یہی صورتِ حال یہاں بھی تھی۔ ان پہاڑیوں کے غاروں میں بھی ایک پورا شہر آباد تھا۔

لیشی یان ایک پہاڑی پر چڑھ رہا تھا۔ تنگ سی پگڈنڈی تھی۔ ابھی فضا میں اندھیارا سا تھا۔ راستہ صاف نظر نہیں آرہا تھا۔ جانگی میرے آگے تھی۔ اسے ایک دو مرتبہ ٹھوکریں بھی لگی تھیں اور اسے میں نے گرنے سے سنبھالا تھا۔

یہ پہاڑی پانچ چھ سو فٹ بلند تھی۔ اوپر ایک ہموار سا میدان تھا اور ماسٹر ہینگ پائی ایک پتھر پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ ہم نے اسے ہو گیا اور اس کا اشارہ پاکر اس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ پتھریلی زمین پر اس طرح دو زانو ہو کر بیٹھنا خاصا تکلیف دہ تھا لیکن ظاہر ہے ہم اپنی مرضی سے کسی اور طرح نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

"مجھے یقین ہے وانگ ونگ پائے نے تمہیں بہت کچھ سکھایا ہوگا۔ وہ کسی ایسے شخص کو یہاں میرے پاس نہیں بھیج سکتا جس کا دل خالی اور سینہ کھوکھلا ہو۔" ماسٹر ہینگ پائی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "آج میں تمہیں کچھ ابتدائی باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ جن سے تمہیں یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ مارشل آرٹ صرف لڑائی بھڑائی کا نام نہیں اور بھی بہت کچھ ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "مارشل آرٹسٹ جن خصوصیات کا حامل ہوتا ہے وہ پانچ بنیادی اصولوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ خواہش، ارادہ، ایثار، عمل اور ڈسپلن۔

"اپنی ذات اور دنیا کے لیے یہ ایک خواہش ہے کہ ہم اسے بہتر دیکھنا چاہتے ہیں۔ زندگی ہم سے تقاضا کرتی ہے اس چیلنج سے عہدہ برا ہوں۔

"بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ "ذاتی دفاع" کا مطلب صرف جسمانی اور مدافعت کے عمل تک محدود ہے۔ اپنے جسم کی حفاظت کیسے کی جائے اور اپنا دفاع کیسے کیا جائے۔ یہ درست ہے کہ جسم آدمی کی شناخت اور پہچان ہوتا ہے اور وہ جسم جس کی روح مرچکی ہو، اسے ہم زندہ کا درجہ تو دے سکتے ہیں آدمی نہیں کہہ سکتے۔ مارشل آرٹ کا طالب علم ابتدا ہی میں اس حقیقت کو جان لیتا ہے کہ وہ دفاع کرتے ہوئے وہ دراصل روح کا دفاع کررہا ہوتا ہے۔ جسم کو بہرحال نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

"جہاں تک ذاتی تحفظ کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے طالب علم کو اپنا گہرا اور مسلسل مشاہدہ کرنا چاہیے اور اپنی فطرت کا گہرا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ کتابوں، بزرگوں اور خارجی ہدایات سے ایک طرح کی امداد اور رہنمائی حاصل ہوتی ہے مگر ذات کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کے لیے دل اور روح کو ٹٹولنا پڑتا ہے۔" ماسٹر ہینگ پائی خاموش ہوا اور میں خاموش بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سکون اور سکوت تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ماسٹر ہینگ پائی دوبارہ بولنے لگا تو اس کی آواز روح کی گہرائیوں میں اترتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔

"مارشل آرٹسٹ کو معلوم ہے کہ ذات کا سراغ لگانا آسان نہیں ہوتا۔" وہ کہہ رہا تھا "اور یہ کام ایک دن میں نہیں ہوجاتا۔ آدمی جب تک زندہ رہتا ہے، اسے غور و خوض جیسے عمل سے مسلسل گزرنا پڑتا ہے۔ درحقیقت ذات کا یہ سفر اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک سانس قائم رہتی ہے۔ اس کے لیے مشاہدہ، امتحان، ارتکاز ضروری ہوتا ہے۔ "ذات" کے اس سفر کے دوران میں ایک مارشل آرٹسٹ پر جو کچھ منکشف ہوتا ہے، اوقات حیران کن بھی ہوتا ہے اور وہ خوف زدہ بھی لیکن بہرحال اس کا انعام بھی ملتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اختیار کرنے کی جرأت کرلی جائے۔

"مارشل آرٹ کے طالب علم کے لیے بنیادی بات یہ ہے کہ وہ ذات کو پہچانے، اس کا علم بہت سے سربستہ رازوں کو کھولتا ہے اور زندگی کی حقیقتوں کو بے نقاب کرتا ہے۔

"یہاں ایک سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ اگر مارشل آرٹ کا طالب علم روحانی پہلو کو اس قدر اہمیت دیتا ہے

روح کی بالیدگی کے لیے اتنے کڑے امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے اور اتنی کٹھنائیوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو پھر اس کے جسمانی پہلو کو نظرانداز کیوں نہیں کردیا جاتا۔ جسم کیا کام ہے؟ وہ کہاں کام آتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جسم کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ جسم کے بغیر روح اپنے عمل کی قوتیں کھو دیتی ہے۔ یہ روح کا ساتھی ہے اور روح اس کے ذریعے حکومت کرتی ہے۔ اس لیے جسم کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہم روح کو واسطہ بنا کر معاشرے میں دوسروں سے رابطہ کرتے ہیں اور میل ملاپ بڑھاتے ہیں۔

"جہاں تک ذات کا تعلق ہے تو وہ منفرد اور تنہا ہوتی ہے۔ اس میں معاشرت پسندی ہوتی ہے۔ وہ تنظیم کا خیال رکھتی ہے۔ اس لیے ہر فرد کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ معاشرے میں اپنا مثبت کردار ادا کرے۔ خواہ انفرادی سطح پر ناکام ہی کیوں نہ ہو۔

"تاؤازم TAOISM کا بانی (LAOTZE) لاؤزے کہتا ہے "سکون اور امن پسندی سے زندگی بسر کرو۔ نہ فطرت سے الجھو، نہ آپس میں لڑو۔ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو اپنی ذات سے نقصان نہ پہنچاؤ۔ اگر تم نے یہ صفات اپنی ذات میں پیدا کرلیں تو پھر دنیا کا کوئی شخص تم سے نہیں لڑے گا۔ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کے بدلے مہربانی کرو۔ جو لوگ تمہارے ساتھ اچھے ہوں ان کے ساتھ اچھے رہو اور جو تمہارے ساتھ دشمنی کریں ان کے ساتھ بھی اچھائی کرو۔ مخلص شخص کے ساتھ مخلص رہو اور جو تمہارے ساتھ مخلص نہ ہو، اس کے ساتھ بھی اخلاص برتو۔ نرم ترین شے، سخت ترین شے سے ٹکرانے کی طاقت رکھتی ہے۔ دنیا میں سب سے کمزور اور نرم چیز پانی ہے لیکن کسی سخت سے سخت اور مضبوط سے مضبوط چیز کے ساتھ ٹکر لینے والی اس سے زیادہ طاقت ور چیز کوئی اور نہیں ہوسکتی۔"

"مارشل آرٹ کا ماہر بھی کچھ ایسی ہی خاموش قوتوں کا حامل ہوتا ہے۔ کسی مہم جو اور مارشل آرٹ کے ماہر، دونوں میں یہ باطنی قوت یکساں طور پر موجود ہوتی ہے۔ یہ اپنے آپ پر بھروسا کرتے ہیں اور اپنی غلطیوں کی اصلاح بھی خود ہی کرتے ہیں۔ تاریخ اٹھا کر دیکھ لو۔ یہ باطنی قوت تمہیں دنیا کے ہر بڑے آدمی میں دکھائی دے گی۔ مثال کے طور پر سقراط کو لے لو۔ اسے معلوم تھا کہ اسے زہر پلایا جارہا ہے مگر اس نے پیالہ بلا تذبذب پی لیا کیونکہ اس کا یہی عمل اس کی عمر بھر کی تعلیمات کو زندہ رکھنے والا تھا۔ ملٹن نے بینائی کھودی تھی لیکن اس معذوری کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس نے اپنی مشہور فلم "فردوسِ گم گشتہ" تخلیق کی تھی۔ بیتھوون (BEETHOVEN) بہرا ہوگیا تھا لیکن پھر بھی اس نے موسیقی کی دنیا کو نئے سُروں سے آشنا کردیا۔ نواں راگ اس کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔"

ماسٹر ہینگ پائی ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔ دن کی روشنی کچھ اور نکھر آئی تھی۔ میں نے نہ تو جھکا ہوا سر اٹھایا اور نہ ہی اِدھر اُدھر دیکھنے کی کوشش کی۔ میرے دائیں بائیں جانگی اور ماسٹر لیشی یان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے جسم بھی ساکت تھے اور سانسیں جیسے تھم گئی تھیں۔ ماسٹر ہینگ پائی کہہ رہا تھا۔

"بلاشبہ یہ وہ لوگ تھے جن کا جذبہ عظیم تھا اور جنہوں نے اپنی روح کی امنگ کو جسم کے تقاضوں کے ہم آہنگ کرکے فن پارے تخلیق کیے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی خیال کیا کہ معاشرتی طور پر ان کی ذمے داریاں کیا ہیں اور انہیں یہ ذمے داریاں کس طرح سنبھالنی ہیں۔ دشواریوں اور مصیبتوں کے باوجود انہوں نے خندہ پیشانی سے اپنے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ یہ سب اس لیے ممکن ہوا کہ وہ روحانی طور پر مضبوط اور طاقت ور تھے۔

"مارشل آرٹسٹ بھی انہی معنوں میں روح اور جسم کی عظمت اور معاشرے کی مدافعت کے نمائندہ سمجھے جاتے ہیں۔ مارشل آرٹسٹ کسی "ذات" کے جسم کی روح کا دفاع کرتا ہے جو کہ معاشرے سے وابستہ ہوتا ہے۔ مہم بازوں کی طرح کسی مارشل آرٹسٹ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اپنے حریفوں سے بہتر طور پر سازو سامان سے آراستہ ہو بلکہ سارا زور اس پر ہوتا ہے کہ کس کے اندر کتنی سکت ہے۔ کتنی روح ہے کہ اپنی ذات کی چمک دمک کو نمایاں کرسکے۔ انفرادی مہارت کا تمام تر دارومدار ان سوالوں کے جوابات میں پنہاں ہوتا ہے جو مسلسل سامنے رہتے ہیں۔ یعنی میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ کیوں ہوں اور کہاں جارہا ہوں؟

"مارشل آرٹ سے مرتبے اور حیثیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا مگر آدمی کے خیالات بلند ہوجاتے ہیں اور اس کی جرأت اور حوصلے میں اضافہ ہوتا ہے۔

"ایک اچھا مارشل آرٹسٹ اپنی ان ہی خصوصیات میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ جبکہ طالب علم اپنے ماسٹر جیسا بننے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح دونوں ترقی کی منازل طے کرتے رہتے ہیں۔ جس سے ایک صحت مند معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

"ضروری نہیں کہ ایک کامیاب مارشل آرٹسٹ اپنے سے کم تر ساتھی کے مقابلے میں جسمانی اور ذہنی طور پر زیادہ

طاقت در ہو۔ درحقیقت کامیابی اور ناکامی کا انحصار ذات کے نظریے پر ہے یعنی یہ کہ اپنی ذات کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ میں کون ہوں؟ کیوں ہوں اور کس سمت میں جا رہا ہوں؟ جیسے سوالات کے متعلق جب وہ درست نظریہ اور جوابات رکھتا ہے تو ایک ماسٹر کی حیثیت سے اس کا رتبہ بلند ہوتا رہتا ہے لیکن اگر ان سوالات کے متعلق اس کے ذہن میں کوئی واضح نظریہ نہیں ہوتا یا اس کے جوابات بُزدلانہ نوعیت کے ہوتے ہیں تو اس کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلتا ہے۔ جبکہ واضح نظریے کا حامل ماسٹر کامیابی کی سیڑھیاں طے کرتا چلا جاتا ہے۔

"زندگی کے دوسرے شعبوں میں آزمودہ کار اور پختہ لوگ نو آموز اور مبتدی لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ ذرا آہستہ کام کریں تیزی نہ دکھائیں۔ جبکہ ایک تجربہ کار مارشل آرٹسٹ اپنے شاگردوں کا حوصلہ بڑھاتا رہتا ہے۔ کسی بھی مرحلے پر ان کا جوش و خروش سرد نہیں پڑنے دیتا۔

"مارشل آرٹس کی پریکٹس زیادہ مشکل نہیں۔ اس کے سیکھنے والوں کو پابند رہنا پڑتا ہے اس لیے حد بندی بھی کرنی پڑتی ہے۔ جب وہ اس مرحلے سے مسلسل گزرتا رہتا ہے تو اس کی روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔"

ماسٹر ہینگ پائی ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔ اس مرتبہ میں نے جھکا ہوا سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اب بھی بالکل سیدھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی کمر میں ذرا بھی خم نہیں تھا۔ اس کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ اس کی نظریں افق پر تیرتے ہوئے بادل کے ایک ٹکڑے پر مرکوز تھیں۔

"فطرت ہمیشہ سے ایک اچھی استاد رہی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا "سمندر کی موجیں چٹانوں سے سر ٹکراتی اور جھاگ اڑاتی ہیں۔ سورج نہایت آب و تاب سے نکلتا اور پھر ڈوب جاتا ہے۔ موسم پابندی سے مقررہ وقت پر اپنا مزاج تبدیل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ موت اور زندگی کا ایک مسلسل چکر چلتا رہتا ہے۔ یہ سب کے سب کائنات کے مظاہرے ہی نہیں بلکہ فطرت کی قوت اور نرمو کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

"زندگی کے دوسرے شعبوں میں نئی نئی ٹیکنیک کا زیادہ استعمال پسندیدہ عمل نہیں ہوتا مگر مارشل آرٹس کی دنیا میں ایسا نہیں۔ یہاں اس ہنر کا ماہر ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے کہ پرانے داؤ پیچوں کو نئی سمت اور نیا رخ دے سکے۔

"مارشل آرٹ کی پریکٹس آدمی سے مکمل کمٹ منٹ کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس میں مادی نشوونما بھی نہاں ہے اور روحانی ترقی بھی۔ اس کے سامنے تھیوری اور ایکشن دونوں ہی رہتے ہیں اور یہ کام ایک پوری عمر کا متقاضی ہوتا ہے۔ مارشل آرٹس میں آدمی کی باطنی اور ظاہری دونوں نوعیت کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ فطرت سے "روح" کشید کی جاتی ہے اور اس سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ مارشل آرٹ فطرت کے ساتھ تعاون کرتا ہے۔ الجھتا نہیں۔ فطری جوہر اور فطری صلاحیتوں پر ہی اس کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ قانونِ قدرت ہے کہ صرف موزوں ترین ہی زندہ رہتا ہے۔

"مارشل آرٹسٹ کسی ایک مقام پر مستقل نہیں رہتا۔ وہ اپنی مہارت کو بڑھانے کے لیے ہر لمحہ مشغول رہتا ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں حریف بھی ہوتا ہے اور دوست بھی۔ وہ ذاتی نشوونما کے لیے کسی بھی قسم کی تنقید سے دریغ نہیں کرتا۔

"جیت طاقت کا مظاہرہ نہیں ہوتی۔ یہ دراصل کامیابی کا نام ہے جو آدمی اپنے مشن کی تکمیل کی شکل میں پاتا ہے۔ جیت حقیقتاً ایک تعمیری چیز ہے تخریبی نہیں۔ مارشل آرٹ کا ماہر وہی کچھ کرتا ہے جو عین فطرت کے مطابق ہے مثلاً فطرت میں تغیر کا عنصر موجود ہے۔ مارشل آرٹ کا ماہر کبھی جامد نہیں رہتا۔ وہ نہ تو باغی ہوتا ہے اور نہ لکیر کا فقیر۔ اس میں فکر کا مادّہ تو ہوتا ہے لیکن خوف نہیں ہوتا۔ وہ اختلاف تو کرتا ہے لیکن کسی کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتا۔

"کسی آدمی میں صبر و تحمل، غور و فکر، استغراق و تجسس جیسی خصوصیات فوراً اور اچانک نہیں ابھرتیں۔ مارشل آرٹ کا طالب علم انہیں پوری تندہی اور سرگرمی سے حاصل کرتا ہے۔ یہ ایک مشکل عمل ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ قربانیاں دیتا ہے۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مارشل آرٹ کسی فلسفے کا نام ہے؟ اس کا جواب ہے نہیں۔ درحقیقت یہ ہنر جسم و روح کے اشتراک کا نام ہے۔ یہ اس لطیف توازن کا نام ہے جو خیال و عمل سے بنتا ہے۔ جب ایک ماہر جنگجو لڑتا ہے تو بیٹھ کر سوچتا نہیں۔ وہ جنگ کے دوران میں خیال و عمل ہوتا ہے کیونکہ جسمانی مقابلے میں خیال کو عمل میں ڈالنے کا وقفہ ہوتا ہے۔

"مارشل آرٹ کی فلاسفی کو عمل کی شکل میں دیکھا جائے تو پتا چلے گا کہ یہاں جسم کی تربیت ضروری ہوتی ہے اگر جسم تربیت یافتہ نہ ہو تو دماغ کو عمل کے لیے اچھے مواقع نہیں مل سکتے۔ اس لیے مارشل آرٹس میں جسم اور خیال کو یکساں اہمیت دی جاتی ہے۔" ماسٹر ہینگ پائی ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔

میں نے کن انکھیوں سے جانگی کی طرف دیکھا۔ مجھے ہوگا کی پریشانی تھی۔ میں اس پوزیشن میں بھی گھنٹوں بیٹھا رہ سکتا تھا مگر جانگی اس کی عادی نہیں تھی۔ وہ کچھ بے چینی سی محسوس کر رہی تھی۔

"اب تک جو بحث ہوئی ہے، اس سے یہ بھی علم ہوجائے گا کہ آج کل عدم تحفظ کا احساس اس قدر بڑھ کیوں گیا ہے؟" ماسٹر ہینگ پائی کہہ رہا تھا "آج کے پُرہنگام دور میں آدمی ایسے حالات سے دوچار ہے جہاں اس کے پاس اپنی حفاظت کے لیے موزوں ذرائع نہیں رہے۔ اس کے پاس ایسے ساتھی بھی نہیں ہوتے کہ وہ ضرورت پڑنے پر مدد کے لیے ان کی سمت رجوع کرسکے۔

"ہمارے سماج میں تنزلی بڑی تیزی سے پیدا ہو رہی ہے۔ دن دہاڑے لوگوں کو اغوا کیا جا رہا ہے۔ قتل اور ڈکیتیاں ہو رہی ہیں۔ پولیس کچھ بھی نہیں کرپاتی۔ دراصل پولیس کے پاس اتنے وسائل بھی نہیں ہیں کہ پوری طرح حالات پر قابو پاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کی کارکردگی سے سخت بیزار ہیں۔ پولیس شہر کے شرپسند مار نوجوانوں کو کنٹرول کرنے میں ناکام ہے۔ جرائم کی شرح بڑھ رہی ہے۔ ہر ذہن پر خوف طاری ہے۔ عالم یہ ہے کہ اصل مجرم تو آزادی سے دندناتے پھرتے ہیں اور خانہ پُری کے لیے پولیس اکثر بے گناہوں کو پکڑ لیتی ہے۔ اکثر جھوٹے گواہیوں پر بے گناہوں کو سزا بھی ہوجاتی ہے۔ یہ صورتِ حال اکثر اوقات ذمے دار لوگوں کے علم میں بھی ہوتی ہے لیکن وہ بھی چپ رہتے ہیں۔

"مارشل آرٹ کی مقبولیت کا راز بھی اسی میں ہے اور اب یہ علم صرف لڑنے کا علم نہیں بلکہ خود حفاظتی کا علم بن گیا ہے۔ یہ علم آدمی کو اندرونی اور بیرونی، دونوں خطروں سے بچاتا ہے۔

"مارشل آرٹ صرف سماجی بہبود پر زور نہیں دیتا بلکہ یہ ذہنی تکمیل سے بھی آشنا کرتا ہے اور اس کی ذات کو ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند بناتا ہے۔

"مارشل آرٹس کے طالب علموں کو اکثر اس پر تعجب بھی ہوتا ہے کہ وہ ہاتھ پیر چلانے کی تربیتوں سے قبل مراقبے اور توازن کے فن پر دسترس حاصل کریں۔ توازن سے صرف یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جسمانی توازن سیکھا جائے بلکہ روحانی توازن پر توجہ دینی ہوتی ہے اور یہ توازن صرف ایک زیرک ذہن ہی حاصل کرپاتا ہے۔ مارشل آرٹس میں توازن کا مطلب ہوتا ہے کہ آدمی نہ صرف مستحکم طور پر کھڑا رہنا سیکھے بلکہ اسے ذہنی توازن بھی حاصل کرنا ہوتا ہے اس میں آدمی کو اپنے کردار کی خصوصیت کو اجاگر کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ سماج کے لیے ایک بہتر فرد بن کر ابھر سکے۔

"مارشل آرٹس کے طالب علموں کو بہرحال جو فن سکھایا جاتا ہے، وہ خود حفاظتی کا ایسا طریقہ ہوتا ہے جس میں ہتھیار استعمال نہیں ہوتے۔ طالب علم کو ذہن اور جسم کی ایسی یکجا قوتوں سے آشنا کرایا جاتا ہے کہ دونوں چیزیں اسے ہر قسم کے خطرات سے بچانے کا باعث بن جاتی ہیں اور جب اس پر حملہ ہوتا ہے تو اس کی یہی ذہنی اور جسمانی قوتیں ایک مسلک ہتھیار بن کر اس کا ساتھ دیتی ہیں۔ مارشل آرٹس کے طالب علم کے ہتھیار بازار سے نہیں خریدے جاسکتے۔ نہ ہی ان کے لیے لائسنس کی ضرورت ہوتی ہے اور چونکہ یہ طالب علم کے اپنے اندر کا حصہ ہوتے ہیں اس لیے انہیں کہیں رکھنے کی زحمت بھی نہیں اٹھانی پڑتی البتہ ان کے لیے ذہنی اور جسمانی تربیت ضرور درکار ہوتی ہے جس میں اسے مستقل مزاجی، تنظیم اور ارادے کا درس دیا جاتا ہے۔

"گویا مارشل آرٹ کسی کو اس وقت تک نہیں سکھایا جاسکتا جب تک وہ فرد خود کو اس کا مستحق نہ بنالے۔ ایک طرح سے اسے از سرِنو معصوم بننا پڑتا ہے۔ اس کی پرانی عادات کو ختم کردیا جاتا ہے۔ اس کی "ذات" کی ابتدا صفر سے کرنی ہوتی ہے۔ یہ کام مارشل آرٹس کے اسکولوں میں انجام دیا جاتا ہے۔ ویسے اسکول تربیت ہیں لیکن صحیح معنوں میں یہ کام صرف ان اسکولوں میں ہوتا ہے جہاں DO کی مشق بھی کرائی جاتی ہے اور سکھایا بھی جاتا ہے۔ یہ JANG DO بالکل کسی مشرقی MONASTERY کی طرح ہوتی ہے یعنی ایک مکمل عبادت گاہ۔ یہاں داخلے کی فیس کے طور پر آدمی سے مکمل طور پر ارتکاز، توجہ اور COMPASSION کی طلب کی جاتی ہے۔ وہ جنہیں صرف کسی SKILL سیکھنے کا شوق ہو تو انہیں SUL-JANG میں جانا چاہیے۔ JANG-DO ان کے مطلب کے نہیں ہوتے۔

"DO — JANG میں داخلہ پانے والوں کو بے شک فخر کرنا چاہیے یہاں مارشل آرٹس کے لیے ذاتی قربانی سکھائی جاتی ہے۔ یہ ایک مقدس جگہ ہوتی ہے۔ DO — JANG میں داخل ہوتے وقت طالب علم اس کو جھک کر تعظیم دیتے ہیں۔ JANG — DO میں داخلے کے بعد طالب علم کو تین قسم کی قوتوں... پر عبور حاصل کرایا جاتا ہے۔ یہ تین قوتیں۔

OE — GONG (باطنی قوت) NEA — GONG (خارجی قوت) اور SHIM GONG یعنی روحانی قوت۔

"باطنی قوت سانسوں کی مشق سے حاصل کرائی جاتی ہے کیونکہ دنیا کے نوّے فی صد افراد صحیح طرح سانس لینا بھی

نہیں جانتے۔ اس وجہ سے ان کا وزن بڑھتا ہے اور وہ مختلف بیماریوں میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ سانس کی مشقوں کی' دو بدو لڑائی میں بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اسی لیے طالب علم کو سب سے پہلے BREATH CONTROL سکھایا جاتا ہے۔

"بدقسمتی سے مارشل آرٹس کے طالب علم خوامخواہ رہتے ہیں کہ انہیں جلد سے جلد ٹیکنیکس سکھا دی جائیں۔ وہ اپنی اندرونی اور بیرونی قوتوں کو ابھارنے پر توجہ نہیں دیتے۔ خصوصاً اندرونی صحت گویا اچھے کردار کی مماثل شے ہوتی ہے۔ ان دونوں قوتوں کے امتزاج پر مکمل عبور کے بغیر عمدگی سے لڑنا کبھی نہیں سیکھا جا سکتا۔

"استغراق کا عمل گویا ذہنی تربیت کا نام ہے۔ اس میں ذہن کو آزاد ایک نقطے پر مرکوز کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ایکشن زیادہ طاقت ور ہو جاتا ہے۔ بیرونی طاقت کے مظاہرے سے قبل باطنی قوت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ روحانی قوت یعنی SHIM GONG کے ذریعے ہم خود اپنے آپ کو بھی فتح کر سکتے ہیں۔ مارشل آرٹس میں روحانی قوت ایک لازمی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ذریعے آدمی لاشعوری اقدامات پر قادر ہوتا ہے۔ جس کی مدد سے وہ اپنے حریف کی ہر حرکت کو بہ آسانی تاڑ لیتا ہے اور بروقت جوابی کارروائی کر سکتا ہے۔ میں روحانی قوت کے حوالے سے تمہیں ایک چھوٹی سی کہانی سناتا ہوں جس سے اس کا کچھ تصور تمہارے ذہن میں قائم ہو سکے گا۔"

ماسٹر ہنگ پائی ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ مشرقی افق پر بہت ہلکی سی سرخی نمودار ہونے لگی تھی اور اس سرخی کا عکس ماسٹر کے جھریوں بھرے چہرے پر پڑ رہا تھا۔ صبح کی طلوع ہوتی ہوئی سرخی مائل روشنی میں اس کا چہرہ بہت پُراسرار لگ رہا تھا۔

"دو بھکشو کہیں جا رہے تھے۔" ماسٹر ہنگ پائی کہہ رہا تھا "ایک دریا کے پاس ایک خوب صورت لڑکی نظر آئی جو دریا پار کرنا چاہتی تھی لیکن پانی قدرے گہرا تھا اور وہ اپنے لباس کو بھیگنے سے بچانا بھی چاہتی تھی۔ ان میں سے ایک بھکشو نے اس لڑکی کی مدد اس طرح کی کہ اسے اپنی پیٹھ پر لادا اور دریا کے دوسرے کنارے پر اتار دیا۔ دونوں بھکشو پھر اپنی راہ پر چل دیے۔ کچھ دور جا کر دوسرے بھکشو نے پہلے بھکشو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تمہاری یہ حرکت سراسر غیر اخلاقی تھی۔ تمہیں کسی لڑکی کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے تھا۔"

وہ بھکشو جس نے لڑکی کو اپنی پیٹھ پر لاد کر دریا پار کرایا تھا' خاموشی سے چلتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے جواب دیا "میں نے تو اس لڑکی کو دریا کے کنارے پر ہی اتار دیا تھا لیکن تم ابھی تک اسے اپنے اوپر سوار کیے ہوئے ہو۔"

"دیکھا تم نے۔ یہ ہیں روحانی قوت کے معنی۔ قوت انسانی افعال کو نہایت گہرا بنیادی جواز فراہم کرتی ہے۔ با اقدار شخص جو کچھ کرتا ہے... منصفانہ جواز کے ساتھ ہے۔ یہ انسان کو مثبت رویے کی حامل بناتی ہے۔ اسی سے مارشل آرٹس کے طالب علم بسا اوقات "سپر ہیرو" بھی سمجھے جاتے ہیں کیونکہ وہ روحانی سطح پر نہایت شفاف ہوتے ہیں اور اس وجہ سے وہ ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں۔

"اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ مارشل آرٹس صرف لڑائی پر مشتمل نہیں بلکہ ان کی اصل بنیاد DO پر ہے۔ یہ صرف لڑائی کی کسی ٹیکنیک کو سیکھ لینے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک طریقۂ حیات ہے جو لوگ صرف ٹیکنیکس کے چکر میں ہیں وہ حقیقتاً مارشل آرٹس نہیں سیکھ رہے ہوتے۔ مارشل آرٹ کوئی تفریحی شے نہیں ہے۔ یہ تو ضابطۂ حیات ہے۔ مارشل آرٹس کے شوقین اکثر جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں اس کی طرف مائل ہوتے ہیں مگر مارشل آرٹ کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ایسے افراد پیدا کیے جائیں جو لیڈرانہ شان رکھتے ہوں اور جن میں قیادت کی بھرپور صلاحیت موجود ہو۔ اس ضمن میں شرافت پر از حد زور دیا جاتا ہے۔ ان میں سیلف کنٹرول بڑھایا جاتا ہے۔ ان کے اندر حُبُّ الوطنی اور وفاداری کا جذبہ ابھارا جاتا ہے۔ آج کے ٹیکنیکی دور میں ہمارے اردگرد جو بدامنی پیدا ہو چکی ہے' اس میں ایسے پُروقار علم و فن کی بہت ضرورت ہے' اسے تم سمجھ گئے ہو۔

"یہ چیلنج کا دور ہے۔ یہاں روح کی بالیدگی کے بغیر کوئی مہم جُو سچا نہیں کہلا سکتا۔ ہمارا یہ دور ایسے اشخاص کی دیکھ رہا ہے جو عظیم کہلانے کے مستحق ہوں۔ جو اپنے اندر سے سوسائٹی کو ایک نوع کا نظم و ضبط اور خوب صورتی دے سکیں۔ جو اردگرد کی افراتفری کو دوبارہ ضابطوں کے دائرے میں لا سکیں اور یہ کام روح کی عظمتوں کے بغیر ممکن نہیں۔ بڑا کام ہے۔ اس سے عمدہ برا ہونے کے لیے دنیا میں قوتوں کو پہچاننا بھی ہو گا اور ہمیں ماضی سے مثبت تجربہ بھی کرنے ہوں گے۔ اگر ہم دوسروں کے لیے مشعل راہ چاہتے ہیں تو پھر ہمیں یہ سب کچھ کرنا ہی ہو گا کیونکہ اس کے ہم سب کی سلامتی اور بقا کا راز مضمر ہے۔"

ماسٹر ہنگ پائی خاموش ہو گیا۔ مشرقی افق پر سرخی گہری ہو گئی تھی۔ ماسٹر کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ وہ یوگا کے آسن میں بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے بالکل سیدھا بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ شفق کی سرخی کا عکس اس کے چہرے پر پُراسرار سا تاثر دے رہا تھا۔

سورج پہاڑی کی اوٹ سے سر ابھارنے لگا۔ سورج کی کرنیں چہرے پر پڑتے ہی ماسٹر نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ کچھ دیر تک براہِ راست سورج کو دیکھ رہا تھا جیسے اس کی ساری روشنی اپنی آنکھوں میں جذب کر لینا چاہتا ہو۔

○☆○

یہ ماسٹر ہنگ پائی کا پہلا لیکچر تھا جو خاصا طویل ثابت ہوا اور میں دیر تک سوچتا رہا کہ ایسی باتوں پر عمل کیا جائے تو اپنے سارے لڑائی جھگڑے اور فساد ختم ہو جائیں۔ انسان اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے جینا سیکھ جائے لیکن المیہ تو یہ تھا کہ ہر شخص کو اپنا مفاد عزیز تھا۔ پڑھا لکھا ہو یا جاہل' ہر شخص اپنے معمولی سے فائدے کے لیے دوسروں کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچانے سے بھی نہیں چوکتا تھا۔

ماسٹر ہنگ پائی لیکچر دے کر جا چکا تھا اور ہم وہیں کھڑے رہے۔ سورج اور چمکتی دھوپ کو دیکھتے رہے۔ میں تو یوگا کے آسن میں گھنٹوں..... بیٹھے رہنے کا عادی تھا لیکن جانکی کی حالت بہت ابتر ہو چکی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے اٹھنے میں کامیاب ہو سکی تھی۔ اس کے گھٹنے جیسے جُڑ گئے تھے۔ وہ دیر تک لڑکھڑاتی باری باری دونوں ٹانگوں کو آہستہ آہستہ جھٹکتی رہی تب کہیں چلنے کے قابل ہو سکی تھی۔

ان پہاڑیوں پر سبزہ زیادہ نہیں تھا۔ اکا دکا درخت تھے۔ کچھ دیر یہاں رکنا چاہتا تھا۔ ماسٹر لیشی یان بھی ماسٹر ہنگ پائی کے ساتھ چلا گیا تھا۔ میں اور جانکی کچھ دیر تک ایک درخت کے نیچے کھڑے رہے اور پھر ٹہلتے ہوئے چٹان کے دوسرے کنارے کی طرف آ گئے۔ اس طرف کی پہاڑیاں نیچی تھیں اور وہاں سے دریا بھی نظر آ رہا تھا۔ اس طرف دریا میں کشتیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ میں نے جانکی کو اشارہ کیا اور ایک پگڈنڈی سے اترتے ہوئے واپس آ گئے۔

جانکی نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد نوجوان لوچی ہمارے لیے ناشتا لے کر آ گیا۔ اس نے بتایا کہ نو بجے جمنازیم میں کلاس شروع ہو جائے گی اس وقت پر وہاں پہنچ جائیں۔

جمنازیم کے لگ بھگ ہی جمنازیم میں پہنچ گئے۔ لڑکوں کی تعداد لگ بھگ سو ہو گی۔ وہ سب بڑے ہال والے حصے میں جمع تھے۔ ٹھیک نو بجے ماسٹر لیشی یان پہنچ گیا۔ اس کا لیکچر خاصا طویل ثابت ہوا تھا۔ اس کے بعد ایکسر سائز شروع ہو گئی۔ یہ انکشاف تو بعد میں ہوا کہ ایک سیشن صبح چھ بجے ہو چکا تھا۔ وہ یوگا اور مراقبے کا سیشن تھا جس میں سانس پر قابو پانے کی تربیت دی جاتی تھی۔ نو سے بارہ بجے تک لیکچر اور ایکسر سائز کا سیشن تھا۔ شام چھ سے نو بجے تک پریکٹیکل کلاسز ہوتی تھیں۔ کوچی کو ماسٹر لیشی یان کے نائب کی حیثیت حاصل تھی۔ تمام لڑکے اس کا احترام کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف ٹیمیں بنا دی جاتی تھیں۔ ہر ٹیم کا کیپٹن الگ سے مقرر کیا جاتا تھا۔

شام کی کلاسز میں اسٹوڈنٹس کی تعداد سو کے لگ بھگ ہو جاتی تھی۔ اس سیشن میں ایسے طالب علم بھی شامل ہو جاتے تھے جو صرف فائٹ ٹیکنیک سیکھنا چاہتے تھے۔ تھیوری سے انہیں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ شام کے اس سیشن میں لڑکیاں بھی معقول تعداد میں شریک ہوتی تھیں۔ ان کا تعلق بھی مختلف ممالک سے تھا۔ ان میں کامنی نام کی ایک ہندوستانی لڑکی بھی تھی جس سے جانکی کی دوستی ہو گئی۔

جانکی میرے ساتھ باقاعدگی سے کلاسز اٹینڈ کر رہی تھی۔ پہلے اس نے کبھی مارشل آرٹ میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ وہ اسے وحشیانہ کھیل سمجھتی تھی لیکن عرصے سے میرے ساتھ رہتے ہوئے وہ جان چکی تھی کہ ذاتی تحفظ کے لیے یہ فن سیکھنا بہت ضروری ہے۔ اس نے کئی مرتبہ اس خواہش کا اظہار تو کیا تھا لیکن سنجیدگی کبھی اختیار نہیں کی تھی مگر اس روز صبح ماسٹر ہنگ پائی کا لیکچر سننے کے بعد وہ اس پر توجہ دینے لگی تھی۔ اس کے برعکس چیکو کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ یا تو کمرے میں بیٹھی رہتی یا ہال میں دور بیٹھ کر ہمیں پریکٹس وغیرہ کرتے ہوئے دیکھتی رہتی۔

ہمارا اصل کا سیشن ماسٹر ہنگ پائی کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔ میں اور جانکی صبح ساڑھے پانچ بجے پہاڑی پر پہنچ جاتے۔ جہاں ماسٹر ہنگ پائی پہلے سے موجود ہوتا۔ ایک مختصر سا لیکچر ہوتا پھر مراقبہ اور یوگا۔ اس کے بعد میں اور جانکی جوگنگ بھی کرتے تھے۔

دوپہر بارہ سے شام چھ بجے تک وقفہ ہوتا تھا مگر ماسٹر لیشی یان مجھے اور جانکی کو پانچ بجے ہی پکڑ لیتا اور ہماری کلاس شروع ہو جاتی۔ جانکی کو شروع میں تو خاصی مشکل پیش آئی تھی لیکن رفتہ رفتہ وہ اس کی عادی ہوتی چلی گئی۔

کئی روز گزر گئے۔ اس دوران میں ہم ایک مرتبہ بھی ٹیمپل کی طرف نہیں گئے تھے۔ کبھی کبھار کامنی رات کو

روک لیا۔ وہ اچانک ہی کسی طرف سے نکل کر سامنے آئے تھے۔ دو کو تو میں نے فوراً ہی پہچان لیا۔ یہ دونوں وہی تھے جو ہمارے ہاتھوں پٹ چکے تھے۔ لمبے بالوں والا انگریز نوجوان اور گنجا جرمن ٹروڈر۔ یہ نام دوسرے دن لمبے بالوں والے نے ہی بتایا تھا۔ ان کے ساتھ تیسرے آدمی نے سر پر کپڑا ڈال رکھا تھا جس سے اس کا چہرہ چھپ گیا تھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ بھی انہی کے قبیل کا کوئی ہوگا۔ وہ دراز قامت اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ ہاتھوں پیروں کا بھی خاصا مضبوط تھا۔

"ہم تو بہت دنوں سے تمہیں تلاش کر رہے تھے۔" گنجے ٹروڈر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہمیں پتا چل گیا تھا کہ تم منگ شول کیمپ میں چھپے ہوئے ہو۔ وہاں جانے کا ہم خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے لیکن یہ یقین تو تھا کہ تم اپنے بل سے باہر ضرور نکلو گے اور آج ہمیں اطلاع مل گئی کہ تم اس طرف کسی کے پاس آئے ہوئے ہو۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ اس رات تو ہم دھوکے میں مار کھا گئے تھے لیکن آج تم تینوں بچ کر نہیں جا سکو گے۔"

"میں بھی بہت دنوں سے تم دونوں کی تلاش میں تھا۔" تیسرے آدمی نے کہتے ہوئے اپنے سر سے کپڑا ہٹا دیا "مجھے بھی تم تینوں سے پرانا حساب چکانا ہے۔"

اس کا چہرہ دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ گردن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ وہ ہکسیان تھا۔ ہکسیان سے جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی تو وہ بھی ایک بھکشو کے بھیس میں تھا اور میں اور جانکی بھی بھکشوؤں والا روپ دھارے ہوئے تھے۔ وہ ہمیں رات گزارنے کے لیے دریا کے کنارے ایک عبادت گاہ میں لے گیا تھا جہاں میں نے اسے بتایا تھا کہ ہم شاؤلن ٹیمپل جا رہے ہیں اور وہ اسی رات ہمیں نشہ آور مٹھائی کھلا کر ہمارا سب کچھ لوٹ کر لے گیا تھا۔ اس کے بعد ہکسیان سے ہماری ملاقات ڈانگ کو میں ہوئی تھی۔ ہم نے اسے چھاپ لیا تھا لیکن وہ فائرنگ کرتا ہوا فرار ہو گیا تھا اور ہم کاراشان کے ہتے چڑھ گئے تھے۔ ہکسیان سے ہماری تیسری ملاقات راستے میں ہوئی تھی جب اس نے ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر ہماری وین پر حملہ کر دیا تھا۔ اس حملے میں دو آدمی مارے گئے تھے اور ہمیں قیدی بنا لیا گیا تھا۔ اس کے بعد غار میں جو کچھ ہوا تھا اس کی تفصیل میں پہلے ہی بتا چکا ہوں اور اب وہ یہاں ہمارے سامنے ان دونوں یورپی غنڈوں کے ساتھ موجود تھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ غار میں ان ڈاکوؤں کو ختم کر کے بھاگ نکلا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میں شاؤلن ٹیمپل کا رخ کیے لیے وہ بھی یہاں پہنچ گیا تھا اور یہاں آتے ہی مطلب کے آدمی مل گئے تھے اور اب وہ تینوں ہمارے سامنے کھڑے تھے۔

چیکو انہیں دیکھ کر سہم گئی اور میرے ساتھ چپک ہو گئی۔ جانکی کے چہرے پر بھی خوف کے سائے لہرا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا تھا۔ ایسے حالات سے دو چار ہو چکی تھی اور میری طرح دل و دماغ سے بھی موت کا خوف نکل چکا تھا۔ اس امید تھی کہ وہ بھرپور انداز میں میرا ساتھ دے گی۔

ٹروڈر دو قدم آگے بڑھ آیا۔ پہلے روز کی طرح دونوں ہاتھ آگے نکال کر کراٹے کا اٹیک بنایا مارنے کے انداز میں دائیں ہاتھ کو حرکت دی۔ توقف نہیں تھا کہ اس کے جھانسے میں آ جاتا۔ مہاراج کی نگرانی میں، میں نے ماسٹر ہوچن، ماسٹر دوسرے سینئرز سے میں نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ تربیت تھی کہ چی فائنگ جیسے مارشل آرٹسٹ میرے سے اپنی پگڑیاں تڑوا بیٹھے تھے۔ بنکاک، کنچن پور مائی اور چیانگ رائے میں بھی مارشل آرٹ کا کوئی سامنے نہیں ٹک سکا تھا۔ میں اپنی اس تربیت گولڈن ٹرائی اینگل سے بھی زندہ بچ نکلا تھا اور سے میں یہاں ماسٹر ہینگ بائی اور لیشی یان سے تربیت تھا۔ ماسٹر ہینگ بائی کے لیکچر ایک خاص انداز میں انداز ہو رہے تھے۔ میں ذہنی اور جسمانی قوتوں وقت کام لینا سیکھ گیا تھا۔ تربیت اگرچہ مختصر سی اس حریف سے دھوکا نہیں کھا سکتا تھا جو دماغ ہاتھوں پیروں سے کام لینے کا عادی تھا۔ میں حرکت اس نے مجھے دھوکا دینے کے لیے دی اور خطرناک وار کرنا چاہتا تھا۔

میں نے اپنے آپ کو اس کے بچ سے بچا بڑی پھرتی سے کک لگانے کے لیے دائیں ٹانگ دی۔ میں اس کے کسی ایسے ہی وار کا منتظر تھا۔ سے بھی زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بائیں کی کک بلاک کی اور دائیں ہاتھ سے اس کی گھٹنے سے چند انچ اوپر چوپ رسید کر دیا۔ وہ بلبلا ٹانگ پر ناچ کر رہ گیا۔

اسی دوران میں ہکسیان نے مجھ پر حملہ کر تان کر بالکل بازاری انداز میں مجھ پر حملہ آور ہوا

فتح ہونے کے بعد جانکی کے پاس رک جاتی۔ وہ مجھ کی بھی بے تکلف ہو گئی تھی۔

جانکی کا تعلق ہندوستان کے شہر پشکر کی رہنے والی تھی۔ صوبہ راجستھان میں واقع اس شہر کی اپنی ایک تاریخ تھی۔ کامنی کی طرح اگرچہ ایک برہمن گھرانے سے تھا لیکن اس نے میٹرک تک تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ اس نے تعلیم کے ساتھ ساتھ کراٹے کی تربیت بھی حاصل کرنا شروع کر دی تھی لیکن اس کا برہمن باپ یہ برداشت نہیں کر سکا کہ اس کی بیٹی نیچ ذات کے لڑکوں کے ساتھ اس قسم کی حرکتیں کرے۔ ان ہی چھوٹی چھوٹی باتوں کے خیال میں لڑائی بھڑائی کا نام ہی دنیا سے اٹھ گیا تھا۔ باپ کی طرف سے لگائی جانے والی پابندیوں کی وجہ سے اس کا کراٹے کی تربیت کا سلسلہ بار بار ٹوٹتا رہا لیکن ڈویژن کرنے کے بعد اس نے پر پرزے نکالنا شروع کر دیے اور بے پور میں اپنے مالک کے رہائش کے دوران میں اس نے ایک کراٹے سینٹر سے بلیک بیلٹ تک ٹریننگ حاصل کر لی۔ یہ مائی کون ڈو اسٹائل تھا۔ ایک روز وہ ایک ایسے پنجرے میں چلی گئی جہاں کنگ فو کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔ اس نے اس سینٹر میں داخلہ لے لیا لیکن اسے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ سینٹر صرف پیسے بٹورنے کے لیے ہے۔ یہاں الٹے سیدھے ہاتھ پیر چلانے کے سوا کچھ نہیں سکھایا جاتا۔ یہاں سے صرف پیسے ٹریننگ حاصل کرنے والے اسٹریٹ فائٹر ہی بن سکتے تھے۔

کامنی نے مارشل آرٹس کے کئی اسٹائلز کے لٹریچر کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ وہ کنگ فو سے سب سے زیادہ متاثر ہوئی تھی۔ ہندوستان کے کئی بڑے شہروں میں کنگ فو کے کئی سینٹر تھے۔ وہ ہر جگہ گئی۔ بمبئی کا ایک سینٹر ٹریننگ کے لحاظ سے اسے پسند آیا مگر وہاں کا ماحول اسے پسند نہیں آیا اور اس نے شاؤلن ٹیمپل آنے کا فیصلہ کر لیا۔ برہمن باپ کامنی کے ارادوں کا پتا چلا تو اس نے ہنگامہ کر دیا۔ وہ شادی کی تیاریاں کر رہا تھا اور بیٹی مار پیٹ کی ٹریننگ لینے جا رہی تھی۔ کامنی نے مکمل طور پر بغاوت کا اعلان کر دیا اور یہاں آ گئی۔

وہ پچھلے ایک سال سے یہاں تھی۔ کئی سینئرز گھومنے پھرنے کے بعد اس نے منگ شول میں داخلہ لے لیا۔ وہ بڑی محنت سے یہ فن حاصل کر رہی تھی۔

عبادت گاہ کے قریب ہی ایک گیسٹ ہاؤس میں رہ رہی تھی۔ اس کے کمرے میں دو افراد اور بھی رہ رہے تھے۔ ایک ٹرینر لڑکا تھا اور ایک جاپانی۔ وہ دونوں کسی اور سینٹر میں ٹریننگ لے رہے تھے۔

بعض اوقات تو کامنی رات کو دیر تک ہمارے پاس بیٹھی رہتی اور جب وہ واپس جانے لگتی تو میں اور جانکی بھی دریا کے پل تک اس کے ساتھ جاتے۔

ہفتے میں دو دن کلاس نہیں ہوتی تھی۔ اس روز ہم نے کامنی کے ہاں جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اسے ایک دن پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی ہم کیمپ سے نکل گئے۔ ماسٹر کیشی یان نے ہمیں پہلے ہی محتاط رہنے کی وارننگ دے دی تھی کیونکہ یہاں ایک دوسرے کے کیمپوں کے لڑکوں پر حملے ہوتے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے کیمپوں کی جاسوسی بھی کی جاتی تھی اور یہ جاننے کی کوشش کی جاتی تھی کہ اس کیمپ کے کس لڑکے یا لڑکی سے ماہانہ مقابلوں میں دوسروں کو خطرہ ہو سکتا ہے اسی لیے موقع پا کر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی تھی تاکہ وہ مقابلے میں شریک ہی نہ ہو سکے۔

میں اب تک ایک مرتبہ بھی اپنے کیمپ سے باہر نہیں نکلا تھا لیکن کامنی، کوچی اور دوسرے لڑکوں سے مجھے پتا چلتا رہتا تھا کہ میرے بارے میں دوسرے کیمپوں میں کچھ باتیں گردش کرنے لگی تھیں۔ دو تین مرتبہ میں نے اپنے جمنازیم میں کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا تھا جو مجھے نگاہوں میں رکھے ہوئے تھے۔ جمنازیم میں کسی کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اکثر لوگ لڑکوں کو ٹریننگ کرتے دیکھنے کے لیے آتے رہتے تھے۔

وہ تین منزلہ عمارت تھی جس میں مرغی کے دڑبوں جیسے کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک ایک کمرے میں کئی کئی لوگ ٹھہرے ہوئے تھے۔ کامنی کے ساتھ بھی دو اور افراد اس کمرے میں رہائش پذیر تھے اور وہ سب مل کر کرایہ ادا کرتے تھے۔ کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ان تینوں نے فرش پر اپنے اپنے بستر لگا رکھے تھے۔ کمرے سے ملحق ایک چھوٹا سا باتھ روم بھی تھا۔

ہم دیر تک وہاں بیٹھے کامنی اور ان دونوں لڑکوں سے باتیں کرتے رہے۔ کامنی اپنے بارے میں سب کچھ بتا رہی تھی۔ کئی روز کا ساتھ ہونے کی وجہ سے اس میں بے تکلفی اور اپنائیت سی آ گئی تھی۔

ہم رات گیارہ بجے کے قریب وہاں سے نکلے۔ وہ چاندنی رات تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ راستے میں رک کر تھوڑی دیر دریا کا نظارہ کریں گے اور پھر کیمپ کی طرف لوٹ جائیں گے لیکن ایک موڑ گھومے ہی تھے کہ تین آدمیوں نے ہمارا راستہ

تیزی سے نیچے بیٹھ گیا اور اسے دونوں ٹانگوں سے پکڑ کر اوپر اچھال دیا۔ وہ میرے اوپر سے ہوتا ہوا پشت کے بل زمین پر گرا۔ ہکسیان پر یہ داؤ استعمال کرنے کے لیے میں بالکل نیچے بیٹھ گیا تھا اور اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ٹروڈر کو حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اس کی کک میرے بائیں کندھے پر لگی اور میں پیچھے الٹ گیا۔ میرے سنبھلنے سے پہلے ہی اس نے دوسرا حملہ کر دیا۔ یہ کک میری کھوپڑی پر لگی اور میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ ٹھوکر خاصی زوردار تھی۔ دماغ جھنجھنا اٹھا تھا۔ حواس بحال کرنے میں چند سیکنڈ لگ گئے اور ان چند سیکنڈوں میں مجھ پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

ٹروڈر کے ساتھ ہکسیان بھی میرے جسم پر ٹھوکریں برسا رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے دائیں طرف دیکھا تو جانکی لمبے بالوں والے سے بھڑی ہوئی تھی۔ ان دونوں کا مقابلہ برابر کا تھا اور مجھے خوشی ہوئی کہ جانکی ایک ایسے حریف کا مقابلہ کر رہی تھی جو تربیت یافتہ فائٹر تھا۔ جبکہ چیکو سہمی ہوئی ایک طرف کھڑی چیخ رہی تھی۔

اس دوران میں میری پسلیوں پر ایک اور ٹھوکر پڑی اور میں پیچھے الٹ گیا لیکن ٹروڈر کا اگلا وار میں نے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اپنے آپ کو اس حملے سے بچا کر میں اٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔

ٹروڈر میرے سامنے تھا۔ اس کا بایاں پیر آگے کو نکلا ہوا تھا۔ ٹانگ میں اس طرح خم تھا کہ گھٹنا بھی ذرا سا آگے کو نکل گیا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اچھلا۔ بایاں پیر اس کے گھٹنے سے ذرا اوپر رکھ کر.. کھڑا ہو گیا اور سیدھی ٹانگ کو گھما کر راؤنڈ ہاؤس اسٹائل میں اس کی کھوپڑی پر کک رسید کر دی۔ وہ بلبلا اٹھا۔ میں اچھل کر ہوا میں گھوم گیا اور فلائنگ کک ہکسیان کے سینے پر رسید کر دی جو مجھ پر حملے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا۔

وہ دونوں چیختے ہوئے گرے۔ میں بھی گرا تھا لیکن ان سے پہلے ہی اٹھ گیا اور لمبے بالوں والے پر حملہ آور ہوا جو جانکی پر ایک خطرناک کک لگانے کے لیے پر تول رہا تھا۔ میری کک اس کی اٹھی ہوئی ٹانگ کے نیچے لگی اور وہ ایک ٹانگ پر ناچتا ہوا گر گیا۔

چیکو کی چیخوں کی آواز سن کر کچھ لوگ مختلف سمتوں سے دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے تھے۔ دو نوجوان لڑکوں نے آگے بڑھنا چاہا مگر ایک آدمی تیزی سے آگے بڑھ آیا۔ اس نے دونوں بانہیں اطراف میں پھیلا دیں اور چیخ کر کہا کہ کوئی آگے نہ بڑھے۔

جانکی نے لمبے بالوں والے کو اٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ اس پر ٹھوکریں برسا رہی تھی۔ میرے مقابلے میں جسمانی لحاظ سے وہ دونوں مجھ سے کہیں زیادہ طاقتور تھے مگر میں جانتا تھا کہ مارشل آرٹ کی فائٹ میں طاقت نہیں ٹیکنیک کرشمہ دکھاتی ہے۔ ہکسیان آرٹسٹ نہیں تھا۔ اس کے لڑنے کے انداز میں پن تھا۔ البتہ ٹروڈر اس سے زیادہ خطرناک تھا۔ وہ ٹیکنیکس استعمال کر رہا تھا اور ٹیکنیکس بھی لیکن وہ گرم دماغ تھا۔ طاقت اور ٹیکنیکس کے استعمال میں سوچ کار فرما تھا۔ جبکہ میں اس کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ وہ کون سا داؤ استعمال کرنے والا ہے۔

ہمارے اردگرد چالیس پچاس افراد کا مجمع تھا۔ کامنی بھی شور کی آوازیں سن کر آ گئی تھی۔ اس نے آگے بڑھنا چاہا مگر اسے بھی روک دیا گیا۔

لوگوں کے چیخنے اور شور مچانے سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سب میری فیور میں تھے۔ میں کوئی داؤ استعمال کرتا تو لوگ واہ واہ کراتے۔

ہکسیان کی گردن پر لگنے والی میری راؤنڈ ہاؤس کک کے بعد وہ سب نے ہی چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ ہکسیان کک کھا کر گرا تو دوبارہ نہیں اٹھا۔ ٹروڈر بھی ہانپتا ہوا بیٹھا تھا۔ میں اسے آخری کک مارتے مارتے رہ گیا۔ کروہی کک لمبے بالوں والے کے کولھے پر جما دی۔ بال مٹھی میں جکڑے دوسرے ہاتھ سے اس کے چہرے پر گھونسے لگا رہا تھا۔ یہ بالکل بازاری پن تھا۔ میری کک کھا کر وہ لڑکھڑا گیا۔ جانکی نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو چھڑایا اور ایک بھرپور گھونسا اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ دوسری طرف سے میری کک اس کے پیٹ پر پڑی تھی۔ وہ دہرا ہوتا چلا گیا۔

وہ تینوں اپنی اپنی جگہ پر پڑے ہانپ رہے تھے۔ کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ انہیں گھسیٹتے ہوئے وہاں سے دور لے جا کر پیٹنے لگے۔ لوگوں نے مجھے اور جانکی کو گھیر لیا۔ کامنی دوڑتی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی اور جو شخص ہجوم سے نکل کر سب سے پہلے ہم تک پہنچا تھا وہ کوچی تھا۔

کوچی کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے یہ دلچسپ انکشاف کیا کہ

وہ ہمارے تعاقب میں رہا تھا۔ جب ہم کامنی کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے تو اس وقت بھی وہ عمارت کے باہر کھڑا تھا اور جب ہکسیان وغیرہ نے ہمیں گھیرا تھا تو اس وقت بھی وہ ہم سے زیادہ دور نہیں تھا لیکن اس نے ہماری لڑائی میں مداخلت اس لیے نہیں کی کہ میں اکیلا ہی ان دونوں پر شروع ہی سے حاوی رہا تھا۔ جانکی بھی لمبے بالوں والے سے بخوبی نمٹ رہی تھی۔ کوچی کے کہنے کے مطابق اگر کوئی نازک مرحلہ آتا تو ضرور مداخلت کرتا مگر اس کا اسے موقع نہیں ملا۔

شاؤلن ٹیمپل کے لوگوں نے اب تک میرے بارے میں صرف باتیں سنی تھیں اور آج بہت سے لوگوں نے مجھے فائٹ کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس وقت لاتعداد تو تصیفی جملے میری سماعت سے ٹکرا رہے تھے۔ کئی لوگ میرے کندھے تھپتھپا رہے تھے۔

کوچی مجھے بازو سے پکڑ کر ایک طرف کھینچتا لے گیا۔ جانکی اور چیکو میرے ساتھ تھیں اور کامنی بھی ہمارے ساتھ آ رہی تھی۔ ہمیں اپنے کیمپ تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

جانکی کو کچھ اندرونی چوٹیں لگی تھیں۔ اس وقت تو جوش و خروش میں کچھ پتا نہیں چلا تھا لیکن جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا تکلیف کا احساس بھی اجاگر ہو رہا تھا۔ میں بھی اپنے کندھے میں تکلیف محسوس کر رہا تھا۔

کوچی ہمیں کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے ایک ڈبیا کامنی کو دیتے ہوئے کچھ کہا اور مجھے ساتھ لے کر سامنے والی چٹان پر ماسٹر لیشی یان کے کمرے (غار) میں آ گیا۔ ہمیں اپنے کمرے میں چھوڑنے کے بعد وہ لیشی یان کو اس واقعے کے بارے میں مختصر طور پر بتا چکا تھا اور اب وہ تفصیل سے سب کچھ بتا رہا تھا۔ ماسٹر لیشی یان غور سے اس کی باتیں سنتے ہوئے بار بار میری طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ کوچی خاموش ہوا تو ماسٹر لیشی یان نے مجھے قمیص اتارنے کا حکم دیا اور میں نے فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل کر ڈالی۔ وہ میرے جسم کو ٹٹولنے لگا۔ اس کی انگلیاں بڑی سختی سے میرے جسم میں گڑ رہی تھیں اور جب اس کا ہاتھ میرے بائیں کندھے پر پہنچا تو میرے منہ سے سسکاری سی نکل گئی۔ وہ بار بار میرا کندھا دبانے لگا پھر اس نے کوچی سے کچھ کہا۔

کوچی فوراً ہی ایک ڈبیا اٹھا لایا اور انگلی سے اس میں بھرا ہوا پیسٹ نکال کر میرے کندھے پر مالش کرنے لگا۔ اس دوران ماسٹر لیشی یان مجھ سے مختلف سوالات پوچھتا رہا۔ کوچی بھی بیچ بیچ میں بول رہا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم اپنے کمرے (غار) میں آ گئے۔ جانکی اپنے بستر پر اوندھی پڑی تھی اور کامنی اس کے کندھے پر مالش کر رہی تھی۔

کوچی باہر ہی رک گیا تھا۔ مجھے بھی رکنا پڑا۔ چند منٹ بعد جانکی شرٹ پہن کر بیٹھ گئی تو ہم اندر آ گئے۔ کوچی کچھ دیر تک جانکی سے باتیں کرتا رہا پھر چلا گیا۔

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ کامنی چیکو کے ساتھ اس کے بستر پر لیٹ گئی تھی۔

صبح ٹھیک ساڑھے پانچ بجے میں اور جانکی پہاڑی پر پہنچ گئے جہاں ماسٹر ہینگ پائی پہلے سے موجود تھا۔ اسے شاید رات ہی کو لیشی یان نے اس واقعے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ مجھ سے اور جانکی سے مختلف سوالات کرتا رہا اور پھر ایک زور دار قسم کا لیکچر بھی دے ڈالا۔

اس روز منگ شول جمنازیم میں بڑا رش تھا۔ گزشتہ رات والے ہنگامے کو میں نے ایک معمولی واقعے سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ ایسے واقعات تو میرے ساتھ قدم قدم پر پیش آتے رہتے تھے لیکن یہاں اس واقعے کو بڑی اہمیت دی جا رہی تھی۔ تین آدمیوں کو ادھ موا کر دینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لوگ مجھے دیکھنے کے لیے آ رہے تھے۔

میری شہرت چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ میں جس طرف سے گزرتا، لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔ دو چار دوسرے ماسٹرز نے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ وہ مجھے اپنے کیمپ میں لینا چاہتے تھے اور اس کے لیے مجھے کچھ لالچ بھی دیے گئے تھے لیکن میں نے کسی پیشکش کو قبول نہیں کیا۔

ان غنڈوں سے میری فائٹ کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ منگ شول جمنازیم میں داخلوں کی تعداد بڑھ گئی۔ اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی کہ دوسرے ماسٹر مجھے اپنے کیمپ میں کیوں لینا چاہتے تھے۔

ہر مہینے مرکزی جمنازیم میں چیلنج مقابلے ہوا کرتے تھے۔ وہ میرا پہلا مہینہ ہی تھا۔ بعض لوگ مجھے اس ٹورنامنٹ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ کچھ لوگوں کی طرف سے لیشی یان پر دباؤ بھی پڑ رہا تھا کہ اس ٹورنامنٹ میں میرا نام بھیجا جائے لیکن لیشی یان کا ایک ہی جواب تھا "ابھی نہیں۔"

اس مہینے کوچی کا نام ٹورنامنٹ میں شامل تھا۔ وہ اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا ہوا فائنل تک پہنچ گیا اور پھر اس نے فائنل بھی جیت لیا۔ دو سال کے عرصے میں کوچی نے چوتھی مرتبہ یہ ٹورنامنٹ جیتا تھا۔ فائنل والے روز لوگ مجھے

رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ لوگوں کا اصرار تھا کہ میں کسی نمائشی مقابلے کے لیے ہی رنگ میں اترون اوکی ناوا کے ایک فائٹر نے تو رنگ میں آکر مجھے چیلنج بھی کردیا تھا لیکن میں اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتا رہا۔

یہ اسی رات کی بات ہے۔ کوچی کا مقابلہ شروع ہونے والا تھا۔ ماسٹر لیشی یان' کوچی کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ میں بھی اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ جانکی نے میرا بازو پکڑ کر دبایا تو میں اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"وہ سامنے اس آدمی کو دیکھ رہے ہو۔ مجھے کچھ مشکوک سا لگ رہا ہے۔" جانکی نے آنکھ سے ایک طرف اشارہ کیا۔ میں اس طرف دیکھنے لگا۔

رنگ کے دوسری طرف تماشائیوں میں کھڑا ہوا وہ آدمی ہماری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ درمیانے قد و قامت اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ اس نے گلابی رنگ کی پینٹ اور نیلی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ سر کے بال قریب سے تراشے ہوئے تھے۔ مجھے اس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا لیکن یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔

"تمہیں شاید یاد نہیں آرہا لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" جانکی نے میری طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی "چیانگ رائے کے نواح میں جب ہم نے ایک کانوائے پر حملہ کیا تھا تو یہ بھی چی فانگ اور کم کے ساتھ تھا۔"

میں نے ایک بار پھر اس شخص کی طرف دیکھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر وہ دوسرے آدمیوں کی آڑ میں ہوگیا۔

"ہو سکتا ہے تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ ان کم بختوں کی شکلیں ایک دوسرے سے اس قدر ملتی جلتی ہیں کہ آدمی آسانی سے دھوکا کھا سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"اس کی ٹھوڑی پر دائیں طرف وہ سیاہ دھبا مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" جانکی نے کہا "یہ جنرل کھوراٹ کا آدمی ہے۔ انہیں شاید کسی طرح یہ بھنک مل گئی کہ تم شاؤلن ٹیمپل میں ہو۔ یہ تمہیں تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچ گیا۔"

"یہ لوگ چیانگ رائے یا گولڈن ٹرائی اینگل میں تو ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکے۔ یہاں کیا کرلیں گے۔" میں نے جواب دیا "ہو سکتا ہے وہ ہماری تلاش میں یہاں نہ آیا ہو۔ اس کی آمد کا مقصد کچھ اور ہو۔"

"اس کے یہاں آنے کا مقصد کچھ بھی ہو۔ ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔" جانکی نے کہا۔

جانکی کے خدشات بے بنیاد نہیں ہوسکتے تھے۔ ایک مشتبہ آدمی ہماری نظروں میں آگیا تھا۔ ہمیں واقعی محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

فائنل مقابلہ ختم ہونے کے بعد ایک ہڑبونگ سی مچ گئی تھی۔ کوچی کو ٹرافی ملتے ہی اس کے دوستوں نے اسے کندھوں پر اٹھالیا تھا اور وہ لوگ ایک جلوس کی صورت میں جمنازیم سے باہر نکل آئے تھے۔ میں نے اس مشتبہ شخص کو بھی ہجوم کے ساتھ باہر آتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر وہ جنرل کھوراٹ ہی کا آدمی ہے تو ہمارا پیچھا کرے گا لیکن جمنازیم سے باہر آتے ہی وہ غائب ہوگیا۔

یہ اس کے تین روز بعد کی بات ہے۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ ہمارے جمنازیم میں اسٹوڈنٹس کی ایسنرنگ ہورہی تھی۔ کچھ تماشائی بھی موجود تھے۔ میری باری آئی تو تمام لڑکوں اور تماشائیوں نے بڑے پُرزور انداز میں تالیاں بجائی تھیں۔

ایسنرنگ دراصل مارشل آرٹ میں فائٹ کی ابتدائی مشق ہوتی ہے جس میں طالب علم کو حملے اور دفاع کی ٹیکنیک سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

میری ایسنرنگ صباح نامی ایک مصری لڑکے سے تھی۔ وہ ہمارے ویٹ کا بڑا پرمننٹ لڑکا تھا اور ڈیڑھ سال سے اس کیمپ میں پریکٹس کررہا تھا۔ ایک مرتبہ ٹورنامنٹ بھی جیت چکا تھا۔

دوسرے راؤنڈ میں اس نے مجھے ایک زوردار سائڈ کک لگائی تھی اور پھر چوپ مارنے کے لیے میری طرف لپکا۔ میں نے چوپ بلاک کرنے کے لیے ہاتھ اٹھا دیا لیکن صباح حملہ آور ہونے کے بجائے اپنی جگہ پر لڑکھڑا کر رہ گیا۔ چوپ کے لیے اٹھا ہوا اس کا ہاتھ... گردن پر پہنچ گیا۔ اس کے منہ سے کراہ سی نکلی اور وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

کوچی ریفری کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ میرے ساتھ ہی وہ بھی صباح کی طرف لپکا۔ صباح بری طرح تڑپ رہا تھا۔ ہم سمجھے تھے' اسے اچانک ہی پیٹ میں درد اٹھا ہے یا ایسی ہی کوئی تکلیف ہوئی ہے جسے وہ برداشت نہیں کرسکا اور لڑکھڑا کر گر گیا تھا۔

اس کا سیدھا ہاتھ ابھی تک گردن پر تھا۔ میں نے جیسے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے ہٹایا' میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کی گردن میں ایک سوئی پیوست تھی۔ میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ بلو پائپ BLOW PIPE کے بارے میں' میں نے بہت کچھ سنا تھا۔ ایک دو فلمیں بھی دیکھی تھیں۔ ایک مخصوص قسم کے پائپ یا نلکی میں زہر میں بجھی ہوئی سوئی رکھ کر پھونک ماری جاتی ہے۔ سوئی ہدف کے کسی بھی حصے میں پیوست ہو کر آناً فاناً اس کی زندگی کا خاتمہ کردیتی ہے۔ آج کل تو بلو پائپ میں بھی جدید ٹیکنیک استعمال کی جانے لگی ہے۔ اس کے اندر اسپرنگ وغیرہ استعمال ہونے لگے ہیں۔ پھونک مارنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ننھا سا بٹن دباتے ہی سوئی پائپ سے نکل کر شکار کی طرف لپکتی ہے۔

کوچی نے بھی وہ سوئی دیکھ لی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ تماشائیوں میں کھڑا ہوا ایک آدمی ہماری طرف دیکھتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات اور آنکھوں میں وحشت سی تھی۔

ماسٹر لیشی یان اور کچھ دوسرے لڑکے بھی دوڑتے ہوئے رنگ میں پہنچ گئے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ حملہ مجھ پر کیا گیا تھا کیونکہ صرف ایک سیکنڈ پہلے میں اس جگہ پر تھا جہاں صباح کو سوئی لگی تھی۔ اگر میں اپنے آپ کو صباح کے چوپ سے بچانے کے لیے پھرتی سے پیچھے نہ ہٹتا تو وہ زہریلی سوئی صباح کے بجائے میری گردن میں پیوست ہوتی۔

وہ آدمی اب دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر رنگ کے باہر کھڑے ہوئے لوگوں کو دھکیلتا ہوا اس کے پیچھے لپکا لیکن ایک اور آدمی سے ٹکرا کر گرا۔ وہ آدمی بھی میرے ساتھ ہی گرا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اس سے الگ کیا اور اٹھ کر دروازے کی طرف دوڑا۔

وہ آدمی دوڑتا ہوا تقریباً سو گز دور جاچکا تھا۔ میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ میرا خیال تھا وہ دریا کی طرف ہی جائے گا لیکن وہ پہاڑیوں میں ایک تنگ سے راستے پر مڑ گیا۔ ان پہاڑیوں میں ایسے کئی راستے تھے جن میں لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی لیکن اس وقت وہ تنگ سا راستہ سنسان پڑا تھا البتہ اس آدمی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

وہ تین پہاڑیوں کے گرد چکر لگانے کے بعد وہ بالآخر دریا کی طرف جانے والے راستے پر نکل آیا۔ وہ مجھ سے اب بھی ڈیڑھ سو گز آگے تھا اور دریا کا رسّوں والا پُل بھی زیادہ دور نہیں تھا۔

میں نے اپنی رفتار تیز کردی۔ جب میں نے پُل پر قدم رکھا تو وہ مجھ سے صرف بیس گز آگے تھا۔ اس وقت سامنے سے بھی ایک آدمی پُل پر آرہا تھا۔ وہ پُل کے بالکل وسط میں چل رہا تھا۔

مجھے پتا نہیں چل سکا تھا کہ مخالف سمت سے آنے والے نے اس بھاگتے ہوئے شخص کو روکنے کی کوشش کی تھی یا وہ دونوں محض اتفاق سے ٹکرا گئے تھے لیکن اس ٹکر کا نتیجہ بڑا خطرناک نکلا تھا۔ مشتبہ شخص نہ صرف فوراً ہی سنبھل گیا تھا بلکہ اس نے دوسرے آدمی کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیا تھا۔ دریا میں گرنے والے اس شخص کی چیخ بہت بھیانک تھی۔

وہ شخص اب پھر دوڑ رہا تھا۔ میرے اور اس کے درمیان اب صرف دس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ رسّوں کا یہ پُل جھولے کی طرح جھول رہا تھا اور اس پر دوڑنا مشکل ہو رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر وہ شخص پُل پار کرگیا تو اس کا ہاتھ آنا مشکل ہوجائے گا۔

"اب یا کبھی نہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے اپنی رفتار کچھ اور تیز کردی اور پھر پھیپھڑوں کی پوری قوت سے پل YELL کرتے ہوئے چھلانگ لگا دی۔ اس وقت ہم پُل کے وسط میں تھے۔ میں ہوا میں اڑتا ہوا اس کے اوپر گرا اور اسے ساتھ لیتا ہوا پُل کے تختوں پر گر گیا۔ میں اس کے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا دو چار فٹ آگے نکل گیا تھا اور وہ پیچھے رہ گیا تھا۔

وہ مجھ سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا اور اٹھ کر اس نے میری کھوپڑی پر ٹھوکر مارنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کا یہ حملہ کامیاب نہیں ہونے دیا۔ میں نے لیٹے ہی لیٹے بائیں ہاتھ سے اس کی کک بلاک کی اور اس کے ساتھ ہی ایک زوردار جھٹکا بھی دے دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل گرا لیکن اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ میں بھی فوراً ہی اٹھ گیا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کی طاقت کا اندازہ لگانے کی کوشش کررہے تھے۔ ظاہر ہے مجھے اس سے کوئی نمائشی مقابلہ نہیں کرنا تھا۔ وہ قاتل تھا اور اسے ہر صورت میں گرفت میں لینا تھا۔ اس نے تو مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اتفاق سے میں بچ گیا تھا اور میرا ساتھی موت کی زد میں آگیا تھا۔

وہ شخص جس طرح اچھل اچھل کر اسٹائس بدل رہا تھا۔ اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ایک اچھا مارشل آرٹسٹ تھا۔ وہ حملہ کرنے کے بجائے بڑی تیزی سے نیچے بیٹھ گیا اور سویپ کرنے کی کوشش کی۔ میں اس کے جھکتے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ میں بڑی پھرتی سے اچھل گیا۔ اس کی ٹانگیں آگے کو پھیلی ہوئی تھیں اور وہ دونوں ہتھیلیاں زمین پر ٹکائے لٹو کی طرح گھوم رہا تھا

لیکن وہ مجھے سوپ نہیں کرسکا۔ آخری مرتبہ میں نے اوپر اچھلتے ہی اسے کک لگادی۔ وہ پیچھے الٹ گیا۔

اس مرتبہ بھی وہ پھرتی سے اٹھ گیا اور اس بار اس نے یکے بعد دیگرے دو مرتبہ اسپن کک لگانے کی کوشش کی لیکن میں دونوں بار اپنا بچاؤ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اس نے فوراً اسٹانس بدل لیا۔ اس کے دونوں پیر اسٹریٹ الائنمنٹ میں تھے۔ یعنی ایک پیر آگے کو نکلا ہوا اور دوسرا پیچھے۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ مجھ پر حملہ کرنے کے لیے کون سی ٹیکنیک استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس پوزیشن پر حریف کو کک تو نہیں لگائی جاسکتی تھی البتہ حریف کے وار کا دفاع کیا جاسکتا تھا یا پھر وہ مجھے کوئی چکما دینے کے چکر میں تھا لیکن شاید اسے میرے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں تھیں ورنہ وہ ایسی حماقت نہ کرتا۔

میں نے پنچ کا جھانسا دیا اور اس کی آگے نکلی ہوئی ٹانگ پر شوان ریو کراٹے اسٹائل کی سلانٹ فرنٹ کک لگادی۔ یہ کک اوپر سے نیچے کی طرف ذرا ترچھی لگائی جاتی ہے۔ اگر یہ کک لگانے کا انداز نپا تلا ہو تو حریف کی ہڈی کے دو ٹکڑے ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

میں اس کے گھٹنے پر کک لگانا چاہتا تھا لیکن یہ کک لگی اس کے گھٹنے سے چند انچ اوپر۔ اگر صحیح جگہ پر لگتی تو اس کا گھٹنا ٹوٹ جاتا اور وہ زندگی بھر چلنے کے قابل نہ رہتا لیکن یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ کک چند انچ اوپر لگی تھی۔

وہ نیچے گرا مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنے لباس میں چھپا ہوا خنجر نکال لیا تھا۔ ظاہر ہے وہ بھی کوئی نمائشی مقابلہ کرنے نہیں آیا تھا جو دیر تک داؤ پیچ آزماتا رہتا۔ اسے مجھے قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کی پہلی کوشش ناکام ہوگئی تھی اور میرے بجائے ایک بے گناہ موت کے گھاٹ اتر گیا تھا۔ اس نے فرار ہونے کی کوشش کی تو اتفاق سے میں نے ہی اسے گھیرا تھا۔

"تمہاری قسمت اچھی تھی کہ بلو پائپ کے وار سے بچ گئے۔" اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی "یہ خنجر بھی زہر میں بجھا ہوا ہے۔ اس کی نوک بھی تمہارے جسم کو چھو گئی تو تم زندہ نہیں بچ سکو گے اور میں نے تمہیں زندہ نہیں چھوڑنا۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم میرے پیچھے آگئے ہو۔ اب سمجھو تمہاری زندگی پوری ہوگئی۔" وہ خنجر کو مخصوص انداز میں حرکت دیتا ہوا آگے بڑھا۔

اس کی بات پر شبے کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ مجھے قتل کرنے ہی آیا تھا۔ پہلے بلو پائپ سے حملہ کیا گیا۔ وہ سوئی بھی زہر میں بجھی ہوئی تھی اور اس خنجر کے بھی زہر میں بجھے ہونے پر مجھے کوئی شبہ نہیں تھا۔

دو تین جھانسے دینے کے بعد اس نے وار کردیا۔ میں نے اس کی خنجر والی کلائی پکڑلی اور پوری قوت سے مروڑنے لگا۔ اس نے ایک اور حرکت کی۔ میری ٹانگ میں ٹانگ پھنسا کر زوردار جھٹکا دیا۔ اڑنگا لگنے سے میں پشت کے بل نیچے گرا۔ اس کی کلائی بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ اس نے فوراً ہی مجھ پر چھلانگ لگادی اور میرے سینے پر خنجر سے وار کرنے کی کوشش کی۔ میں نے ایک بار پھر دونوں ہاتھوں سے اس کی کلائی پکڑلی۔

وہ خاصا ہٹا کٹا اور مجھ سے کہیں زیادہ طاقت ور تھا لیکن کٹھن ترین حالات اور سخت ٹریننگ نے میری بانہوں میں بھی قوت بھردی تھی۔ میں اس وقت اپنا دفاع کرنے کی بھرپور کوشش کررہا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور تھا۔ اس کا خنجر والا ہاتھ آہستہ آہستہ نیچے آرہا تھا۔

خنجر میرے چہرے سے صرف ایک انچ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ اس کی نوک کا بہت معمولی سا چرکا بھی میری زندگی کا خاتمہ کرسکتا تھا۔ چہرے اور خنجر کی نوک کے بیچ فاصلہ بتدریج کم ہورہا تھا۔ میرے بچنے کی صرف ایک ہی صورت تھی۔ میں نے گھٹنا اس کی ٹانگوں میں رکھ کر زور سے جھٹکا دیا۔ نتیجہ کچھ خاطر خواہ نکلا۔ میرے سینے پر اس کا بوجھ کسی قدر ہلکا ہوا۔ اب میں نے پیر اس کی ٹانگوں کے بیچ میں پھنسا دیا اور اسے بتدریج اوپر اٹھاتا چلا گیا۔ کلائی پر میں نے گرفت ڈھیلی نہیں کی تھی۔ خنجر میرے چہرے سے دور ہٹتا گیا اور پھر میں نے اپنی ٹانگ کو زوردار جھٹکا دیا۔ وہ میرے اوپر سے ہوتا ہوا پشت کے بل گرا۔

میں تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ٹھنڈی ہوا کے باوجود میرا جسم پسینے میں شرابور ہورہا تھا۔ لکڑی کے تختوں اور رسّوں سے بنے ہوئے اس پل پر بھی زلزلہ سا آیا ہوا تھا۔ اب کسی ایک جگہ قدم جما کر کھڑے رہنا مشکل ہورہا تھا۔

میرا دشمن بھی بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ وہ خنجر لہراتا ہوا بڑے خطرناک انداز میں آگے بڑھا اور حملہ کردیا۔ میں بڑی پھرتی سے جھکائی دے کر ایک طرف ہٹا۔ خنجر کی نوک میرے بائیں بازو پر آستین کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ اگر کرتی شرٹ وغیرہ ہوتی تو میرے بازو کا گوشت کٹ جاتا مگر میں نے موٹے کپڑے کا مخصوص ڈریس پہن رکھا تھا جو خاصا ڈھیلا ڈھالا بھی تھا اور خنجر کی نوک اس لباس ہی کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔

میں پل کے رسّوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس وقت تو میری پیشانی بھی پسینے سے تر ہوگئی اور گردن پر بھی کیچوے سے رینگتے ہوئے محسوس ہونے لگے تھے۔

اس شخص کے حلق سے کتّے کی طرح غراہٹیں خارج ہورہی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر حملہ کردیا۔ اس مرتبہ میں نے ہاتھوں سے اس کا وار بچانے کی کوشش نہیں کی بلکہ پل کے رسّے کو پکڑ کر اپنی جگہ سے اچھلا۔ میری دونوں ٹانگیں بیک وقت مختلف انداز میں حرکت میں آئی تھیں۔ بائیں پیر کی ٹھوکر اس کے خنجر والے بازو کی کہنی پر نیچے کی طرف لگی جبکہ دائیں کک سیدھی اس کے منہ پر لگی۔

خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑتا ہوا دریا میں جا گرا۔ منہ پر لگنے والی کک سے وہ بری طرح چیخ اٹھا تھا... وہ لڑکھڑا کر گرا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اٹھ کر دوبارہ حملہ کرے گا۔

اب کچھ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ میں نے اس طرف دیکھا۔ ہمارے کیمپ کی طرف سے تین چار آدمی دوڑتے ہوئے اس طرف آرہے تھے۔ وہ پل سے ابھی دور تھے۔ اس آدمی نے بھی پل کی طرف آتے ہوئے لوگوں کو دیکھ لیا۔ وہ اٹھ کر مخالف سمت میں بھاگ کھڑا ہوا لیکن میں نے اسے چند قدم سے زیادہ جانے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے چھلانگ لگادی اور اسے ساتھ لیتا ہوا نیچے گرا۔

ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہورہے تھے۔ یہ بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ اب وہ اپنی جان چھڑانے کی کوشش کررہا تھا مگر میں نے اسے اس طرح دبوچ رکھا تھا کہ اس کا کوئی بس نہیں چل رہا تھا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کو رگیدتے ہوئے پل کی ریلنگ سے ٹکرا گئے۔ پل کی ریلنگ اوپر نیچے موٹے موٹے تین رسّوں پر مشتمل تھی۔ ہر دو رسّوں کے درمیان ڈیڑھ فٹ کا فاصلہ تھا۔ سب سے نیچے والے رسّے اور پل کے تختوں کے درمیان دو فٹ کا فاصلہ تھا اور اس طرف نسبتاً کم موٹائی میں رسّوں کا جال سا بنا ہوا تھا اس لیے تختوں پر سے دریا میں گرنے کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔

جیسا کہ پہلے میں بتا چکا ہوں کہ میرا دشمن بہت پھرتیلا اور طاقت ور تھا۔ میں اگرچہ اسے قابو میں رکھنے کی بھرپور کوشش کررہا تھا مگر وہ اپنے آپ کو چھڑانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے میرے سینے پر دو تین ٹھوکریں ماریں اور ایک طرف چھلانگ لگادی لیکن میں نے بڑی پھرتی سے اس کا ایک پیر پکڑلیا۔ وہ منہ کے بل گرا۔ اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی تھی۔ اس نے زوردار جھٹکا دے کر اپنا پیر چھڑا لیا اور اٹھ کر بھاگنا ہی چاہتا تھا کہ دو آدمیوں نے بیک وقت اس پر چھلانگ لگادی۔ وہ ایک بار پھر منہ کے بل گرا اور پھر اسے اٹھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اس پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش ہورہی تھی۔

دو لڑکوں نے آگے بڑھ کر مجھے بھی اٹھا دیا۔ میں رسّے کی ریلنگ سے ٹیک لگائے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ وہ کم بخت سانڈ کی طرح طاقت ور تھا اور بہت اچھا مارشل آرٹسٹ بھی۔ وہ غالباً پہلا آدمی تھا جس سے میں اس طرح پٹا تھا لیکن مجھے اپنے پٹنے کا افسوس نہیں تھا۔ افسوس تو اس بات کا تھا کہ ایک اچھا مارشل آرٹسٹ ضائع ہورہا تھا۔

جن دو آدمیوں نے اس شخص کو گرفت میں لیا تھا' ان میں ایک تو کوچی تھا اور دوسرے کا نام میں نہیں جانتا تھا لیکن وہ تھا ہمارے ہی کیمپ کا۔ مجھے اٹھانے والوں کا تعلق بھی ہمارے ہی کیمپ سے تھا۔

کوچی وغیرہ اسے گھسیٹتے ہوئے لے جارہے تھے۔ ساتھ چلنے والے دوسرے وقتاً فوقتاً ایک آدھ ہاتھ بھی لگا دیتے تھے۔ پل سے اتر کر دریا کے کنارے پر پہنچے تو وہاں کچھ اور لوگ بھی کھڑے تھے۔ ان میں سے کچھ تو ہمارے ہی کیمپ سے تھے اور کچھ کا تعلق آس پاس کے کیمپوں سے تھا۔ جو شور کی آواز سن کر آگئے تھے۔ اس طرح ہم جلوس کی صورت میں اپنے جمنازیم پہنچ گئے۔

جمنازیم میں ایک اور سنسنی خیز صورتِ حال ہماری منتظر تھی۔

صرف چند ہی لوگوں کو اندر آنے دیا گیا جبکہ باقی سب لوگوں کو باہر ہی روک دیا گیا تھا۔ ماسٹر ہینگ پائی بھی اس وقت جمنازیم میں موجود تھا اور وہ رنگ کے رنگین فرش پر پڑے ہوئے صباح پر جھکا ہوا تھا۔ صباح کو گردن میں جس جگہ وہ زہریلی سوئی چبھی تھی وہاں تقریباً نصف انچ چوڑا زخم تھا۔ جس پر ہرے رنگ کا کوئی پیٹ لگا ہوا تھا۔ ماسٹر ہینگ پائی نے اس کی ایک کلائی تھام رکھی تھی۔ انگوٹھا نبض پر تھا۔ ماسٹر ہیشی یان بھی قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر میرے قریب آگیا۔ میں نے صباح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"بلو پائپ کی سوئیوں کے لیے عام طور پر سانپوں کا زہر استعمال کیا جاتا ہے۔ ماسٹر ہینگ پائی سانپوں کے زہر کا ماہر ہے۔ صباح کو زہر ناکل کرنے کا انجکشن دیا جاچکا ہے اور یہ

گردن کے زخم پر جو پیسٹ دیکھ رہے ہو' یہ بھی خون میں سے زہر چوس رہا ہے۔ یہ پیسٹ دو مرتبہ تبدیل کیا جاچکا ہے۔ کچھ دیر میں یہ بھی سیاہ پڑجائے گا تو اس کی جگہ دوسرا پیسٹ لگا دیا جائے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "شاؤلن ٹیمپل میں پہلے ہر ماسٹر اس قسم کے تیر بہ ہدف ٹوٹکے جانتا تھا لیکن اب اس سے لوگوں کی دلچسپی کم ہوتی جارہی ہے۔ ماسٹر ہنگ پائی کے علاوہ تین آدمی اور ہیں جو یہ فن جانتے ہیں۔ ایک ماسٹر ہو وانگ اور دو ٹیمپل کے راہب۔"

"یہ پیسٹ کس چیز کا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جڑی بُوٹیوں کا۔" لیشی یان نے جواب دیا "ان پہاڑیوں میں بہت سی جڑی بُوٹیاں پائی جاتی ہیں مگر ان کی شناخت ہونی چاہیے۔"

"صباح بچ جائے گا نا؟" میں نے پوچھا۔

"بچ جانے کی امید تو پیدا ہوگئی ہے مگر اسے صحت یاب ہونے میں تین چار مہینے ضرور لگیں گے۔ خون سے زہر کا اثر مکمل طور پر زائل ہونے میں اتنا عرصہ تو لگے گا۔" ماسٹر لیشی یان نے جواب دیا۔

میں خاموش ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جانگی' کامنی اور چیکو میرے قریب آکر کھڑی ہوگئی تھیں۔ جمنازیم کے کچھ لڑکے اس شخص کو گھیرے کھڑے تھے جو زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا۔ میں مڑ کر جانگی سے باتیں کرنے لگا اور پھر شور کی آواز سن کر چونک گیا۔ مڑ کر دیکھا تو ایک عجیب منظر نظر آیا۔ کوچی اور دو لڑکے اس شخص کو گرفت میں لینے کی کوشش کررہے تھے۔ کوچی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا وہ ہاتھ پکڑ رکھا تھا جس کی مٹھی بند تھی۔ کوچی ہاتھ کو اس کے منہ سے دور رکھنے کی کوشش کررہا تھا مگر وہ شخص ہاتھ اپنے منہ تک لے جانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کی مٹھی کھلی اور اس نے کوئی چیز منہ میں ڈال لی۔ اب کوچی اس کے گلے دبا رہا تھا۔ تاکہ اس چیز کو منہ سے نکال سکے مگر اس شخص نے بڑی سختی سے دانت بھینچ لیے تھے۔

اور پھر اس نے ایک دو جھٹکے لیے اور وہ ایک دم بے حس و حرکت ہوگیا۔ سائانائڈ کا ننھا سا کیپسول پیٹ میں جاتے ہی پھٹ گیا تھا اور اس کی ناک اور منہ سے خون کی دھاریں بہہ نکلی تھیں۔

○☆○

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔

میں اس وقت ماسٹر ہنگ پائی کے غار میں اس کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ ماسٹر ہنگ پائی ایک مخصوص پتھر کی چوکی پر یوگا کے اسٹانس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

پانچ منٹ گزر گئے۔ ماسٹر ہنگ پائی نے نہ تو آنکھیں کھولیں اور نہ ہی اس کے لبوں کو حرکت ہوئی تھی۔ اس دوران میں گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس شخص نے سریع الاثر زہر کھا کر اپنے آپ کو ختم کرلیا تھا۔ شاؤلن ٹیمپل کی پولیس چوکی کو اس واقعے کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ پولیس جمنازیم کے لڑکوں کے بیانات لینے کے بعد اس شخص کی لاش اٹھا کر چلی گئی تھی۔ مجھے اس معاملے سے الگ ہی رکھا گیا تھا۔ ماسٹر کے حکم پر کیمپ کے کسی شاگرد کی زبان پر بھی میرا نام نہیں آیا تھا۔

صباح بچ گیا تھا۔ اسے دو گھنٹے بعد ایک اور انجکشن دیا گیا تھا اور پھر ماسٹر اس کے بارے میں لیشی یان کو ہدایات دیتا ہوا اپنی اس خلوت گاہ میں آگیا تھا۔ چند منٹ پہلے مجھے ماسٹر کا پیغام ملا تھا۔ اس وقت بھی ماسٹر اسی پوزیشن میں بیٹھا ہوا تھا۔ قدموں کی آہٹ پا کر اس نے میری طرف دیکھا' بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔

دو منٹ اور گزر گئے اور پھر ماسٹر نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک لمحے کو مجھے یوں لگا کہ جیسے وہ نظریں میری آنکھوں کے راستے دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی جارہی ہیں۔ میرے پورے بدن میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ ایک عجیب سرور تھا اس سنسنی میں بھی۔ ایک سحر۔ ایک نشہ جو ماسٹر کی نظروں سے میری آنکھوں کے راستے میرے پورے وجود میں پھیلتا جارہا تھا۔ میں کوشش کے باوجود اپنی نظریں ماسٹر کے چہرے سے نہیں ہٹا سکا۔ ہٹانا بھی نہیں چاہتا تھا مبادا یہ سنسنی آمیز سرور سے محروم... ہوجاؤں جس نے میرے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

"وجدان!"

یہ کھنکتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی تو میں جیسے جھرجھری سی لے کر رہ گیا اور پھر مجھے یوں لگا جیسے میں ہوش میں آگیا ہوں۔ ماسٹر کہہ رہا تھا۔

"وانگ ونگ پائے نے مجھے ٹیلی فون پر تمہارے بارے میں اطلاع دی تھی تو یہ بھی بتایا تھا کہ کچھ دشمن تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ دشمن کون ہیں اور تمہیں کیوں مارنا چاہتے ہیں۔ تم نے بھی آج تک اس سلسلے میں زبان نہیں کھولی۔ کیا تمہیں ہم پر بھروسا نہیں؟"

"یہ آپ نے کیا کہہ دیا ماسٹر۔" میں تڑپ اٹھا "اگر بھروسا نہ ہوتا تو میں اس طرف کا رخ کبھی نہ کرتا۔"

"تو پھر تم نے اب تک زبان کیوں نہیں کھولی؟" ماسٹر نے کہا۔

"میں ہر جگہ اپنے دکھ کا افسانہ سنا کر اپنے آپ کو مظلوم ہرگز نہیں کرنا چاہتا۔" میں نے مدھم لہجے میں جواب دیا "یہاں مجھے آپ کی اتنی توجہ' اتنی محبت اور ہمدردی ملی ہے کہ میں نے اپنے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"آدھا گھنٹا پہلے ٹیلی فون پر وانگ ونگ پائے سے میری بات ہوئی ہے۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے لیکن میں تمہاری داستان تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔" ماسٹر نے کہا۔

میں چند لمحے خاموش رہا پھر ماسٹر ہنگ پائی کو اپنی داستان سنانے لگا۔ آخر میں' میں کہہ رہا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ گولڈن ٹرائی اینگل سے فرار کے بعد انہوں نے میرا پیچھا چھوڑ دیا ہے لیکن آج کا واقعہ... اس واقعے نے مجھے یاد دلا دیا ہے کہ میری جان کے دشمن مجھے بھولے نہیں ہیں۔"

"گویا تمہیں اندازہ ہوگیا ہے کہ بلو پائپ کی زہریلی سوئی سے وہ حملہ صباح پر نہیں تم پر کیا گیا تھا۔" ماسٹر نے کہا۔

"یس ماسٹر۔" میں نے جواب دیا "میں نے حملہ آور کا پیچھا کرکے اسے پل پر پکڑ لیا تھا۔ جہاں اس نے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے مجھے پھر قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں اس سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس نے مجھ پر حملہ کس کے ایما پر کیا تھا لیکن اس نے زہریلا کیپسول کھا کر خودکشی کرلی۔"

"اس خنجر کی نوک اگر تمہیں چبھوئی جاتی تو تم اگلا سانس نہ لے پاتے۔" ماسٹر نے کہتے ہوئے پتھر کی چوکی کے نیچے سے ایک خنجر نکال لیا۔

"مگر یہ... یہ خنجر تو دریا میں گر گیا تھا۔" میں وہ خنجر دیکھ کر حیرت زدہ سا رہ گیا۔

"نہیں۔ یہ خنجر اس جگہ سے چند گز دور ریل کے ایک رسّے میں اٹکا ہوا تھا جہاں تمہاری فائٹ ہوئی تھی۔" ماسٹر نے بتایا "من شن ایک بڑا مارشل آرٹسٹ تھا۔ آج تک کوئی آرٹسٹ اسے چیلنج کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ جس نے اسے چیلنج کیا وہ سیدھا اسٹریچر پر ہی لے جایا گیا۔"

"آپ... آپ اسے جانتے ہیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اسے سب ہی جانتے ہیں۔" ماسٹر نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "اس میں خرابی یہ تھی کہ وہ متلون مزاج تھا۔ کہیں ایک جگہ ٹکا نہیں تھا۔ اس کے دماغ میں بھی گرمی بھری ہوئی تھی۔ وہ تو اپنے ماسٹر کو بھی آنکھیں دکھانے لگا تھا۔ اس کے بعد ہی سے وہ در در کی ٹھوکریں کھانے لگا تھا۔ کبھی ایک جمنازیم میں کبھی دوسرے میں۔ وہ ہمارے جمنازیم میں بھی اکثر آیا کرتا تھا لیکن رات کو شاید وہ تماشائیوں میں چھپ کر کھڑا تھا اس لیے کسی کی نظروں میں نہیں آسکا۔ اس نے بلو پائپ سے نشانہ تمہیں ہی بنایا تھا مگر زد میں صباح آگیا اور اگر تم من شن کو تاڑ نہ لیتے تو شاید وہ وہاں سے بھاگنے کی کوشش بھی نہ کرتا لیکن تم چیخ کر اس کی طرف لپکے تو وہ خطرہ محسوس کرتے ہی بھاگ کھڑا ہوا اور پھر تم نے جس طرح اسے بے بس کرکے پکڑا وہ قابل تعریف ہے لیکن مجھے یہ افسوس رہے گا کہ وہ اس شخص کا نام بتائے بغیر ہی مرگیا جس نے اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔"

"چند روز پہلے جانگی نے ایک مشتبہ آدمی کو دیکھا تھا۔" میں نے کہا اور پھر ماسٹر کو اس شخص کے بارے میں بتانے لگا "وہ خود سامنے نہیں آیا۔ مجھے ٹھکانے لگانے کے لیے اس نے من شن کی خدمات حاصل کرلیں اور مجھے یقین ہے کہ دوبارہ بھی اسی قسم کی کوشش کی جائے گی۔"

"اب مجھے خیال رکھنا پڑے گا مگر تم..." ماسٹر چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو۔ میں تمہیں ذاتی دفاع کے حق سے محروم نہیں کرنا چاہتا لیکن دماغ کو ہمیشہ ٹھنڈا رکھو اور..."

اور پھر ماسٹر ہنگ پائی کا لیکچر شروع ہوگیا جو ایک گھنٹے تک جاری رہا۔

اگلی صبح ایک اور سنسنی خیز انکشاف ہوا۔

میں اور جانگی حسب معمول ساڑھے پانچ بجے پہاڑی پر پہنچ گئے۔ ماسٹر ہنگ پائی بھی حسب معمول پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اس کے پاس دو تھیلے رکھے ہوئے تھے۔ دونوں تھیلوں کے منہ ڈوریوں سے بند تھے اور حرکت دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان میں الگ الگ کوئی جانور بند ہیں۔

لیکچر ختم کرنے کے بعد ماسٹر ہنگ پائی نے بڑا تھیلا کھول لیا۔ اس میں بلی کی جسامت کا کوئی جانور تھا جو اس علاقے میں عام پایا جاتا تھا۔ ماسٹر اس جانور کو گود میں لیے کچھ دیر تک اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتا رہا پھر قریب ہی پڑا ہوا وہ خنجر اٹھا لیا جس سے گزشتہ رات من شن نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔

ماسٹر نے خنجر کی نوک اس جانور کے جسم پر رکھ کر ہلکا سا چرکا لگایا۔ وہ جانور تڑپ کر ماسٹر کے ہاتھ سے نکلا۔ اس کے منہ سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر زمین پر تڑپا اور بے حس و حرکت ہوگیا۔ میں غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس جگہ چرکا لگا تھا وہاں سے صرف دو تین قطرے ہی خون نکلا تھا جس کا مطلب تھا کہ چرکا بہت معمولی تھا لیکن خنجر کے زہر نے اسے آناً فاناً ختم کردیا تھا۔

میں نے جانگی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا تھا۔ اسے رات ہی کو پتا چل گیا تھا کہ اس خنجر سے من شن نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور میں بھی یہ صورتِ حال دیکھ کر ایک لمحے کو کانپ کر رہ گیا تھا۔ گزشتہ رات اگر اس خنجر کی نوک بھی میرے جسم کو چھو جاتی تو میں اس وقت یہاں بیٹھا یہ سب کچھ نہ دیکھ رہا ہوتا۔

"یہ بہت چھوٹا سا جانور ہے۔" ماسٹر نے خنجر کی نوک اس جانور کے بالوں سے صاف کرتے ہوئے کہا "اگر اس خنجر کی نوک کسی صحت مند، ہٹے کٹے آدمی کے جسم کو بھی چھو جائے تو اسے بھی آخری سانس لینے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگے گا۔" اس نے خنجر دائیں ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ باتیں کرتے ہوئے بایاں ہاتھ آگے کو بڑھایا اور خنجر کی نوک کلائی کے قریب بازو پر پھیر دی۔

بازو پر تقریباً دو انچ لمبی لکیر بن گئی جس سے خون رسنے لگا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میں ماسٹر کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ ماسٹر ابھی تڑپنا شروع کردے گا اور ایک منٹ کے اندر اندر ختم ہوجائے گا مگر ماسٹر کے چہرے پر طمانیت اور ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

جانگی بھی وحشت زدہ سی نظروں سے ماسٹر کے بازو کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں لگنے والے چرکے پر خون کے قطرے ابھر رہے تھے۔ ایک منٹ گزر گیا۔ دو منٹ۔۔۔ تین منٹ۔ ماسٹر اطمینان سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ میں وحشت زدہ سی نظروں سے ماسٹر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا جبکہ چند منٹ پہلے میں بجھے ہوئے اس خنجر کی کارکردگی دیکھ چکا تھا۔

ماسٹر بنگ پائی نے زمین پر پڑا ہوا دوسرا تھیلا اٹھالیا اور اس کے منہ پر بندھی ہوئی ڈوری کھولنے لگا اور پھر اس تھیلے سے ایک سانپ کو برآمد ہوتے دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ زرد رنگ کا وہ سانپ تقریباً ڈیڑھ انچ موٹا اور ڈھائی فٹ لمبا تھا۔ زرد رنگ کی جلد پر کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے سیاہ دھبے بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔

ماسٹر نے اس سانپ کو گردن سے پکڑ رکھا تھا۔

"یہ اس خطے کا سب سے خطرناک سانپ ہے۔" ماسٹر نے باری باری میری اور جانگی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس جس کو ڈس لیتا ہے اسے اگلا سانس لینے کا موقع بھی نہیں لیکن قدرت نے انسان کو بھی اتنی صلاحیتیں دی ہیں جن اسے اندازہ نہیں۔ اس کے اندر ہر قسم کی قوت مدافعت موجود ہے مگر وہ انہیں استعمال کرنا نہیں جانتا۔ قدرت انسان کے لیے ایسی جڑی بوٹیاں بھی پیدا کی ہیں جن موت کے علاوہ ہر بیماری کا علاج موجود ہے مگر انسان ان چیزوں سے غافل ہوگیا ہے اور وہ رفتہ رفتہ اپنی صلاحیت سے بھی محروم ہوتا جارہا ہے۔"

ماسٹر بات کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو آہستہ آہستہ اٹھا رہا تھا۔ سانپ کی دو شاخہ زبان بار بار لپراتی ہوئی آرہی تھی۔ ماسٹر نے سانپ کا منہ اپنے گلے سے ذرا برہنہ سینے پر رکھ دیا اور اس کی گردن چھوڑ دی۔ چھوٹتے ہی سانپ کا پھن پھیل گیا۔ اس کے منہ سے پھنکار سی نکلی اور اس نے ماسٹر کے سینے پر منہ مار دیا۔

میرا خیال تھا کہ سانپ کے ڈستے ہی ماسٹر بنگ پائی ڈھیر ہوجائے گا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ماسٹر تو اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھا رہا البتہ سانپ اس طرح لہرانے لگا جیسے چڑھ گیا ہو اور پھر وہ ماسٹر کی گود میں گر گیا۔ اس کا زرد رنگ سوہل کھا رہا تھا اور پھر بے حس و حرکت ہوگیا۔ ماسٹر سانپ کو اٹھا کر دور پھینک دیا۔ میں نے ماسٹر کے بازو کی طرف دیکھا۔ جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں خون کا ایک ساقطرہ چمکتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"ابھی میں نے کہا تھا کہ قدرت نے انسان کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔" ماسٹر میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے یا انہیں ضائع کردیتا ہے۔ میں نے اپنے یہ صلاحیت اُجاگر کی ہے کہ دنیا کا کوئی زہر مجھ پر اثر نہیں کرسکتا۔ اس صلاحیت کو اُجاگر کرنے میں چند جڑی بوٹیوں کے استعمال کے علاوہ مارشل آرٹ کو بھی بڑا دخل ہے۔ مارشل آرٹ پر عبور حاصل کیے بغیر کوئی صلاحیت حاصل نہیں کی جاسکتی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "یہ فن بہت دلچسپ بھی ہے اور پراسرار بھی اور یہ جگہ، شاؤلن ٹیمپل اس سے بھی پُراسرار۔۔۔ اس فن کو شاؤلن ٹیمپل نے جو ترقی دی ہے تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔

"شاؤلن ٹیمپل کے بُدھ بھکشوؤں نے اس فن کو ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ زمانہ قدیم کے بُدھ بھکشو اس فن کے ذریعے اس قدر روحانی قوت حاصل کرچکے تھے کہ وہ ہاتھ کی ایک ضرب سے درجن بھر اینٹیں اوپر رکھی ہوئی اینٹیں توڑ دیتے۔ آنکھیں بند کرکے اڑتی چڑیا کا پر اس طرح نوچ لیتے کہ چڑیا کو اس کی خبر تک نہ ہوتی۔ پوری قوت سے کمان سے چھوڑے جانے والے تیر کو خالی ہاتھ پر روک لیتے۔ بُدھ بھکشو چی (CHI) سے حاصل ہونے والی قوت کے بل پر اپنے جسم کے کسی بھی حصے پر لگائی جانے والی ضرب کو برداشت کرلیتے۔ یہ چی کی قوت کا کمال تھا کہ شاؤلن ٹیمپل کے بدھ بھکشو ایک ہزار پاؤنڈ وزنی چیز بھی اس طرح اٹھا لیتے جیسے اس بوجھ کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو یا کسی اڑتے ہوئے پرندے کی پشت پر سوار ہوجاتے کہ پرندے کو اپنے اوپر لدے ہوئے بوجھ کا علم تک نہ ہوپاتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بدھ کے ان پیروکاروں نے یہ پُراسرار قوتیں کس طرح حاصل کیں؟ کیا یہ مارشل آرٹ کا کمال تھا یا اس میں کوئی اور روحانی قوت پوشیدہ تھی۔ اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ یہ روحانی قوت ہی تھی جو شاؤلن ٹیمپل کے ان بُدھ بھکشوؤں نے مارشل آرٹس کے ذریعے حاصل کی تھی۔

"آج کے دور میں صرف دو چار ہی ایسے ماسٹر موجود ہیں جن میں مارشل آرٹس کی یہ پُراسرار قوتیں موجود ہیں۔ وہ اس فن کو دوسروں کو منتقل کرنا چاہتے ہیں مگر کسی میں اتنا حوصلہ نہیں جو اتنی کٹھنائیاں برداشت کرسکے۔ تم۔۔۔" وہ خاموش ہوکر میری طرف دیکھنے لگا "بہت عرصے بعد تمہاری صورت میں مجھے وہ شخص نظر آرہا ہے جو اپنے اندر حوصلہ رکھتا ہے اور اس کٹھن راستے پر چل سکتا ہے۔"

"میں آپ کی امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا ماسٹر۔" میں نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ اپنے بارے میں ماسٹر بنگ پائی کا یہ تبصرہ سن کر اپنے آپ میں ایک عجیب سی سنسنی کی سی کیفیت محسوس کرنے لگا تھا۔

ہمارا اس دن کا لیکچر ختم ہوگیا۔ پہاڑی سے اتر کر میں اور جانگی حسب معمول کچھ دیر تک پہاڑی راستوں پر جوگنگ کرتے رہے۔ جوگنگ اور روڈ ورک میں نے اپنی زندگی کا معمول بنالیا تھا۔ اس سے اسٹیمنا برقرار رکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ماسٹر کا لیکچر ختم ہونے کے بعد میں اور جانگی چالیس سے پینتالیس منٹ تک جوگنگ کرتے اور آخر میں دوڑ لگاتے۔ کہیں تو یہ فاصلہ دو میل کا ہوتا اور کہیں پانچ چھ میل کا۔ جانگی شروع شروع میں تو ہانپنے لگتی تھی مگر اب وہ اس کی

نوٹیشن

برصغیر کے نام ور گلوکاروں کے سدا بہار گیتوں کا

اس نوٹیشن کی مدد سے ان گیتوں کی صرف "دھن" بھی ہر ساز پر بجائی جاسکتی ہے

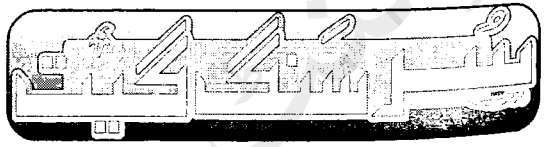

موسیقی کے حوالے سے

ابجدِ موسیقی

کے بعد ایچ اقبال کی دوسری کتاب

قیمت 200 روپے

ڈاک خرچ 25 روپے

صفحات 200 سے زائد

سفید کاغذ، مجلد اور دلکش سرورق

موسیقی کے دیوانوں کے لئے ایک منفرد تحفہ!

اپنی طرز کی ایسی کتاب پہلے کبھی شائع نہیں ہوئی۔

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 رضویہ سوسائٹی اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

فون: 5802552-5895313

فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

عادی ہوگئی تھی۔

اس روز جمنازیم میں کلاس شروع ہوتے ہی لیشی یان کے لیے ماسٹر مینگ پائی کا بلاوا آگیا۔ وہ ماسٹر سے ملاقات کرکے تقریباً آدھے گھنٹے بعد واپس آیا تو دیر تک گہری نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اسے میرے بارے میں کچھ خاص ہدایات دی گئی تھیں۔

کلاس ختم ہونے کے بعد میں صباح کو دیکھنے کے لیے چلا گیا۔ وہ اپنے بستر پر بے سُدھ پڑا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور ہونٹوں پر ہلکی سی نیلاہٹ تھی۔ گردن کے زخم پر بینڈیج لگی ہوئی تھی۔ اس کا سانس کبھی تیز ہوجاتا اور کبھی ہانکا۔ اس وقت کوچی بھی میرے ساتھ تھا۔ میں اس کی طرف مڑگیا۔

"کیا کیفیت ہے اب؟" میں نے پوچھا۔

"زہر کا کچھ تھوڑا بہت اثر ہے مگر خطرے سے باہر ہے۔" کوچی نے جواب دیا "اسے مکمل طور پر صحت یاب ہونے میں تین چار مہینے لگ سکتے ہیں۔"

مجھے صباح کی حالت پر افسوس ہورہا تھا۔ بے چارہ بلاوجہ اس کرب میں مبتلا ہوگیا تھا۔

○☆○

میری شہرت اب چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ منگ شول کیمپ پہلے ہی خاصی شہرت رکھتا تھا لیکن میرے نام کے ساتھ اس کی شہرت میں مزید اضافہ ہورہا تھا۔ ہر طرف میرے ہی چرچے تھے۔ ہر شخص کی زبان پر ایک ہی بات تھی "منگ شول میں ایک نیا لڑکا آیا ہے جو بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اگر وہ ایسی ہی کارکردگی کا مظاہرہ کرتا رہا تو لوگ شاؤلن ٹیمپل کے ماسٹروں کو بھول جائیں گے اور صرف وجدان کا نام یاد رکھیں گے۔"

مجھے ایسی باتیں سن کر خوشی ضرور ہوتی تھی مگر تکبر یا غرور کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیا تھا۔ اب مختلف کیمپوں میں میری بھی اچھی خاصی جان پہچان ہوگئی تھی۔ میں سب لوگوں سے بے تکلفی سے ملتا۔ ہر شخص میرا احترام کرنے لگا تھا۔ میں جانتا تھا کہ جہاں میرے اتنے ڈھیر سارے دوست بن گئے تھے وہاں دشمنوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا تھا۔ ہکسیان، ٹروڈر اور مجھ پر قاتلانہ حملہ کرانے والے جنرل کھوراٹ کے اس مشتبہ آدمی کے علاوہ کچھ پیشہ ور دشمن بھی پیدا ہوگئے تھے۔ جو مجھے زک پہنچانے کے لیے موقع کی تاک میں رہتے۔

قاتلانہ حملے والے واقعے کے بعد کئی روز سکون سے گزر گئے تھے۔ یہ بات ہر شخص تک پہنچ گئی تھی کہ میں نے اس رات من شن کو مار مار کر ادھ موا کردیا تھا اور پکڑے جانے کے بعد انتقام کے خوف سے اس نے زہریلا کیمیکل کھا کر خودکشی کرلی تھی۔ اس واقعے کے بعد کسی نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ماسٹر لیشی یان نے کئی آدمی اس مشتبہ شخص کی تلاش میں چھوڑ دیے تھے۔ جس کے بارے میں مجھے شبہ تھا کہ وہ میرے اوپر قاتلانہ حملہ اس نے کروایا تھا۔ اس کا نام تو مجھے بھی معلوم نہیں تھا مگر اس کا حلیہ سب کو بتادیا گیا تھا۔ ظاہر ہے بائیں طرف چھوٹا سا سیاہ دھبا اس کی شناخت تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہکسیان کی تلاش بھی جاری تھی مگر وہ دونوں گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہوچکے تھے۔ ٹروڈر اور اس کے لمبے بالوں والے ساتھی سے اکثر آمنا سامنا ہوتا تھا مگر وہ دونوں ہمیشہ آنکھیں چُرا کر گزر جاتے۔

کئی روز گزر گئے اور پھر ایک روز صبح سویرے ماسٹر لیشی یان مجھے اور جانگی کو لے کر پہاڑیوں کی طرف نکل گیا۔ پہاڑیوں میں چکراتے ہوئے تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرکے دریا کے کنارے ایک غار میں پہنچ گئے۔ یہ غار اندر سے بڑا کشادہ تھا اور اس کے آخری حصے میں واقع ایک اور غار سے غار میں کچھ ایسی چیزیں رکھی ہوئی تھیں جو مارشل آرٹ کی ٹریننگ میں استعمال ہوتی تھیں۔ لیشی یان نے دو چیزیں نکال لیں۔ ان میں مٹی کی بنی ہوئی ایک بھٹی بھی تھی جس کے اوپر پلیٹ فارم پر ریت کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس بھٹی میں لگے ہوئے برنر کو شعلہ دکھادیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ریت تپ گئی اور میری پریکٹس شروع ہوگئی۔ گرم ریت میں ہاتھوں کو دبائے رکھنا خاصا اذیت ناک تھا۔ یہ پریکٹس میں بنکاک کے نواح میں بنے والے کیمپ میں بھی کرچکا تھا۔ اس کی ٹریننگ مجھے ماسٹر لنگ سو نے دی تھی لیکن یہاں اس میں ذرا سی تبدیلی تھی۔ گرم ریت میں ہاتھ رکھنے کے بعد ریت سے بھرے ہوئے بیگز پر پنچنگ کی پریکٹس بھی کرائی جاتی۔ اس کے ساتھ ہی ہینڈ ڈیفنس کی پریکٹس بھی کرائی جارہی تھی۔

"یہ پریکٹس تمہارے ہاتھوں میں سختی پیدا کرنے کے لیے ہے۔" ماسٹر لیشی یان نے کہا "جب تم حریف کے مُکے سے بچنے کے لیے سیزرز ہینڈ ڈیفنس کی ٹیکنیک استعمال کرو گے تو تمہاری کلائیوں میں دب کر حریف کے ہاتھ کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی اور وہ زندگی بھر اپنا وہ ہاتھ استعمال نہیں کرپائے گا۔"

ماسٹر لیشی یان میرے سامنے کھڑا مجھے بتاتا رہا کہ سیزرز ہینڈ ڈیفنس ٹیکنیک کس طرح استعمال کی جاتی ہے۔ جانگی میرے ساتھ یہ ٹیکنیک سیکھ رہی تھی لیکن اسے گرم ریت میں ہاتھ دبانے کو نہیں کہا گیا تھا۔

دوپہر تک ہماری یہ پریکٹس جاری رہی اور پھر ہم غار کے دہانے پر بیٹھ گئے۔ میرا جسم پسینے میں شرابور ہورہا تھا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

"بہت سے لوگ ہاتھ پیر چلانا تو سیکھ لیتے ہیں۔ وہ اچھے فائٹر بھی بن جاتے ہیں لیکن انہیں یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا سیکھ رہے ہیں۔" ماسٹر لیشی یان کہہ رہا تھا "المیہ تو یہ ہے کہ آج کے دور میں بہت سے ماسٹر بھی یہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے شاگردوں کو کیا سکھا رہے ہیں۔ وہ اسٹائل کے نام سے تو واقف ہوتے ہیں لیکن اس کا پس منظر نہیں جانتے۔ وہ صرف فائٹر بنا رہے ہیں، مارشل آرٹسٹ نہیں۔ ایک اچھا مارشل آرٹسٹ بننے کے لیے اس فن کے پس منظر اور تاریخ سے واقف ہونا بہت ضروری ہے تاکہ اسے اس کی روح کے مطابق سیکھا جائے۔ تم کنگ فو۔ وشو کی پریکٹس کررہے ہو۔ آج میں تمہیں اس کا تھوڑا سا پس منظر سمجھانا چاہتا ہوں۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"آج لفظ کنگ فو کو مختلف معنی پہنائے جاتے ہیں لیکن اس کا اصل ترجمہ "بہتر طور پر سیکھا ہوا" ہے۔ جبکہ وشو WU - SHU کے معنی مارشل آرٹس ہیں۔ اگر پورا نام KUNG FU WU SHU پڑھا جائے تو اس کا مطلب ہوگا "بہتر طور پر سیکھا ہوا مارشل آرٹس۔" اس لیے کنگ فو کو فائٹنگ اسکلز یا کوئی اور معنی پہنانا درست نہیں ہے۔"

گفتگو کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد میری پریکٹس پھر شروع ہوئی اور یہ سلسلہ سہ پہر تک جاری رہا۔ اپنے کیمپ کی طرف واپس جاتے ہوئے دو آدمیوں سے آمنا سامنا ہوگیا۔ عجیب سے حلیے تھے ان کے۔ میلے کچیلے کپڑے، بے تحاشا بڑھے ہوئے بال اور دونوں کی آنکھیں سرخ تھیں جیسے نشہ کرنے کے عادی ہوں۔

اس غار میں پریکٹس کرتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ ہر روز دریا میں ایک کشتی پر چار آدمیوں کو دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ میرے چونکنے کی وجہ ہکسیان تھا جو اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے ماسٹر لیشی یان کو اس کی طرف متوجہ کیا تو اس کی پیشانی پر بھی لکیریں سی ابھر آئیں۔ کشتی کنارے پر رک گئی تھی۔ دو آدمی نیچے اتر گئے اور کشتی کنارے کے ساتھ ساتھ آگے چلی گئی۔ وہ دونوں آدمی اوپر آرہے تھے۔ ماسٹر لیشی یان نے جانگی کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں غار کے دہانے سے نکل کر نیچے اترنے لگے۔

ایک بڑے پتھر کی آڑ سے نکلتے ہی ان دونوں سے آمنا سامنا ہوا۔ ان دونوں کا تعلق مارشل آرٹ کے کسی ٹریننگ کیمپ سے ہی تھا لیکن حُلیوں سے آوارہ گرد ہی لگتے تھے۔

ماسٹر لیشی یان ان سے سوالات کرتا رہا۔

باتیں کرتے ہوئے ان میں سے ایک نے اچانک ہی پستول نکال لیا۔ جبکہ دوسرے کے ہاتھ میں خنجر نظر آنے لگا تھا۔ پستول کا رخ میری طرف تھا۔

ماسٹر لیشی یان گہری نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور پھر اچانک ہی اس کی ٹانگ حرکت میں آئی۔ اس کا پیر پستول والے کے ہاتھ پر لگا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔

میں نے خنجر والے پر حملہ کردیا۔ اس نے بھی حملہ کیا تھا۔ میں پوری طرح دفاع نہیں کرسکا اور خنجر کی نوک میرے بائیں بازو پر کہنی سے ذرا اوپر گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی لیکن اس کے بعد میں نے اسے حملہ کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ خنجر کی نوک نے میرے بازو کی کھال کو کاٹا تھا، زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اس لیے مجھے اس کی پروا بھی نہیں تھی۔ میں نے اپنے حریف کو اٹھا کر پٹخ دیا۔

ماسٹر لیشی یان بھی اپنے حریف کی دُرگت بنا رہا تھا۔ میرے خیال میں ان دونوں نے ہم سے ٹکرا کر بہت بڑی حماقت کا ثبوت دیا تھا۔ میرے نام کی دھاک تو بیٹھی ہوئی تھی اور ماسٹر لیشی یان بھی نامی گرامی مارشل آرٹسٹ تھا۔ انہوں نے شاید پستول کے بل بوتے پر ہمیں زیر کرنے کی کوشش کی تھی لیکن پستول ہاتھ سے نکل جانے کے بعد خود ہی پٹ رہے تھے۔

ہم ان دونوں پر تقریباً قابو پا چکے تھے کہ یکایک جانگی کی چیخ سن کر میں چونک گیا۔ میں نے اپنے حریف کی گردن بازو کی پلیٹ میں لے رکھی تھی۔ ایک زوردار جھٹکا اس کی زندگی کا خاتمہ کرسکتا تھا۔ جانگی کی چیخ سن کر میں نے اوپر دیکھا تو میرا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔

غار کے دہانے پر ہکسیان، جانگی کو گرفت میں لیے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے خنجر کی دھار جانگی کے نرخرے کو چھو رہی تھی۔

"میرے آدمیوں کو چھوڑ دو۔" پچاس فٹ اوپر سے ہکسیان کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی "اگر ان میں سے کسی کو معمولی سا نقصان بھی پہنچا تو میں اس کا گلا کاٹ دوں گا۔"

میں کانپ اٹھا۔ صورتِ حال بڑی خطرناک تھی۔ جانکی مکمل طور پر ہکسیان کے رحم و کرم پر تھی۔ اس کے ہاتھ کی معمولی سی حرکت جانکی کی زندگی کا خاتمہ کر سکتی تھی۔ میں نے ماسٹر لیشی یان کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنے حریف کا ہاتھ مروڑ کر اس کی پشت سے لگا رکھا تھا۔ ماسٹر کا دوسرا ہاتھ فضا میں بلند تھا۔ شاید وہ اپنے حریف کی گردن یا کندھے پر چوب لگانا چاہتا تھا مگر جانکی کی چیخ سن کر اس کا ہاتھ ہوا ہی میں معلق رہ گیا تھا۔

میرے حریف کی گردن میرے بازو کی آہنی لپیٹ میں تھی۔ ایک زوردار جھٹکا اس کی زندگی کا چراغ گل کر سکتا تھا لیکن یہ نئی صورتِ حال سامنے آتے ہی میرے بازو کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑنے لگی۔ میں نے ماسٹر لیشی یان کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنے حریف کو آگے دھکا دے کر چھوڑ دیا۔ وہ منہ کے بل گرا۔ اس کا چہرہ ایک پتھر سے ٹکرایا اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

میری گرفت بدستور ڈھیلی ہو رہی تھی۔ میرا شکار بھی اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر گرفت سخت کی اور ہلکا سا جھٹکا دے کر اسے چھوڑ دیا۔ وہ بھی چیختا ہوا منہ کے بل گرا۔ وہ فوری طور پر نہیں اٹھ سکا تھا۔ وہیں بیٹھا گردن سہلاتا رہا۔ جبکہ اس کا دوسرا ساتھی بھی گھٹنوں کے بل بیٹھا اپنی پیشانی سے رسنے والا خون پونچھ رہا تھا۔ ان دونوں میں سے کسی نے بھی اٹھنے میں جلدی نہیں کی۔ انہیں شاید یہ اطمینان تھا کہ چونکہ جانکی ان کے گرو ہکسیان کے قبضے میں تھی اس لیے ہم کوئی حرکت نہیں کر سکیں گے۔

"تم دونوں میرے آدمیوں سے دور ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔" ہکسیان کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی "اگر کسی نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو یہ لڑکی زندہ نہیں بچے گی۔"

میں اور ماسٹر لیشی یان ان دونوں سے دور ہٹ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ ہمارے پیچھے ایک چٹان تھی۔ اس طرح ہم عقب سے کسی ممکنہ حملے سے محفوظ ہو گئے تھے۔ ہم دونوں نے اپنے درمیان بھی پانچ چھ گز کا فاصلہ رکھا تھا۔ میں نے ایک بار پھر سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

ہکسیان نے جانکی کا ایک بازو مروڑ کر اس کی پشت سے لگا دیا۔ دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر اب جانکی کی رگ سے ہٹ گیا تھا تاہم اس کی نوک گردن کو چھو رہی تھی۔ ہکسیان نے جانکی کو ہلکا سا دھکا دیتے ہوئے کچھ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے مجھے کچھ سنائی نہیں دے سکا مگر جانکی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

غار کے دہانے سے دریا کے کنارے تک ایک آڑی ترچھی ڈھلواں تنگ سی پگڈنڈی تھی۔ جانکی آگے تھی اور ہکسیان پیچھے۔ پشت سے لگا ہوا جانکی کا ہاتھ بدستور اس کی گرفت میں تھا۔ جانکی کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ خوف زدہ تھی۔ ظاہر ہے خنجر کی نوک شہ رگ سے لگی ہو تو کسی بہادر آدمی کا بھی پتا پانی ہو سکتا ہے۔

وہ تقریباً آدھا راستہ طے کر چکے تھے۔ میں نے ان دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا جو ہمارے حریف بنے تھے۔ ماسٹر لیشی یان سے پٹنے والا شخص اِدھر اُدھر پتھروں میں اپنا پستول تلاش کر رہا تھا۔ جبکہ دوسرے کو بھی اپنے خنجر کی تلاش تھی جو میرے پیر کی ٹھوکر سے کہیں دور جا گرا تھا۔

میری نظریں دریا کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ کشتی چٹانوں کی آڑ سے نکل کر ایک بار پھر سامنے آ رہی تھی۔ اس میں اب صرف ایک ہی آدمی تھا جو آہستہ آہستہ چپو چلا رہا تھا۔ جب ہم نے غار کے دہانے پر سے دیکھا تھا تو اس میں چار آدمی تھے۔ دو اس وقت کنارے پر اتر گئے تھے۔ اس سے آگے دریا میں ذرا سا گھماؤ تھا۔ آگے جا کر کسی چٹان کی آڑ میں ہکسیان بھی کشتی سے اتر گیا تھا۔ میں اور ماسٹر لیشی یان والی چٹان سے نیچے آ کر ان دونوں آدمیوں سے نمٹ رہے تھے اور اسی دوران میں ہکسیان چٹانوں کے اوپر سے ہوا غار کے دہانے پر پہنچ گیا تھا جہاں جانکی اس کے قابو آ گئی تھی اور اب وہ کشتی پھر سامنے آ گئی تھی لیکن کنارے سے تقریباً دس گز دور تھی۔

میں ایک بار پھر جانکی اور ہکسیان کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ڈھلان پر آدھے سے زیادہ فاصلہ طے کر چکے تھے اور میری آنکھوں نے وہ منظر دیکھا جو بالکل خلاف توقع تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ جانکی عورت ہونے کے ناتے مردوں کے مقابلے میں کمزور تھی۔ صنفِ نازک کو ہمیشہ نزاکتوں کا مجسمہ اور کمزور سمجھا جاتا ہے مگر تاریخ میں جا بجا ان عورتوں کے حوالے بھی موجود ہیں جنہوں نے مردوں کو ناکوں چنے چبوا دیے اور حکومتوں کے تختے الٹ دیے۔ میرے خیال میں عورت کمزور نہیں ہوتی۔ یہ صنف تو مردوں سے زیادہ باحوصلہ اور باہمت ہے۔ ایک عام عورت بھی زندگی میں مردوں سے زیادہ دکھ سہتی ہے مگر اس کی ہمت پست نہیں ہوتی۔ خود میرے سامنے ایسی کئی عورتیں موجود تھیں جنہوں نے بڑے حوصلے سے زندگی کی کٹھنائیوں کا مقابلہ کیا تھا اور پھر جانکی تو ان عام عورتوں سے مختلف بھی تھی۔ وہ کئی سال سے میرے ساتھ تھی اور قدم قدم پر خطرات کا سامنا کر رہی تھی۔ کئی مواقع تو ایسے بھی آئے تھے کہ اس نے اپنے سے زیادہ طاقت ور مردوں کو بھی دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ابھی چند ہی روز پہلے کی تو بات تھی اس غنڈے کی پٹائی کی تھی جو اپنے آپ کو ماسٹر سمجھنے لگا تھا۔ حالات نے جانکی کو سنگین سے سنگین تر صورتِ حال میں بھی ثابت قدم رہنے اور اس سے نمٹنے کا سلیقہ سکھا دیا تھا۔ یہ میرا تجربہ تھا کہ صورتِ حال کتنی ہی نازک کیوں نہ ہو' جانکی نے اپنے ذہن کو مأوف نہیں ہونے دیا تھا۔ بعض حالات میں تو اس نے ایسے فیصلے کیے تھے کہ میں خود بھی حیران رہ گیا تھا۔ اور اس کے ان جرأت مندانہ فیصلوں ہی کی بدولت ہم کئی مرتبہ ہاری ہوئی بازی جیتے تھے۔ اس وقت بھی اس نے ایک ایسی ہی حرکت کی تھی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اندازے کی معمولی سی غلطی اس کو موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی۔

ہموار زمین تک پہنچنے کے لیے دس بارہ فٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اس جگہ پگڈنڈی میں ایک معمولی سا خم تھا۔ اس موڑ پر گھومتے ہوئے جانکی اچانک ہی بڑی تیزی سے نیچے بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے آزاد ہاتھ کو بڑی تیزی سے پیچھے کی طرف گھمایا تھا۔

جانکی کے اس طرح اچانک بیٹھ جانے سے ہکسیان اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا۔ جانکی کا ہاتھ بھی اس کی گرفت سے چھوٹ گیا۔ جانکی کے آزاد ہاتھ سے اس کی پنڈلی پر ضرب لگی تھی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس دوران میں جانکی نے نہایت جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے کہنیوں کے بیک پنچ سے بھی ایک ضرب لگا دی۔ ہکسیان جانکی کے اوپر سے الٹی قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل اس سے پانچ چھ فٹ آگے گرا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ہکسیان کی طرف دوڑ لگا دی اور اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ جبکہ ماسٹر لیشی یان نے اس شخص کی طرف چھلانگ لگا دی جو جھک کر زمین سے اپنا پستول اٹھا رہا تھا۔ ماسٹر لیشی یان کے دونوں پیر فلائنگ کک کے انداز میں اس کے پہلو پر لگے اور وہ چیختا ہوا دور تک قلابازیاں کھاتا ہوا چلا گیا۔ ماسٹر نے سنبھل کر دوسرے آدمی پر چھلانگ لگا دی اور اسے پتھروں پر رگیدتا ہوا دور تک لے گیا۔

جانکی ڈھلان کی پگڈنڈی پر بیٹھی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس نے جو کرنا تھا وہ کر دیا تھا اور باقی کام ہم پر چھوڑ دیا تھا اور ہم اپنا کام کرنا اچھی طرح جانتے تھے۔

خنجر اب بھی ہکسیان کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے مجھ پر وار کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ میں نے خنجر والی کلائی گرفت میں لے کر دوسرے ہاتھ سے اس کے اس بازو کے نیچے بغل میں زوردار گھونسا رسید کر دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھلا۔

میں نے دوسرا ہاتھ بھی ہکسیان کی کلائی پر جما دیا اور اپنا ایک گھٹنا کسی قدر اوپر اٹھا لیا۔ میں اس کی کہنی کو اپنے گھٹنے پر مارنا چاہتا تھا۔ اس طرح اس کی کہنی کا جوڑ نکل سکتا تھا مگر مجھے اس کا موقع نہیں ملا کیونکہ ہکسیان نے بڑی تیزی سے اپنی لات گھما دی تھی۔ اس کے پیر کی ٹھوکر میری اس ٹانگ کے گھٹنے پر لگی جس پر میرا سارا بوجھ تھا۔

میری ٹانگ ایک دم دُہری ہو گئی اور میں لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ ہکسیان بھی میرے ساتھ ہی میرے اوپر گرا تھا۔ مگر اس کا خنجر والا بازو ابھی تک میری گرفت میں تھا۔

ہکسیان جسمانی لحاظ سے مجھ سے زیادہ طاقت ور تھا' اگر وہ مجھ پر غلبہ پا لیتا تو میرا زندہ رہنا مشکل ہو جاتا مگر میں نے اس کو موقع نہیں دیا۔ وہ خنجر کو میرے گلے کی طرف لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ خنجر کو اپنے گلے سے دور رکھنے کی کوشش میں کامیاب رہتے ہوئے میں اسے اپنے اوپر سے ہٹانے کی کوشش بھی کرتا رہا اور بالآخر کامیاب ہو گیا۔

ہکسیان نے بھی میرے ساتھ اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ اسے بازو سے پکڑ کر اپنے اوپر لادا اور دھوبی پاٹ کے انداز میں پٹخ دیا۔ وہ پشت کے بل پتھروں پر گرا۔ اس کے منہ سے کراہ سی نکل گئی تھی۔ اس مرتبہ خنجر بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔

اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے میں نے ایک لمحے کو دوسری طرف دیکھا' ماسٹر لیشی یان اپنے دونوں حریفوں سے خوب اچھی طرح نمٹ رہا تھا اور وہ کشتی اب تیزی سے کنارے کی طرف آ رہی تھی۔

میں نے گھوم کر ہکسیان پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ایک مرتبہ اسے بھی موقع مل گیا۔ اس نے میرا پیر پکڑ کر زور

دار جھٹکا دیا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل گرا۔ میری کھوپڑی ایک بڑے پتھر سے ٹکرا گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ اور پھر میں نے ہکسیان کو اپنی طرف لپکتے ہوئے دیکھا۔ میں اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اپنا دفاع کرسکتا۔ وہ ابھی مجھ سے دور ہی تھا کہ اس کی چیخ سنائی دی۔

میں نے سر کو دو تین اور جھٹکے دیئے۔ میری آنکھوں کے سامنے چھانے والی دُھند چھٹ گئی۔ ہکسیان میرے اوپر آنے کے بجائے قدرے بائیں طرف گرا۔ اس کے بائیں پہلو سے خون بہہ نکلا تھا۔ اس سے ذرا ہٹ کر جانکی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا۔

مجھے صورتِ حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ جانکی نے موقع ملتے ہی ہکسیان ہی کا خنجر اٹھا کر اس پر حملہ کیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو ہکسیان مجھے گرفت میں لے کر میری گردن مروڑ سکتا تھا۔

اس وقت پہلی بار میں نے جانکی کے چہرے پر بے پناہ ورندگی کے آثار دیکھے تھے۔ وہ ہکسیان پر دوسرا حملہ کرنے کے لیے لپکی لیکن ہکسیان نے اٹھ کر دریا کی طرف دوڑ لگا دی۔ جانکی اپنی ہی جھونک میں آگے جا گری تھی۔

وہ کشتی اب دریا کے کنارے سے صرف دس فٹ کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ ہکسیان نے دوڑتے ہوئے دریا میں چھلانگ لگا دی اور کشتی کے قریب ہی پانی میں گرا۔ شناٹاپ کی زوردار آواز ابھری۔ وہ گدلے پانی میں نیچے بیٹھتا چلا گیا اور پھر سطح پر ابھرتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے کشتی کا کنارہ پکڑ لیا۔ کشتی پر بیٹھے ہوئے شخص نے چپو چھوڑ کر اسے اوپر کھینچ لیا۔ ہکسیان کشتی کے اندر ڈھیر سا ہوگیا۔ جبکہ دوسرے آدمی نے پھر چپو سنبھال لیے' وہ کشتی کو کنارے سے دور لے جانے لگا۔

میں پوری طرح اپنے حواس میں آگیا تھا۔ میں سر جھٹکتا ہوا اٹھ گیا اور جانکی کو بھی سہارا دے کر اٹھا دیا۔ میری طرف دیکھتے ہوئے اس کے چہرے کی کرختگی غائب ہوگئی اور ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

ماسٹر اپنے دونوں حریفوں کی خاطر خواہ تواضع کررہا تھا اور پھر ہکسیان کو راہِ فرار اختیار کرتے دیکھ کر ان میں سے ایک نے موقع ملتے ہی دوڑ کر دریا میں چھلانگ لگا دی۔ وہ کشتی سے چار پانچ فٹ پیچھے پانی میں گرا تھا اور بڑی تیزی سے ہاتھ مارتا ہوا کشتی کی طرف تیرنے لگا اور بالآخر اس نے کشتی کا کنارہ پکڑ لیا اور بڑی مشکل سے اپنے آپ کو کشتی کے اندر گرانے میں کامیاب ہوسکا تھا۔ ہکسیان یا دوسرے آدمی نے اسے کشتی پر کھینچنے میں کوئی مدد نہیں کی تھی۔

آخری حریف ماسٹر لیشی یان کا گھونسا کھا کر لڑکھڑاتا ہوا میری طرف آیا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ایک گھونسا جڑ دیا۔ وہ ایک بار پھر لڑکھڑایا لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر اس نے دریا کی طرف دوڑ لگا دی۔

کشتی اس دوران میں بہت دور جا چکی تھی۔ ایک بات تو طے تھی کہ ہکسیان وغیرہ اپنی جانیں بچا کر راہِ فرار اختیار کررہے تھے۔ لہٰذا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ اپنے آخری ساتھی کو بچانے کے لیے کشتی واپس لائیں گے۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ چند روز پہلے مجھے بلوپائپ کی زہریلی سُوئی اور پھر زہریلے خنجر سے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ میں نے تعاقب کرکے حملہ آور من شن نامی شخص کو پکڑ لیا تھا مگر اس نے کچھ بتانے سے پہلے ہی زہریلا کیپسول کھا کر خودکشی کرلی تھی۔

من شن سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ اس سے تو میرا کبھی آمنا سامنا بھی نہیں ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرے اوپر یہ حملے کسی اور کے کہنے پر کیا گیا تھا۔ میرے ذہن میں ایک نام ہکسیان کا تھا اور دوسرا وہ چہرہ تھا جس کی کئی روز پہلے جانکی نے نشان دہی کی تھی اور جانکی کے کہنے کے مطابق وہ جنرل کھوراٹ کا آدمی تھا اور آج پھر اس واقعے کو دُہرایا گیا تھا اور میرا خیال تھا کہ ہکسیان مجھے اٹھا کر لے جانا چاہتا تھا۔ اگر اس کا مقصد قتل کرنا ہوتا تو کشتی سے اتر کر کنارے پر آئے بغیر مجھے گولی ماری جاسکتی تھی لیکن جس طرح انہوں نے پلانگ کی تھی اور جس طرح جانکی کو خنجر کی دھار پر رکھا گیا تھا' اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مجھے زندہ پکڑ کر کہیں اور لے جانا چاہتے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ اس روز مجھ پر بلوپائپ سے حملہ ہکسیان نے نہیں کرایا تھا۔ وہ چہرہ بار بار میری نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا جس کی نشان دہی جانکی نے کی تھی۔

اور اس وقت اچانک ہی میرے ذہن میں خیال ابھرا تھا کہ ممکن ہے' ہکسیان کے ساتھ آنے والے اسے جانتے ہوں۔ وہ آدمی ہکسیان کے ساتھ کشتی پر فرار ہوچکے تھے۔ تیسرے نے میرے سامنے دریا میں چھلانگ لگائی تھی اور پھر اچانک چیخوں کی آواز سن کر میں چونک گیا۔

اس شخص نے ہم سے جان بچانے کے لیے دریا میں چھلانگ لگا دی تھی لیکن وہ تیرنا نہیں جانتا تھا۔ اب وہ مدد کے لیے چیخ رہا تھا۔ یہ پہاڑی علاقہ تھا اور یہاں پانی کی لہریں نسبتاً تیز تھیں۔ وہ شخص لہروں کے ساتھ بہتا ہوا کبھی زیرِ آب چلا جاتا اور کبھی سطح پر ابھر کر چیخنے لگتا۔

میں نے ماسٹر لیشی یان اور جانکی کی طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے دوڑتے ہوئے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ وہ شخص لہروں کے ساتھ بہتا ہوا تقریباً بیس بائیس گز آگے جاچکا تھا اور میں اس سے پندرہ سولہ گز پیچھے تھا اور اس تک پہنچنے کے لیے پانی پر لمبے لمبے ہاتھ مار رہا تھا۔

بچپن میں' میں نے باقاعدہ پیراکی سیکھی تھی اور پھر زندگی کی اس دھوپ چھاؤں میں مجھے کئی مرتبہ دریاؤں اور نہروں میں تیرنے کا موقع ملا تھا اور میں ایک بہت اچھا پیراک بن گیا تھا۔

میں اس جگہ پہنچا جہاں اس شخص کو آخری بار دیکھا تھا لیکن وہ زیرِ آب جاچکا تھا۔ گدلے پانی میں نظر نہیں آرہا تھا اور پھر مجھ سے دو گز کے فاصلے پر وہ پانی کی سطح پر نمودار ہوا تو میں تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

وہ بُری طرح بدحواس ہورہا تھا۔ میں جیسے ہی قریب پہنچا' وہ میرے..... ساتھ لپٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کردیا۔ وہ چیخ کر پیچھے ہٹا۔ پانی کی ایک لہر اُسے مجھ سے دور لے گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے لپکا۔

اس کے منہ پر تھپڑ مارنے کا مقصد موقع سے فائدہ اٹھانا یا کسی قسم کا انتقام لینا نہیں تھا۔ کسی ڈوبتے ہوئے شخص کو بچانا ہو تو اس کے ساتھ یہی سلوک کیا جانا چاہیے۔ بصورتِ دیگر وہ بدحواسی میں آپ کے ساتھ لپٹ کر آپ کو بھی لے ڈوبے گا۔

وہ ایک بار پھر پانی کی تہ میں بیٹھ رہا تھا مگر میں نے اسے بالوں سے پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا کنارے کی طرف تیرنے لگا۔ بہاؤ کے مخالف سمت کسی دوسرے آدمی کو لے کر تیرنا خاصا مشکل کام تھا اور مجھے واقعی بہت دشواری پیش آرہی تھی اور پھر میں نے ماسٹر لیشی یان کو دریا میں چھلانگ لگاتے ہوئے دیکھا۔ اس نے غالباً میری مشکل کو سمجھ لیا تھا۔

ماسٹر لیشی یان نے ہم تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ اس طرح ہم دونوں اس شخص کو بانہوں میں پکڑ کر کنارے تک لانے میں کامیاب ہوگئے۔ کنارے پر کھڑی ہوئی جانکی نے اسے اوپر کھینچ لیا۔

ماسٹر لیشی یان نے اس شخص کو زمین پر اوندھا لٹا دیا اور اس پر دباؤ ڈالنے لگا۔ اس طرح غوطہ خوری کے دوران میں جو پانی اس کے پیٹ میں جاچکا تھا' وہ نکل گیا۔

وہ بے ہوش نہیں ہوا تھا لیکن حواس بحال ہونے میں پندرہ بیس منٹ لگ گئے۔ ہم اسے اوپر غار میں لے گئے اور میں نے بالکل پولیس والے انداز میں اس سے پوچھ گچھ شروع کردی۔

"ہکسیان کے لیے کب سے کام کررہے ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی بات پوچھنے سے بہتر ہے کہ مجھے مار ڈالو۔" وہ شخص گہری سانس لیتے ہوئے بولا "اگر ہکسیان کو پتا چل گیا کہ میں نے تمہیں کچھ بتایا ہے تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ مجھے اس طرح اذیتیں دے گا کہ میں مرنا بھی نہیں سکوں گا اور زندہ بھی نہیں رہ سکوں گا۔ مجھے مار ڈالو۔ پلیز! مجھے مار ڈالو۔"

"اگر ہم نے تمہیں مارنا ہوتا تو دریا سے نہ نکالتے۔ تمہیں ڈوبنے دیتے اور ہم کنارے پر بیٹھے اطمینان سے تمہاری بے بسی کا تماشا دیکھتے رہتے۔" میں نے کہا "لیکن میں تمہیں ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں۔ تم نے ہکسیان کے لیے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ اس وقت بھی ہمارے رحم و کرم پر ہو لیکن وہ ہکسیان تمہیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس نے اپنی جان تو بچالی لیکن تمہیں موت کے جبڑوں میں چھوڑ دیا۔ کیا یہ تمہارے ساتھ زیادتی نہیں۔ تم اپنی زبان بند رکھ کر اس شخص کو بچانے کی کوشش کررہے ہو جسے تمہاری ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ کیا تم اس شخص پر بھروسا کرسکتے ہو؟"

"مجھے ہکسیان سے کوئی شکایت نہیں۔" اس شخص نے جواب دیا "میں نے جو کچھ بھی کیا' ہکسیان کے لیے نہیں' پیسوں کے لیے کیا تھا۔ اس نے مجھے ایک بڑی رقم دی تھی۔"

"اور مقصد کیا تھا؟ مجھے جان سے مار دیا جائے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ تمہیں کڈنیپ کرنا چاہتا تھا۔" اس شخص نے جواب دیا۔

میرا اندازہ درست نکلا۔ مجھے ہکسیان کی پلانگ سے ہی یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ مجھ کو اغوا کرنا چاہتا ہے۔

"ہکسیان سے میرا کچھ پرانا حساب کتاب چل رہا ہے۔ وہ کئی بار مجھ سے زک اٹھا چکا ہے۔ وہ مجھے قتل تو کرسکتا ہے لیکن کڈنیپ..... ! وہ مجھے اغوا کرکے کہاں لے جانا چاہتا تھا۔ کس کے لیے کام کررہا ہے وہ؟" میں نے پوچھا۔

"مم۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

ماسٹر لیشی یان کے تھپڑ نے اسے جملہ مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ چیختا ہوا بائیں طرف لڑھک گیا۔ ماسٹر لیشی یان نے کچھ بعد دیگرے تین چار ٹھوکریں رسید کردیں۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ ماسٹر نے اسے اٹھا کر دیوار کے ساتھ دے مارا۔ اس کے منہ سے ایک اور خوفناک چیخ نکل گئی تھی۔ اس کا سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔ اس نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"تمہیں ڈوبنے سے اس لیے نہیں بچایا گیا تھا کہ ہم تمہاری مٹھی چاپی کریں گے۔" ماسٹر اسے ایک ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا "وجدان فطرتاً رحم دل ہے۔ یہ اپنی جان کے دشمنوں پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے بھی ہچکچاتا ہے لیکن میں اس سے بہت مختلف ہوں۔ اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو میں تمہارے منہ میں ہاتھ ڈال کر زبان کو جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔ پہلے اپنا نام بتاؤ اور یہ بتاؤ کہ کس کیمپ سے تعلق رکھتے ہو۔ میں تمہیں صرف تیس سیکنڈ کا وقت دیتا ہوں۔ اس کے بعد میرا ہاتھ حرکت میں آجائے گا۔"

اس شخص کا چہرہ خوف سے سیاہ پڑگیا۔ آنکھوں میں بے پناہ دہشت ابھر آئی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ماسٹر نے جو کچھ کہا تھا' تیس سیکنڈ گزرنے کے بعد اس پر عمل بھی کر ڈالے گا اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے فرفر بولنا شروع کردیا۔

اس کا نام موسا شارو تھا اور اس کا تعلق جس کیمپ سے تھا اس کا ماسٹر بھی خاصا بدنام تھا۔ اس جاپانی ماسٹر کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ مارشل آرٹسٹوں کی نہیں' غنڈوں اور قاتلوں کی جماعت تیار کررہا ہے۔ اسے عام طور پر ٹرپل میکر کہا جاتا تھا۔ اس کے شاگرد ہر ایک سے پنگے بازی کرتے رہتے۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ ہمیشہ پٹتے ہی تھے لیکن اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تھے۔

موسا شارو بھی جاپانی ہی تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق تقریباً ایک ہفتہ پہلے ہکسیان نے اس سے رابطہ کیا تھا۔ اس سے پہلے وہ ہکسیان کو بالکل نہیں جانتا تھا۔ ہکسیان مجھے اغوا کرانا چاہتا تھا اور اس کے عوض اس نے ایک معقول رقم کی پیشکش کی تھی۔

"میں تمہارے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں جانتا تھا کہ تمہیں چھیڑنا اپنی شامت بلانے کے مترادف ہے۔ میں تمہارے ہاتھوں بعض دوسرے لوگوں کا حشر دیکھ چکا تھا لیکن ہکسیان نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ خاصا جان دار تھا۔ ہکسیان نے یہ اطمینان بھی دلایا تھا کہ ہم چار ہوں گے اور تم صرف دو۔ اس لڑکی کو اس نے کسی شمار میں نہیں سمجھا تھا۔" اس نے جانگی کی طرف اشارہ کیا "ہکسیان کو معلوم تھا کہ تم تینوں روزانہ یہاں کسی قسم کی پریکٹس کے لیے آتے ہو۔ اس نے کئی روز تک تمہاری نگرانی کرائی تھی اور یہ اطمینان کرلیا تھا کہ تم تینوں کے سوا یہاں کوئی اور نہیں ہوتا۔

"اس کا پروگرام یہ تھا کہ ماسٹر لیشی یان اور اس لڑکی کو بے بس کرکے تمہیں کشتی پر ڈال کر لے جائیں گے۔ ہمیں یہ ایڈوانٹیج تھا کہ ہمارے پاس اسلحہ تھا اور تم خالی ہاتھ تھے مگر ہم بھول گئے تھے کہ تمہارا خالی ہاتھ ہونا زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

"ہکسیان کس کے لیے کام کررہا ہے۔ وہ مجھے اغوا کرکے کہاں لے جانا چاہتا تھا؟" اس مرتبہ یہ سوال میں نے کیا تھا۔

موسا شارو کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ وہ شاید کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر سوال دُہرایا۔ اس نے اس مرتبہ بھی زبان بند رکھی۔ آنکھوں میں خوف کچھ اور گہرا ہوگیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے مگر بتانا نہیں چاہتا۔ میں نے اچانک ہی اس کے منہ پر سامنے ایک زوردار پنچ رسید کردیا۔ وہ چیختا ہوا پیچھے گرا۔ میں نے اسے بالوں سے پکڑ کر دوبارہ سیدھا کردیا۔ اس کے منہ سے خون بہہ نکلا تھا اور جب اس نے تھوکا تو خون کے ساتھ ایک دانت بھی باہر گرا تھا۔ اپنا دانت دیکھ کر وہ اور بھی زور زور سے چیخنے لگا۔

"ایک ایک کرکے تمہارے سارے دانت نکال دوں گا۔" میں نے غراتے ہوئے کہا "بتاؤ۔ ہکسیان مجھے کہاں لے جانا چاہتا تھا۔ وہ کس کے لیے کام کررہا ہے؟"

میرا ہاتھ پھر فضا میں بلند ہوا۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ چہرے کے سامنے کردیا۔

"ب۔۔۔ بتاتا ہوں۔" وہ ہکلایا۔ منہ سے چلّو بھر خون تھوکا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "اس کا نام میگا تیراڈ ہے اور وہ تھائی لینڈ کا رہنے والا ہے۔" اور پھر اس نے میگا تیراڈ کا جو حلیہ بتایا تو میں چونک گیا۔ میں نے جانگی کی طرف دیکھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا کر میرے خیال کی تصدیق کردی۔ یہ وہی آدمی تھا جس کی نشان دہی چند روز پہلے جانگی ہی نے کی تھی اور میں اسے صرف ایک مرتبہ دیکھ سکا تھا۔

"وہ تو کوئی مارشل آرٹسٹ نہیں ہے۔ یہاں شاؤلن ٹیمپل میں کیا کررہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا مارشل آرٹ سے کوئی تعلق نہیں۔" موسا نے جواب دیا "میگا کے بارے میں ہکسیان نے کچھ اور بتایا تھا۔ اور میرا خیال ہے اس نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔"

"کیا بتایا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"ہکسیان نے بتایا تھا کہ میگا کا تعلق گولڈن ٹرائی اینگل سے ہے۔ وہ گولڈن ٹرائی اینگل کے بے تاج بادشاہ کھوراٹ کا خاص آدمی ہے اور تمہارا تعاقب کرتے کھوراٹ یہاں تک آیا ہے۔ تم جنرل کھوراٹ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا کر بھاگے ہوئے ہو۔ میگا تمہیں پکڑ کر واپس لے جانا چاہتا ہے۔ اگر ہم نے اس کا ساتھ دیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے تو وہ ہمیں بھی اپنے ساتھ گولڈن ٹرائی اینگل لے جائے گا۔"

"جانتے ہو گولڈن ٹرائی اینگل کیسی جگہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں لیکن سنا ہے کہ وہ علاقہ دنیا میں ہیروئن کی سب سے بڑی مارکیٹ سے بڑا مرکز ہے۔ وہاں صرف جنرل کھوراٹ کی حکمرانی ہے۔ وہاں بے پناہ دولت ہے اور۔۔۔"

"گولڈن ٹرائی اینگل ایک ایسا جہنم ہے جہاں جانے والا کوئی واپس نہیں آسکتا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "وہاں تم جیسے لوگوں سے بیگار لی جاتی ہے۔ اور وہ اس وقت تک زندگی کے لیے ترستے رہتے ہیں۔ وہ موت جیسا ایسا حصار ہے جہاں سے کوئی نکل نہیں سکتا۔" میں نے موسا کو خاموش ہوا پھر بولا "اور تم خوش ہو کہ تمہیں گولڈن ٹرائی اینگل جانے کا موقع مل رہا تھا۔"

"تم اپنا وقت ضائع کررہے ہو وجدان۔" ماسٹر لیشی یان مداخلت کرتے ہوئے کہا "یہ وہ لوگ ہیں جو چند ٹکوں کے لیے ماں کو بھی کود سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ اس لیے انہیں کوئی سیدھا راستہ سمجھانے کی کوشش کرنا بیکار ہے۔ اس سے یہ پوچھو کہ رات سن شن نے کس کے کہنے پر تمہیں موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی تھی۔"

"کس کے کہنے پر۔" موسا میرے پوچھنے سے پہلے ہی بول پڑا "ہکسیان کو یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر ہم تمہیں قتل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں تو تمہیں مار ڈالا جائے۔"

یہ انکشاف واضح ہوگئی تھی۔ اس رات بھی مجھ پر قاتلانہ حملہ اسی تائی کے کہنے پر کیا گیا تھا اور آج کی کارروائی بھی اس کے کہنے پر عمل میں آئی تھی۔ ہمیں جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ معلوم ہوچکا تھا۔ موسا اب ہمارے لیے بیکار تھا۔ میں نے ماسٹر لیشی یان کی طرف دیکھا۔ اور پھر ہم موسا کو دوبارہ دریا کے کنارے پر لے آئے۔ اس مرتبہ جانگی بھی ہمارے ساتھ تھی۔

موسا الجھی ہوئی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ شاید کوئی اندازہ لگانے کی کوشش کررہا تھا کہ ہم اس کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں اور پھر اچانک ہی ماسٹر لیشی یان اور میں نے موسا کو بانہوں اور ٹانگوں سے پکڑ لیا اور اسے دریا کے بالکل کنارے پر لے آئے۔ چند سیکنڈ ہم اسے جھولے کی طرح جھلاتے رہے اور پھر اچھال کر دریا میں پھینک دیا۔

وہ کنارے سے تقریباً دس فٹ دور پانی میں گرا تھا۔ وہ ہاتھ پیر مارتے ہوئے بری طرح چیخ رہا تھا۔ پانی کی تیز لہریں اسے بہاتی ہوئی کنارے سے دور لے جارہی تھیں۔ میں نے کنارے پر بیٹھ کر پانی میں ہاتھ دھوئے۔ کچھ چھینٹے منہ پر بھی مارے اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں ایک دم نارمل ہوگیا تھا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ماسٹر لیشی یان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ میں فطرتاً رحم دل واقع ہوا ہوں لیکن حالات و واقعات نے میرے اندر کچھ سختی بھی پیدا کردی تھی اور میں ان لوگوں کو تو زندہ چھوڑنے کو بالکل تیار نہیں تھا جو میرے وجود کو اس دنیا سے ختم کرنا چاہتے تھے۔ موسا شارو کو دریا میں پھینک کر میں نے کوئی برا نہیں کیا تھا بلکہ دنیا کو ایک برائی سے نجات دلا دی تھی۔ اگر میں ان کے ہاتھ لگ جاتا تو کیا یہ مجھے زندہ چھوڑ دیتے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لڑائی کے آخری لمحوں میں جب میرا سر ایک پتھر سے ٹکرایا تھا اور میں وقتی طور پر اپنے حواس کھو بیٹھا تھا تو ہکسیان نے فیصلہ کن انداز میں مجھ پر حملہ کیا تھا اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا تو وہ میری گردن مروڑ دیتا مگر عین وقت پر جانگی کی مداخلت نے مجھے بچا لیا تھا۔ جانگی کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد ہکسیان بھاگ نکلا تھا۔

عام طور پر اس وقت تک ہم لوگ اپنی پریکٹس مکمل کرکے واپس چلے جایا کرتے تھے لیکن آج اس چھیڑے کی وجہ سے خاصی دیر ہوگئی تھی۔ دوبارہ غار میں آکر ہم نے اپنا سامان سمیٹا اور واپس چل پڑے۔

اپنے کیمپ میں پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد ماسٹر لیشی یان نے ماسٹر ہنگ پائی کو سب کچھ بتا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اس رات بلو پائپ سے مجھ پر قاتلانہ حملہ کس کے کہنے پر کیا گیا تھا لیکن لیشی یان یہ بات گول کرگیا تھا کہ ہمارے ہاتھوں موسا کا

کیا انجام ہوا تھا۔

اس روز دوپہر کو ہم اپنے غار والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چیکو خاصی پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ یہاں جو کچھ بھی ہو رہا تھا اس کے لیے سب کچھ غیر معمولی تھا۔ اور وہ اس قسم کے حالات سے شاید گھبرا گئی تھی۔

"اگر تم چاہو تو واپس چلی جاؤ۔" میں نے چیکو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں ماسٹر لیشی یان سے کہہ کر ایسا بندوبست کرا دوں گا کہ تمہیں بحفاظت خان کنگ یا جہاں تم کہو وہاں تمہیں پہنچا دیا جائے۔"

"نہیں۔" چیکو نے نفی میں سر ہلا دیا "میرا یہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس قسم کے حالات کی عادی نہیں ہوں نا اس لیے کچھ پریشان ہو گئی ہوں۔ رفتہ رفتہ عادی ہو جاؤں گی۔"

اس شام کامنی سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس سے یہ دلچسپ اطلاع ملی کہ ہکسیان کو ایک کار میں شاؤیانگ قصبے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ وہ شاید زخمی تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔

"تم نے خود اسے دیکھا تھا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" کامنی نے اثبات میں سر ہلایا "اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات تھے اور وہ جھک کر چل رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ پیٹ پر تھا۔"

"دوسرے آدمی کا حلیہ بتاؤ۔" میں نے کہا۔

اس نے جو حلیہ بتایا' وہ ان دونوں آدمیوں سے بالکل مختلف تھا جو کشتی پر اس کے ساتھ فرار ہوئے تھے۔ کامنی کو ابھی تک ہم نے صبح کے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ ماسٹر ہنگ پائی کے سوا ہم نے کسی اور سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ دراصل ہم اس واقعے کی تشہیر نہیں چاہتے تھے لیکن اب کامنی کو اصل صورتِ حال سے آگاہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے جانگی کی طرف دیکھا اور پھر کامنی کو صبح کے واقعے کے بارے میں بتانے لگا۔

"ہکسیان' جانگی کے ہاتھوں زخمی ہوا تھا۔" میں آخر میں کہہ رہا تھا "اگر جانگی اس پر خنجر سے حملہ نہ کرتی تو وہ میری گردن مروڑ دیتا۔ لیکن ایک ہی زخم کھانے کے بعد وہ بھاگ نکلا اور اب تمہارے کہنے کے مطابق اسے شاؤیانگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔"

"یہاں کوئی ایسا اسپتال نہیں ہے۔ جہاں اس قسم کے زخموں کا علاج ہو سکے۔" کامنی نے کہا "ٹریننگ میں اسٹوڈنٹس کو چوٹیں تو لگتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی اور گھٹنوں کے جوڑ بھی ہل جاتے ہیں مگر ماسٹرز ایسی علاج خود ہی کر لیتے ہیں۔ چاقو' خنجر وغیرہ سے زخم بات ہے۔ یہاں ایسے علاج کے لیے مناسب سہولتیں ہیں۔ شاؤ یانگ ایک بڑا قصبہ ہے۔ ہو سکتا ہے اپنے زخم کے علاج کے لیے وہاں گیا ہو۔"

"میں کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں۔" میں نے کہا نے بتایا تھا کہ میگا شاؤ یانگ میں رہائش پذیر ہے۔ کے توسط سے اس کی میگا سے ملاقات بھی شاؤ یانگ مکان میں ہوئی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ ہکسیان اس گیا ہو گا مگر موساد اس مکان کا پتا نہیں بتا سکا تھا۔"

"اگر ہکسیان وہیں گیا ہے تو مکان کا پتا آسانی جا سکتا ہے۔" کامنی نے کہا۔

"وہ کیسے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی دیکھا۔

"ہکسیان جس کار پر گیا ہے وہ کرائے کی کار کامنی نے بتایا "ٹیکسی سمجھ لو۔ یہ کار شاؤلن ٹیمپل یانگ کے درمیان چکر لگاتی رہتی ہے۔ میں بھی مرتبہ شاؤ یانگ جا چکی ہوں۔ ڈرائیور مورو تانگ کیا جا سکتا ہے کہ اس نے ہکسیان کو کہاں چھوڑا۔"

"او۔ گڈ۔ اچھا آئیڈیا ہے۔" میں نے کہا "مورو کہاں ملے گا۔ میرا مطلب ہے اس کی کار کہاں کھڑی ہے؟"

"ماسٹر دوپن کے جمنازیم کے سامنے ایک چھوٹا ریسٹورنٹ ہے۔" کامنی نے بتایا "مورو تانگ عام طور ریسٹورنٹ کے سامنے کار کھڑی کر کے ریسٹورنٹ آس پاس کہیں بیٹھا رہتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی معلوم ہو سکتا ہے۔"

"کیا وہ ایک ہی کار ہے جو شاؤلن ٹیمپل اور کے درمیان ٹیکسی کے طور پر چلتی ہے۔" میں نے پوچھا

"نہیں۔" کامنی نے نفی میں سر ہلایا "شاؤ یہاں تک کوئی پبلک ٹرانسپورٹ نہیں ہے۔ اس حال سے فائدہ اٹھا کر کچھ لوگوں نے اپنی پرائیویٹ ٹیکسی بنا لیا ہے۔ یہ باقاعدہ رجسٹرڈ ٹیکسیاں نہیں سات کاریں ہیں جو مختلف جگہوں پر کھڑی ہوتی تانگ نے دوپن جمنازیم کے سامنے والے ریسٹورنٹ طرح سے اپنا اسٹینڈ بنا رکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سر ہلا دیا۔

"ہاں۔" رات نو بجے ٹریننگ سیشن ختم ہونے کے بعد میں اسی بارے میں بات کی۔ وہ خود میرے ساتھ جانے کو تیار تھا۔ میں نے اس معاملے میں اسے ملوث کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ شاؤلن ٹیمپل میں ماسٹر لیشی یان ایک بڑا نام تھا۔ تقریباً آدھی صدی سے وہ اس مقدس آرٹس کے حلقوں میں اسے ایک معزز مقام حاصل تھا۔ میں اسے ان چھوٹی باتوں میں گھسیٹنا نہیں چاہتا تھا۔ میرے خیال میں اگر صرف کوچی میرے ساتھ ہو تو کافی ہو گا مگر ماسٹر لیشی یان نے کوچی کے علاوہ ایک اور لڑکا بھی میرے ساتھ کر دیا۔ یہ تھائی لینڈ کا رہائی تھا اور اس کا شمار بھی ماسٹر کے چند بہترین شاگردوں ہوتا تھا۔

ہم کامنی کے ساتھ اپنے کیمپ سے روانہ ہوئے تو دس بجنے والے تھے۔ اس وقت بیشتر جمنازیمز کی کلاسز ختم ہو رہی تھیں جس وجہ سے سڑکوں پر خاصی رونق رہتی تھی۔ کے تقریباً ایک گھنٹے بعد تک سارے ریسٹورنٹس بھی آباد چکے تھے۔

ہم مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے ماسٹر دوپن کے جمنازیم سامنے آ گئے۔ جمنازیم بند ہو چکا تھا البتہ سامنے والے ریسٹورنٹ میں رونق تھی۔ مگر اس ریسٹورنٹ کے آس پاس کار کھڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ریسٹورنٹ کے سامنے پہنچ کر کامنی کو ہم نے رخصت کیا تھا۔ تقریباً آدھا گھنٹا ہم ریسٹورنٹ کے باہر ایک بینچ پر بیٹھے پھر کوچی نے اندر جا کر معلوم کیا تو پتا چلا کہ مورو دوپہر کے بعد سے نہیں دیکھا گیا۔

ہم نے ساڑھے گیارہ بجے تک وہاں کھڑے ہو کر انتظار کیا مورو تانگ نظر نہیں آیا۔ مزید انتظار بیکار سمجھ کر ہم نے مجھے اب مورو تانگ کے حوالے سے بھی ریسٹورنٹ سے بھی یہی معلوم ہوا تھا کہ ہر گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کار ریسٹورنٹ کے سامنے اپنے اسٹینڈ پر آ جاتی دوپہر کے بعد سے غائب تھا اور کامنی نے بھی ماسٹر لیشی یان کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا میں بھی تشویش کی لہریں ابھر آئیں۔

"وہ کندھے اچکا کر بولا "کل تک انتظار

اپنے کمرے میں آیا تو جانگی اور چیکو سو چکی تھیں۔ میں بھی اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

صبح حسبِ معمول ماسٹر ہنگ پائی کے ساتھ سیشن شروع ہوا۔ اس نے مجھے چی کی پریکٹس شروع کرا دی تھی۔ شروع میں تو جانگی بھی اس پریکٹس میں شریک رہی لیکن پھر اس نے ہمت ہار دی۔ چی کی پریکٹس واقعی بہت مشکل تھی۔ سارا کمال سانس کا تھا۔ بعض اوقات اتنی دیر تک سانس روکنا پڑتا کہ پھیپھڑے پھٹتے ہوئے محسوس ہونے لگتے لیکن میں نے بہرحال یہ پریکٹس جاری رکھی۔

صبح ماسٹر ہنگ پائی کے ساتھ اس سیشن کے لیے حسبِ معمول ہم اس غار میں چلے گئے جہاں میری "سیزرز ہینڈ" پریکٹس ہوا کرتی تھی۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد ہم کیمپ میں پہنچے تو ایک نئی اطلاع ہماری منتظر تھی۔

یہ اطلاع لانے والا جمنازیم کا ایک شاگرد تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق آج صبح چھ بجے وہاں سے تقریباً چار میل آگے جہاں دریا پہاڑیوں سے نکل کر میدانی علاقے میں داخل ہوتا تھا' ماہی گیروں کو تین آدمیوں کی لاشیں ملی تھیں۔ ایک لاش دریا کے کنارے پر اور دو لاشیں دوسرے کنارے پر جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی ملی تھیں۔ ماہی گیروں کے خیال میں ان لوگوں کا تعلق شاؤلن ٹیمپل کے کسی کیمپ سے ہو سکتا تھا۔ اسی لیے انہوں نے یہاں کی پولیس چوکی کو اس کی اطلاع دے دی تھی اور پولیس ان لاشوں کو اٹھا لائی تھی جو اب بھی پولیس چوکی میں رکھی ہوئی تھیں۔

میں اور ماسٹر لیشی یان فوراً ہی پولیس چوکی پہنچ گئے۔ ہمیں فوراً ہی لاشیں دیکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ ان میں ایک لاش تو اس آدمی کی تھی جسے ہم نے دریا میں پھینکا تھا۔ اور باقی دو لاشیں ان دو آدمیوں کی تھیں جو گزشتہ روز کشتی پر ہکسیان کے ساتھ فرار ہوئے تھے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہکسیان نے ان دونوں آدمیوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے انہیں دریا میں پھینک دیا ہو گا۔ اور خود کنارے پر پہنچ کر مورو تانگ کی کار پر فرار ہو گیا۔ کامنی کے کہنے کے مطابق اس کے ساتھ کوئی اور آدمی بھی تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اسے ہکسیان نے دریا پر پیش آنے والے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہو گا۔ اب مجھے مورو تانگ کی زیادہ فکر ہونے لگی تھی۔

ماسٹر لیشی یان نے صبح ایک لڑکے کو مورو تانگ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ذمے داری سونپ دی تھی۔ پہاڑی غار سے ہماری واپسی اگرچہ بارہ بجے کے قریب ہوئی تھی لیکن وہ لڑکا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

اس کی واپسی تقریباً دو بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس سے ملنے والی اطلاع بڑی سنسنی تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ پہلے تو شاؤلن ٹیمپل ہی کے علاقے میں مورو تانگ کو تلاش کرتا اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا اور پھر شاؤیانگ پہنچ گیا۔

مورو تانگ کی کار ایک سڑک پر کھڑی ہوئی مل گئی۔ شاؤ یانگ میں بھی بہت سے لوگ مورو تانگ کو جانتے ہیں۔ پوچھ گچھ کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کی گاڑی کل شام سے وہاں کھڑی ہے لیکن کوئی بھی شخص یہ نہیں بتا سکا کہ وہ گاڑی کب وہاں چھوڑ کر گیا تھا۔

مورو تانگ کے بارے میں میرے وسوسے اب یقین میں بدلتے جا رہے تھے۔ ہکسیان کو بھی میں اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ وہ نہایت کینہ پرور اور گھٹیا آدمی تھا۔ جو شخص ڈاکوؤں کے ایک منظم گروہ میں پھوٹ ڈال کر انہیں آپس میں لڑا کر مروا چکا ہو' اس کے بارے میں آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس قسم کا آدمی ہوگا۔ وہ جس طرح ہمارے پیچھے پڑا ہوا تھا اس سے بھی اس کی گندی فطرت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا اور پھر یہ محض اتفاق تھا کہ شاؤلن ٹیمپل پہنچتے ہی پہلے اس کی ملاقات ٹروڈر جیسے غنڈوں سے ہوئی اور پھر اسے میکا تیراؤ مل گیا۔

میں اسے اتفاق کہوں یا کچھ اور لیکن یہ کہاوت بالکل صادق آئی تھی کہ "کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز" مجھے زندگی میں اب تک جو بھی لوگ ملے تھے' وہ نہایت شریف' سچائی کا ساتھ دینے والے اور کھرے لوگ تھے۔ ان میں پرتاب سنگھ' مہاراج' تھائی وانگ' جانگی' چیکو وغیرہ قابل ذکر تھے اور اب مجھے ماسٹر ہینگ پائی اور ماسٹر لیشی یان جیسے لوگوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس کے برعکس وارا کو اسی کے قماش کے لوگ ملتے رہے تھے۔ ٹائیگر' پیڈرو' چی فانگ جیسے بدفطرت' غنڈے اور بدمعاش اس کے حصے میں آئے تھے اور اب ہکسیان کا قصہ تھا۔ زندگی کے اس مرحلے میں مجھے چیکو جیسی لڑکی ملی تھی۔ جو طوائف تھی اور صرف دولت ہی کو زندگی کا مقصد سمجھتی تھی لیکن وہ اپنے گھر کو بھول کر محض اس لیے میرا ساتھ دینے پر تیار ہوگئی تھی کہ اگر ڈانگ کو کار ٹیس سیان جانگ اپنی بیوی۔ کاراشان کے قتل میں ہمیں پھنسانے کی کوشش کرے تو وہ ہمارا دفاع کر سکے۔ دوسری طرف ہکسیان کو میگا جیسا آدمی مل گیا تھا جو میری تلاش میں گولڈن ٹرائی اینگل سے یہاں تک آگیا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہکسیان جرائم پیشہ لوگوں کے بھیس میں دنیا بھر میں لوگوں کو لوٹتا پھر رہا تھا۔ ہمارے ساتھ تصادم ہونے سے پہلے اس نے کسی کے قتل کا ارتکاب نہ کیا ہو اور محض لوٹ مار کی وارداتیں ہی کرتا رہا ہو لیکن اب اس کے ہاتھ خون میں رنگے جا چکے تھے۔ ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہونے سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ گویا وہ ایسا بھیڑیا بن گیا تھا جس کے منہ کو خون لگ گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ڈاکوؤں کے ہمارے فرار کے بعد اس نے ڈاکوؤں کو آپس میں کٹوا کر ختم کروایا ہوگا۔ جو ایک آدھ زندہ بچا ہوگا' اسے اب موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔ یہاں اس نے دو افراد کو دریا میں پھینک دیا تھا جن کی لاشیں ماہی گیروں کو ملی اور مجھے یقین تھا کہ اس نے مورو تانگ کو بھی ختم کر دیا تاکہ وہ کسی کو شاؤیانگ میں اس کے ٹھکانے کا پتا نہ بتا سکے اور میرے خیال میں ہکسیان آگے چل کر اس سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

میں نے ماسٹر لیشی یان سے اپنے خدشات کا اظہار کیا تو وہ بولا۔

"تشویش تو مجھے بھی ہے۔ اس قسم کے لوگ جب ٹیمپل آتے رہتے ہیں جو یہاں کا ماحول بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کا علاج ہو جاتا ہے۔ وہ جرمانہ ادا کرتے ہیں اس کا لمبے بالوں والا ساتھی... تم سے دو تین مرتبہ ٹکرانے کے بعد اب ان کا نام سنائی نہیں دے رہا لیکن..." وہ بوڑھا خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "یہ کیس بالکل مختلف ہے۔ وہ دوسروں کی طرح تمہارے گردن کرنے نہیں آیا۔ اس کی سرگرمیاں تمہارے لیے ہیں اور ہمیں اس کا بندوبست کرنا پڑے گا۔ مجھے لگتا ہے کہ اس نے مورو تانگ کو قتل کروایا ہوگا۔ ہی لڑکوں کو شاؤیانگ بھیج رہا ہوں تاکہ وہ مکمل معلومات کر کے آئیں۔"

دو لڑکوں کو اسی روز شام سے ذرا پہلے شاؤ یانگ بھیج گیا۔

اسی رات میں اور چیکو بھی کامنی کے ساتھ جانگی اس روز کچھ زیادہ ہی تھک گئی تھی اس لیے ساتھ نہیں آئی تھی۔

شاؤلن ٹیمپل کے مین روڈ پر ہم ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے۔ یہ ریسٹورنٹ دراصل دریا کے کنارے پر تھا۔ پارک زیادہ بڑا نہیں تھا اور دونوں پر ایک ایک ریسٹورنٹ تھا۔ ہم جس ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے' اس کی عمارت صرف دو کمروں پر مشتمل تھی۔ ایک مرا کچن پر مشتمل تھا اور دوسرا کمرا بڑا تھا جس میں صرف چار پانچ میزیں بچھی ہوئی تھیں۔ البتہ عمارت کے سامنے دونوں طرف کشادہ فٹ پاتھ پر دور تک میزیں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ کچھ کرسیاں پارک میں بھی لگی ہوئی تھیں۔

اس وقت خاصی رونق تھی۔ ہم تینوں ایک الگ تھلگ میز پر بیٹھ گئے۔ میں نے ویٹر کو بلا کر کافی کا آرڈر دے دیا۔

کافی پینے کے بعد بھی ہم دیر تک وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر ہم وہاں سے اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ کامنی سڑک کے دوسرے فٹ پاتھ پر ایک آدمی کو دیکھ کر چونک گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے تھے۔

"کیا ہوا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ سامنے جو آدمی جا رہا ہے۔" اس نے گردن سے اشارہ کرتے ہوئے سرگوشی میں کہا "یہ وہی ہے جسے اس روز ٹمپل میں ہکسیان کے ساتھ مورو تانگ کی کار میں بیٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے' یہ وہی آدمی ہے۔" میں بھی پیدل چلتے کراس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ نکلتے ہوئے قد کا صحت مند قسم کا آدمی تھا۔ اس نے جینز..... اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ پیروں میں جوگرز تھے۔ اس کی عمر پینتیس کے لگ بھگ تھی۔ ہوئی سر کے بال قریب سے تراشے ہوئے تھے۔ گلے میں ایک لاکٹ بھی نظر آرہا تھا۔ جو بلب کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ وہ سگریٹ کے کش لگاتا ہوا جا رہا تھا۔ اگر وہ لیمپ پوسٹ کے قریب سے نہ گزر رہا ہوتا تو میں اس کے چہرے کو اس طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے دائیں کندھے سے بیگ کا ایک تھیلا بھی لٹکا ہوا تھا۔ جس پر سفید جھالر لگی ہوئی تھی۔

"کامنی" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "تم چیکو کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

"اکیلے اس کے پیچھے جاؤ گے تو اسے شبہ ہو جائے گا۔ ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔" کامنی نے کہا۔

اس نے ٹھیک کہا تھا اس لیے میں نے ان دونوں کو بھی ساتھ لے لیا۔ ہم تینوں سڑک پار کر کے دوسرے فٹ پاتھ پر وہ شخص ہم سے تقریباً بیس گز آگے جا چکا تھا۔ ہم نے تیز تیز قدم اٹھائے اور دس گز کا فاصلہ بیچ میں رکھ کر معمول کی رفتار سے چلنے لگے۔

سڑک پر کچھ اور لوگوں کی آمد و رفت بھی تھی اس لیے اس شخص کو تعاقب کا شبہ نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک اور سڑک پر مڑ گیا۔ اس سڑک پر دو تین جمنازیم تھے۔ ایک جمنازیم میں باڈکس ہو رہے تھے۔ شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس جمنازیم سے کچھ آگے جا کر وہ ایک اور سڑک پر مڑ گیا۔

تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک کشادہ گلی میں مڑ گیا۔ اس مرتبہ میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اسے تعاقب کا علم ہو گیا تھا یا اسی طرح مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے وہ اس امر کی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ ہم واقعی اس کا پیچھا کر رہے ہیں کہ یہ محض اتفاق تھا۔

اور پھر وہ مختلف گلیوں میں گھومتا رہا۔ اس وقت رات کے گیارہ بجنے والے تھے اور ان گلیوں میں سناٹا تھا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہمارے تعاقب سے آگاہ ہو چکا تھا اور اب ان گلیوں میں گھوم کر ہمیں چکما دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایک اور گلی میں مڑ گیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ہم سے بچنے کے لیے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

میں نے چیکو اور کامنی کو اشارہ کیا اور خود بھی دوڑ لگا دی۔ اس گلی میں مڑتے ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ہم آبادی کے آخری سرے پر آن پہنچے تھے۔ یہ گلی زیادہ طویل نہیں تھی۔ اس کے اختتام پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں شروع ہو جاتی تھیں جو بتدریج بلند ہوتی چلی گئی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ اگر وہ ان پہاڑیوں میں داخل ہو گیا تو اسے تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔

وہ گلی کے آخری سرے پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی اور جب وہ پہاڑیوں میں داخل ہو رہا تھا تو میں اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے دور ہی سے اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے ساتھ لیتا ہوا زمین پر گرا۔

نیچے چھوٹے چھوٹے پتھر تھے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پتھروں پر رگیدنے لگے۔ اس نے موقع پا کر مجھے دور اچھال دیا۔ میں پشت کے بل پتھروں پر گرا۔ اس نے مجھ پر حملہ کرنے کے بجائے ایک بار پھر دوڑ لگا دی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ میرا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ جان بچا کر بھاگنا چاہتا تھا۔

میں نے بھی اٹھ کر اس کے پیچھے دوڑ لگا دی اور چند گز کے فاصلے پر اسے جا لیا۔ ہم ایک بار پھر گتھم گتھا ہو گئے۔ اس مرتبہ میں نے اسے پیروں پر اچھال کر دور پھینک دیا اور پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

میں تو اسٹانس بنا کر کھڑا ہو گیا تھا لیکن اس کا انداز کچھ مختلف تھا جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ مارشل آرٹسٹ نہیں تھا۔ مجھے اس پر قابو پانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ کسی اناڑی کا کوئی وار اتنا مہلک ثابت ہوتا ہے کہ اچھے سے اچھے مارشل آرٹسٹ کو بھی ڈھیر کر دیتا ہے اس لیے مجھے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

وہ چاندنی رات تھی اور ہم ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر اس پر حملہ کیا۔ وہ تیزی سے جھکائی دے کر اپنے آپ کو میرے پنچ سے تو بچا گیا مگر میری لیفٹ سائڈ کک نے اسے چیخنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے اسے ایک اور کک رسید کر دی۔ یہ کک اس کے گھٹنے سے ذرا اوپر لگی اور وہ چیختا ہوا پشت کے بل ڈھیر ہو گیا۔

اسی لمحے مجھے پتھروں پر دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ چیکو اور کامنی تھیں جو دوڑتی ہوئی پہاڑیوں میں پہنچ چکی تھیں مگر ہم اس وقت تک چٹانی پتھر کی آڑ میں تھے اس لیے وہ ہمیں نہیں دیکھ سکی تھیں اور شاید اسی لیے کامنی نے میرا نام لے کر پکارا تھا۔

میں نے مڑ کر دیکھا۔ میرے حریف نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اٹھ کر میری پنڈلی پر ٹھوکر مار دی تھی۔ میں ایک ٹانگ پر ناچ کر رہ گیا۔ پنڈلی کی ہڈی پر لگنے والی ٹھوکر نے میری جان نکال دی تھی۔ میرے سنبھلنے سے پہلے اس شخص نے مجھ پر تابڑ توڑ حملے کر دیے۔ اس کے دو گھونسے میرے سینے پر لگے اور تیسرا جبڑے پر۔ میرا دماغ جھنجنا اٹھا۔

وہ مارشل آرٹسٹ نہیں تھا مگر اس میں طاقت تھی اور اسٹریٹ فائٹنگ کے انداز میں ہاتھ پیر چلانا بھی جانتا تھا۔ اسے مزید ڈھیل دینا میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے موقع پاتے ہی اس کی پنڈلی کے پچھلے حصے پر بڑے زور سے راؤنڈ ہاؤس کک لگائی۔ اس کک میں پیر کا اپر ٹارگٹ پر لگتا اگر کک.... نپی تلی ہو تو خنجر کے وار سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

میری یہ کک اس کی پنڈلی کے پچھلی طرف گوشت پر لگی تھی۔ وہ چیختا ہوا اپنی جگہ سے کئی فٹ اوپر اچھلا اور دھب سے نیچے گرا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اٹھ کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ اس مرتبہ اس کا حملہ کرنے کا انداز بالکل مختلف تھا۔ وہ کسی مینڈھے کی طرح میرے پیٹ میں سر سے ٹکر مارنے کے لیے لپکا تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے سائڈ میں ہو کر اس کی گردن اپنی بغل میں جکڑ لیا اور ایک ہلکا سا جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔ وہ پٹ سے نیچے گرا۔

اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ کھڑا ہوتے ہی وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا تھا اور دونوں ہاتھوں سے اس نے اپنی ٹانگ کو پکڑ لیا جس پر میری لگاتار کک لگنے کے بعد اس نے جوش میں مجھ پر دوسرا حملہ تو کر دیا تھا مگر اب ٹانگ کی تکلیف سے بلبلا اٹھا تھا۔ یقیناً اندر سے گوشت پھٹ گیا تھا۔

اس وقت چیکو اور کامنی بھی دوڑتی ہوئی وہاں پہنچ گئیں۔ وہ ٹھٹک کر دور ہی رک گئی تھیں۔ صورت حال کا جائزہ لینے میں شاید ایک سیکنڈ لگا ہو گا پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی میرے قریب پہنچ گئیں۔

میں نے اپنی پتلون کا پائنچا اٹھا دیا اور پنڈلی سے بہتا ہوا خنجر نکال لیا۔

"تمہارے ساتھ لڑائی میں تو کوئی مزہ نہیں آیا۔" میں نے خنجر اس شخص کے چہرے کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے زندہ انسانوں کا گوشت کاٹنے میں جو مزہ آتا ہے اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

"تت.... تم کون ہو؟" وہ شخص ہکلایا۔ "میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو اور مجھے کیوں مارنا چاہتے ہو؟"

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے مجھے جانتے ہی نہیں۔" میں نے اسے گھورا۔

"میں تمہیں نہیں جانتا۔ میں نہیں جانتا تم کون ہو۔" وہ بولا۔

"تو پھر بھاگے کیوں تھے؟" میں نے کہا۔

"میں سمجھا تھا تم لوگ رہزن ہو۔" اس نے کہتے ہوئے میرے قریب کھڑی ہوئی لڑکیوں کی طرف دیکھا "تنہا لڑکیاں بھی مردوں کے ساتھ مل کر رہزنی کی وارداتیں کرتی ہیں۔ میرے تھیلے میں رقم تھی۔ میں یہی سمجھا تھا کہ تم مجھے لوٹنے کے لیے میرے پیچھے لگے ہو اس لیے میں ان پہاڑیوں کے پُر پیچ راستوں سے واپس چلا جاؤں گا۔ میرا تھیلا کہاں ہے؟" وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"یہ رہا تمہارا تھیلا۔ مجھے وہاں پڑا ہوا ملا تھا۔" میں نے اسے کپڑے کا تھیلا دکھاتے ہوئے ایک طرف رکھ دیا۔

"لاؤ۔ لاؤ۔ یہ مجھے دے دو۔ فار گاڈ سیک۔ اس میں میری زندگی بھر کی کمائی ہے۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"زندگی بھر کی نہیں، ایک رات کی کمائی کہو۔" کامنی نے کہتے ہوئے تھیلے کی زپ کھولی۔ اس میں واقعی کرنسی نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ "یہ جھوٹ بولتا ہے۔" کامنی میری طرف دیکھ کر بولی۔ "کل میں نے اسی کو ہکسیان کے ساتھ مورو ٹانگ کی ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا تھا اور کل ہی سے مورو ٹانگ لاپتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے اور قاتل یہی ہے۔ یہ رقم اس قتل کا معاوضہ ہو سکتی ہے۔ کوئی زندگی بھر کی کمائی اس طرح تھیلے میں لے کر نہیں پھرتا۔"

"نن.... نہیں نہیں۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔" وہ چیلنج خوف کی شدت سے اس کا چہرہ بڑا بھیانک ہو گیا تھا۔

وہ جس طرح خوف سے چیخا تھا، میں ایک دم چونک گیا۔ اس کے تھیلے میں نوٹوں کی موجودگی نے بھی مجھے شبے میں مبتلا کیا تھا اور پھر اچانک ہی اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر ٹانگ کی تکلیف کی وجہ سے اگلے ہی قدم پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے لپک کر خنجر کی نوک اس کے گلے پر رکھ دی۔

"اب تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ سب کچھ سچ سچ بتا دو۔" میرے حلق سے غراہٹ نکلی۔ "اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو گلا ادھیڑ دوں گا۔"

"وہ.... وہ.... ہکسیان.... اور میگا مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" اس کے لہجے میں بے پناہ خوف تھا۔

"یعنی تمہیں ان لوگوں کا خوف ہے جو یہاں نہیں ہیں اور اس خنجر کا کوئی خوف نہیں جس کی معمولی سی حرکت تمہاری زندگی کا خاتمہ کر سکتی ہے۔" میں نے کہا۔ "سچ سچ بتا دو۔ اگر تم بے گناہ ہوئے تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا بلکہ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"یہ ایسے نہیں بتائے گا۔" کامنی بولی۔ "تم اس کی بوٹیاں کاٹنا شروع کرو۔ خود ہی زبان کھولے گا۔"

میں نے خنجر اس کے نرخرے سے ہٹا کر گردن پر رکھ دیا اور اس کی تیز دھار سے ہلکی سی خراش ڈال دی۔ وہ بلبلا اٹھا "میں.... میں بالکل بے قصور ہوں۔ میرے خلاف سازش کی گئی ہے۔ مجھے پھنسایا گیا ہے۔"

اس شخص کے کہنے کے مطابق وہ میکانگ کا رہنے والا تھا اور روزگار کی تلاش میں ٹھوکریں کھاتا ہوا اس طرف آنکلا۔ ایک ہفتہ پہلے جبکہ وہ تین وقت کے فاقے سے تھا اور بھوک سے نڈھال ہو رہا تھا تو اس کی ملاقات ہکسیان سے ہو گئی۔ جس نے اسے کھانا کھلایا اور کام دلانے کا وعدہ بھی کیا۔

ہکسیان اسے شاؤیانگ لے گیا جہاں میگا تیراڈ نامی شخص سے اس کی ملاقات کرائی گئی۔ اس نے تھوڑی بہت مالی مدد کی اور کام دینے کا وعدہ کیا۔

"پھر ایک روز ہکسیان مجھے یہاں لے آیا۔" وہ کہہ رہا تھا "یہاں آکر مجھے بتایا گیا کہ وہ چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ مل کر ایک آدمی کو اغوا کرنا چاہتا ہے۔ اس آدمی کو اغوا کر کے یہاں لایا جائے گا اور یہاں سے میری نگرانی میں اسے کسی اور جگہ منتقل کیا جائے گا۔ میرا کام صرف یہ ہو گا کہ مغوی کو بے ہوش کر کے اپنے قابو میں رکھوں۔ وہ لوگ اسے گولڈن ٹرائی اینگل لے جانا چاہتے تھے۔ میرے لیے یہ پیشکش تھی کہ میں اگر چاہوں تو ان کے ساتھ گولڈن ٹرائی اینگل بھی جا سکتا ہوں یا چاہوں تو سرحد پر پہنچ کر مجھے میری خدمات کا معاوضہ دے کر فارغ کر دیا جائے گا۔

"میں جرائم پیشہ نہیں ہوں۔ نادانستگی میں کبھی کوئی چھوٹا موٹا جرم سرزد ہو گیا ہو تو کہہ نہیں سکتا لیکن دانستگی میں، میں نے کبھی کوئی معمولی سا جرم بھی نہیں کیا۔ میں اگرچہ سمجھ گیا تھا کہ ہکسیان اور میگا جرائم پیشہ ہیں۔ میں ان کے لیے کام نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میری مجبوری یہ تھی کہ میں ان کا احسان مند تھا اور میرے پاس کوئی کام بھی نہیں تھا اس لیے میں نے ان کی پیشکش قبول کر لی۔ مجھے صرف ایک شخص کی نگرانی ہی تو کرنی تھی۔

"ہکسیان کل مجھے ایک مکان میں چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے ساتھ تین آدمی اور بھی تھے۔ ہکسیان کی واپسی تین گھنٹوں بعد ہوئی۔ وہ اکیلا تھا اور زخمی بھی تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ ہکسیان نے بتایا کہ اسے خنجر کا زخم لگا ہے اور یہاں کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ اسے شاؤیانگ جانا پڑے گا۔

"ہکسیان کے کہنے پر میں مورو ٹانگ کی ٹیکسی لے آیا اور اسے شاؤیانگ لے گیا۔ راستے میں مورو ٹانگ نے کچھ ایسی باتیں کی تھیں جن سے ہکسیان کچھ پریشان ہو گیا۔

"شاؤ یانگ میں میگا کے مکان پر پہنچ کر بکسیان نے مورد تانگ کو بھی اندر بلالیا۔ وہ دونوں مورد تانگ کو ایک الگ کمرے میں لے گئے۔ اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد مجھے اس کمرے میں بلایا گیا تو فرش پر مورد تانگ کی لاش دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کردیا گیا تھا۔ اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی ذمے داری مجھے سونپی گئی۔ پہلے تو میں نے انکار کرنا چاہا مگر مجھے اندازہ ہوگیا کہ میں ان کے چنگل میں پھنس چکا ہوں۔ میں نے وہ لاش مورد تانگ ہی کی کار کی ڈکی میں ڈال دی اور اسے قصبے کی ایک سڑک پر چھوڑ کر واپس آگیا۔

"میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ لوگ مجھے تلاش کرلیں گے اور موت کے گھاٹ اتار دیں گے اس لیے میں نے ان سے جان چھڑانے کے لیے کوئی اور حکمتِ عملی اپنانے کا فیصلہ کرلیا۔

"کل کی رات اور آج کا پورا دن میں نے انہی کے ساتھ شاؤ یانگ کے اسی مکان میں گزارا۔ اس دوران میں، میں نے انہیں قائل کرلیا کہ وہ لوگ مجھے وہاں سے جانے دیں..... میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اپنی زبان بند رکھوں گا اور یہاں سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر کبھی میں نے زبان کھولنے کی کوشش کی بھی تو وہ مجھے مورد تانگ کے قتل میں پھنسادیں گے۔

"میگا نے مجھے ایک خطیر رقم بھی دی اور کہا کہ میں رات ہی رات میں قصبے سے چلا جاؤں۔ میں شاؤ یانگ سے کسی اور طرف جانے کے بجائے یہاں چلا آیا۔ یہاں بکسیان کے مکان میں میرا کچھ سامان پڑا ہوا تھا۔ وہ سامان اگرچہ زیادہ قیمتی نہیں ہے لیکن تم جانتے ہو کہ بعض چیزوں سے کچھ ایسا لگاؤ ہوتا ہے کہ انہیں چھوڑا نہیں جاسکتا۔

"یہاں ایک سڑک پر گھومتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ میرا پیچھا کیا جارہا ہے اور پھر میں نے تم لوگوں کو دیکھ لیا۔ میں سمجھا تھا کہ تم لوگ مجھے لوٹنا چاہتے ہو۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میں سیدھا مکان پر جاؤں گا تو تم لوگ بھی پیچھے آجاؤ گے اور میں پھنس جاؤں گا۔

"جن دنوں میں یہاں بکسیان کے پاس رہ رہا تھا تو اِدھر اُدھر گھومتا رہتا تھا۔ میں نے یہ پہاڑیاں بھی دیکھی تھیں۔ میں جانتا تھا کہ یہاں ایسے راستے بھی ہیں کہ تعاقب کرنے والے کو آسانی سے دھوکا دیا جاسکتا ہے۔ اس لیے میں اس طرف آگیا تھا کہ تم لوگوں کو دھوکا دے کر اپنے مکان کی طرف چلا جاؤں گا مگر تم نے مجھے پکڑ لیا۔ میں سچ کہتا ہوں میں بالکل بے قصور ہوں۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ مجھے جانے دو پلیز! مجھے جانے دو۔ میں یہاں سے بہت دور چلا جاؤں گا اور کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا۔"

وہ خاموش ہوگیا۔ چاند کی مدھم سی روشنی میں اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات بہت نمایاں نظر آرہے تھے۔ اگرچہ خاصا جُثّے والا آدمی تھا مگر فطرتاً بزدل تھا۔

"یہ ایک قتل کا معاملہ ہے مسٹر۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "بکسیان کے ہاتھ تو بہت سے بے گناہ لوگوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ میں یہ کرلیتا ہوں کہ تم بے گناہ ہو اور تمہیں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے مگر تم بکسیان اور میگا کے خلاف بیان تو دے سکو۔"

"تت... تمہارا مطلب ہے پولیس۔" وہ ہکلایا "مرتبہ پولیس کے ہاتھ آگیا تو وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑیں تم جانتے ہو پولیس والے کس طرح کام کرتے ہیں۔ مجرم نہ ملے تو بے گناہوں کو پھانس لیا جاتا ہے۔ بکسیان بہت چالاک ہیں۔ وہ تو بھاگ جائیں گے میں... میں پھنس جاؤں گا۔"

"ہم فی الحال تمہیں پولیس کے پاس نہیں لے جائیں گے۔" میں نے کہا "ہم تمہیں ایسی جگہ لے جائیں گے نہ تو پولیس تم تک پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی میگا یا تمہارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔"

"میں نے چند روز میں ہی اندازہ لگالیا ہے کہ بکسیان بہت حرامی ہیں۔ انہوں نے بڑے خطرناک آدمی جمع کررکھے ہیں۔ انہیں پتا چل گیا تو وہ مجھے زندہ چھوڑیں گے۔" اس شخص نے کہا۔

"انہیں تمہارے بارے میں کچھ پتا نہیں چلے گا۔" نے کہا "ویسے کیا تم جانتے ہو کہ کل بکسیان اور آدمیوں نے جس شخص کو اغوا کرنے کی کوشش کی کون ہے؟"

"نہیں۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" نے جواب دیا۔

"وہ مجھے اغوا کرنا چاہتے تھے۔" میں نے کہا "لیکن کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکے اور فرار ہوتے بکسیان نے اپنے ہی تین آدمیوں کو دریا میں پھینک ہلاک کردیا۔"

"اوہ!" اس کے چہرے پر خوف کچھ اور گہرا ہوگیا

نے کہا تھا کہ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ وہ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"تمہارا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ تم ہمارے ساتھ چلو۔" میں نے کہا۔ مجھے اب اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں نے خنجر اپنی پنڈلی پر بندھے ہوئے چمڑے کے غلاف میں اُڑس لیا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھادیا۔

ٹانگ پر لگنے والی کک کی وجہ سے اسے چلنے میں خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔ ہر قدم پر اس کے منہ سے کراہیں خارج ہورہی تھیں مگر میں اسے سہارا دے کر چلاتا رہا۔

ہم پہاڑیوں سے نکل کر آبادی میں آگئے اور چند گلیاں گھومنے کے بعد ایک سڑک پر آگئے۔ اس وقت بارہ بج چکے تھے۔ تقریباً سناٹا تھا۔ پیچھے سے آنے والی ایک کار تیزی سے ہمارے قریب سے گزر گئی اور آگے جاکر دائیں طرف مڑ گئی۔

میں اس شخص کو بازو سے پکڑے سہارا دے کر چلا رہا تھا۔ وہ لنگڑا رہا تھا اور اس کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں خارج ہورہی تھیں۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ میں نے کک پوری قوت سے نہیں ماری تھی۔ اگر یہ کک پوری قوت سے لگتی تو اس کی ٹانگ کی ہڈی بھی ٹوٹ سکتی تھی۔

ہم اس وقت سڑک کے وسط میں تھے۔ سامنے سے ایک کار آتی ہوئی دکھائی دی تھی۔ یہ کار اس سڑک سے مڑکر سامنے آئی تھی جس سڑک پر پیچھے سے آنے والی کار مڑ کر گئی تھی۔

کار بھی سامنے سڑک کے عین بیچ میں آرہی تھی۔ اچانک چیکو کی چیخ سن کر میں چونک گیا۔

"دجدان بچو...!"

میں نے سامنے دیکھا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ سامنے سے آنے والی کار برق رفتاری سے ہمارے اوپر چڑھی چلی آرہی تھی۔ چیکو اور کامنی نے فٹ پاتھ کی طرف دوڑ لگادی۔ میں اس شخص کو اپنے ساتھ کھینچنا چاہتا تھا مگر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑالیا۔

کار بالکل سر پر پہنچ چکی تھی۔ میں نے اس شخص کو پکڑنے کی کوشش کی پھر مجھے اپنی جان بچانے کے لیے ایک جانب چھلانگ لگانی پڑی۔ میں اس جگہ سے کئی فٹ دور جاگرا۔ اس کے ساتھ ہی ایک زوردار دھماکا ہوا اور چیخ کی آواز سنائی دی۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے مڑکر دیکھا اور بلیک کررہ گیا۔

کار اس شخص کو کچلتی ہوئی نکل گئی تھی۔ خون میں لت پت وہ شخص سڑک پر پڑا پانی سے نکلی ہوئی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے جسم کے مختلف حصوں سے بہنے والا خون چاروں طرف پھیل رہا تھا۔

تقریباً سو گز آگے جاکر وہ کار واپس مڑی۔ میں نے کامنی اور چیکو کے ساتھ ایک طرف چھلانگ لگادی۔ سڑک کے ساتھ ایک چھوٹا سا پارک تھا۔ جس کی دیوار تقریباً تین فٹ اونچی تھی۔ اسی وقت فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی۔ اگر ہم تینوں دیوار کی آڑ میں نہ گرگئے ہوتے تو چھلنی ہوچکے ہوتے۔ کار گولیاں برساتی ہوئی آگے نکل گئی۔ ہم تینوں اٹھ کر پودوں اور درختوں کی آڑ لیتے ہوئے ایک طرف بھاگ نکلے۔

اب وہاں رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ کار اگرچہ لوٹ کر نہیں آئی تھی لیکن میں کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا۔

میں نے چیکو کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ دوڑتے ہوئے بار بار لڑکھڑا رہی تھی۔ کامنی بڑی حوصلہ مند ثابت ہوئی تھی۔ اس نے چیکو کا دوسرا ہاتھ پکڑلیا۔

ہم مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے رسّوں والے پُل پر آگئے۔ اس وقت سامنے سے بھی دو آدمی پُل پر داخل ہوئے تھے۔ وہ تقریباً دوڑتے ہوئے آرہے تھے۔ میں محتاط ہوگیا اور جیسے ہی وہ قریب پہنچے، میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

وہ کوچی اور نکوشی تھے۔ انہوں نے فائرنگ کی آواز سنی تھی اور صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے کیمپ سے نکلے تھے۔

"کیا ہوا۔ تم لوگ کہاں غائب تھے؟ اور یہ فائرنگ کی آواز کیسی تھی؟" کوچی نے میرا بازو پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں کھڑے کھڑے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیمپ میں چلو۔ تفصیل سے بتاؤں گا۔"

کوچی اور نکوشی نے دونوں طرف سے چیکو کو تھام لیا۔ میں اور کامنی الگ ہوکر چلنے لگے۔ وہ سمجھے کہ چیکو کو شاید کوئی چوٹ لگی ہے جس سے اس سے چلا نہیں جارہا لیکن اب چیکو اپنے آپ پر قابو پاچکی تھی۔ اس نے دونوں طرف سے اپنے آپ کو چھڑالیا اور آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

کوچی اور نکوشی بھی ہمارے ساتھ ہی ہمارے کمرے میں آگئے۔ جانکی سوگئی تھی مگر ہماری آوازیں سن کر اٹھ گئی۔ اس نے کامنی کو دیکھا تو بے اختیار بول اٹھی۔

"ارے کامنی۔ تم گئی نہیں؟"

"میں جاکر واپس بھی آگئی۔" کامنی نے مسکراتے ہوئے کہا "تم تو شاید ہمارے جانے کے فوراً ہی بعد سوگئی تھیں۔

تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے مگر تم واپس کیوں آگئیں؟" جانکی بولی۔

"ایک غیر معمولی واقعہ پیش آگیا تھا جس وجہ سے مجھے ان کے ساتھ واپس آنا پڑا۔" کامنی نے کہا اور پھر اس واقعے کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگی۔ کوچی اور نکوشی بھی توجہ سے سن رہے تھے۔ بیچ بیچ میں' میں بھی کچھ لقمے دیتا جارہا تھا۔ کامنی کے خاموش ہونے پر کوچی بولا۔

"تم لوگوں کو دیر ہوگئی تو ہم پریشان ہورہے تھے۔ ابھی چند منٹ پہلے ہی ماسٹر لیشی یان نے کہا تھا کہ کچھ دیر اور انتظار کرنے کے بعد کسی کو کامنی کے فلیٹ پر بھیجا جائے۔ میں نکوشی کو بھیجنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں۔ ہم نے فوراً ہی دوڑ لگا دی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "صورتِ حال خاصی سنگین ہے اور میرا خیال ہے کہ ماسٹر لیشی یان کو آگاہ کردینا چاہیے۔"

"ماسٹر کو یہاں بلانا مناسب نہیں۔ چلو۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" میں کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

اور پھر کچھ ہی دیر بعد میں کوچی اور نکوشی کے ساتھ ماسٹر لیشی یان کے کمرے میں داخل ہورہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ماسٹر سونے کے لیے لیٹ چکا ہوگا لیکن وہ ایک کرسی پر بیٹھا مطالعہ کررہا تھا۔ اس کی پشت پر لیمپ جل رہا تھا جس کی روشنی کتاب پر پڑ رہی تھی۔ ہمیں دیکھ کر ماسٹر نے کتاب رکھ دی اور ٹیوب لائٹ روشن کردی۔ ہم تینوں نے ماسٹر کو بوکیا اور اس کے اشارے پر سامنے ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔

مجھے ایک بار پھر شروع سے سارا واقعہ دہرانا پڑا۔ آخر میں' میں کہہ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے وہ فائرنگ ہمیں جان سے مارنے کے لیے نہیں کی گئی تھی۔ وہ ہمیں صرف ڈرانا چاہتے تھے تاکہ ہم وہاں سے بھاگ جائیں۔"

"تو گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ حملہ تم پر نہیں کیا گیا تھا۔ یعنی نہ تو اس کار نے تمہیں کچلنے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی فائرنگ تمہیں جان سے مارنے کے لیے کی گئی تھی؟"

"یس ماسٹر۔" میں نے جواب دیا "کار جب سامنے سے آئی تو ہم پوری طرح اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھے۔ کار میں جو بھی لوگ تھے' انہوں نے ہمارے چہرے واضح طور پر دیکھے ہوں گے اگر مجھے مارنا ہوتا تو کار میرے اوپر چڑھائی جاتی۔ مجھے کچلنے کی کوشش کی جاتی مگران کا مقصد شاید اس شخص کو موت کے گھاٹ اتارنا تھا۔ اس کی تصدیق اس طرح بھی ہوتی ہے کہ اس شخص نے مجھ سے ہاتھ چھڑا دوسری طرف چھلانگ لگا دی تھی اور تیز رفتار کار بھی فوراً اس کی طرف مڑ گئی تھی اور اسے کچلتی ہوئی چلی گئی تھی۔" دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہکسیان اور میگا کے آدمی تھے اور یقیناً مجھے نہیں پہچانتے تھے۔ وہ شاید شروع سے ہی رہ کر اس شخص کی نگرانی کررہے تھے اور جب دیکھا کہ اسے پکڑ کر کہیں لے جارہے ہیں تو انہوں نے اسے کار سے کچل کر ختم کردیا تاکہ وہ کسی کو کچھ بتا نہ سکے۔"

"اور تم پہلے ہی اس سے سب کچھ معلوم کرچکے تھے۔" ماسٹر بولا۔

"یس ماسٹر۔" میں نے کہا "مورو تانگ کو ہکسیان اور میگا میں سے کسی نے مارا ہے۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "اس شخص کے کہنے کے مطابق کار شاؤ یانگ کی طرف جاتے ہوئے مورو تانگ نے کچھ ایسی باتیں کی تھیں جس سے ہکسیان پریشان ہوگیا تھا۔ میرا خیال ہے وہ باتیں ایسی ہوں گی جن سے ہکسیان کو شبہ ہوگیا ہو کہ مورو تانگ اس کے کسی راز سے واقف ہوچکا ہے اور اس نے شاؤ یانگ میں ان کا ٹھکانا بھی دیکھ لیا تھا اس لیے مورو تانگ کو ٹھکانے لگا دیا گیا۔"

"اب صورتِ حال یہ ہے۔" ماسٹر لیشی یان چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم لوگوں نے کچھ نہیں دیکھا۔ نہ ہی تم لوگ اس آدمی سے ملے نہ جسے کار سے کچل کر مار دیا گیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "یہ پولیس کیس ہے اور ماسٹر ہنگ پائی بھی پسند نہیں کرے گا کہ اس کے کیمپ کا کوئی لڑکا کسی پولیس کیس میں ملوث ہو۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگیا پھر بولا "یہ ایک سنگین دُہرے قتل کی واردات ہے۔ تم لوگوں کے جانے کے تھوڑی دیر بعد میں نے جس لڑکے کو شاؤ یانگ بھیجا تھا وہ بھی واپس آگیا تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ پولیس کو مورو تانگ کی کار سے اس کی لاش مل گئی ہے۔ شام تک تو پولیس شاؤ یانگ ہی میں انکوائری کررہی تھی مگر مجھے یقین ہے کہ پولیس یہاں بھی پہنچ جائے گی اور میں نہیں چاہتا کہ اس کیمپ کا کوئی لڑکا اس کیس میں ملوث ہو۔"

"تو کیا۔۔۔ میگا اور ہکسیان کو بچ نکلنے کا موقع دیا جائے گا۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" ماسٹر نے نفی میں سر ہلایا "وہ قانون کے ہاتھ ہمارا بھی مجرم ہے۔ ان لوگوں نے تمہیں ایک مرتبہ ہلاک کرنے کی کوشش کی اور کی زہریلی سوئی کے ذریعے ہلاک کرنے کی کوشش کی اور

دوسری مرتبہ تمہیں کڑنیپ کرنا چاہا۔ کوئی معمولی بات ہو تو اسے معاف کردینے یا نظر انداز کردینے میں کوئی حرج نہیں لیکن میگا اور ہکسیان کے جرائم بہت سنگین ہیں۔ یہ اس کیس کا اصول ہے کہ اپنے معاملات آپس ہی میں نمٹا لیے جاتے ہیں۔ پولیس کو زحمت نہیں دی جاتی۔ یہ بھی ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔ اسے بھی ہم آپس ہی میں نمٹائیں گے۔"

"وہ کس طرح؟" میں نے پوچھا۔ میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی تھی۔

"میں نے اس شخص سے میگا اور ہکسیان کا شاؤ یانگ والا ٹھکانا تو معلوم کرلیا تھا نا۔" ماسٹر لیشی یان نے کہا "ہم کل کار کی صورتِ حال کا جائزہ لیں گے اگر میگا اور ہکسیان پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو پھر ہماری مجبوری ہوگی۔ ہم کچھ نہیں کرسکیں گے۔ بصورتِ دیگر ہم کل رات ہی اپنی کارروائی کریں گے۔"

"گڈ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

ماسٹر لیشی یان مسکرا دیا۔ وہ میری اندرونی کیفیت کو سمجھ گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ جب تک میں اپنے اوپر ہونے والے حملوں کا بدلہ نہ لے لوں گا' اس وقت تک مجھے چین نہیں آئے گا۔

اس کے بعد بھی ہم اس موضوع پر باتیں کرتے رہے اور جب میں واپس آیا تو ڈھائی بج چکے تھے۔ جانکی' کامنی اور چیکو ایک ہی بستر پر ایک دوسرے سے لپٹی سو رہی تھیں۔ میں اپنے بستر پر لیٹ گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

اگلا دن معمول کے مطابق گزرا۔ البتہ صبح سویرے ہی یہ اطلاع مل گئی تھی کہ پولیس گزشتہ رات جائے واردات پر پہنچ گئی تھی جہاں اس شخص کو کار سے کچل کر ہلاک کیا گیا تھا۔

پولیس دن بھر کار کے اس حادثے اور فائرنگ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن پولیس سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں کرسکی کہ کار سے کچلا جانے والا شخص مارشل آرٹسٹ نہیں تھا۔ کسی کیمپ سے اس کا کوئی تعلق بھی نہیں تھا۔ متعدد لوگوں نے اس کی لاش دیکھی تھی مگر کوئی اسے شناخت نہیں کرسکا تھا۔ وہ یہاں کے لوگوں کے لیے اجنبی تھا۔

شام کو ماسٹر لیشی یان کو شاؤ یانگ میں اپنے آدمی سے پوسٹ مارٹم رپورٹ مل گئی۔ مورو تانگ کی موت کی تحقیقات میں بھی کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی تھی۔

مورو تانگ کی جیب میں ایک معقول رقم موجود تھی جس سے پولیس اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ یہ کوئی ڈکیتی یا رہزنی کی واردات نہیں تھی بلکہ قتل کی وجہ کسی قسم کی ذاتی دشمنی ہوسکتی تھی لیکن پولیس قاتل یا قاتلوں کا کوئی سراغ نہیں لگا سکی تھی۔ اس طرح ہکسیان اور میگا کا نام بھی سننے میں نہیں آیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ دونوں پولیس کی نگاہوں سے محفوظ تھے۔

رات آٹھ بجے تک ہم مزید اطلاعات کا انتظار کرتے رہے لیکن کوئی غیر معمولی بات معلوم نہیں ہوسکی۔ جانکی اس روز دن بھر اپنے ہی کمرے میں موجود رہی تھی۔ شاید مسلسل محنت اور ریاضت کی وجہ سے اس پر تھکن طاری ہوگئی تھی اور اسے آرام کی ضرورت تھی۔

نو بجے کلاس ختم ہونے کے فوراً ہی بعد ہم کیمپ سے روانہ ہوگئے۔ ہم تین آدمی تھے۔ ماسٹر لیشی یان' کوچی اور میں۔ رسّوں والا پُل پار کرتے ہی ہم سڑک پر دائیں طرف مڑ گئے اور تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کرکے رک گئے۔ ماسٹر نے کوچی کو چابیوں کا ایک گچھا دے کر کچھ کہا۔ کوچی عمارت کے پچھلی طرف چلا گیا۔ چند منٹ بعد ایک کار عمارت کے پیچھے سے نکلی اور ہمارے قریب آکر رک گئی۔ اسٹیئرنگ کے سامنے کوچی بیٹھا ہوا تھا۔

یہ ماسٹر لیشی یان کی کار تھی۔ جسے کبھی کبھار ہی استعمال کیا جاتا تھا۔ میں اور ماسٹر لیشی یان پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور کار حرکت میں آگئی۔

پہلی مرتبہ ہم شاؤ یانگ سے یہاں تک پیدل آئے تھے۔ وہ راستہ ٹیلا نما پہاڑیوں کے بیچ میں سے گزرتا تھا مگر سڑک والا راستہ خاصا طویل ثابت ہوا تھا۔

ہمیں شاؤ یانگ پہنچنے میں تیس پینتیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ اس وقت دس بجنے والے تھے اور قصبے کے بازاروں میں اچھی خاصی رونق تھی۔ کوچی کار کو پُرہجوم سڑک سے گزارتا ہوا ایک کشادہ سڑک پر لے آیا جہاں دونوں طرف بنگلے تھے۔ اس نے ایک بنگلے کے سامنے کار روک کر ہارن بجایا۔ صرف ایک منٹ بعد گیٹ کھل گیا اور کوچی کار کو اندر لیتا چلا گیا۔

گیٹ کھولنے والا ادھیڑ عمر ملازم تھا۔ برآمدے میں کار رکتے ہی سامنے والے دروازے سے ایک آدمی برآمد ہوا۔ وہ درمیانے قد کا صحت مند آدمی تھا' اس نے چینی لباس پہن رکھا تھا۔ ماسٹر لیشی یان جیسے ہی کار سے اترا' وہ شخص مارے تعظیم کے جھکتا ہوا گھٹنوں تک دُہرا ہوگیا۔

وہ چیانگ شاؤ تھا۔ اس علاقے کا ایک معزز بزنس مین اور ماسٹر لیشی یان کا پرانا شاگرد۔ اس نے مجھے بھی اسی طرح تکریم دی اور ہمیں بڑے احترام سے اندر لے گیا۔ عالی شان ڈرائنگ روم میں اس کی گڑیا جیسی حسین بیوی ہمارے استقبال کو موجود تھی۔ چیانگ شاؤ کی عمر اگرچہ پینتالیس اور پچاس کے درمیان تھی مگر اس کی بیوی حاشی کسی طرح بھی پچیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ میں نے عورتوں کے حسین ہونے کے حوالے سے لوگوں کو چینی گڑیا کی مثال دیتے ہوئے اکثر سنا تھا۔ حاشی واقعی بے حد حسین تھی۔ بالکل چینی گڑیا کی طرح۔

جس طرح انہوں نے ہمارا استقبال کیا تھا' اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں ہمارے آنے کا پہلے سے علم تھا اور پھر اس کی تصدیق اس طرح بھی ہوگئی کہ چند ہی منٹ بعد نکوشی بھی نظر آگیا۔ وہ پہلے سے یہاں موجود تھا۔ وہ بوکر کے ماسٹر کے سامنے کھڑا ہوگیا اور اپنی رپورٹ دینے لگا۔ ماسٹر لیشی یان بھی بیچ بیچ میں کچھ پوچھتا جارہا تھا۔

اس دوران میں ایک ملازمہ نے ہمارے سامنے سینٹر ٹیبل پر نازک سی بہت ہی خوب صورت پیالیوں میں سبز چائے سرو کردی تھی۔ ماسٹر کے اشارے پر نکوشی بھی سامنے ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا اور پھر چائے کی چسکیوں کے ساتھ ان دونوں میں باتیں بھی ہوتی رہیں۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ماسٹر لیشی یان میری طرف متوجہ ہوگیا۔

"میگا اور بکسیان ایچ اسٹریٹ کے ایک بنگلے میں موجود ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا "وہ بنگلا اینجلا نامی ایک عورت کی ملکیت ہے جو اچھی شہرت نہیں رکھتی۔ بنگلے میں اینجلا کے دو ملازم بھی موجود ہیں۔ ایک تو میری طرح ہٹا کٹا ہے اور دوسرا ادھیڑ عمر۔ بہرحال مقابلے کی توقع ہے۔"

"وہ بنگلا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں سے تقریباً تین میل آگے۔ پہاڑی کے دامن میں۔" ماسٹر نے جواب دیا "وہ قصبے کی آخری آبادی ہے۔ وہاں زیادہ تر دولت مند لوگ ہی ..... رہتے ہیں۔ قصبے کے دو تین اچھے رہائشی ہوٹل بھی اسی طرف ہیں۔"

"تو پھر ہمیں کس وقت روانہ ہونا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہم ابھی روانہ ہو رہے ہیں۔" ماسٹر نے جواب دیا۔

اور پھر چیانگ شاؤ بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہوگیا مگر حاشی نے اسے منع کردیا اور خود جانے کو تیار ہوگئی۔

کیونکہ چیانگ شاؤ دمے کا مریض تھا۔ اس مرض کی وجہ سے ہی کئی سال پہلے اس نے مارشل آرٹ کی پریکٹس چھوڑ دی تھی لیکن ماسٹر لیشی یان سے تعلق ختم نہیں کیا تھا۔

حاشی ایک اندرونی کمرے میں چلی گئی۔ اس کی واپسی میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس نے اپنا روایتی چینی لباس اتار کر جینز..... اور ہلکے آسمانی رنگ کی شرٹ پہن لی تھی۔ جو اسٹریچ ایبل میٹریل سے بنی ہوئی تھی اور اس کے جسم پر اس طرح فٹ تھی کہ تمام اتار چڑھاؤ نمایاں ہوگئے تھے۔ اسے دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔

ماسٹر لیشی یان والی کار وہیں چھوڑ دی گئی۔ حاشی نے بنگلے کے گیراج سے سبز رنگ کی اسٹیشن ویگن نکال لی تھی۔ اندھیرے میں اس کا رنگ سیاہ ہی لگ رہا تھا۔

حاشی اسٹیئرنگ کے سامنے تھی۔ ماسٹر اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں' نکوشی اور کوچی کے ساتھ پچھلی نشست پر۔ اسٹیشن ویگن بنگلے سے نکل کر دائیں طرف مڑ گئی۔

گیارہ بج رہے تھے۔ سڑکوں پر اب بھی رونق تھی۔ جس طرف ہم جارہے تھے اس طرف رونق بتدریج کم ہوتی جارہی تھی۔ یہ رہائشی علاقہ تھا۔ یہاں کوئی مارکیٹ یا دکانیں وغیرہ نہیں تھیں اس لیے اس طرف لوگوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ البتہ کبھی کبھار کوئی کھٹارا سی گاڑی قریب سے گزر جاتی۔ یہ بات میں نے پہلے بھی نوٹ کی تھی کہ عام چینیوں کے پاس زیادہ تر پرانی گاڑیاں ہی تھیں۔ نئی اور چم چماتی ہوئی گاڑیاں ان لوگوں کے پاس تھیں جن کے پاس بے حساب دولت تھی۔

جس طرف آخری مرتبہ اسٹیشن ویگن مڑی تھی اس سڑک پر تو بالکل سناٹا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف خاصے بڑے بنگلے تھے۔ ان بنگلوں کی عمارتیں خواہ چھوٹی رہی ہوں لیکن ان کے اردگرد کھلی جگہ بہت زیادہ تھی۔

حاشی کو کہیں بھی راستہ بتانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ اینجلا کی رہائش گاہ کے بارے میں جانتی تھی۔ اینجلا کے بارے میں بھی اس کی معلومات خاصی وسیع تھیں اور وہ راستے میں ہمیں بھی اس کے بارے میں بتاتی رہی تھی۔

اس سڑک پر مڑتے ہی حاشی نے ویگن کی رفتار کم کردی اور پھر ایک بنگلے کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"یہ اینجلا کا بنگلا ہے۔ اس کا دوسرا گیٹ پچھلی سڑک پر ہے۔ یہ ہمیشہ بند رہتا ہے۔ آمدورفت اسی گیٹ سے ہوتی ہے۔"

میں نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔ بنگلے کی عمارت سڑک سے تقریباً سو گز اندر کی طرف تھی۔ عمارت کے دائیں طرف بھی تقریباً اتنی ہی لمبی چوڑی کھلی جگہ تھی اور بنگلے کی ایک دو کھڑکیوں میں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے قطع نظر چاروں طرف گہری تاریکی تھی۔ بنگلے کے گرد کوئی چار دیواری نہیں تھی بلکہ خاردار تاروں کا جنگلا تھا۔

حاشی نے ویگن بنگلے سے تقریباً تین سو گز آگے ایک پارک کے کنارے پر بہت بڑے درخت کے نیچے روک لی۔ اس درخت سے ذرا ہٹ کر پارک کے اندر کی طرف ایک چھوٹی سی مصنوعی پہاڑی بنی ہوئی تھی جس پر پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔

حاشی ویگن ہی میں بیٹھی رہی اور ہم چاروں نیچے اتر گئے۔ وہ بنگلا کارنر کا تھا۔ اس کے پہلو میں ایک کشادہ سڑک تھی اور اس کے ساتھ پارک شروع ہوجاتا تھا۔

ماسٹر لیشی یان کچھ دیر تک بنگلے کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے مجھے اور کوچی کو پہلو کی طرف سے جانے کا اشارہ کیا اور خود نکوشی کے ساتھ بنگلے کے سامنے والے رخ کی طرف چل پڑا۔

میری طرح کوچی کے پاس بھی خنجر تھا مگر ہم دونوں میں سے کسی نے بھی خنجر ہاتھ میں نہیں لیا تھا۔

خاردار تار..... کچھ ڈھیلے تھے۔ انہیں نیچے اوپر کھینچ کر اتنی جگہ بنالی گئی کہ ایک آدمی آسانی سے گزر سکے۔ پہلے میں اندر داخل ہوا اور پھر کوچی اندر آگیا۔

بہت وسیع و عریض جگہ تھی۔ یہاں خوب صورت لان بنایا جاسکتا تھا لیکن لگتا تھا اس طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی تھی۔ چاروں طرف خود رو جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ خشک پتوں پر ہمارے قدموں کے نیچے آکر چرچرا رہی تھیں۔ جن کی آواز دور تک پھیل رہی تھی۔ میں اور کوچی بہت محتاط انداز میں چل رہے تھے۔ ہمارا رخ بنگلے کی عمارت کے پچھلی طرف تھا۔ کسی غیر معمولی اندیشہ تھا کہ جھاڑیوں کے چٹخنے کی آواز سے وہ خبردار نہ ہوجائیں۔

عمارت کے پچھلی طرف بھی ایک کشادہ برآمدہ تھا جس سے پچھلی طرف دوسری کھڑکی میں روشنی نظر آرہی تھی۔ برآمدے کو برآمدے کے قریب رکنے کا اشارہ کیا اور خود روشن کھڑکی کی طرف چلنے لگا۔

کسی سے باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ایک مرد تھا اور ایک عورت۔ وہ تیز لہجے میں چینی زبان میں باتیں کررہے تھے لیکن ایک بھی لفظ میرے پلے نہیں پڑا۔

میں نے کھڑکی میں جھانکنے کی کوشش کی۔ اندر کی طرف نیلے رنگ کا دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ ایک کنارہ ذرا سا ہٹا ہوا تھا۔ میں نے اسی جگہ شیشے سے آنکھ لگا دی۔ کمرے کا کچھ حصہ میری نظروں کے سامنے آگیا۔

سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی وہ دراز قامت عورت خاصی حسین تھی۔ اس کی عمر چالیس سے کچھ اوپر ہی رہی ہوگی لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ میرے خیال میں رات کے اس پہر اسے یا تو شب خوابی کے لباس میں یا روایتی چینی لباس میں ہونا چاہیے تھا لیکن اس نے مختصر سا بلاؤز اور منی اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا جس سے چسکیاں لیتے ہوئے وہ سامنے بیٹھے ہوئے کسی آدمی سے باتیں کررہی تھی۔ کوشش کے باوجود میں اس شخص کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس عورت نے گلاس سامنے تپائی پر رکھ دیا اور سگریٹ کا پیکٹ اٹھالیا۔ ایک سگریٹ سلگانے کے بعد اس نے پیکٹ اور لائٹر میز پر رکھ دیا اور سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے باتیں کرتی رہی۔

میں ایک مرتبہ پھر اس چھوٹے سے خلاء کمرے کے دوسرے حصے کا منظر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ میری یہ کوشش تو کامیاب نہیں ہوسکی البتہ میرا ہاتھ بے خیالی میں شیشے سے ٹکرا گیا۔ کھٹک کی ہلکی سی آواز ہوئی اور میں بڑی پھرتی سے نیچے بیٹھ گیا۔ آواز اگرچہ بہت ہلکی تھی لیکن میرے خیال میں ان لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے کافی ہوسکتی تھی۔ میں نیچے جھکتے ہی تیزی سے کھڑکی سے ایک طرف ہٹ کر دیوار کے ساتھ چپک گیا۔

میرا خیال درست نکلا۔ چند سیکنڈ بعد ہی اندر کی طرف کھڑکی کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا گیا۔ کھڑکی کے سامنے زمین پر دور تک روشنی پھیل گئی۔ اور اس روشنی میں ایک سایہ بھی حرکت کرتا ہوا دکھائی دیا۔ میرا خیال ہے یہ وہی عورت تھی جو کھڑکی کے قریب آکر باہر دیکھ رہی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ اس نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پردہ ایک بار پھر برابر ہوگیا۔ میں چند لمحے اپنی جگہ پر دبکا رہا اور پھر محتاط انداز میں حرکت کرتا ہوا دوبارہ کھڑکی کے سامنے آگیا۔ اس مرتبہ اندر کی طرف وہ پردہ اسی طرح برابر کردیا گیا تھا کہ پہلے جو معمولی سا خلا تھا' وہ بھی غائب ہوگیا تھا۔ میں کسی اور جھری کی تلاش میں کھڑکی کے شیشوں کو

دیکھتا رہا۔

اسی دوران میں مجھے اپنے عقب میں قدموں کی ہلکی سی آواز بھی سنائی دی' میں نے توجہ نہیں دی۔ میرے خیال میں وہ کوچی کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا لیکن اسی لمحے برآمدے کی طرف سے کوچی کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"وجدان بچے۔"

چیخ سنتے ہی میں تیزی سے پیچھے گھوما لیکن مجھے بہت دیر ہوچکی تھی۔ سر پر لگنے والی ضرب سے میرا دماغ جھنجنا اٹھا اور آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی ناچنے لگیں اور میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

○☆○

زوردار چھناکے کی آواز مجھے ہوش میں لے آئی۔ میں زور زور سے سر جھٹکنے لگا۔ ذہن پر چھانے والی دھند بدستور چھٹتی چلی گئی۔ میرے حواس بحال ہونے لگے۔ دماغ میں اگرچہ اب بھی دھماکے ہورہے تھے مگر تکلیف اب قابلِ برداشت تھی۔

چند سیکنڈ پہلے میں نے اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سنی تھی تو یہی سمجھا تھا کہ وہ کوچی ہوگا مگر وہ دراصل کوئی اور آدمی تھا جو بنگلے کے پہلو کے دروازے سے نکل کر آیا تھا۔ اسے دیکھ کر ہی کوچی نے چیخ کر مجھے خبردار کیا تھا۔ میں نے جھکائی دے کر بچنے کی کوشش تو کی تھی مگر ڈنڈا میرے سر پر لگا تھا۔ جس سے میرے چودہ طبق روشن ہوگئے تھے۔ اس شخص نے دوسرا وار کرنے کی کوشش کی ہوگی مگر کوچی نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا تھا اور اس مرتبہ ڈنڈا کھڑکی کے شیشے پر لگا تھا۔ جس سے شیشہ چکنا چُور ہوگیا تھا اور چھناکے کی آواز سے میں بھی ہوش میں آگیا تھا۔

میں نے ایک بار پھر سر جھٹکتے ہوئے بائیں طرف دیکھا۔ کوچی اور حملہ آور ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے۔ وہ شخص کوچی کو رگید رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس شخص کا پیر پکڑ لیا اور اسے پیچھے کھینچنے لگا۔

اس شخص نے کوچی کو چھوڑ دیا اور سانپ کی طرح پلٹ کر مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس کا گھونسا میرے سینے پر لگا تھا۔ میں نے اس کا پیر چھوڑ دیا اور لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ شخص پھرتی سے اٹھ کر دوبارہ مجھ پر حملہ آور ہوا۔

اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا اور جسم میں گینڈے کی طرح طاقت بھری ہوئی تھی۔ ماسٹر لیشی یان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس بنگلے میں موجود ایک آدمی اسی کی طرح ہٹا کٹا ہے اور میرا خیال ہے وہ مارشل آرٹ سے بھی واقف تھا۔ اس کا پہلا حملہ تو بازاری انداز کا تھا لیکن پھر وہ سنبھل کر ایک منجھے ہوئے مارشل آرٹسٹ کی طرح مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس نے میری گردن پر چوپ لگانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس کا یہ وار روک لیا اور ساتھ ہی اس کے فرنٹ کک رسید کردی۔ وہ جھٹکے سے دُہرا ہوا مگر فوراً سنبھل گیا۔

میں نے اسے حملہ کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اچھل کر کھڑے کھڑے اچھلتے ہوئے الٹی قلابازی کھائی۔ میرے دونوں پیر اس کی گردن پر لپٹ گئے۔ میں نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر پوری قوت سے ٹانگوں کو بائیں طرف جھٹکا دیا۔ شخص پورے قد کے ساتھ بائیں طرف گرا۔ میں نے پھرتی سے اپنے پیر اس کی گردن سے ہٹا لیے اور اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

اس دوران میں کوچی بھی سنبھل گیا تھا۔ اس نے اندر سے عورت کے چیخنے کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی بچے کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ماسٹر لیشی یان اور نکوشی دوسری طرف سے اندر داخل ہوچکے تھے۔

"کوچی۔ تم اسے سنبھالو۔ میں اندر جارہا ہوں۔" میں نے چیخ کر کہا اور عمارت کے پہلو کی طرف دوڑ لگادی۔

اس طرف کوئی برآمدہ وغیرہ نہیں تھا مگر ایک دروازہ ضرور ہوا تھا۔ مجھ پر حملہ کرنے والا شخص اسی دروازے سے باہر آیا تھا۔ سامنے ایک تاریک راہداری تھی۔ میں دوڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ راہداری کے اگلے موڑ پر میرا سامنا سے آنے والا کوئی شخص مجھ سے ٹکرا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک نسوانی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ کوئی عورت تھی جو ٹکرا کر نیچے گری تھی۔ میں لڑکھڑا گیا تھا۔

میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر نیچے گری ہوئی عورت کی طرف دیکھا۔ اس کے جسم پر لباس برائے نام ہی تھا۔ وہ خوف کی شدت سے مسلسل چیخ رہی تھی۔ میں نے اسے دیکھا۔ دائیں طرف ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔

اس جوان اور خوب صورت عورت کو دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ کمرہ کس کا ہورہا تھا۔ میں نے اس عورت کو اٹھا کر کمرے میں پھینک دیا اور دروازہ بند کرکے باہر سے کنڈا لگا دیا اور دوڑ گیا۔

اب میں اس کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ کھڑکی سے جھانکنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ وہ عورت جسے میں نے باہر سے دیکھا تھا' ایک موٹا سا ڈنڈا ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔ نکوشی ایک قدرے بھاری بھرکم آدمی سے گتھم گتھا ہوا تھا۔ کمرے کا فرنیچر الٹ پلٹ گیا تھا۔ وہ عورت نکوشی پر ڈنڈے سے حملہ کرنا چاہتی تھی مگر جب بھی وہ ڈنڈا اوپر اٹھاتی نکوشی کا اپنا ساتھی سامنے آجاتا۔ اس طرح اسے نکوشی پر حملہ کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

مجھے دیکھ کر وہ میری طرف گھوم گئی اور چیختی ہوئی مجھ پر حملہ آور ہوئی۔ میں نے بڑے اطمینان سے ڈنڈے کو ہاتھ پر روکا اور اسے پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ وہ دراز قد عورت جھٹکا کھا کر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ چیختی ہوئی ایک صوفے پر گری اور صوفے سمیت پیچھے الٹ گئی۔

نکوشی متوسط قد و قامت کا لڑکا تھا اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ ایک تربیت یافتہ اور منجھا ہوا مارشل آرٹسٹ تھا لیکن اس کا حریف اس سے کہیں زیادہ طاقت ور تھا اگر لڑائی مارشل آرٹ کے اصولوں اور قواعد و ضوابط کے مطابق ہوتی تو نکوشی چند سیکنڈ میں ہی اپنے حریف کو زمین چاٹنے پر مجبور کرسکتا تھا لیکن وہ شخص مارشل آرٹ کے آداب کو خاطر میں نہیں لا رہا تھا۔ وہ بازاری انداز میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کررہا تھا اور نکوشی کو اپنے فن کی کوئی ٹیکنیک آزمانے کا موقع نہیں مل رہا تھا اور ایک موقع پر تو اس کی گردن حریف کی گرفت میں آگئی تھی۔

میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس شخص کے پہلو میں زوردار گھونسا رسید کردیا۔ وہ شخص کراہ اٹھا مگر اس نے نکوشی کی گردن نہیں چھوڑی۔ میرا دوسرا پنچ اس کی کنپٹی پر پڑا۔ اس مرتبہ وہ چیخ اٹھا۔ نکوشی کی گردن بھی اس کی گرفت سے آزاد ہوگئی اور پھر میں نے اس شخص کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ نکوشی ایک طرف بیٹھا اپنی گردن سہلا رہا تھا۔

کھڑکی کے باہر سے بھی اٹھا پٹخ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ کوچی اپنے حریف سے نبرد آزما تھا۔

"نکوشی۔" میں چیخا "باہر جاؤ۔ کوچی کو دیکھو۔"

نکوشی ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اور اس نے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ میرا حریف اگرچہ جسمانی لحاظ سے مجھ سے زیادہ طاقت ور تھا مگر میں اسے گرفت میں لے چکا تھا۔ میں نے اسے بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی۔ مگر وہ اپنی اس طاقت کے سلیقے سے واقف نہیں تھا۔ اگر وہ اپنے اندر موجود اس طاقت کو صحیح طور پر استعمال کرتا تو مجھ جیسے دو انسانوں کو چیونٹیوں کی طرح مسل سکتا تھا۔

اس دوران میں وہ عورت بھی سنبھل گئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر ڈنڈا اٹھالیا اور مجھ پر حملہ کرنے کے لیے لپکی۔ اس وقت میں اپنے حریف کے اوپر تھا۔ میں اپنے حریف کو ساتھ لیتا ہوا بڑی پھرتی سے بائیں طرف لوٹ لگا گیا۔ اس طرح حریف میرے اوپر آگیا اور ڈنڈے کا وار اس کی کھوپڑی پر لگا۔ وہ چیختا ہوا میرے اوپر ڈھیر ہوگیا۔

وہ عورت ایک لمحے کو ساکت ہو کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ابھر آئی تھی۔ میرے ہونٹوں پر طیش دلانے والی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے سنبھل کر ایک بار پھر حملہ کیا۔ اس مرتبہ ڈنڈا اس شخص کی پشت پر لگا۔ اسے شاید چوٹ کا احساس نہیں ہوا ہوگا کیونکہ سر پر لگنے والی چوٹ سے وہ پہلے ہی بے ہوش ہوچکا تھا۔ میں نے اسے اپنے اوپر سے ایک طرف دھکیل دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

اس عورت پر جنون سا طاری ہوگیا۔ وہ پے در پے ڈنڈے سے مجھ پر حملے کرتی رہی اور میں اچھل اچھل کر اپنے آپ کو بچاتا رہا اور بالآخر میں نے ڈنڈے کو پکڑ کر اپنی طرف جھٹکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی مجھ سے ٹکرا گئی۔ میں نے اسے اس طرح اپنی گرفت میں لے لیا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو بھی حرکت دینے کے قابل نہیں رہی تھی۔

وہ اس طرح میرے سینے سے لگی ہوئی تھی جیسے محبوب کو لپٹا رکھا ہو۔ اس کا سانس پھول گیا تھا۔ چہرے پر خوف اور آنکھوں میں بے پناہ وحشت تھی۔

"جو عورتیں شراب پیتی ہوں' سگریٹ نوشی کرتی ہوں۔ وہ بستر پر مردوں کا دل تو بہلا سکتی ہیں لیکن وقت پڑنے پر اپنا دفاع نہیں کرسکتیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "عورت میں تو بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اتنی طاقت کہ وہ دنیا کو تہ و بالا کرسکتی ہے۔ مگر تم نے تو اپنے آپ کو ہی تباہ کر ڈالا۔"

میں نے اسے بانہوں سے پکڑ کر پیچھے کی طرف زوردار دھکا دیا۔ وہ شیشے کے ٹاپ والی سینٹر ٹیبل پر گری۔ چھناکے کی آواز کے ساتھ ہی اس کی خوفناک چیخ بھی کمرے میں گونجی تھی۔ سینٹر ٹیبل کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا اور وہ اندر دھنس گئی تھی۔ شیشہ ٹوٹنے سے اس کی دونوں ٹانگوں اور ایک بازو پر کٹ لگ گئے تھے جن سے خون رسنے لگا تھا مگر زخم زیادہ خطرناک نہیں تھے۔

"تم یہاں آرام کرو۔ میں ذرا اپنے ساتھیوں کو دیکھ لوں۔" میں نے کہا اور کھڑکی کی طرف لپکا۔

اور پھر وہ منظر دیکھ کر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ ایک آدمی پچھلی طرف جھاڑیوں میں بھاگا جارہا تھا۔ نکوشی اور کوچی اس کے پیچھے تھے اور پھر اسی لمحے اندر کسی کمرے سے ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ میں کھڑکی کے سامنے سے ہٹ کر دروازے کی طرف لپکا۔

دوسرے کمرے کا منظر خاصا دلچسپ تھا۔ ماسٹر لیشی یان دو حریفوں سے نبرد آزما تھا۔ وہ دونوں مارشل آرٹ کے ماہر تھے اور ماسٹر لیشی یان کو بھی شاید ان سے مقابلہ کرنے میں مزہ آرہا تھا۔ کمرا خاصا وسیع و عریض تھا۔ اس لیے مقابلے کے لیے جگہ کی کمی بھی نہیں تھی۔ البتہ سارا فرنیچر الٹ پلٹ ہورہا تھا۔

ماسٹر کے حریفوں میں سے ایک کو تو میں نے پہچان لیا۔ وہ میگا تیراڈ تھا اور دوسرا میرے لیے اجنبی تھا۔ جسے ماسٹر نے میرے سامنے اٹھا کر دیوار کے ساتھ پٹخ دیا تھا اور وہ اٹھنے کی کوشش کررہا تھا۔ البتہ میگا ماسٹر پر تابڑ توڑ حملے کررہا تھا اور ماسٹر بڑی خوب صورتی سے ان حملوں کا دفاع کررہا تھا۔

دوسرا حریف اٹھ کر حملہ آور ہونے کے انداز میں ماسٹر کی طرف لپکا لیکن میں نے اسے قریب پہنچنے کا موقع نہیں دیا۔ میں کھڑے کھڑے طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور میری فلائنگ کک بھرپور انداز میں اس شخص کے سینے پر لگی۔ وہ چیختا ہوا ڈھیر ہوگیا۔ میں نے اسے دوبارہ سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔

اسی دوران میں ماسٹر لیشی یان مجھ سے ٹکرا گیا۔ وہ میگا کا ایک پنچ کھا کر اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر اپنے آپ کو میگا کے مقابلے کے لیے تیار کرتا، میگا نے دروازے کی طرف چھلانگ لگادی۔

ماسٹر لیشی یان اس کے پیچھے لپکا۔ میرے حریف نے بھی ایک زوردار چھلانگ لگادی اور کھڑکی توڑتا ہوا باہر چلا گیا۔ میں کھڑکی کی طرف لپکا تو وہ شخص بہت تیزی سے ایک طرف دوڑا جارہا تھا۔ اس کے پیچھے جانا بیکار تھا۔ میں مڑ کر دروازے کی طرف لپکا۔

ماسٹر لیشی یان برآمدے میں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"بھاگ گیا۔" ماسٹر نے درختوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس کے پیچھے جانا بیکار ہے۔ ہکسیان کو دیکھو۔ وہ اندر ہی ہے۔"

ہم دونوں دوڑتے ہوئے اندر آگئے۔ ماسٹر لیشی یان ایک کمرے میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک کر رک گیا۔

"ارے۔ وہ یہیں تھا۔ کہاں بھاگ گیا۔" ماسٹر بولا۔

ہم کمرے سے باہر نکلنا ہی چاہتے تھے کہ [illegible] آہٹ سن کر میں چونک گیا اور جب میں نے چونک [illegible] دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ ہکسیان [illegible] نیچے چھپا ہوا تھا۔ میں نے اسے ٹانگ سے پکڑ کر باہر [illegible] لیا۔

ہکسیان کے جسم پر صرف پتلون تھی۔ [illegible] بندھی ہوئی تھی۔ جو پہلو کی طرف خون سے [illegible] تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس روز جانگی [illegible] وار کاری ثابت ہوا تھا اور ہکسیان اس قابل نہیں [illegible] کہ اپنا دفاع کرسکتا یا بھاگ سکتا۔

ساتھ والے کمرے کا دروازہ بڑے زور زور [illegible] دھڑایا جارہا تھا اور ساتھ ہی کسی عورت کے چلانے [illegible] بھی سنائی دے رہی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ پہلوان [illegible] سے یہاں داخل ہوتے ہی ایک عورت مجھ سے ٹکرائی [illegible] جسے اٹھا کر میں نے ایک کمرے میں بند کردیا تھا۔ [illegible] ہکسیان کو ماسٹر لیشی یان کے حوالے کیا اور تیزی [illegible] کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کے سامنے [illegible] دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی وہ عورت جھٹکے سے پیچھے گر [illegible] نے اندر داخل ہو کر بتی جلا دی اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ میری نظریں اس عورت کے چہرے پر جم گئیں۔ [illegible] بیں اکیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کے چہرے [illegible] خوف تھا اور آنکھیں وحشت سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔

میں نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ وہ ہولے [illegible] کانپ رہی تھی۔

"تمہارے کپڑے کہاں ہیں؟" میں نے اسے [illegible]

"دوسرے کمرے میں۔" اس نے ہکلا کر [illegible]

"مم۔ میں ہکسیان والے کمرے میں تھی۔"

میں نے اسے وہیں چھوڑ دیا اور ہکسیان [illegible] میں آگیا۔ ہکسیان بیڈ پر پڑا تھا اور ماسٹر [illegible] کھڑا کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف [illegible] میں نے ایک کرسی پر پڑے ہوئے زنانہ کپڑے [illegible] دوسرے کمرے میں پھینک کر واپس آگیا۔

ہکسیان کے جسم پر بندھی ہوئی پٹی پہلو [illegible] ہورہی تھی۔ وہ بہت خوف زدہ تھا۔ میں نے جھک [illegible] بندھا ہوا خنجر نکال لیا۔

"تمہارے سارے آدمی تو بھاگ گئے اور تم [illegible] گھنٹال بھی جس کے کہنے پر تم نے مجھے مروانے کی [illegible] تھی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "اب میں تمہارا کیا حشر کروں گا۔ تم خود ہی سوچ سکتے ہو۔"

"یہاں نہیں وجدان۔" ماسٹر لیشی یان نے میرا ہاتھ پکڑ لیا "اسے ہم ساتھ لے چلیں گے اور پھر اس سے پوچھ گچھ کریں گے۔"

اسی وقت نسوانی چیخ کی آواز سن کر میں باہر کی طرف دوڑا۔ میں عقبی برآمدے میں پہنچا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔ کوچی اور نکوشی اسی عورت کو پکڑ کر لا رہے تھے جسے میں نے دوسرے کمرے میں کپڑے لے جاکر دیے تھے۔ اس نے کپڑے پہننے کے بعد پچھلے دروازے سے بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر اس طرف کوچی اور نکوشی موجود تھے جو اسے پکڑ لائے تھے۔ وہ پہلے سے زیادہ خوف زدہ نظر آرہی تھی۔

"چھوڑ دو اسے۔" میں نے کہا اور پھر اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تمہیں ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تھوڑی دیر میں یہاں سے چلے جائیں گے اور تم بھی آزاد ہوگی۔"

اس لڑکی کو کمرے ہی میں چھوڑ کر ہم باہر آگئے۔ ہکسیان ہمارے آگے تھا اور ماسٹر لیشی یان نے اسے کالر سے پکڑ رکھا تھا۔

میں اس کمرے میں آگیا جہاں وہ دراز قامت عورت اب بھی سینٹر ٹیبل کے اندر دھنسی ہوئی تھی۔ وہ اینجلا تھی۔ سینٹر ٹیبل کا شیشہ ٹوٹ جانے سے وہ فریم کے اندر اس طرح پھنسی تھی کہ خود سے نکل نہیں سکتی تھی اور شاید اس نے ایسی کوئی کوشش بھی نہیں کی تھی کیونکہ کوئی حرکت کرنے کی صورت میں ٹوٹے ہوئے شیشے اس کے جسم کو مزید زخمی کرسکتے تھے۔ دوسرا آدمی ابھی تک بے ہوش پڑا تھا۔ جس کے سر پر اینجلا ہی کا ڈنڈا لگا تھا۔

چیخی "مجھے نکالو۔ مجھے نکالو یہاں سے۔" وہ مجھے دیکھتے ہی چیخی "میرا جسم جگہ جگہ سے زخمی ہورہا ہے۔ خون بہہ رہا ہے۔ مجھے نکالو یہاں سے۔"

"میرا خیال ہے یہ جگہ تمہارے لیے بہترین ہے۔" میں نے کہا "کچھ دیر یہاں آرام کرو۔ اور جب تھک جاؤ تو کوشش کرکے نکل آنا۔"

"میں تم لوگوں کو چھوڑوں گی نہیں۔" وہ چیخی "مار ڈالوں گی تم لوگوں کو۔ تم لوگوں نے میرے گھر پر حملہ کیا ہے۔ تمہیں اس کا حساب دینا پڑے گا۔"

"شکر کرو ہم تمہیں زندہ چھوڑ کر جارہے ہیں۔" میں نے کہا "دوسری مرتبہ سامنے آؤ گی تو زندہ نہیں بچو گی۔ ان لوگوں سے دوستی تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔" میں نے دروازے میں کھڑے ہو کر ہکسیان کی طرف اشارہ کیا اور کمرے سے باہر آگیا۔

وہ لڑکی دوسرے کمرے میں تھی اور مجھے یقین تھا کہ ہمارے جانے کے بعد وہ اینجلا کو اس مصیبت سے نجات دلا دے گی۔ ہم ہکسیان کو لے کر بنگلے سے باہر آگئے۔

اسٹیشن ویگن درخت کے نیچے موجود تھی لیکن حاشی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد ماسٹر لیشی یان نے اس کا نام لے کر آواز دی تو وہ پارک کے پودوں کی آڑ سے نکل کر سامنے آگئی۔

"سوری ماسٹر۔" وہ قریب آتے ہوئے بولی "اگر میں گاڑی ہی میں بیٹھی رہتی تو آپ لوگ مجھے ڈھونڈتے ہی رہ جاتے اور میں کہیں نظر نہ آتی۔"

"کیا مطلب؟" ماسٹر لیشی بولا۔

"تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی بنگلے سے نکل کر دوڑتا ہوا اس طرف آیا تھا۔ مجھے کچھ شبہ سا ہوا اور میں ویگن سے اتر کر پودوں میں چھپ گئی۔" حاشی ویگن کا دروازہ کھولتے ہوئے بتا رہی تھی "ویگن سے اترتے ہوئے میں نے اگنیشن سے چابی نکال لی تھی اور ڈیش بورڈ کے نیچے ایک تار بھی کھینچ دیا تھا۔ میرا شبہ درست نکلا۔ اس شخص نے ویگن میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی تھی مگر انجن اسٹارٹ نہیں ہوا تھا۔ وہ اُس طرف بھاگ گیا۔"

"اوہ! وہ یقیناً میگا ہوگا۔" میں نے کہا۔

ہم لوگ ویگن میں بیٹھ چکے تھے۔ حاشی اسٹیئرنگ کے نیچے جھکی وہ تار جوڑ رہی تھی جسے اس نے خود کھینچا تھا۔ پھر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور انجن اسٹارٹ کردیا۔

"کیا اینجلا پولیس کو اطلاع دے گی؟" میں نے ماسٹر لیشی یان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" ماسٹر نے جواب دیا "وہ خود بھی ایک بدنام عورت ہے۔ پہلے سے پولیس کی لسٹ پر ہے۔ اس نے خطرناک مجرموں کو پناہ دے رکھی تھی۔ پولیس کو اس واقعے کی اطلاع دے کر وہ اپنی گردن نہیں پھنسوائے گی۔"

میں نے مڑ کر ہکسیان کی طرف دیکھا۔ وہ پچھلی سیٹ پر کوچی اور نکوشی کے بیچ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ویگن حرکت میں آچکی تھی۔ اس مرتبہ حاشی نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس وقت اگرچہ رات کا ایک بج چکا تھا مگر قصبے کے بعض علاقوں میں تھوڑی بہت رونق نظر آرہی تھی۔ ایسی جگہوں پر کسی تھیٹر یا نائٹ کلب کی وجہ سے اِکا دُکا ریسٹورنٹ بھی کھلے

ہوئے تھے۔

ایک موڑ گھومتے ہی حاشی کو ویگن کی رفتار کم کرنی پڑی۔ سامنے پولیس کی ایک گاڑی کھڑی تھی۔ حاشی نے ماسٹر کی طرف دیکھا اور اس کا اشارہ پاکر ویگن روک لی۔

وہ چار پولیس والے تھے۔ تین رائفلیں تان کر کھڑے رہے اور چوتھا ویگن کی ڈرائیونگ سائڈ پر آگیا۔ اس نے پہلے حاشی کو دیکھا اور پھر محتاط انداز میں آگے جھک کر ویگن کے دوسرے مسافروں کو دیکھنے لگا۔ ماسٹر یشی یان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ چونک گیا۔ اس نے بوکیا اور سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

"ماسٹر۔ اس وقت آپ شاؤیانگ میں ہو؟"

"ایک ضروری کام سے آئے تھے۔" ماسٹر نے جواب دیا "کیا بات ہے۔ یہ چیکنگ کس سلسلے میں ہو رہی ہے؟"

"اسٹریٹ ایم کے ایک مکان میں ایک عورت کو قتل کردیا گیا ہے۔ قاتل کی تلاش میں چیکنگ ہو رہی ہے۔" پولیس آفیسر نے جواب دیا۔ اس نے ایک بار پھر بوکیا اور اپنے ماتحتوں کو گاڑی کے سامنے سے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔

وہ پولیس آفیسر بھی ماسٹر یشی یان کا شاگرد رہ چکا تھا۔ ماسٹر کی موجودگی اس وقت کام آگئی تھی۔ اگر ماسٹر ہمارے ساتھ ویگن میں نہ ہوتا تو پولیس والے ہمیں ویگن سے اتار کر چیک کرتے اور ہکسیان کے پیٹ پر بندھی ہوئی خون آلود پٹی ہمیں پھنسا دیتی۔

حاشی کے بنگلے پر پہنچتے ہی ہکسیان کو ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ ماسٹر نے دروازہ بند کردیا۔ کمرے میں ہکسیان کے علاوہ صرف میں اور ماسٹر تھے۔

"تم پہلے سے زخمی ہو۔" میں نے ہکسیان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر تم مزید تکلیف سے بچنا چاہتے ہو تو میرے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیتے رہو۔ بصورتِ دیگر۔۔۔"

"اس وقت تو میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔" ہکسیان کراہتے ہوئے بولا "لیکن یہ بات ذہن نشین کرلو کہ تمہاری موت کے پروانے پر دستخط ہو چکے ہیں۔ میگا تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"میگا سے تو ہم بعد میں نمٹ لیں گے۔ پہلے تم میری بات کا جواب دو۔ میگا سے تمہاری ملاقات کب اور کیسے ہوئی تھی؟"

وہ چند لمحے خاموش رہا اور پھر میرے ہر سوال کا جواب دیتا چلا گیا۔ ہکسیان کے کہنے کے مطابق میگا سے اس کی ملاقات شاؤیانگ ہی میں ہوئی تھی۔ میگا کو کسی طرح پتا چل گیا تھا کہ ہکسیان سے میری چپقلش چل رہی ہے اور وہ مجھ سے بدلہ لینے کے لیے ہی یہاں آیا تھا۔

میگا نے اسے پیشکش کی تھی کہ اگر ہکسیان مجھے اغوا کرکے اس علاقے سے باہر نکال لے جانے میں اس کی مدد کرے تو اسے نہ صرف ایک خطیر رقم دی جائے گی بلکہ وہ چاہے تو اس کے ساتھ گولڈن ٹرائی اینگل بھی جا سکتا ہے۔

"میں نے من شن کو ایک بڑی رقم کا لالچ دے کر تمہیں اغوا کرنے کی ذمے داری سونپی تھی۔" ہکسیان نے کہا "من شن شاؤلن کا سب سے سینئر اور ماہر مارشل آرٹسٹ تھا۔ اسے آج تک کسی نے چیلنج نہیں کیا تھا مگر تم سے وہ خطرہ محسوس کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن تم اس کے مقابل آؤ گے اور وہ تم سے شکست کھا جائے گا۔ اس خوف نے اس کے دل میں تمہارے لیے نفرت پیدا کردی تھی۔ میں نے اسے تمہارے اغوا کی ذمے داری سونپی تھی۔ اس نے بلوپائپ کے ذریعے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی۔ تمہارے بجائے کوئی اور لڑکا زہریلی سوئی کا شکار ہوگیا۔ فرار کی کوشش میں من شن تمہارے ہاتھ لگ گیا اور تم نے جس طرح اس کی پٹائی کی تھی۔ اس کا بھی مجھے پتا چل گیا تھا۔ اسے شاید یقین تھا کہ تم لوگ اسے تشدد کا نشانہ بناؤ گے اس لیے اس نے سائنائڈ کا کیپسول کھا کر خودکشی کرلی۔"

"اور مورو تانگ کو تم نے قتل کیوں کیا؟" میں نے پوچھا۔

"مورو تانگ نے خود اپنی موت کو آواز دی تھی۔" ہکسیان نے جواب دیا "من شن سے میری ملاقات ایک ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی اور ہم میں یہ ساری باتیں وہیں ہوئی تھیں۔ مورو تانگ وہاں کہیں قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اور اس نے ہماری باتیں سن لی تھیں۔ اس وقت تو وہ کچھ نہیں بولا تھا لیکن جب میں دریا پر تمہارے اغوا کی کوشش میں ناکام اور جانگی کے ہاتھوں زخمی ہو کر اس کی کار پر شاؤیانگ آرہا تھا تو باتوں ہی باتوں میں اس نے بتا دیا کہ اس روز اس نے ریسٹورنٹ میں میری اور من شن کی باتیں سن لی تھیں۔ میں ایک دم چونک گیا۔ وہ میرے لیے خطرہ پیدا کرسکتا تھا۔ میں اسے اپنے ٹھکانے تک لے گیا جہاں میگا بھی موجود تھا اور پھر میگا سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

"میگا کا کوئی اور ٹھکانا؟" میں نے پوچھا "وہ انجیلا بچے سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے؟"

"مجھے اس کے کسی اور ٹھکانے کا علم نہیں ہے۔" ہکسیان نے جواب دیا۔

"انجیلا سے اس کا کیا تعلق ہے؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"انجیلا ایک عورت ہے۔ اس کے پاس کوئی بھی شخص جا سکتا ہے۔" ہکسیان نے کہا "میگا نے اس سے طے کرلیا تھا کہ وہ جب تک اس کے پاس رہے گا کوئی اور مرد وہاں نہیں آئے گا۔"

"اس شخص کو کس نے مروایا تھا جو اس روز شاؤلن سے تمہارے ساتھ آیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ تاؤ۔" ہکسیان بولا "وہ بہت بزدل آدمی تھا۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے یہاں سے بھگا دیا جائے۔ مگر وہ کم بخت شاؤلن پہنچ گیا۔ میگا کے آدمی اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ میگا نے اپنے آدمیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ اگر وہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ تاؤ تقریباً ایک گھنٹے تک میگا کے آدمیوں کی نگاہوں سے اوجھل رہا تھا اور جب دوبارہ نظروں میں آیا تو اس کے ساتھ دو لڑکیاں اور ایک آدمی بھی تھا۔ وہ خود لنگڑا کر چل رہا تھا۔ میگا کے آدمیوں کو شبہ ہوا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ انہوں نے اسے کار سے کچل کر مار ڈالا اور ان لڑکیوں اور اس آدمی کو ڈرانے کے لیے واپس جاتے ہوئے ایک ہوائی برسٹ مار دیا۔"

"جانتے ہو وہ دو لڑکیاں اور ان کا ساتھی کون تھا؟" میں نے پوچھا۔ ہکسیان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"وہ میں تھا اور میرے ساتھ کامنی اور چیکو تھیں۔" میں نے کہا "کل کامنی نے تمہیں اور تاؤ کو مورو تانگ کی کار میں جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور آج ہم ایک اوپن ائر ریسٹورنٹ میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ کامنی نے تاؤ کو دیکھ لیا۔ ہمیں مورو تانگ کے قتل کا پتا چل چکا تھا، ہم تاؤ سے تمہارا اور میگا کا ٹھکانا معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے ہم نے اس کا تعاقب شروع کردیا۔ تاؤ کو شبہ ہوگیا۔ اس نے پولیس کی طرف جا کر ہمیں چکمہ دینے کی کوشش کی مگر ہمارے قابو میں آگیا اور اس نے سب کچھ بتا دیا۔ انجیلا کے بارے میں بھی اسی نے بتایا تھا لیکن وہ بے چارہ مارا گیا۔" میں رکا تو ہکسیان کو خاموش ہوا پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا "تمہارے ہاتھوں اتنے بے گناہ مارے جا چکے ہیں کہ تمہیں کم از کم دس مرتبہ پھانسی کے پھندے پر لٹکانا پڑے گا۔"

"مم۔۔۔ مجھے چھوڑ دو۔" ہکسیان گھگیاتے ہوئے بولا "میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہاں سے بہت دور چلا جاؤں گا اور آئندہ تمہارے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"تمہارے ساتھ کیا کرنا ہے؟ اس کا فیصلہ میں نہیں ماسٹر کریں گے۔" میں نے یشی یان کی طرف اشارہ کیا۔

"پلیز! ماسٹر میں زخمی ہوں۔ مجھ پر رحم کھاؤ۔" ہکسیان روتا ہوا ماسٹر یشی یان کے قدموں میں گر گیا۔

ماسٹر نے اسے ٹھوکر مار کر پیچھے گرا دیا۔ میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ بھی میری طرح کسی بے رحم اور ظالم کو معاف کرنے کا قائل نہیں تھا۔ میں پہلے بھی شاید ایک دو مرتبہ یہ بتا چکا ہوں کہ ظالم جب کسی پر ظلم کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو خدا سمجھ بیٹھتا ہے لیکن جب اپنی جان پر بنتی ہے تو خدا یاد آنے لگتا ہے اور رحم کی بھیک مانگنے لگتا ہے۔ حقیقتاً یہ لوگ بہت بزدل ہوتے ہیں کسی کا ایک تھپڑ بھی برداشت نہیں کرسکتے اور میرے خیال میں دھرتی کو ایسے لوگوں کے بوجھ سے ہلکا کردینا ہی بہتر ہوتا ہے۔

ہکسیان کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے فرش پر ڈال دیا گیا اور جب ہم کمرے سے باہر آئے تو حاشی شب خوابی کے روایتی چینی لباس میں تھی۔ یہ لباس ڈھیلا ڈھالا تھا لیکن جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آرہا تھا۔ یہاں تک کہ گاؤن نما لباس کی آستینیں بھی بہت لمبی تھیں اور ہاتھ بھی چھپے ہوئے تھے۔ جب وہ ہمارے لیے چائے بنانے لگی تو اسے آستینیں اوپر تک اڑس لینا پڑی تھیں۔

ہم صبح چار بجے تک وہیں رہے اور پھر ہکسیان کے بارے میں چیانگ شاؤ اور حاشی کو ہدایات دے کر شاؤلن کے لیے روانہ ہوگئے۔

اپنے کیمپ میں پہنچ کر مجھے صرف آدھا گھنٹا آرام کرنے کا موقع مل سکا اور پھر میں تیار ہو کر ساڑھے پانچ بجے پہاڑی پر پہنچ گیا جہاں ماسٹر ینگ پائی حسبِ معمول مجھ سے پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ میں نے اگرچہ جانگی کو آج بھی نہیں جگایا تھا لیکن میں خود اپنی چی کی پریکٹس میں کوئی ناغہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

پریکٹس کے اختتام پر حسبِ معمول ماسٹر ینگ پائی کچھ دیر مجھ سے باتیں کرتا رہا اور پھر جب مشرق کی ایک پہاڑی چوٹی کی آڑ سے سورج نے سر ابھارا تو ماسٹر ینگ پائی نے سورج کے سرخ گولے پر نظریں جمادیں اور مجھے وہاں سے اٹھنے کا موقع مل گیا اور میں جوگنگ کرتا ہوا وہاں سے دور نکل گیا۔

میں واپس آیا تو جانکی وغیرہ ناشتے پر میرا انتظار کررہی تھیں۔ جانکی نے ہی سب سے پہلے مجھ سے سوال کیا تھا کہ گزشتہ رات کیا ہوا تھا۔ میں انہیں تفصیل بتاتا رہا۔

مجھے سینرز ہینڈ ڈیفنس کی پریکٹس کرتے ہوئے کئی ہفتے گزر گئے تھے۔ اس روز ماسٹر لیشی یان خود میرے مقابلے پر آگیا۔ وہ مجھ پر ایسے وار کررہا تھا جنہیں میں نے سینرز ہینڈ ڈیفنس ٹیکنیک سے روکنا تھا۔ شروع شروع میں تو مجھے کچھ ناکامی ہوئی لیکن مسلسل پریکٹس سے مجھے عملی تجربہ ہوتا گیا۔ ایک مرتبہ جب لیشی یان نے حملہ کیا تو اس کا ہاتھ نیچے آنے سے پہلے ہی میں نے بڑی پھرتی سے دونوں بازو اس طرح اپنے سامنے کرلیے کہ کلائیاں قینچی کے بلیڈز کی طرح ایک دوسرے کو کراس کرنے لگیں۔ ماسٹر کا بازو اس کی کلائی سے ذرا پیچھے اس کراس پر پڑا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی بند مٹھیوں کی پشت کو آپس میں ملالیا۔ اس طرح ماسٹر کا بازو میرے کراس کے شکنجے میں پھنس گیا۔

"گڈ۔" ماسٹر لیشی یان مسکرا دیا اور پھر اچانک وہ چیخا "زور لگاؤ۔ دباؤ میرے بازو کو۔"

میری پوری قوت میری بانہوں میں سمٹ آئی تھی۔ میری بند مٹھیوں کے جوڑ سفید ہونے لگے۔ ماسٹر لیشی یان کا بازو شکنجے کی طرح میری کلائیوں کے کراس میں پھنسا ہوا تھا۔

"تمہارا زور کندھوں میں نہیں۔ کہنی سے آگے انگلیوں کی پوروں تک ہونا چاہیے۔" ماسٹر نے ایک بار پھر چیخ کر کہا "گڈ۔۔۔ لیکن تمہاری کہنیوں کے درمیان فاصلہ بڑھ رہا ہے۔ اسے روکو۔ ویری گڈ۔۔۔ اور اب دیکھو میں اپنا بازو کس طرح چھڑاتا ہوں۔"

ماسٹر چند لمحے زور آزمائی کرتا رہا اور پھر اس نے بل کرتے ہوئے اپنے بازو کو اس طرح جھٹکا دیا کہ وہ میرے شکنجے سے نکل گیا۔

"بہت خوب!" ماسٹر نے میرا کندھا تھپتھپایا۔ اور اپنی کلائی سہلانے لگا "پریکٹس کی ضرورت ہے۔ چند روز کی پریکٹس سے اس قابل ہوجاؤ گے کہ حریف کے بازو کی ہڈی توڑ سکو۔"

اور اس طرح میری پریکٹس جاری رہی۔ ماسٹر لیشی یان نے مجھے وہ ٹیکنیک بھی سکھا دی کہ جب اپنا ہاتھ حریف کے شکنجے میں پھنس جائے تو اسے کس طرح آزاد کرایا جاسکتا ہے۔ تین چار ہفتوں کی مزید پریکٹس کے بعد میں اس ٹیکنیک میں مہارت حاصل کرچکا تھا۔

انہی دنوں ایک کیمپ کے سالانہ چیلنج مقابلوں کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ اس تقریب میں اس کیمپ کے کامیاب امیدواروں کو ڈگریاں بھی دی جانے والی تھیں۔ ہمارے کیمپ کو بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن پھر اچانک اس تقریب کی تقریب ملتوی کردی گئی۔ اگرچہ اس التوا کی وجہ چھپانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ بات چھپی نہ رہ سکی۔ یہ اگزیمز سب کے لیے نہایت سنسنی خیز ثابت ہوا کہ اس کیمپ کی لڑکیاں اور تین لڑکے ہیروئن استعمال کرنے لگے تھے۔ پانچوں اپنی ٹریننگ کے آخری ٹیسٹ میں حصہ لینے والے تھے۔ کامیابی پر انہیں ڈگریاں دی جاتیں اور وہ اپنے اپنے ملکوں کو روانہ ہوجاتے۔

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شاؤلن میں پھیل گئی۔ اور پھر نئے نئے انکشاف ہونے لگے۔ ہر کیمپ کا نہ کوئی لڑکا یا لڑکی اس لعنت میں مبتلا پایا گیا تھا اور بدقسمتی سے ہمارے کیمپ کے دو لڑکے بھی اس کا شکار ہوگئے تھے۔

کسی بھی کھیل میں کوئی نشہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ اسٹیمنا کو تباہ کردیتا ہے۔ میں نے کبھی کسی کو سگریٹ تک پیتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ہیروئن کے نشے کے تباہ کن اثرات تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اس زہر نے میری تھائی کو مجھ سے چھین لیا تھا۔

نشے کے عادی لڑکوں کو کیمپ سے نکال دینا کوئی حل نہیں تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان لوگوں کو تلاش کیا جائے جو یہ زہر ان کے خون میں پھیلا رہے تھے۔

ابتدائی پوچھ گچھ سے یہ بھی پتا چل گیا کہ کیمپوں میں ہیروئن کو متعارف ہوئے ڈیڑھ دو مہینے سے زیادہ کا عرصہ نہیں ہوا تھا۔ میرے ذہن میں میگا تیراؤ کا نام ابھر آیا۔ تقریباً دو مہینے پہلے ہی اسے یہاں دیکھا گیا تھا۔ اس کا تعلق چونکہ برٹش سے تھا اسی لیے اس پر شبہ فطری بات تھی۔ وہ اس کے بعد اگرچہ یہاں نظر نہیں آیا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ خود ہی یہاں آکر پڑیاں بانٹتا پھرے۔ یہ کام تو وہ کسی سے بھی لے سکتا تھا۔ میرے ذہن میں دو نام ابھر رہے تھے۔ جرمن نژاد اور اس کا لمبے بالوں والا برطانوی ساتھی جو دو تین مرتبہ ہمارے ہاتھوں پٹ چکے تھے۔ وہ دونوں اسی فطرت کے تھے کہ پیسے کے لیے اس قسم کا کوئی بھی کام کرسکتے تھے۔ انہیں بھی کئی روز سے شاؤلن میں نہیں دیکھا گیا تھا۔

میں نے ماسٹر لیشی یان سے اپنے شبے کا اظہار کیا۔ پھر ہم نے خفیہ طور پر تحقیقات شروع کردی۔ کوچی میرے ساتھ تھا۔ ہم ہیروئن استعمال کرنے والوں سے پوچھ گچھ کرتے کہ انہیں پڑیاں کون سپلائی کرتا تھا مگر کوئی بھی نام نہیں بتا رہا تھا۔ انہیں یا تو برے نتائج کی دھمکیاں دی گئی تھیں یا خوف تھا کہ اگر سپلائر پکڑا گیا تو وہ لوگ اس نشے سے محروم ہوجائیں گے۔

بالآخر کسی دوسرے کیمپ کی ایک لڑکی میرے ہاتھ لگ گئی۔ وہ تھائی لینڈ کی رہنے والی تھی اور اتفاق سے ماسٹر ہوچن سے مارشل آرٹ کی ابتدائی تربیت حاصل کرچکی تھی۔

میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا تو وہ چونک سی گئی۔ اس نے بنکاک میں میرا نام ضرور سنا تھا لیکن مجھے دیکھا کبھی نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید میں جھوٹ بول رہا ہوں لیکن ناموں اور واقعات کے حوالے کام کرگئے۔

"اگر میں نے ان کے بارے میں بتایا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" شانتی نامی اس لڑکی نے کہا "وہ مجھے پڑیا دینا بند کردیں گے۔"

"پڑیا میں تمہیں دوں گا اور ڈرو نہیں۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ تم بتاؤ وہ کون ہیں؟" میں نے کہا "اور یہ بات تمہیں ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہیروئن تمہیں تباہ کردے گی۔ کھوکھلا کردے گی تمہیں اور تم کبھی مارشل آرٹسٹ نہیں بن سکو گی۔ یہ نشہ تم سے زندگی چھین لے گا اور تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاؤ گی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "تم بنکاک کی رہنے والی ہو۔ وہاں تم نے قدم قدم پر ایسے اندوہناک مناظر دیکھے ہوں گے۔ چائنا ٹاؤن میں۔ ناکن اسکوائر پر۔ گنجان آبادی کی ہر گلی کے موڑ پر تم نے ایسے لوگوں کو ضرور دیکھا ہوگا جو ہیروئن کی لعنت کا شکار ہوکر مفلوج ہوچکے ہیں۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بھی نہیں رہے۔ ان کی زندگی خود ان کے لیے بوجھ بن گئی ہے۔ ذی ہوش لوگ انہیں نفرت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ انہیں ہمدردی کے قابل بھی نہیں سمجھتے۔ ہمدردی تو ان سے ہوتی ہے جو زیادتی اور ظلم کا شکار ہوا ہو۔ اور جو شخص جان بوجھ کر آگ میں کود رہا ہو' اس سے ہمدردی کیسی؟ وہ لوگوں پر پڑے بھیک کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں مگر انہیں بھیک بھی نہیں ملتی۔ کیا تم چاہتی ہو کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو؟ نہیں شانتی۔" میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا "یہ ہاتھ بھیک مانگنے کے لیے نہیں ہیں۔ ان میں تو بڑی قوت ہے۔ دوسروں کو سہارا دینے کی بے پناہ طاقت ہے ان ہاتھوں میں۔ تم ان ہاتھوں کی طاقت کیوں ضائع کرنا چاہتی ہو۔ ہیروئن تمہارے ان ہاتھوں سے تمہارے پورے جسم کی زندگی نچوڑ لے گی۔ نہیں شانتی۔ تم تو بہت بڑی مارشل آرٹسٹ بننا چاہتی ہو۔ یہاں تک آنے کے لیے تم نے نجانے کتنی مصیبتیں برداشت کی ہوں گی۔ کتنے کٹھن مراحل سے گزری ہوگی لیکن چٹکی بھر ہیروئن نے تمہیں ڈھیر کردیا۔ تمہارے جسم کی ساری شکتی نچوڑ کر رکھ دی۔ کیا تم ہار مان جاؤ گی۔ شکست کھا جاؤ گی۔ ایک بات یاد رکھو۔ کوئی سچا مارشل آرٹسٹ آسانی سے شکست نہیں کھاتا۔ وہ برائیوں کو فروغ نہیں دیتا نہ ہی ان کے پھیلاؤ کا ذریعہ بنتا ہے۔ تم تو ایک سچی مارشل آرٹسٹ ہو۔ اس فن سے محبت ہی تمہیں اپنے گھر سے ہزاروں میل دور یہاں کھینچ لائی ہے۔ کیا تم سب کچھ ضائع کردو گی۔ اپنی ساری محنت پر پانی پھیر دو گی؟ نہیں شانتی۔ تم اپنے ساتھ ایسا نہیں ہونے دو گی۔ اس برائی کو روکنے میں ہماری مدد کرو۔ تم اکیلی نہیں ہو اور ابھی بہت سے لڑکے اور لڑکیاں اس لعنت کا شکار ہورہے ہیں۔ وہ سب برباد ہوجائیں گے۔ انہیں بچانے میں ہماری مدد کرو۔ تم ان لوگوں کے بارے میں بتا دو جو یہ زہر پھیلا رہے ہیں اور یقین کرو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ویسے بھی یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ تمہارا علاج ہوجائے گا۔ تم بالکل ٹھیک ہوجاؤ گی اور مارشل آرٹ میں ضرور نام پیدا کرو گی۔"

شانتی سر جھکائے خاموشی سے میری باتیں سنتی رہی اور جب اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"اب بھی کچھ نہیں بگڑا شانتی۔" میں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "بتا دو ان کے نام۔ ہم آج ہی ان سے نمٹ لیں گے۔"

شانتی کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔ میں اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہا اور پھر اس نے وہ نام بتا دیے۔ میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ میرا شبہ درست نکلا تھا۔ وہ جرمن نژاد اور اس کا لمبے بالوں والا ساتھی مائیکل تھے۔

"مگر ان لوگوں کو تو بہت دنوں سے یہاں نہیں دیکھا گیا۔ وہ تم سے کیسے رابطہ کرتے ہیں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"وہ دونوں شاؤ یانگ میں رہ رہے ہیں۔" شانتی نے بتایا "ہر تیسرے روز یہاں آتے ہیں۔ انہوں نے گیشو پارک کو اپنا اڈا بنا رکھا ہے۔ جہاں کالی شاپ ہے۔ وہ اس سے ذرا ہٹ کر درختوں کے نیچے ایک بینچ پر بیٹھے رہتے ہیں اور ضرورت مند وہاں جاکر ان سے پڑیا لے لیتے ہیں۔"

"تین دن بعد۔" میں بڑبڑایا "وہ آخری مرتبہ کب آئے تھے اور اب کس روز آئیں گے؟"

"دو دن پہلے آئے تھے۔ اب وہ کل آئیں گے۔" شانتی نے جواب دیا "وہ رات آٹھ سے دس بجے تک وہاں بیٹھتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ لوگ ہیروئن کہاں سے لیتے ہیں؟"

"نہیں۔" شانتی نے نفی میں سر ہلایا "مجھے نہیں معلوم۔"

"ٹھیک ہے شانتی۔" میں نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا "کل وہ یہاں آئیں گے تو واپس نہیں جاسکیں گے اور تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں پتا بھی نہیں چلے گا کہ مجھے ان کے بارے میں کس نے بتایا تھا۔ میں تمہارے ماسٹر سے بات کرتا ہوں۔ آج ہی تمہارا علاج شروع کردیا جائے گا اور تم بہت جلد اچھی ہوجاؤ گی۔"

شانتی کی عمر پچیس چھبیس سال رہی ہوگی۔ اس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن اس کے چہرے پر اضمحلال واضح طور پر نظر آرہا تھا اور یہ پڑمردگی ہیروئن کے استعمال کا نتیجہ تھی۔ یہ بھی اچھی بات تھی کہ بروقت پتا چل گیا تھا۔ اگر چند ہفتے مزید گزر جاتے تو وہ نچڑ کر رہ جاتی۔ میں جب رخصت ہونے لگا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"ایک بات تم بھی سچ سچ بتا دو۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی "کیا تم وہی وجدان ہو جو۔۔۔"

"تمہیں اس میں شبہ نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "میں وہی وجدان ہوں جس نے بنکاک میں منشیات کے سب سے بڑے تاجر اور بدمعاش ٹائیگر کی گردن مروڑی تھی۔ پیڈرو بھی میرے ہی ہاتھوں جہنم واصل ہوا تھا۔ ویسے کیا تم ڈاکٹر جانکی دیوی کو جانتی ہو۔"

"ہاں ہاں۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔" شانتی نے گردن ہلا دی "بنکاک میں اس کا نام بھی تمہارے نام کے ساتھ سنا جاتا تھا اور ایک اور عورت بھی تھی تمہارے ساتھ۔ ہاں یاد آیا۔ اس کا نام تھائی وانگ تھا۔"

"ہاں تھائی وانگ۔" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ جانتی ہو اس کی موت کیسے ہوئی تھی۔" میں چند لمحوں کو خاموش رہا پھر بولا "وہ میرے دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ کئی روز تک ان کی قید میں رہی۔ اس دوران میں اسے کثرت سے ہیروئن کے انجکشن دیے جاتے رہے اور جب میں نے اسے دشمنوں کی قید سے آزاد کرالیا تو اس کے بدن سے زندگی کا سارا رس نچوڑ لیا گیا تھا۔ ہیروئن نے اسے موت کے تاریک غار میں دھکیل دیا۔ میں وہ لمحات کبھی نہیں بھول سکوں گا جب تھائی نے میری آغوش میں زندگی کا آخری سانس لیا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے۔" شانتی نے کہا "اور ڈاکٹر جانکی دیوی۔۔۔؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"جانکی میرے ساتھ ہے۔ یہاں شاؤلن میں۔" میں نے جواب دیا۔ "ہاں۔ ایک دو دن بعد میں تمہیں اس سے ملواؤں گا۔" میں نے کہا۔

میں دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا اور شانتی سے اس کے بارے میں پوچھنے لگا اس کا دادا ہندو تھا۔ عرصہ پہلے روزگار کی تلاش میں تھائی لینڈ آیا تھا اور پھر یہیں آباد ہوگیا تھا۔ اس نے شادی بھی بنکاک کی ہندو برادری میں کی تھی۔ وہ کٹر ہندو تھا۔ اس کے بیٹے "شانتی کے باپ" نے بدھ مذہب اختیار کرلیا۔ اس طرح شانتی اور اس کے بہن بھائی بھی بدھ کے پیروکار تھے لیکن ہندو برادری سے بھی ان کے تعلقات استوار تھے۔ ڈاکٹر جانکی کو وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی۔

"اب میں چلتا ہوں شانتی۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا "آج ہی سے تمہارا علاج شروع ہوجائے گا اور تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ آئندہ تم اس لعنت کے قریب نہیں جاؤ گی۔"

"ہاں میں وعدہ کرتی ہوں۔" شانتی نے سر ہلا دیا۔

میں نے واپس آکر ماسٹر لیشی یان کو صورت حال سے آگاہ کیا اور پھر ہم رات گئے تک شاؤلن کے دو سرکردہ ماسٹروں سے رابطے کرتے رہے اور بالآخر سب لوگ ایک پروگرام پر متفق ہوگئے۔

شانتی سے طویل ملاقات کے بعد میرے تمام شبہات کی تصدیق ہوگئی تھی۔ میگا تیراڈ ہی یہاں ہیروئن لے کر آتا تھا اور ٹروڈر اور مائیکل اس کے ایجنٹ کے طور پر کام کررہے تھے۔ ان دونوں کے بارے میں، میں پہلے بھی تفصیل سے بتا چکا ہوں کہ وہ کس قماش کے تھے۔

دوسرے روز شام کا اندھیرا پھیلتے ہی کچھ لوگ شاؤلن پارک میں ادھر ادھر پھیل گئے تھے۔ ان کا تعلق شاؤلن کے مختلف کیمپوں سے تھا۔ ان کا پارک میں داخل ہونے اور بیٹھنے کا انداز ایسا تھا جیسے محض وقت گزارنے کے لیے آئے ہوں۔ دو لڑکے کافی شاپ میں بیٹھ گئے تھے۔ وہ بھی ایک دوسرے سے لاتعلق اور الگ الگ بیٹھے تھے۔ میں اندھیرے میں ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر کوچی بھی موجود تھا۔

جس بینچ کی نشان دہی شانتی نے کی تھی، وہ کافی شاپ سے تقریباً پندرہ گز دور ایک درخت کے نیچے تھی اور وہاں اس وقت دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اندھیرے میں اگرچہ ان کے چہرے صاف نظر نہیں آرہے تھے مگر وہ ٹروڈر اور مائیکل نہیں تھے۔

شانتی نے بتایا تھا کہ وہ رات آٹھ سے دس بجے تک وہاں بیٹھتے تھے۔ اس وقت ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ ابھی تک نہیں آئے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ انہیں کوئی شبہ تو نہیں ہوگیا۔ ہم نے اس معاملے میں بڑی رازداری سے کام لیا تھا۔ اگر ہم چاہتے تو پولیس کو ان کے بارے میں اطلاع دے سکتے تھے لیکن تمام ماسٹرز کا متفقہ فیصلہ تھا کہ ان بدمعاشوں سے اپنے طور پر نمٹا جائے۔

پونے نو بجے کے قریب پارک کے باہر ایک کار آکر رکی۔ وہاں روشنی تھی۔ دو آدمی کار سے اتر کر پارک میں داخل ہوئے اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس بینچ کی طرف چلنے لگے۔ ان دونوں کو پہچاننے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ ٹروڈر نے کندھے پر کپڑے کا ایک تھیلا لٹکا رکھا تھا۔

وہ دونوں اس بینچ پر آکر بیٹھ گئے۔ پہلے سے بیٹھے ہوئے دونوں آدمی وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

ان دونوں کے بینچ پر بیٹھنے کے تھوڑی ہی دیر بعد دو لڑکے راستے سے آکر ان کے قریب رکے۔ ہاتھ ملائے گئے اور لڑکے چلے گئے۔ یہ لڑکے ان کے گاہکوں میں سے تھے اور پہلے سے ان کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ پروگرام کے مطابق پارک سے نکلتے ہی ادھر ادھر پھیلے ہوئے ہمارے لڑکے انہیں پکڑ کر لے جاتے۔ ٹروڈر اور مائیکل کے گاہکوں میں شانتی ہی واحد لڑکی تھی جسے ہمارے پروگرام کا علم تھا اور طے شدہ پروگرام کے مطابق اسے بھی خریدار بن کر آنا تھا اور مجھے اسی کا انتظار تھا۔

شانتی سوا نو بجے کے قریب پارک میں داخل ہوئی۔ وہ بہت سہمی سہمی اور خوف زدہ سی لگ رہی تھی۔ وہ جیسے ہی پارک میں داخل ہوئی، میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور غیر محسوس انداز میں بینچ کی طرف چلنے لگا۔

ٹروڈر نے ایک مرتبہ میری طرف دیکھا ضرور تھا مگر اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ میری شکل نہیں دیکھ سکا تھا۔ شانتی اس کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس نے پینٹ کی جیب سے نوٹ نکال کر ٹروڈر کی طرف بڑھا دیے۔ ٹروڈر نے نوٹ لے کر تھیلے میں ڈال لیے اور تھیلے ہی میں سے ایک پڑیا نکال کر شانتی کی طرف بڑھا دی۔ لمبے بالوں والا مائیکل بینچ پر بیٹھا انگلیوں میں گھما رہا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس معاملے سے بالکل لاتعلق ہو۔

ٹھیک اسی وقت جب ٹروڈر، شانتی کو ہیروئن کی پڑیا دے رہا تھا، میں ان کے سامنے پہنچ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دونوں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ مائیکل نے خنجر تان لیا۔

"اگر تم اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔" وہ میرے سامنے خنجر لہراتے ہوئے غرایا "پہلے تو تم ہم سے بچتے رہے ہو لیکن آج تم نے بدمعاشی دکھانے کی کوشش کی تو زندہ واپس نہیں جاسکو گے۔"

میں نے پہلے شانتی کو اشارہ کیا۔ وہ بدحواس ہو کر تیزی سے کافی شاپ کی طرف دوڑ گئی۔

"ہم تو بہت دنوں سے تمہاری تلاش میں تھے۔" میں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ یہ زہر تم ہی لوگ پھیلا رہے ہو۔ کوئی حرکت کرنے سے پہلے اپنے چاروں طرف دیکھ لو۔"

ان دونوں نے گھوم کر دیکھا۔ چاروں طرف سے کم از کم نصف درجن لڑکے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ دونوں بدحواس ہوگئے اور پھر اسی بدحواسی میں مائیکل نے خنجر سے مجھ پر حملہ کردیا۔ اس کا یہ حملہ میرے لیے غیر متوقع نہیں تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اس کی خنجر والی کلائی پکڑلی اور دائیں ہاتھ سے اسی کے اس بازو کے نیچے بغل میں زوردار پنچ رسید کردیا۔ وہ اپنی جگہ سے تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلا۔ اس کے پیر زمین پر ٹکنے سے پہلے ہی میں نے اس کی ٹانگ پر ہلکی سی کک بھی رسید کردی۔

وہ لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اسی دوران میں فائر کی آواز گونجی۔ ٹروڈر نے دوسرے لڑکوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر تھیلے میں سے پستول نکال کر ہوائی فائر کردیا تھا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ ان کی طرف آنے والے لڑکے خوف زدہ ہو کر بھاگ جائیں گے یا رک جائیں گے۔

ٹروڈر کا پستول والا ہاتھ ابھی تک اوپر تھا۔ میں ایک دم اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر میری کک اس کی کنپٹی پر لگی۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور کہیں اندھیرے میں گھاس پر گر گیا تھا۔ ٹروڈر کچھ اور بدحواس ہوگیا اور اسی بدحواسی میں اس نے مجھ پر حملہ کردیا۔ میں اس کے لیے تیار تھا۔ میں بڑی تیزی سے نیچے جھکا اور اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر دور اچھال دیا۔ وہ چیختا ہوا گھاس پر گرا پھر اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر تین چار لڑکوں نے اسے گھیر لیا۔

میں مائیکل کی طرف گھوم گیا۔ اس دوران میں موقع پاکر وہ مجھ پر حملہ آور ہوچکا تھا۔ اس مرتبہ میں اپنا دفاع نہیں کرسکا۔ اس کی فرنٹ ہائی کک میرے بائیں کندھے پر لگی۔ میں لڑکھڑا گیا مگر اپنے آپ کو گرنے سے بچالیا۔ مائیکل نے دوسری کک لگائی جسے میں نے ہاتھ سے روکا' اس نے فوراً ہی سائڈ لیفٹ کک لگانے کی کوشش کی مگر اس مرتبہ بھی میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا اور پھر بازو کی ہڈی پر لگنے والے میرے ایک ہی چوپ نے اسے بلبلانے پر مجبور کردیا۔ وہ ذرا سا ایک طرف جھکا میں نے اسے زوردار سائڈ کک لگا دی۔ وہ کراہ کر پلٹ گیا لیکن اس مرتبہ فوراً ہی سنبھل گیا۔

دوسری طرف ٹروڈر لڑکوں کے گھیرے میں آچکا تھا۔ ٹروڈر کے بلبلانے کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ لڑکے اس کی ٹھیک ٹھاک تواضع کررہے تھے۔

میں ایک بار پھر مائیکل کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ حملہ کرنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ ہمارے گرد بھی چند لڑکے جمع ہوگئے تھے مگر انہوں نے مداخلت نہیں کی۔ وہ جانتے تھے کہ مائیکل کے لیے میں ہی کافی رہوں گا۔

مائیکل نے میرے منہ پر پنچ مارنے کی کوشش کی مگر میں نے بڑی پھرتی سے ذرا سا سائڈ میں ہٹتے ہوئے اس کا بازو پکڑلیا اور اسے آگے کی طرف ہلکا سا جھٹکا دیتے ہوئے اس کے منہ پر زوردار رائٹ پنچ مار دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی ٹانگوں کے بیچ میں لیفٹ فرنٹ کک بھی مار دی۔

اس دُہری تکلیف سے وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا اٹھا۔ میں نے اپنی ٹانگ پیچھے کھینچ کر آگے کی طرف زوردار جھٹکا دیا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا۔ وہ چیختا ہوا منہ کے بل گرا۔ میرا خیال تھا کہ اب وہ کچھ دیر تک اٹھنے کی ہمت نہیں کرے گا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اٹھ کر ایک طرف دوڑ لگا دی لیکن وہ چند گز سے زیادہ دور نہیں جاسکا۔ تین لڑکوں نے لپک کر اسے گھیر لیا تھا۔

اسی وقت کسی نے چیخ کر کہا "پولیس آرہی ہے۔"

ایک سیکنڈ کے اندر اندر لڑکے ٹروڈر اور مائیکل کو لے کر وہاں سے غائب ہوچکے تھے۔ باقی لڑکے اِدھر اُدھر ہوگئے۔ دو چار لڑکے کافی شاپ کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ شانتی بھی وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں بھی اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا اور تقریباً اسی وقت دو پولیس والے وہاں پہنچ گئے۔ وہ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتے رہے پھر ایک میز کے قریب آکر رک گئے اور وہاں بیٹھے ہوئے دو لڑکوں سے ہنگامے کے بارے میں پوچھنے لگے۔

"ہنگامہ۔" ایک لڑکے نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "ہم ایک گھنٹے سے یہاں بیٹھے ہیں۔ یہاں تو کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔"

"مگر ہمیں اطلاع ملی ہے کہ یہاں دو آدمیوں کو مارا جارہا ہے۔" پولیس والے نے کہا۔

"یہاں تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ دوسرے لوگ بیٹھے ہیں۔ ان سے بھی پوچھ لو۔" اس لڑکے نے جواب دیا۔

پولیس والے دوسروں سے پوچھتے رہے۔ ہر ایک نے کسی ہنگامے سے لاعلمی ظاہر کی۔ ایک پولیس والے نے کافی شاپ کے مالک اور دو ملازموں سے بھی دریافت کیا۔ انہوں نے بھی لاعلمی میں سرہلا دیے۔ پولیس والا بڑبڑاتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

دوسرا پولیس والا اس بینچ کے آس پاس ٹہل رہا تھا جو ہنگامہ کے قریب سارا ہنگامہ ہوا تھا اور پھر اسے وہ تھیلا ملا جو لڑائی کے دوران میں ٹروڈر کے کندھے سے گر گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تھیلا دیکھ کر میں چونک گیا۔ روشنی میں پولیس والے نے تھیلے کی تلاشی لی تو اس میں کرنسی نوٹ اور ہیروئن کی پڑیاں دیکھ کر وہ بھی اچھل پڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے ساتھی کے قریب پہنچ گیا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک میں باتیں کرتے رہے اور دوبارہ اسی بینچ کے قریب پہنچ گئے انہیں وہاں سے اور کچھ نہیں ملا۔ ٹروڈر کا پستول اور خنجر پہلے ہی لڑکے وہاں سے اٹھا چکے تھے۔ اس تھیلے کا شاید کسی کو نہیں آیا تھا۔ پولیس والے اب اس تھیلے کے بارے میں لوگوں سے پوچھ رہے تھے لیکن ہر کوئی کندھے اچکا رہا تھا۔

دونوں پولیس والوں کے چہروں پر تشویش نمایاں تھی پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چوکی کی طرف چلے گئے۔

"آؤ۔ میں تمہیں گھر چھوڑ دوں۔" پولیس والوں کے جانے کے بعد میں نے شانتی کی طرف دیکھ کر کہا ہوئے کہا۔

شانتی میرے ساتھ چل رہی تھی۔ وہ اب بھی خوف زدہ تھی اور میں اسے تسلی دے رہا تھا کہ اب کچھ نہیں ہوگا۔ اس نے ٹروڈر سے ملنے والی ہیروئن کی پڑیا مجھے دے دی تھی جسے میں نے جیب میں ڈال لیا۔

شانتی کو اس کی رہائش گاہ پر چھوڑ کر میں اس جگہ گیا جہاں ٹروڈر اور مائیکل کو پہلے ہی پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ لڑکوں کے ساتھ کوچی بھی وہاں موجود تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جو الگ تھلگ واقع تھا۔ ماسٹر لیسی یان اور

ہیلپ اسٹرز بھی وہاں موجود تھے۔ لڑکوں کو اس کمرے سے نکال دیا گیا اور ٹروڈر اور مائیکل سے پوچھ گچھ شروع ہوگئی۔

شاؤلن میں ہیروئن کے پھیلاؤ کے حوالے سے میرا شبہ بھی درست نکلا۔ اس کے پیچھے میگا ہی کا ہاتھ تھا۔ ہیروئن میگا ہی فراہم کررہا تھا اور یہ دونوں اس کے لیے فشنگ کے اصول پر کام کررہے تھے۔ ان دونوں کو تو میں نے پہلے ہی روز دیکھ لیا تھا جب سرائے میں ہمارے کمرے میں انہوں نے جانگی اور چیکو کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تھی اور اب تو یہ دونوں مکمل طور پر کھل کر سامنے آگئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو مارشل آرٹسٹ کہتے تھے اور اس فن کی اعلیٰ تربیت کے لیے یہاں آئے تھے مگر پہلے ہی روز اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کس قماش کے لوگ ہیں اور پھر موقع ملتے ہی انہوں نے میگا اور ہکسیان کے ساتھ مل کر ہیروئن کا دھندا شروع کردیا تھا۔

یورپ والے یوں تو منشیات کی روک تھام کے حوالے سے بہت شور مچاتے ہیں۔ وہ بعض ایشیائی ممالک کو منشیات کے فروغ کا ذمے دار قرار دیتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا مذموم کاروبار انہی کے ممالک میں ہوتا ہے۔ ہیروئن استعمال کرنے والوں کی سب سے زیادہ تعداد بھی یورپ اور امریکا ہی میں ہے۔ نت نئے اور تباہ کن نشے متعارف کرانے کا سہرا بھی یورپ اور امریکا والوں کے سر ہی بندھتا ہے۔ مافیا کے بڑے بڑے ڈان اور اس قسم کی ساری تنظیمیں بھی یورپ اور امریکا ہی میں ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہیروئن کے حوالے سے ایشیا کے تین چار ممالک خاصے بدنام ہیں مگر اس کے پیچھے بھی یورپ اور امریکا ہی کا ہاتھ ہے۔ چند سال پہلے ایشیا میں کوئی ہیروئن کا نام بھی نہیں جانتا تھا۔ یہ یورپ اور امریکا والے ہی تھے جنہوں نے یہ بدترین لعنت یہاں متعارف کرائی۔

ٹروڈر اور مائیکل کو دوسروں کے حوالے کرکے ہم اپنے کیمپ میں واپس آگئے۔

چند روز گزر گئے۔ جس طرح اس روز کے بعد میں نے ہکسیان کے بارے میں کچھ نہیں سنا تھا۔ ان دونوں کے بارے میں بھی اس رات کے بعد کچھ سنائی نہیں دیا۔

جانگی بھی اب فٹ ہوگئی تھی اور میرے ساتھ پریکٹس میں باقاعدہ حصہ لے رہی تھی۔ اسی دوران میں شانتی سے بھی اس کی کئی ملاقاتیں ہوچکی تھیں۔ شانتی کا باقاعدہ علاج ہورہا تھا۔ وہ پہلے کی طرح چاق و چوبند تو نہیں رہی تھی لیکن چہل قدمی اور ورزش شروع کردی تھی اور بتدریج فٹنس کی طرف لوٹ رہی تھی۔

کامنی کو شاؤلن آئے ہوئے دو سال ہوچکے تھے۔ یوں تو کوئی بھی فن سیکھنے کے لیے پوری زندگی بھی ناکافی ہوتی ہے مگر طے شدہ کورس کے مطابق جانگی اپنی تربیت مکمل کرچکی تھی اور ایک مہینے بعد ہمارے کیمپ کی سالانہ تقریب ہونے والی تھی۔ ٹورنامنٹ کی طرز پر مقابلوں کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں دوسرے کیمپوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ ہمارے کیمپ میں بھی بڑے زور شور سے تیاریاں ہورہی تھیں۔ میں بھی ان مقابلوں میں حصہ لے رہا تھا۔ اپنے لڑکوں کے علاوہ دوسرے کیمپوں کے لڑکوں سے بھی میرے مقابلے ہوئے تھے۔ یکمی فائنل میں چار کیمپوں کے لڑکے آئے تھے۔ میں نے اپنے حریف کو بہت آسانی سے ناک آؤٹ کرکے فائنل کے لیے کوالیفائی کرلیا تھا۔ دلچسپی کی بات یہ تھی کہ میں نے اب تک جتنے بھی مقابلے جیتے تھے' ناک آؤٹ کی بنیاد پر ہی جیتے تھے۔ میرے مقابلے میں دوسری طرف سے فائنل میں آنے والے لڑکے کا تعلق ماسٹر مشی یانگ کے کیمپ سے تھا۔ وہ شاؤلن ٹمپل کا بہترین مارشل آرٹسٹ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ریکارڈ میں شکست نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اپنی دو سالہ ٹریننگ کے دوران میں وہ کبھی کوئی مقابلہ نہیں ہارا تھا۔

ماہانہ مقابلوں میں وہ آٹھ مرتبہ چیمپئن رہ چکا تھا۔ باقی مقابلوں میں اس نے حصہ نہیں لیا تھا۔

ماسٹر ینگ پائی کو شاؤلن ٹمپل کا سب سے معزز اور سب سے قابلِ احترام استاد سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے تمام ماسٹر بھی اس کا بے حد احترام کرتے تھے۔ فائنل والے روز بھی شاؤلن کے تمام کیمپوں کے ماسٹرز کو مدعو کیا گیا تھا اور حقیقت یہ تھی کہ اس روز ہمارے جمنازیم میں تل دھرنے تک کی جگہ نہیں تھی۔

پہلے چند چھوٹے نمائشی مقابلے ہوئے اور پھر ہمارے مقابلے کا اعلان ہوا۔ میرا حریف ہوشین قد میں مجھ سے دو تین انچ نکلتا ہوا تھا۔ جسمانی لحاظ سے بھی وہ مجھ سے زیادہ مضبوط اور زیادہ طاقت ور تھا مگر یہ مقابلہ جسمانی طاقت کے مظاہرے کا نہیں ٹیکنیکس کے استعمال کا تھا اور میں جانتا تھا کہ کامیابی اسی کے حصے میں آئے گی جو بہتر ٹیکنیک استعمال کرے گا۔

مقابلہ شروع ہوتے ہی حریف نے مجھ پر تابڑ توڑ حملے شروع کردیے۔ وہ چوپس' پنچس اور ککس کا بڑی بے رحمی سے استعمال کررہا تھا۔ اس کی پھرتی بھی قابلِ تعریف تھی۔ میرے خیال میں اس کی اب تک کی کامیابیوں کا راز یہی تھا۔ اس

کی فائٹنگ ٹیکنیک یہی تھی کہ اپنے حریف کو شروع ہی سے دباؤ میں رکھا جائے۔ جبکہ میری فائٹنگ ٹیکنیک اس سے مختلف تھی۔ میں شروع میں دفاعی انداز اختیار کرکے اپنے حریف کو تھکاتا تھا اور پھر اس طرح حملہ آور ہوتا تھا کہ اسے سنبھلنے کا موقع نہ ملے۔ اس وقت بھی میں یہی ٹیکنیک اپنائے ہوئے تھا۔

یہ مقابلہ بارہ راؤنڈ کا تھا۔ پہلے راؤنڈ میں وہ دو پوائنٹس لے گیا۔ دوسرے راؤنڈ میں مجھے ایک پوائنٹ ملا۔

دسویں راؤنڈ میں ہم دونوں کے پوائنٹ برابر تھے۔ مقابلہ خاصا سنسنی خیز تھا۔ لوگ پوری طرح محظوظ ہو رہے تھے۔ رنگ کے چاروں طرف کھڑے ہوئے کراٹے کاز چیخ چیخ کر ہمیں داد دے رہے تھے اور ہماری حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

گیارھواں راؤنڈ شروع ہوتے ہی میں نے پوری شدت سے اس پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا۔ وہ دو مرتبہ نیچے گرا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا تھا۔ اس پر جنون کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اس قسم کے مقابلوں میں جب کسی ایک میں جنون آجائے تو اس کے حوصلے پست ہونے لگتے ہیں۔ وہ قواعد و ضوابط کو نظرانداز کرکے ہر جائز و ناجائز طریقے سے حریف کو شکست دینے کی کوشش کرتا ہے۔

مجھے بھی اپنے حریف میں شکست کے آثار نظر آرہے تھے۔ جبکہ میرے ہونٹوں پر اشتعال دلانے والی مسکراہٹ تھی۔ وہ ایک بار پھر سنبھل گیا۔ اس نے میرے سامنے کھڑے ہو کر اسٹانس بنالیا۔ میری نظر کبھی اس کے ہاتھوں پر جاتی اور کبھی پیروں پر اور پھر میرے ہونٹوں پر ایک مار پھر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اس کے پیروں کا الائنمنٹ درست نہیں تھا۔ پیروں کی چوڑائی ہمیشہ کندھوں کی چوڑائی سے ڈیڑھ گنا رکھنی چاہیے اور جسم بالکل سیدھا تنا ہوا ہو۔ معمولی سا فرق ہمیشہ اپنے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ اگر جسم آگے کو یا پیچھے کو ذرا سا جھکا ہوا ہو تو نہ صرف اپنے دفاع بلکہ حملہ آور ہونے کی صلاحیت بھی کم ہو جاتی ہے اور میں نے اپنے حریف میں یہ خامی نوٹ کرلی تھی۔ وہ جیسے ہی پنچ مارنے کو حرکت میں آیا، میں بڑی پھرتی سے نیچے جھک گیا اور اسے ٹانگوں سے پکڑ کر اپنے اوپر سے اچھال دیا۔ وہ بھد کی آواز سے پشت کے بل گرا لیکن اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔

اور اس مرتبہ شاید وہ اپنے حواس ہی کھو بیٹھا تھا۔ وہ ہر قیمت پر مجھے شکست دینا چاہتا تھا اور اس کے لیے اس نے فائٹنگ کا ہر اصول نظرانداز کردیا تھا۔ ریفری بار بار چیخ کر اسے وارننگ دے رہا تھا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور پھر اچانک اس نے اپنے لباس میں چھپا ہوا خنجر نکال لیا اور ہوا میں سر سے بلند کرکے حملہ آور ہوا۔

لوگوں میں شور مچ گیا۔ ایک دو چیخیں بھی سنائی دیں۔ خنجر دیکھ کر ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوا۔ میں پہلے ہی طرح پُرسکون اور مطمئن تھا۔ اس کا ہاتھ جیسے ہی حرکت میں آیا، میں نے بڑی تیزی سے چہرے کے سامنے دونوں کلائیوں کا کراس بنالیا اور پھر اس کا بازو جیسے ہی کراس سے ٹکرایا میں نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں کو پشت سے ملالیا۔ یہ میرے بازوؤں کا آہنی شکنجہ تیار ہو گیا تھا اور میرے حریف کا بازو اس شکنجے میں پھنس گیا تھا۔

وہ اپنے بازو کو زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا مگر میرے شکنجے کی گرفت سخت سے سخت تر ہوتی جارہی تھی۔ میرے دونوں پیروں کا الائنمنٹ بھی بالکل درست تھا۔ کمر کے ہونے کے اس انداز سے بھی مجھے اپنی اس سیزرز ہینڈ ہولڈنگ ٹیکنیک میں بڑی مدد مل رہی تھی۔ یوں سمجھئے کہ پیروں کی قوت بھی پورے جسم میں سرایت کرتی ہوئی میرے بازوؤں کے اگلے حصوں میں سمٹ آئی تھی۔

میرا حریف اپنے بازو کو زور زور سے جھٹکے دیتا رہا لیکن میں نہ تو اپنی جگہ سے ہلا اور نہ ہی میری گرفت ڈھیلی پڑی۔ اس میں مزید سختی آتی گئی۔

حریف کی آنکھوں میں الجھن سی تیرنے لگی اور پھر الجھن وحشت میں بدلتی گئی۔ اس کے چہرے پر بھی کرب کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔

تماشائی اب بالکل خاموش تھے۔ اس طرح سناٹا چھا گیا تھا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ سب مارشل آرٹسٹ تھے۔ ان میں سے بہت سوں نے یہ سیزرز ہینڈ ہولڈنگ ٹیکنیک سیکھی ہوگی۔ مگر اس کا عملی مظاہرہ آج پہلی مرتبہ دیکھ رہے تھے اور وہ بھی اس انداز میں کہ میرا حریف مجھے قتل کرنے پر تلا ہوا تھا۔ میرے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ خنجر میرے سینے میں پیوست ہو سکتا تھا۔

میں نے پہلی مرتبہ یل کرتے ہوئے اپنے بازوؤں کے شکنجے کو مزید کسا۔ اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ حریف کی گرفت کھلتی چلی گئی اور خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر میرے پیروں کے قریب لکڑی کے فرش میں نوک کے بل پیوست ہو گیا۔

تماشائیوں میں ایک مرتبہ شور مچا اور پھر یکلخت خاموشی چھا گئی۔ حریف نے اپنا آزاد ہاتھ میرے بازوؤں پر اور میری گرفت ڈھیلی کرانے کے لیے جھٹکے دینے لگا۔

میں نے ایک بار پھر بل کیا اور جسم کی پوری قوت ایک بار پھر بازوؤں کے شکنجے میں منتقل کردی۔ کڑک کی آواز ابھری جو لوگوں نے بھی سنی۔ یہ حریف کے بازو کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے خوفناک چیخ بھی نکل گئی تھی۔ میں نے بائیں طرف جھکتے ہوئے زوردار جھٹکا دے کر اپنے ہاتھ کھول دیئے۔

میرا حریف دائیں پہلو پر نیچے گرا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنا شکستہ بازو پکڑلیا اور فرش پر ایڑیاں رگڑنے لگا۔

لوگ شور مچا رہے تھے۔ میرے نام کے نعرے لگا رہے تھے۔ ریفری نے میرے حریف پر جھک کر گنتی شروع کردی مگر میرے حریف میں اب اتنی سکت نہیں تھی کہ اٹھ کر میرے سامنے کھڑا ہوسکتا۔ ریفری نے دس کہا اور سیدھے ہو کر میرا ہاتھ اوپر اٹھادیا۔

جمنازیم شور کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ رنگ کے اطراف میں کھڑے ہوئے لوگ دوڑ کر اندر آگئے۔ مجھ تک پہنچنے والا سب سے پہلا شخص کوچی تھا۔ اس نے مجھے کندھوں پر اٹھالیا۔ میرے دوست خوشی سے ناچ رہے تھے۔ میرے حریف کے حمایتی اسے اٹھا کر باہر لے گئے تھے۔

بے بورے رنگ کا چکر لگانے کے بعد کوچی نے مجھے ماسٹر ہنگ پائی کے سامنے اتار دیا۔ ماسٹر ہنگ پائی اور دوسرے تمام ماسٹرز بھی کھڑے ہوگئے تھے۔ میں نے تمام ماسٹرز کو بو کیا۔ ماسٹر ہنگ پائی نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے آشیرباد دی اور جب میں سیدھا ہوا تو ماسٹر کیشی یان نے مجھے گلے سے لگالیا۔ یہ اس کی محنت کا اعجاز تھا کہ آج مجھے ایک بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ یہ شاؤلن ٹیمپل میں میری پہلی باقاعدہ فائٹ تھی جس میں' میں سرخ رو ہوا تھا۔

اس ہنگامے کے بعد ہمارے کیمپ کے ان اسٹوڈنٹس میں ڈگریوں کی تقسیم کا سلسلہ شروع ہوا جنہوں نے اس میچ میں کامیابی حاصل کی تھی۔ ماسٹر ہنگ پائی اپنے ہاتھ سے ڈگریاں دے رہے تھے۔ سب خوش تھے۔ کامنی بھی بہت خوش تھی۔ اسے فورڈان کی ڈگری دی گئی تھی۔

کامنی اس رات واپس جانے کے بجائے ہمارے ہی پاس رہ گئی تھی۔ پہلے تو کوچی اور دو تین اور لڑکے بھی ہمارے پاس بیٹھے رہے۔ ایک بجے کے قریب وہ چلے گئے۔ ہم اس کے بعد بھی جاگتے رہے۔ آج رات تو سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کامنی کی خوشی قابلِ دید تھی۔ اس نے شاؤلن ٹیمپل کا جو خواب دیکھا تھا' آج اس کی تعبیر مل گئی تھی۔ دوسری طرف جانگی بھی میری کامیابی پر پھولے نہیں سما رہی تھی۔ وہ بار بار مجھے اپنے ساتھ لپٹا رہی تھی اور میرا منہ چوم رہی تھی اور پھر یکایک مجھے تھائی یاد آگئی۔ وہ آج زندہ ہوتی تو کتنی خوش ہوتی۔ تھائی کی یاد آتے ہی میرے چہرے پر افسردگی سی چھاگئی۔

چیکو بھی میری کامیابی پر بے پناہ خوش تھی۔ اس نے بھی ایک مرتبہ میرے گال پر بوسہ دیا اور پھر اٹھ کر والہانہ انداز میں رقص کرنے لگی۔ وہ بہت اچھی رقاصہ تھی۔ وہ دیر تک ناچ کر اپنی خوشی کا اظہار کرتی رہی۔

ہم صبح چار بجے کے قریب سوئے تھے اور جب بیدار ہوئے تو باہر تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ میں جلدی سے اٹھ کر باہر آگیا۔ کوچی کو دیکھ کر میں نے قدرے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے ہمیں جگایا نہیں کوچی۔"

"آج چھٹی ہے۔ جمنازیم بند ہے۔" کوچی نے جواب دیا "اور تم اپنی پریکٹس کے سلسلے میں پریشان مت ہو۔ ماسٹر ہنگ پائی نے کہا تھا کہ تمہیں سونے دیا جائے۔"

"اوہ۔ ٹائم کیا ہوا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"دس بج رہے ہیں۔ تم لوگ جلدی سے تیار ہوجاؤ میں ناشتا لے کر آرہا ہوں۔" کوچی کہتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ناشتا کر کے کامنی چلی گئی۔ ناشتے کے دوران میں ہی اس نے اپنا ہندوستان واپسی کا پروگرام بنایا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ آج کا دن شاؤلن میں رہے گی۔ تیاری مکمل کر کے وہاں اپنے دوستوں سے ملے گی اور کل شاؤ یانگ چلی جائے گی جہاں سے کن منگ روانہ ہوجائے گی اور وہاں سے ہندوستان کے لیے ہوائی جہاز پر سوار ہوجائے گی۔

ہم نے اس رات کامنی کے لیے ایک چھوٹی سی الوداعی پارٹی کا پروگرام بنالیا۔ اس پارٹی میں میرے اور جانگی کے علاوہ کوچی بھی شریک تھا اور اس پارٹی کا اہتمام شاؤلن کی ایک ریسٹورنٹ میں کیا گیا تھا اور پھر وہیں بیٹھے بیٹھے پروگرام بن گیا کہ کل ہم سب کامنی کو شاؤ یانگ تک چھوڑنے جائیں گے۔

اگلے دن ہم شاؤ یانگ پہنچ گئے۔ پروگرام کے مطابق کامنی کو وہ دن بھی وہیں گزارنا تھا۔ اسے اپنے عزیزوں کے لیے کچھ چھوٹے موٹے تحائف بھی خریدنے تھے۔ کوچی ہمیں چیانگ شاؤ کے بنگلے پر لے گیا۔ حاشی بھی اس وقت وہیں پر ہی موجود تھی۔ وہ دونوں میاں بیوی ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کامنی کو مبارک باد دی اور پھر چیانگ شاؤ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا کہ میں اس روز تمہارا مقابلہ نہیں دیکھ سکا۔ سنا ہے بہت سنسنی خیز مقابلہ تھا۔ یہاں ہر طرف تمہارے ہی نام کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ کاش میں وہ مقابلہ دیکھ سکتا۔"

"وہ مقابلہ دیکھنے میں میرا کوئی کمال نہیں تھا۔" میں نے جواب دیا "یہ تو تم جیسے سچے اور کھرے دوستوں کی دعائیں ساتھ تھیں کہ میں اپنے سے زیادہ طاقت ور حریف کو شکست دینے میں کامیاب ہوسکا۔"

"دیکھا چیانگ شاؤ۔" حاشی شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "اس کو کہتے ہیں عظمت اور بڑائی۔ ایک تم ہو کہ بلیک بلٹ لے کر ہی اکڑتے پھر رہے ہو۔"

چیانگ شاؤ کھسیا کر رہ گیا۔ اس وقت ہم وسیع ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ملازمہ نے ہمارے سامنے چائے رکھ دی۔ میرا اس وقت چائے کا موڈ نہیں تھا۔۔۔ اتفاق سے میرا کپ بھی بھرا ہوا تھا۔ حاشی میز کے دوسری طرف بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا کپ آدھا تھا۔ اس وقت میں نجانے یہ کیوں سوچنے لگا کہ کاش! وہ آدھا کپ میرے سامنے آجاتا۔

اتفاق سے میری نظریں حاشی کے سامنے رکھے ہوئے کپ پر ہی مرکوز تھیں۔ اچانک طشتری میں رکھا ہوا وہ کپ آہستہ آہستہ تھرتھرانے لگا اور پھر وہاں جو کچھ بھی ہوا' وہ سب کے لیے ہی حیرت انگیز تھا۔

وہ کپ سارے سمیت سینٹر ٹیبل کے شیشے پر پھسلتا ہوا میری طرف آنے لگا۔ لگتا تھا جیسے کوئی نادیدہ قوت اسے آہستہ آہستہ میری طرف سرکا رہی ہو۔ میری نظریں اب بھی کپ پر مرکوز تھیں اور مجھے بھی یوں لگ رہا تھا جیسے اس کپ کے علاوہ دنیا کی ہر چیز میری نظروں سے غائب ہوچکی ہو۔

وہ کپ میرے سامنے رکھے ہوئے کپ کے قریب آکر رک گیا۔ میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ میری کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں۔ دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔

کبھی وہ سب لوگ مجھے پھٹی پھٹی سی نظروں سے کبھی کپ کو اور کبھی مجھے دیکھ رہے تھے۔ ایسا حیرت انگیز واقعہ انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا اور میں حواس میں آگیا۔ میں نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اپنا کپ حاشی کے سامنے سرکا دیا۔

"میں اتنی زیادہ چائے نہیں پی سکتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وجدان۔" کامنی میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی "تمہیں شاید احساس نہیں۔ جانتے ہو ابھی یہاں کیا ہوا ہے؟"

مجھے شاید واقعی احساس نہیں تھا اور جب جانگی نے اس کپ کے بارے میں بتایا تو میں خود بھی حیرت سے اچھل پڑا تھا۔ میں نے دل میں آدھا کپ چائے پینے کی خواہش کی تھی اور حاشی والا کپ میز پر خود بخود سرکتا ہوا میرے سامنے آگیا۔ اس وقت اگرچہ آخر تک میری نظریں کپ پر ہی مرکوز رہی تھیں لیکن مجھے اس کا قطعی احساس نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔

چی۔۔۔! میرے ذہن میں خیال ابھرا اور میں اچھل پڑا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ ہونے لگی اور پورے جسم میں سنسنی سی پھیلتی چلی گئی۔ اگر چائے کا وہ کپ میری نظروں کے اشارے سے حرکت میں آیا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ میری محنت اور ریاضت بار آور ثابت ہو رہی تھی۔

میں نے ایک بار پھر نظریں حاشی کے سامنے رکھے ہوئے اس کپ پر مرکوز کردیں جو میں نے اس کی طرف سرکایا تھا۔

میں تصور کرتا رہا کہ میری آنکھوں سے مقناطیسی لہریں خارج ہو کر کپ سے ٹکرا رہی ہیں اور اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔ مگر کپ نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ آنکھوں میں شدید جلن ہونے لگی۔ میں نے کپ پر سے نظریں ہٹالیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ میرے چہرے پر مایوسی چھاگئی۔

سب لوگ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنے سامنے رکھا ہوا چائے کا کپ اٹھالیا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ کپ کی اپنی جگہ سے حرکت کرنے والی کوئی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی لیکن جانگی شاید معاملے کی تہ تک پہنچ چکی تھی۔ وہ گہری نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی لیکن بولی کچھ نہیں۔

دن کا بیشتر حصہ ہم نے شہر میں گھومتے ہوئے گزارا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں شاؤ یانگ میں اس طرح آزادی سے گھوم پھر رہا تھا۔

وہ رات بھی ہم نے چیانگ شاؤ کے بنگلے پر گزاری۔ ایک مرتبہ موقع پاکر میں نے چیانگ شاؤ سے ہکسیان کے بارے میں بھی دریافت کیا تھا مگر اس نے مسکرا کر بات ٹال دی تھی۔

اگلے روز صبح سویرے کامنی کو بس پر بٹھا کر ہم لوگ شاؤلن واپس آگئے۔ اپنے کمرے میں آتے ہی جانگی میرے سامنے بیٹھ گئی۔ چند لمحے گہری نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر سرسری سی آواز میں بولی۔

"وجدان۔ چائے کی پیالی کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا۔ کیا وہ۔۔۔"

"میں تو خود بھی نہیں سمجھ سکا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "کچھ عجیب سی بات ہوئی تھی۔ میرے سامنے جو کپ رکھا گیا تھا' وہ لبالب بھرا ہوا تھا اور میرا چائے کا موڈ بھی نہیں تھا۔ حاشی کے سامنے رکھا جانے والا کپ آدھا تھا۔ اس کپ کو دیکھ کر بے اختیار میرے دل میں یہ خواہش ابھری تھی کہ کاش وہ آدھا کپ میرے سامنے آجاتا۔ اور پھر میں نے اس کپ کو اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے بعد مجھے کچھ پتا نہیں چل سکا کہ وہ کپ میرے سامنے کیسے آگیا۔"

"اس دوران میں تمہاری نظریں کپ پر مرکوز رہی تھیں؟" جانگی نے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن۔۔۔"

"یہ چی کی پاور تھی۔" جانگی نے میری بات کاٹ دی "تمہارے دل میں اس کپ کو حاصل کرنے کی خواہش ابھری تھی۔ اس وقت چی کی قوت تمہاری آنکھوں میں سمٹ آئی تھی اور وہ کپ تمہاری نظروں سے تمہاری طرف کھنچتا چلا آیا۔"

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو مگر۔۔۔"

"یقیناً ایسا ہی تھا۔" جانگی نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی "تمہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری محنت بار آور ثابت ہو رہی ہے۔"

"لیکن میں نے دوبارہ یہ کوشش کی تھی کہ نظروں کی قوت سے دوسرے کپ کو اپنی طرف کھینچ سکوں مگر کچھ نہیں ہوا تھا۔" میں نے کہا "ہو سکتا ہے پہلے کپ کا اپنی جگہ سے سرکنا محض اتفاق رہا ہے۔ وہ میز شیشے کی تھی۔ ہو سکتا ہے سارا سرگیلی ہو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی گیلی پلیٹ یا ایسی کوئی چیز کسی چکنی سطح والی جگہ پر رکھی جائے تو اس کے نیچے ہوا بھر جاتی ہے جو اس چیز کو حرکت میں لے آتی ہے۔ ممکن ہے کل بھی ایسا ہی ہوا ہو۔"

"مانتی ہوں۔" جانگی نے کہا "ایسا ہو سکتا ہے لیکن ایسی صورت میں وہ چیز اپنی جگہ سے ایک دو سینٹی میٹر کے فاصلے تک ہی حرکت کر سکتی ہے جبکہ وہ کپ میز پر پھسلتا ہوا تقریباً اٹھارہ انچ کا فاصلہ طے کر کے تمہارے سامنے پہنچ گیا تھا اور پھر اس کپ نے تمہاری طرف ہی حرکت کیوں کی۔ وہ کسی اور طرف کیوں نہیں پھسلا!" جانگی چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "کسی وہم کو دل میں جگہ مت دو۔ وہ محض اتفاق نہیں تھا۔ وہ تمہاری چی کی قوت کا اعجاز تھا۔ تم نے وہ کپ حاصل کرنے کی خواہش کی۔ چی کی قوت تمہاری آنکھوں میں سمٹ آئی اور تمہاری نظروں نے اس کپ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ تمہاری محنت رنگ لا رہی ہے۔ اپنی پریکٹس جاری رکھو۔"

ہم دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ ہیکی خاموشی سے سب کچھ سن رہی تھی۔ اسے مارشل آرٹ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ چی کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی تھی اور ظاہر ہے کوئی بات اس کے پلے نہیں پڑ رہی تھی اس لیے اس نے ہماری باتوں میں مداخلت بھی نہیں کی تھی۔

اس روز میں نے ماسٹر لیشی یان سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"خوش قسمت ہو۔" وہ بولا "بہت کم عرصے میں تم مراقبہ کو چھونے لگے ہو اور یہ سب تمہاری سچائی' فن سے لگن اور محنت کا نتیجہ ہے۔ میں تمہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

اور پھر اگلے روز ماسٹر ہنگ پائی نے بھی اس کی تصدیق کر دی کہ میرے اندر چی کی قوت بیدار ہو رہی تھی۔ اس قوت کو کنٹرول میں کرنے کے لیے اب مجھے زیادہ محنت اور ریاضت کی ضرورت تھی۔

چند ہفتے اور گزر گئے۔ میری پریکٹس جاری رہی۔ اس دوران میں شاؤلن میں میرے باقاعدہ مقابلے بھی ہوتے رہے۔ مجھے ناقابلِ تسخیر قرار دے دیا گیا تھا۔ کوئی مارشل آرٹسٹ میرے سامنے ایک منٹ سے زیادہ نہیں ٹک سکتا تھا۔

ایک روز اس طرح کا ایک اور واقعہ پیش آیا بلکہ میں اسے حادثہ ہی کہوں گا۔ شاؤلن میں ایک نیا جمنازیم بنایا جا رہا تھا۔ عمارت زیرِ تعمیر تھی میٹریل ناقص تھا یا کوئی اور وجہ' عمارت گر پڑی۔ کام کرنے والے مزدور ملبے کے نیچے دب گئے۔ چیخ و پکار کی آواز سن کر لوگ دوڑ پڑے اور ملبے تلے دبے ہوئے مزدوروں کو نکالنے لگے۔

میں بھی اس وقت جانگی کے ساتھ قریب ہی موجود تھا۔ ہم دونوں بھی دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ عجیب روح فرسا منظر تھا۔ خون میں لت پت زخمی مزدوروں کو نکالا جا رہا تھا۔ دو مزدور ایک آہنی گارڈر کو ہٹانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ مگر اوپر سیڑھیوں من ملبا ہونے کی وجہ سے گارڈر نے اپنی جگہ سے ایک انچ بھی حرکت نہیں کی۔

میں نے لوگوں کو ہٹا دیا اور جھک کر صرف ایک ہاتھ سے آہنی گارڈر کو اوپر اٹھانے لگا۔ گارڈر اوپر اٹھتا چلا گیا۔

نیچے دبے ہوئے دو مزدوروں میں سے ایک مر چکا تھا اور دوسرا شدید زخمی تھا۔ اگر وہ زندہ بچ بھی گیا تو زندگی بھر اپنا پیر ہلانے کے قابل نہیں تھا۔

میں اس وزنی گارڈر کو اب بھی ایک ہاتھ سے اٹھائے کھڑا تھا۔ مجھے قطعاً احساس ہی نہیں تھا کہ میں نے کوئی بوجھ اٹھا رکھا ہے۔ بس یوں لگ رہا تھا جیسے کسی درخت کی جھکی ہوئی پتلی سی شاخ کو اس کی جگہ سے ہٹا رکھا ہے۔ آس پاس کھڑے ہوئے لوگ حیرت سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ جس آہنی گارڈر کو دس بارہ آدمی مل کر بھی حرکت نہیں دے سکے تھے' اسے میں نے بڑے اطمینان سے ایک ہاتھ سے کئی فٹ اوپر اٹھا دیا تھا۔

"وجدان۔" جانگی کی سرسراتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی "مزدوروں کو نکال لیا گیا ہے۔ گارڈر چھوڑ دو۔"

میں نے گارڈر ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ لوگ پھٹی پھٹی سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ جانگی مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچتی ہوئی وہاں سے دور لے گئی۔ اور ایک جگہ رک کر بڑی عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"اب اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ تم اپنے اندر مخفی چی کی اس پُراسرار قوت پر قابو پا چکے ہو۔ اور تم اسے اپنی مرضی سے استعمال کر سکتے ہو۔" جانگی کہہ رہی تھی "دنیا میں دو چار لوگ ہی ایسے ہوں گے جنہوں نے اس فن میں اس قدر کمال حاصل کیا ہو۔ اس پُراسرار قوت سے بہت بڑے کام لیے جا سکتے ہیں۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اسے کس طرح استعمال کرتے ہو۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں جانگی۔" میں نے کہا "اطمینان رکھو۔ میں اس قوت کا غلط استعمال نہیں کروں گا۔"

گری ہوئی عمارت کے قریب اب بھی لوگوں کا ہجوم تھا۔ ہم وہاں سے بہت دور آکر ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے۔ گرم گرم کافی اس وقت مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی اور شاید میں اس کی طلب بھی محسوس کر رہا تھا۔

میں نے ایک اور بات خاص طور پر نوٹ کی تھی۔ پہلی مرتبہ چیانگ شاؤ کے گھر پر چائے کے کپ والا واقعہ پیش آیا تھا تو میری کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں اور میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے تھے اور اس وقت مجھے احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ لاشعوری طور پر مجھ سے کیا حرکت سرزد ہوئی ہے لیکن آج وہ کیفیت نہیں تھی۔ میں ذہنی طور پر بالکل پُرسکون تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے' وہ لاشعوری طور پر نہیں ہوا تھا بلکہ مجھے اس حقیقت کا پوری طرح ادراک تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔

اس رات میں دیر تک نہیں سو سکا تھا۔ آج کے واقعے اور اندر کی اس مخفی اور پُراسرار قوت کے بارے میں سوچتا رہا جس پر میں قابو پا چکا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں نے اس کے لیے بڑی محنت کی تھی۔ بڑی ریاضت کی تھی۔ بڑے کٹھن مراحل سے گزرا تھا مگر میری اس کامیابی میں مہاراج' ماسٹر ہوچن' دوسرے انسٹرکٹرز ماسٹر لیشی یان اور سب سے زیادہ ماسٹر ہنگ پائی کا دخل تھا۔ ان سب کی توجہ اور محنت سے ہی میں اس مقام تک پہنچ سکا تھا۔

اس دوران میں دوسری طرف سے بھی غافل نہیں رہا تھا۔ کوچی میرا بہترین دوست بن گیا تھا اور اس کے ذریعے مجھے اِدھر اُدھر کی معلومات حاصل ہوتی رہتی تھیں۔ مائیکل اور ٹروڈر کا بندوبست کرنے کے بعد اگرچہ شاؤلن میں ہیروئن کی سپلائی رُک گئی تھی اور شانتی جس نے پانچ چھ ہفتوں تک ہیروئن استعمال کی تھی' وہ بھی علاج سے مکمل طور پر صحت یاب ہو کر معمولات کی سرگرمیوں میں حصہ لے رہی تھی۔

اور پھر ایک روز وہ بھی اپنا کورس مکمل کر کے تھائی لینڈ واپس چلی گئی۔ اس نے مجھے بنکاک کا ایڈریس بھی دیا تھا اور بہت اصرار کیا تھا کہ اگر میں بنکاک آؤں تو اس سے ضرور ملوں۔ ایسی ہی دعوت مجھے اور جانگی کو کامنی نے بھی دی تھی۔ اس نے جے پور میں اپنے ماما کا ایڈریس دیا تھا اور تاکید کی تھی کہ میں جب بھی ہندوستان آؤں' اس سے ضرور ملوں۔

جن دنوں ہم نے بکسیان اور پھر بعد میں ٹروڈر اور مائیکل کو پکڑا تھا ان دنوں میگا غائب ہو گیا تھا۔ ان تینوں کی کہانی تو ختم ہو گئی تھی مگر میگا کے بارے میں ایک بار پھر کچھ باتیں سننے میں آرہی تھیں۔ کوچی کی اطلاع کے مطابق وہ شاؤ یانگ میں کسی جگہ موجود تھا اور اس نے کچھ لوگوں کو میرے پیچھے بھی لگا دیا تھا جو مجھے نقصان پہنچانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔

یوں تو شاؤلن میں میرے بہت سے دوست بن گئے تھے

مگر دشمنوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی۔ ہر وہ شخص میرا دشمن تھا جو میری کامیابیوں سے جلتا تھا یا مجھ سے شکست کھا چکا تھا۔ ان میں ہوشین کا نام سرِفہرست تھا جو مقابلے میں مجھ سے اپنا بازو تڑوا بیٹھا تھا۔ اس کے بازو پر ابھی تک پلستر چڑھا ہوا تھا۔ اُس کا شمار ان لوگوں میں کیا جاسکتا تھا جو کھیل کے میدان میں تو اترتے تھے مگر ان میں اسپورٹس مین اسپرٹ نہیں تھی۔ یہ صرف جیتنا چاہتے تھے۔ شکست تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ ہار کو یہ اپنی اَنا کا مسئلہ بنالیتے تھے اور جیتنے والے کو اپنا بدترین دشمن سمجھنے لگتے تھے اور اپنے اوچھے ہتھکنڈوں سے اسے نقصان پہنچانے کے لیے موقع کی تاک میں رہتے تھے۔

یہی سب کچھ اس روز بھی ہوا تھا۔ ہوشین بہت اچھا مارشل آرٹسٹ تھا' اس نے کبھی شکست نہیں کھائی تھی۔ اس روز میرے ساتھ ہونے والا مقابلہ بھی بڑا سنسنی خیز تھا۔ اس نے مجھے زیر کرنے کے لیے کچھ بہت عمدہ قسم کی ٹیکنیکس بھی استعمال کی تھیں لیکن پھر اس پر جنون طاری ہوگیا اور وہ اپنے حواس کھو بیٹھا۔ اگر وہ خنجر سے حملہ کرنے کے بجائے ہوش و حواس میں رہ کر اپنی کوشش جاری رکھتا تو شاید پوائنٹس پر مجھے شکست دینے میں کامیاب بھی ہوجاتا لیکن وہ تو پہلے سے طے کرکے آیا تھا مجھے ہر حالت میں زیر کرنا ہے۔ دسویں راؤنڈ میں ہمارے پوائنٹس برابر ہوگئے تھے اور اسے یہ خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ اب میں اسے زیر کرلوں گا تو اس نے لباس میں چھپایا ہوا خنجر نکال لیا تھا۔

وہی ہوشین اب میرا سب سے بڑا دشمن تھا اور اب میگا ایک بار پھر میدان میں اتر آیا تھا۔ وہ اگرچہ خود پس منظر میں تھا مگر اس نے اپنے کچھ گرگے میرے پیچھے لگا دیے تھے۔ وہ مجھے ہر صورت میں گولڈن ٹرائی اینگل لے جانا چاہتا تھا۔

ماسٹر ہینگ پائی بھی اس صورتِ حال سے آگاہ تھا۔ اس کی ہدایت پر ماسٹر لیسی یان نے میری حفاظت کا بندوبست اس طرح کردیا تھا کہ دو تین لڑکے دور رہ کر میری نگرانی کرنے لگے تھے۔ کسی مشتبہ شخص کو میرے قریب دیکھ کر وہ منڈلاتے ہوئے میرے قریب آجاتے۔

انہی دنوں کچھ اور اسٹوڈنٹس نے ہمارے جمنازیم میں داخلہ لیا تھا۔ ان میں ہوشنگ نام کی ایک چینی لڑکی بھی تھی۔ اس کی عمر بائیس تیئس کے لگ بھگ رہی ہوگی اور وہ فان کنگ کی رہنے والی تھی۔ دوسرے شہروں یا غیر ممالک سے آنے والے عام طور پر پیسے کے معاملے میں پریشان رہتے تھے۔ وہ ایک ایک پائی سوچ سمجھ کر خرچ کرتے تھے۔ خرچ بچانے کے لیے ایک ایک کمرے میں کئی کئی لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے ہی رہتے تھے۔ لیکن ہوشنگ دولت مند باپ کی بیٹی تھی۔ اسے اخراجات کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ اس نے عبادت گاہ والی پہاڑی کے دامن میں ایک مختصر سا کاٹیج کرائے پر لے لیا تھا جہاں وہ اکیلی ہی رہتی تھی۔

ہوشنگ نے پہلے چیکو سے دوستی کی پھر جانگی سے تعلقات بڑھائے اور پھر مجھ سے بھی بے تکلف ہونے کی کوشش کرنے لگی لیکن نجانے کیا بات تھی کہ میں اس سے بات کرتے ہوئے ذرا ریزرو ہی رہتا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ کبھی بے تکلفانہ انداز میں بات چیت بھی نہیں کی تھی۔ وہ جانگی سے میرے بارے میں کُرید کُرید کر پوچھتی رہتی۔ وہ میرا بہت احترام کرتی تھی۔ کبھی تو یوں لگتا جیسے وہ مجھ سے بہت مرعوب ہو اور کبھی اس طرح باتیں کرنے لگتی جیسے میں اس کا بہت پرانا اور بے تکلف دوست ہوں۔

ہوشنگ عام طور پر صبح کی کلاس میں آیا کرتی تھی لیکن پھر اس نے کلاس بدل لی اور شام کی کلاس میں آنے لگی۔ ایک روز کلاس ختم ہونے کے بعد وہ جانگی اور چیکو کے ساتھ ہمارے کمرے میں آگئی اور دیر تک باتیں کرتی رہی اور جب وہ واپس جانے لگی تو معلوم ہوا کہ شاؤلن سے آنے والے تمام لڑکے جاچکے تھے اور کوئی ایسا لڑکا نہیں تھا جو اسے اس کے کاٹیج تک پہنچا سکتا۔

اس وقت رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ راستہ سنسان تھا۔ وہ اکیلے جاتے ہوئے کچھ گھبرا رہی تھی اس لیے میں اور جانگی اس کے ساتھ چل دیے۔

اس کا کاٹیج عبادت گاہ والی پہاڑی کے دامن میں واقع تھا۔ دوسرا قریب ترین کاٹیج بھی وہاں سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھا۔ کاٹیج کے آس پاس درختوں کی بہتات تھی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ ہوشنگ کیمپ سے اکیلی آتے ہوئے ڈر رہی تھی اور یہاں سنسان جگہ پر اکیلی رہتی تھی۔

دو کمروں پر مشتمل کاٹیج ضرورت کی ہر چیز سے آراستہ تھا۔ ایک بیڈ روم تھا اور دوسرے کو سٹنگ روم کے طور پر استعمال کیا جارہا تھا۔ فرنیچر اور دیگر سامان دیکھ کر اس کی امارت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ ہوشنگ نے بتایا کہ اس نے یہ فرنیچر شاؤیانگ سے منگوایا تھا جب اپنی ٹریننگ مکمل کرکے واپس جائے گی تو یہ فرنیچر یہیں چھوڑ جائے گی۔

خوش ذائقہ مشروب سے تواضع کیے بغیر اس نے ہمیں واپس نہیں آنے دیا تھا۔ واپسی پر میں اور جانگی اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ ہوشنگ فان کنگ کے ایک

ان مند گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ محض شوقیہ طور پر
ن سیکھ رہی تھی۔ بلیک بیلٹ اس نے فان کنگ ہی کے
ل آرٹ کلب سے حاصل کیا تھا اور مزید تربیت
لیے یہاں آگئی تھی۔ اس نے اس خیال کا اظہار بھی کیا
کم از کم ایک سال یہاں رہنے کا ارادہ رکھتی ہے۔
ہوشنگ رفتہ رفتہ مجھ سے بھی بے تکلف ہوتی جارہی
کئی مرتبہ وہ رات کو ہمارے پاس ہی رہ گئی تھی اور کئی
مرتبہ میں اور جانگی یا چیکو اسے کاٹیج تک چھوڑنے گئے تھے۔

اس رات بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ساڑھے دس بج چکے تھے۔ جانگی نے تو ہوشنگ کو رک جانے کو کہا تھا مگر وہ کاٹیج پر جانے پر بضد تھی۔ جانگی اور چیکو اس وقت کہیں جانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ مجبوراً مجھے ہی ہوشنگ کے ساتھ جانا پڑا۔

شاؤلن کے بعض علاقوں میں ابھی رونق تھی۔ ہوشنگ میرے ساتھ جُڑ کر چل رہی تھی۔ اس نے میرا ایک ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔ میں نے کوئی خیال نہیں کیا اور اس کے ساتھ چلتا رہا اور پھر وہ ایک اوپن ائر ریسٹورنٹ کے سامنے رک گئی۔

"ایک کپ کافی ہوجائے میری طرف سے؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس وقت میرا بھی کافی یا چائے کا موڈ ہو رہا تھا۔ ہم دونوں فٹ پاتھ پر پڑی ہوئی ایک میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

کافی پینے کے بعد جب ہم ریسٹورنٹ سے اٹھے تو ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ ہوشنگ اس بار بھی میرے ساتھ چپکی ہوئی تھی اور اس نے میرا ہاتھ بھی تھام رکھا تھا۔ وہ ہاتھ بھی سہلانے لگتی اور کبھی ہولے ہولے دبانے لگتی۔ پہلے تو میں نے خیال نہیں کیا لیکن پھر میں اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ میں نے ایک مرتبہ گردن گھما کر ہوشنگ کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا کر رہ گئی۔

میرا خیال تھا کہ میں اسے کاٹیج کے دروازے پر ہی چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ وہ بضد تھی کہ میں اندر چل کر تھوڑی دیر بیٹھوں۔ مجھے اس کی بات ماننی پڑی۔

وہ چند منٹ سٹنگ روم میں میرے سامنے بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر معذرت کرتی ہوئی اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئی۔ تین چار منٹ بعد اس کی آواز سن کر میں نے اُس کی طرف دیکھا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ کپڑے تبدیل کرچکی تھی اور جسم پر ایک مختصر سا کپڑا لپیٹے دروازے میں اس طرح کھڑی تھی کہ "صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" والی صورت تھی لیکن اس کا یہ انداز اور ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ بہت کچھ کہہ رہی تھی۔

"میں کپڑے بدلنے کی نیت سے اس کمرے میں آئی تھی۔ مگر میرا شب خوابی کا لباس تو وہ پڑا ہے' اس کرسی پر۔ پلیز! ذرا وہ لباس مجھے دے دو۔" اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے ایک کرسی کی پشت پر پڑی ہوئی شیفون کی نائٹی اٹھائی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے سے دو قدم کے فاصلے پر رک کر نائٹی اس کی طرف بڑھادی۔ نائٹی لیتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ پکڑلیا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔ میری کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ میں نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑالیا اور صوفے پر بیٹھ کر بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

پانچ منٹ گزر گئے۔ ایک بار تو میرے دل میں آئی کہ اٹھ کر بغیر بتائے چلا جاؤں اور ممکن ہے میں اپنے اس ارادے پر عمل بھی کرڈالتا لیکن ٹھیک اسی وقت وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں ایک خوب صورت ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں رکھے ہوئے دو نازک سے گلاسوں میں مشروب بھرا ہوا تھا۔ ہلکے گولڈن کلر کا یہ وہی مشروب تھا جو پہلے بھی ہم کئی بار پی چکے تھے۔ میں یا جانگی وغیرہ جب بھی ہوشنگ کو چھوڑنے آتے' وہ اس مشروب سے ہماری تواضع ضرور کرتی تھی اور اس میں شبہ نہیں' بہت خوش ذائقہ تھا۔

ہوشنگ نے ٹرے چھوٹی سینٹر ٹیبل پر رکھ دی اور سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ میرے سامنے بیٹھی مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر ایک گلاس اٹھا کر آگے جھکتے ہوئے میری طرف بڑھادیا۔

میں نے ایک دو سپ لے کر گلاس میز پر رکھ دیا۔ وہ میرا بہت کڑا امتحان لے رہی تھی۔ میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ میرے جذبات کو اشتعال دلانے کے لیے اور اس سے پہلے کہ میں اس کے داؤ میں آجاتا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے فوراً ہی وہاں سے جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

ہوشنگ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ وہ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر میرے قریب آگئی۔ اس نے ایک بازو میری

کمر کے گرد حمائل کردیا اور دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر مجھے دوبارہ صوفے پر بٹھادیا۔

"یہ گلاس خالی کیے بغیر تم نہیں جاسکتے ڈیئر۔" وہ میرا گلاس اٹھاتے ہوئے بولی "یہ ہماری روایت ہے کہ مہمان جب تک اپنا گلاس یا کپ خالی نہ کردے اسے گھر سے جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ لو آج میرے ہاتھ سے پی لو۔"

اس نے گلاس میرے ہونٹوں سے لگا دیا اور خود بھی میرے اوپر جھک گئی۔ میرے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ کنپٹیاں تپنے لگیں۔ چیکو بہت عرصے سے میرے ساتھ تھی۔ وہ طوائف تھی۔ وہ بھی اکثر حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتی تھی۔ کئی مواقع بھی ملے تھے مگر ایسی حرکت اس نے کبھی نہیں کی تھی اور یہ ہوشنگ۔۔۔ اپنے آپ کو ایک شریف اور معزز گھرانے کی بتانے والی ہوشنگ پگھلے ہوئے پھل کی طرح میری آغوش میں گری جارہی تھی۔

وہ میرے اوپر جھکی جارہی تھی۔ میں اپنے سینے میں ہلچل سی محسوس کرنے لگا۔ سنسنی کی لہریں تھیں جو بجلی کے کرنٹ کی طرح میرے جسم میں پھیل رہی تھیں۔ میں نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے غٹاغٹ سارا مشروب پی لیا۔ اس نے گلاس میز پر رکھ دیا اور پوری طرح میرے اوپر اوندھ گئی۔ وہ مجھے اپنی بانہوں کے حصار میں لینے کی کوشش کرتے ہوئے ہلکے ہلکے قہقہے لگا رہی تھی۔

اچانک مجھے اپنے دماغ میں سنسناہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ یہ سنسناہٹ اس سنسناہٹ سے بہت مختلف تھی جو میں کچھ دیر پہلے تک محسوس کررہا تھا۔ میرے قویٰ ایک دم ڈھیلے پڑنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ میرے ساتھ دھوکا ہوا تھا اور مشروب میں کوئی نشہ آور دوا ملائی گئی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ مشروب۔۔۔ اس میں کیا تھا۔۔۔؟" میں ہکلایا اور اسے اپنے اوپر سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔

"آرام سے پڑے رہو۔" ہوشنگ بلی کی طرح غرائی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بھی ایک دم بدل گئے تھے "بہت بہادر بنتے تھے۔ ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے اپنے آپ کو۔ ایک ہی وار میں ڈھیر کردیا نا۔"

میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ اس نے میرے سینے پر دباؤ ڈال رکھا تھا تاکہ میں اٹھ نہ سکوں۔ مجھے بے ہوش کرنے کے لیے مشروب میں جو بھی نشہ آور چیز ملائی گئی تھی' اس کا اثر ابھی شروع ہی ہوا تھا۔ میں اگر چاہتا بھی تو اپنے آپ کو اس کے زیرِ اثر آنے سے نہیں بچا سکتا تھا۔ لیکن اچانک میری آنکھوں کے سامنے روشنی کا ایک کوندا سا لپک گیا۔ میں نے اپنے اندر کی مخفی اور پُراسرار قوت کو دی اور پھر وہ ہوا جس کے بارے میں میں نے سوچا بھی نہ ہوگا۔

میں اپنے آپ کو مکمل طور پر ہوش و حواس میں کرنے لگا اور اگر میں چاہتا تو اس وقت ہوشنگ کو اپنے سے گرا کر اس کی ہڈیوں کا سُرمہ بنا سکتا تھا لیکن اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس نے میرے ساتھ یہ حرکت کیوں کی تھی۔ مجھے بے ہوش کرنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی۔ وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتی تھی یا کسی اور کے کہنے پر ایسا کیا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے آنکھیں بند کیں اور جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔ میرے اندر کی مخفی قوت اپنا کام شروع کردیا تھا۔ میں نے اپنا سانس روک لیا۔ دوسروں کے لیے بے ہوش ہوچکا تھا مگر میں اپنے مکمل طور پر ہوش میں تھا۔ میرے دماغ کی کھڑکیاں کھل گئی تھیں' میں ہر آواز سن سکتا تھا۔ ان آوازوں کو شناخت کرکے چشمِ تصور سے ان کی صورتیں بھی دیکھ سکتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ میں جب چاہتا "ہوش" میں آسکتا تھا۔

ہوشنگ مجھے چھوڑ کر الگ ہوگئی۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر سرد مہری کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ بار بار میری طرف دیکھتی رہی پھر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس نے اپنے ساتھ لیے تھے اور ایک بیگ اٹھا رکھا تھا جو اس نے سامنے صوفے پر رکھ دیا۔ اس نے ایک بار پھر میری طرف دیکھا۔ باہر والا دروازہ کھول کر پہلے اِدھر اُدھر جھانکا اور پھر اسی طرح ایک ہاتھ کی دو انگلیاں ہونٹوں میں دبا کر سیٹی بجائی۔

ایک منٹ بعد کوئی گاڑی کا انجن کی آواز سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ کوئی ویگن تھی۔ گاڑی کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی اور ہوشنگ کے ساتھ دو آدمی اندر آئے۔ ان سے ایک کی آواز سن کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ میرا تیراڈ تھا۔

"میں نے اسے اتنی ڈوز دے دی ہے کہ یہ گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ اس وقت تک یہاں سے کم سے کم ڈیڑھ سو میل دور جاچکے ہوں گے۔" ہوشنگ نے کہا۔

"تم نے تو واقعی وہ کام کر دکھایا جو دو سو روپے میں

میگا نے جواب دیا "یہ رہا تمہارا انعام۔ اب تم جگہ چھوڑ دو۔ اگر تم پر شبہ ہوگیا تو۔۔۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔" ہوشنگ نے کہا۔ "میرا کام پورا نہیں ہونے دی "وہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ چھوڑنے کے لیے آیا تھا۔ مزید ایک گھنٹے تک واپس نہ ان میں سے کوئی نہ کوئی یہاں پہنچ جائے گا۔ اور سب کچھ مجھ پر ہی شبہ کیا جائے گا اسی لیے میں ایک منٹ بھی یہاں نہیں رک سکتی۔ مجھے شاؤیانگ سے آگے کسی جگہ اتار

میگا اور اس کے ساتھی نے مجھے صوفے سے اٹھالیا اور باہر لے جاکر سامنے کھڑی ہوئی گاڑی میں ڈال دیا۔ دونوں جیسے ہی نیچے اترے' میں نے آنکھیں کھول کر صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ یہ کوئی ایمبولینس تھی۔ جس کے سائیڈ لمبائی کے رخ پر اسٹریچر نما سیٹ تھی جس پر مجھے لٹا دیا گیا تھا۔ سامنے بھی لمبی سیٹ تھی۔ ایک طرف آکسیجن سلنڈر بھی رکھا ہوا تھا اور دیگر وہ تمام لوازمات موجود تھے جو ایمبولینس میں ہونے ضروری ہوتے ہیں۔

ڈرائیونگ کیبن اور پچھلے حصے کے درمیان ایک کھڑکی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر اس وقت کوئی نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میگا اور اس کے ساتھی کے علاوہ صرف ہوشنگ جسے ان کے ساتھ کچھ دور تک جانا تھا۔ مجھے یہ بھی دیر نہیں لگی کہ یہ لوگ مجھے مریض کی حیثیت سے بے ہوش رکھ کر کہیں لے جانا چاہتے تھے۔

باہر سے مدھم لہجے میں باتوں کی آوازیں سنائی دے رہی پھر کانچ کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی اور اس کے فوراً ہی بعد ایک آدمی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اور میگا میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔ نے پچھلا دروازہ بند کردیا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور حرکت میں آگئی۔ وہ دونوں میرے سامنے بیٹھے ہوئے میں باتیں کررہے تھے۔

ساری صورتِ حال اب میری سمجھ میں آگئی تھی۔ میگا بڑی لمبی منصوبہ بندی کی تھی۔ وہ یہ بات تو جان گیا میرے ہوش میں ہوتے ہوئے مجھ پر قابو پانا ممکن نہیں تک ان کا ہر حربہ ناکام رہا تھا۔ اس کے بعد ہی اس منصوبہ بنایا تھا۔

پلان کے مطابق ہوشنگ کو ہمارے جمنازیم میں داخلہ اور وہ چیکو اور جانکی سے دوستی کی آڑ میں مجھ سے بڑھانے کی کوشش کرتی رہی۔ شروع میں تو اسے میری سرد مہری کی وجہ سے ناکامی ہی کا سامنا کرنا پڑا اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی۔ پلاننگ کے مطابق وہ جان بوجھ کر دیر تک کیمپ میں ہمارے پاس رہنے لگی۔ مقصد یہی تھا کہ ہم اسے کانچ تک چھوڑنے کے لیے جارہے تھے اور آج شاید وہ اپنے پروگرام کو فائنل ٹچ دے کر آئی تھی۔ اس نے گویا پہلے ہی سے یہ طے کرلیا تھا کہ آج وہ مجھے اکیلے ہی یہاں لے کر آئے گی اور اسے اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی تھی۔ یہاں آکر وہ مجھے زیادہ سے زیادہ دیر تک روکنے کے لیے وہی ہتھکنڈے استعمال کرتی رہی جو ایک حسین عورت کسی مرد کو چت کرنے کے لیے کرسکتی ہے۔ مگر اس میں اسے ناکامی ہوئی اور جب میں اٹھ کر جانے لگا تو اس نے مجھے زبردستی روک لیا۔ وہ نیم برہنہ میرے سامنے آئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں والہانہ انداز میں اس سے لپٹ جاؤں گا مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی اور بالآخر اس نے آخری حربہ استعمال کیا اور نشہ آور مشروب کے ذریعے مجھے بے ہوش کرنے کی کوشش کی مگر میں بروقت اس کی سازش سے آگاہ ہوگیا اور چی کی مدد سے اس کی سازش کو ناکام بنا دیا اور اب میں اس ایمبولینس میں "بے ہوش" پڑا تھا اور وہ دونوں میرے سامنے بیٹھے ہوئے سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے۔ میگا ہوشنگ کی پلاننگ اور حوصلہ مندی کی تعریفیں کررہا تھا۔

میں اپنی سیٹ پر بے حس و حرکت پڑا جانکی وغیرہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے ہوشنگ کو اس کے کانچ تک چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں واپس چلے جانا چاہیے تھا اور اب تقریباً ڈھائی گھنٹے ہوچکے تھے۔ یقیناً کسی کو میرے پیچھے بھیجا گیا ہوگا پھر اچانک مجھے ایک اور خیال آیا۔ ماسٹر کیشی یان نے میری خفیہ نگرانی بھی تو شروع کرا رکھی تھی۔ ہوسکتا ہے نگرانی کرنے والوں نے مجھے اس طرح اغوا ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہو اور میرے پیچھے آرہے ہوں اور یہ بھی ممکن تھا کہ انہیں میرے اغوا کا پتا ہی نہ چلا ہو۔ اس طرح جو کچھ بھی کرنا تھا' مجھے اکیلے ہی کرنا تھا اور اس کے لیے مجھے مناسب وقت کا انتظار تھا۔

ایمبولینس شاؤلن کی حدود سے نکل چکی تھی اور اب شاؤیانگ کے قریب پہنچ رہی تھی۔ میگا نے کھڑکی پر جھک کر ڈرائیور کو ہدایت کردی تھی کہ وہ ایمبولینس کو قصبے میں لے جانے کے بجائے باہر والی سڑک سے شہر کے دوسری طرف نکال لے جائے اور پھر کچھ ہی دیر بعد شاؤیانگ بھی پیچھے رہ گیا۔

"پیچھے کوئی گاڑی آرہی ہے۔" ہوشنگ کی آواز سن کر

میں بھی چونک گیا اور آنکھ میں بہت معمولی سی جھری پیدا کرکے دیکھا تو ایمبولینس کے پچھلے دروازے کے شیشے سے پیچھے آنے والی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی اندر پہنچ رہی تھی۔

"ہوسکتا ہے یہ پٹرولنگ پولیس کی گاڑی ہو۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔ تم وہ کہانی مت بھولنا۔ دماغ پر چوٹ لگنے کی وجہ سے مریض کومے میں ہے اور ہم اسے شہر کے اسپتال میں لے جارہے ہیں۔" میگا نے کہا۔ جیب سے پستول نکال کر چیک کیا اور دوبارہ جیب میں رکھ لیا پھر کھڑکی پر جھک کر ڈرائیور سے بھی کچھ کہا۔

ہوشنگ اپنی سیٹ سے اٹھ کر میرے قریب آگئی اور میرے منہ پر ماسک لگا دیا جس سے نسلک ربر کی نلکی سیلنڈر سے لگی ہوئی تھی لیکن اس نے سیلنڈر کا والو نہیں کھولا تھا۔ میرے منہ پر ماسک رکھ کر غالباً یہ تاثر دیا جانا مقصود تھا کہ مریض کو آکسیجن پر رکھا گیا ہے۔

پیچھے آنے والی گاڑی تیزی سے قریب آرہی تھی اور پھر وہ ہماری ایمبولینس کے برابر پہنچ کر آگے نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے میگا کی چیخنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے ڈرائیور سے کچھ کہا تھا۔ میں نے آنکھ میں جھری بنا کر دیکھا۔ میگا کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ کھڑکی کی طرف رخ کرکے غالباً دوسری گاڑی پر فائر کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت میں نے ہوش میں آجانا ہی مناسب سمجھا اور آنکھیں کھول دیں۔

اس وقت ہوشنگ اپنی سیٹ پر بیٹھی میری طرف جھکی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات تھے۔ مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر یہ تاثرات کچھ اور نمایاں ہوگئے۔ میں نے ایک ہاتھ سے اپنے منہ پر سے ماسک ہٹا دیا۔ ہوشنگ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

ہوشنگ کی چیخ سن کر میگا تیزی سے میری طرف گھوم گیا۔ اس کی آنکھوں میں بھی وحشت سی ابھر آئی تھی۔ میں نے بڑی پھرتی سے دونوں ٹانگیں سمیٹ لیں اور بل کرتے ہوئے دونوں پیر فلائنگ کک کے انداز میں اس کے سینے پر دے مارے۔ وہ چیختا ہوا سیٹ پر الٹ گیا۔ پستول بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر نیچے گر گیا تھا۔

میگا کے لیے یہ سب کچھ غیر متوقع تھا۔ ہوشنگ نے اسے بتایا تھا کہ میں آٹھ دس گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہیں آؤں گا لیکن میں نہ صرف ہوش میں آگیا تھا بلکہ اس پر بھرپور انداز میں حملہ بھی کردیا تھا۔

ہوشنگ بھی چیختی ہوئی ایک طرف گر گئی تھی۔ اس نے میگا کا گرا ہوا پستول اٹھانے کی کوشش کی مگر میرا [illegible] کک اس کے کندھے پر سامنے کی طرف لگی اور وہ [illegible] پیچھے الٹ گئی۔

دوسری گاڑی ایمبولینس کو روکنے کی کوشش [illegible] اور اس کوشش میں دونوں گاڑیاں آپس میں [illegible] تھیں۔ میگا نے اٹھ کر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش [illegible] نے ایک زوردار پنچ رسید کردیا جو اس کی ناک پر لگا [illegible] اٹھا۔ ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔ وہ سیٹوں کے درمیان [illegible] سی جگہ میں پھنسا ہوا تھا اور آزادی سے حرکت نہیں [illegible] کرسکتا تھا اور مجھے اس پر یہ بالادستی حاصل تھی کہ [illegible] تھا اور اپنی مرضی کے مطابق حرکت کرسکتا تھا۔

دونوں گاڑیاں سڑک سے اتر کر پتھریلے میدان میں [illegible] ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ کئی مرتبہ ایسا [illegible] ایمبولینس الٹ جائے گی۔

میں سیٹوں میں پھنسے ہوئے میگا پر گھونسے برسانے [illegible] اسی دوران میں ہوشنگ کو موقع مل گیا۔ وہ ان کی سیٹ [illegible] دو انچ گولائی والا ایک تین چار فٹ لمبا جستی پائپ [illegible] تھا۔ ہوشنگ نے وہ پائپ اٹھا کر مجھ پر حملہ کیا تھا۔ [illegible] بروقت ایک طرف نہ جھک جاتا تو میری کھوپڑی کے [illegible] جاتے لیکن بہرحال پائپ کی ضرب میرے بائیں کندھے [illegible] تھی اور بڑے زور سے لگی تھی۔ میں نے ہوشنگ کو [illegible] حملہ کرنے کا موقع نہیں دیا اور پلٹ کر اس کے سینے پر [illegible] پنچ رسید کردیا۔ وہ خوفناک انداز میں چیختی ہوئی پیچھے [illegible] میں نے اسے بھی اٹھا کر میگا پر پھینک دیا اور پچھلے دروازے [illegible] کے قریب پڑا ہوا پستول اٹھالیا اور ڈرائیونگ سیٹ [illegible] چھوٹی سی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے ڈرائیور کو ایمبولینس روکنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ڈیش بورڈ [illegible] بھی کردیا۔ ایمبولینس لہرا گئی۔ لیکن پھر اس کی رفتار [illegible] چلی گئی اور کچھ دور جاکر رک گئی۔

دوسری کار اس سے چند گز آگے جاکر رک گئی [illegible] ایمبولینس کے ڈرائیور نے گاڑی روکتے ہی نیچے اتر کر [illegible] طرف دوڑ لگا دی مگر کار سے اترنے والے ایک [illegible] لپک کر اسے پکڑ لیا اور اس کی دھنائی کرنے لگا۔

میں نے دو اور آدمیوں کو کار سے اترتے ہوئے [illegible] ان میں ایک کوچی تھا اور دوسرا بھی ہمارے ہی کیمپ [illegible] سینئر اسٹوڈنٹ تھا۔

ہوشنگ اٹھنے کی کوشش کررہی تھی۔ میں نے [illegible] گدی پر ایک زوردار گھونسا رسید کردیا۔ وہ چیختی ہوئی

میگا پر ڈھیر ہوگئی۔ مجھے اس پر ذرا بھی ترس نہیں آیا تھا۔ ایسی فطرت اور سازشی ذہن رکھنے والی عورتیں کسی ہمدردی کی مستحق نہیں تھیں۔

میں نے پلٹ کر دروازے پر زوردار ککک ماری۔ دروازہ کھل گیا اور جب میں باہر نکل رہا تھا تو اسی وقت کوچی اور اس کا دوست بھی دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔

"وجدان۔ تم ٹھیک ہو؟" کوچی بولا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ انہیں باہر نکالو۔" میں نے ایمبولینس کے اندر اشارہ کیا۔

وہ دونوں ایمبولینس میں گھس گئے اور ان دونوں کو گھسیٹتے ہوئے باہر نکال لائے۔ ہوشنگ کو دیکھ کر کوچی کا بھی خون کھول اٹھا تھا۔ اس نے دو چار ہاتھ بونس کے طور پر بھی لگا دیے۔ تیسرا آدمی ڈرائیور کو بھی مارتا پیٹتا ہوا لے گیا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ ہم شاؤیانگ سے تقریباً تیس میل دور تھے۔ ہمارے چاروں طرف ہولناک سناٹا تھا۔ میلوں دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔

میگا تیراؤ پہلی مرتبہ اس طرح میرے ہاتھ لگا تھا اور میں اس سے بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ وہ بہت مشکل آدمی ثابت ہوا تھا لیکن اسے زبان تو بہرحال کھولنی پڑی تھی۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ بہت سنسنی خیز تھا۔

گولڈن ٹرائی اینگل کا جنرل کھوراٹ اس وقت میرا بدترین دشمن تھا۔ یوں تو دنیا کا ہر شریف آدمی موت کے اس سوداگر کا دشمن تھا۔ بہت سی حکومتوں نے بھی اس پر طرح طرح کی پابندی لگا رکھی تھی۔ مگر اس طرح اسے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکا تھا جس طرح میں نے اس کے گھر میں گھس کر نقصان پہنچایا تھا۔ اس کی ایک لیبارٹری تباہ کردی تھی۔ درجنوں کارندوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور فرار ہوتے ہوئے اس کا ایک ہیلی کاپٹر بھی تباہ کردیا تھا۔ میں واحد شخص تھا جو اس کی راجدھانی میں گھس کر تباہی نازل کرتا ہوا زندہ سلامت وہاں سے نکل گیا تھا۔ اس نے میری تلاش میں دنیا بھر میں اپنے آدمی پھیلا دیے تھے اور وہ مجھے ہر قیمت پر زندہ گولڈن ٹرائی اینگل واپس لانا چاہتا تھا۔ اس نے میرے لیے کوئی بہت ہی خاص سزا تجویز کر رکھی تھی۔

میگا نے یہ سنسنی خیز انکشاف بھی کیا کہ کم و بیش گولڈن ٹرائی اینگل میں میرے ہی ہاتھوں مارا گیا تھا۔ دارا اور چی فانگ چھ ہفتے سنہری تکون میں رہنے کے بعد خفیہ طور پر بنکاک واپس چلے گئے تھے۔ انہوں نے جنرل کھوراٹ سے وعدہ کیا

کیا

آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی شخصیت کی اہمیت کو تسلیم کریں؟
آپ لوگوں سے اپنے احکامات کی تعمیل کروانا چاہتے ہیں؟

ہر انسان میں ایک مقناطیسی قوت ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ بڑے سے بڑا کام کرسکتا ہے۔ اس قوت سے کام لینے کے لیے ٹیلی پیتھی اور ہپناٹزم کی طرح مشقیں نہیں کرنا پڑتیں؛

آپ کی شخصیت میں انوکھا نکھار پیدا کردیگی
آپ خود میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کریں گے

اس کتاب کا مطالعہ کیجئے
اور اپنے وجود کو ایک بہتر ذات بنا لیجئے!

قیمت 40 روپے * ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت، بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

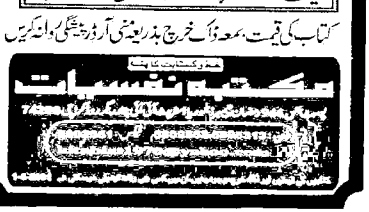

تھا کہ وہ وہاں بزنس کو فروغ دے کر اس کے نقصان کی تلافی کرنے کی کوشش کریں گے۔

مزید بہت سی معلومات حاصل کرلینے کے بعد میں نے کوچی کے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔ وہ میگا کو دھکیلتا ہوا ایک طرف لے گیا۔ میگا کو زندہ چھوڑنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن چند منٹ بعد ہی بھاگ دوڑ کی آوازیں سن کر میں چونک گیا۔ میں کوچی کو وہیں چھوڑ کر دوڑتا ہوا اس طرف پہنچ گیا جہاں میگا کو لے جایا جارہا تھا اور پھر میں ٹھٹک کر رک گیا۔ کوچی کا ساتھی زمین پر پڑا کراہ رہا تھا اور میگا کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز بہت دور سنائی دے رہی تھی۔ اس کا داؤ چل گیا تھا اور وہ ہمارے آدمی کو زخمی کرکے بھاگ گیا تھا۔ اس ویرانے میں اس کا پیچھا کرنا بیکار تھا۔ میں اپنے ساتھی کو اٹھا کر واپس آگیا۔

اس کے تقریباً دس منٹ بعد ہم وہاں سے روانہ ہوگئے۔ میں کوچی کے ساتھ کار میں تھا اور دوسرے دونوں لڑکے ایمبولینس میں۔ ہوشنگ اور ڈرائیور کو اس ویرانے میں ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ ان کی سزا یہی تھی کہ وہ اس ویرانے میں بھٹکتے رہیں۔ وہ دونوں دور تک ہماری گاڑیوں کے پیچھے بھاگے تھے اور پھر ہوشنگ گر پڑی تھی اور ڈرائیور بھی رک گیا تھا۔

جب ہم اپنے کیمپ میں واپس پہنچے تو رات ڈھل رہی تھی۔ جانکی جاگ رہی تھی۔ وہ میرے لیے پریشان تھی اور ساری رات اس نے اس پریشانی میں گزاری تھی۔

میں اپنے بستر پر گر گیا۔ وہ بھی میرے قریب بیٹھ گئی اور میں اسے گزرے ہوئے واقعات کی تفصیل بتانے لگا۔

باتیں کرتے کرتے میری آنکھ لگ گئی۔ جانکی بھی میرے قریب ہی لیٹ کر سو گئی۔

دو ہفتے اور گزر گئے۔ ماسٹر ہنگ پائی نے میرے کچھ امتحان لیے اور مجھے کامیاب قرار دیا اور مجھے اجازت دے دی کہ میں جب چاہوں وہاں سے جاسکتا ہوں۔ میرے اعزاز میں ایک بہت بڑی تقریب کا اہتمام بھی کیا گیا تھا جس میں شاؤلن ٹیمپل کے تمام ماسٹرز مدعو تھے۔ میں نے ان کے سامنے سینئر کرامیکاز کے ساتھ اپنے فن کا مظاہرہ بھی کیا۔ مجھے ہر طرف سے مبارک بادیں ملتی رہیں۔

اس سے اگلے روز صبح سویرے میں اور جانکی پہاڑی پر ماسٹر ہنگ پائی کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ہمارے لیے ماسٹر ہنگ پائی کا آخری لیکچر تھا جو خاصا طویل ثابت ہوا۔

میرا خیال تھا کہ دوستوں سے ملنے کے لیے دو چار دن مزید وہاں رہوں گا۔ لیکن اس روز ایک اور سنسنی خیز اطلاع ملی۔ ڈانگ کو کی پولیس ہماری تلاش میں شاؤ یانگ پہنچ گئی تھی۔

چیکو کا یہ خیال درست ثابت ہوا تھا کہ ڈانگ کو میں کار شان کی کوٹھی میں آتشزدگی اور اس کی موت کا راز ایک دن ضرور کھل جائے گا۔ اس وقت کار اشان کے شوہر سیان چانگ نے اگرچہ پولیس کو رشوت دے کر اس آتشزدگی کو ایک اتفاقی حادثہ بنوالیا تھا مگر چیکو نے کہا تھا کہ یہ معاملہ کبھی نہ کبھی ضرور اٹھے گا اور سیان چانگ اپنی جان بچانے کے لیے ہمیں پھنسانے کی کوشش کرے گا اور بالآخر اس نے ایسا ہی کیا تھا اور پولیس ہماری تلاش میں پہنچ گئی تھی۔ سیان چانگ کو معلوم تھا کہ میری اور جانکی کی منزل شاؤلن ٹیمپل تھی۔ اس نے پولیس کو ہمارے بارے میں یقیناً سب کچھ بتا دیا ہوگا۔

"میں نے ٹھیک کہا تھا نا۔" چیکو نے کہا "میں سیان چانگ کو بہت عرصے سے جانتی ہوں۔ وہ دولت مند آدمی ہے۔ اپنے آپ کو بچانے اور دوسروں کو پھنسانے کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہے۔ اب ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہوگا۔"

میں نے ماسٹر لیشی یان کو صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس نے ہمیں فوراً ہی شاؤ یانگ میں چیانگ شاؤ اور ہاشی کے بنگلے پر پہنچا دیا۔ چیکو بھی ہمارے ساتھ تھی۔

وہ رات ہم نے وہیں گزاری اور اگلے روز صبح سویرے وہ دونوں میاں بیوی ہمیں اپنی گاڑی پر لے کر روانہ ہوگئے۔

چھ گھنٹوں کے طویل سفر کے بعد ہم گوئے لین پہنچے۔ یہ ایک بڑا شہر تھا، یہاں ائیرپورٹ بھی تھا لیکن ظاہر ہے ہم ہوائی جہاز پر سفر نہیں کرسکتے تھے۔

یہاں ہم نے ہاشی کے ایک کزن کے ہاں قیام کیا۔ وہ دن یہاں رہے اور پھر ہاشی کا کزن ہمیں اپنی گاڑی پر نظاؤ کوٹور کی طرف روانہ ہوگیا۔ ہم صبح نو بجے کے قریب گوئے لین سے روانہ ہوئے تھے۔ کوٹور پہنچے تو چار بج چکے تھے۔ وہاں بھی ہمارا قیام ہاشی کے کزن کے ایک دوست کے ہاں رہا۔ اس نے اگلے روز شام کو ناشنگ پہنچا دیا۔

ہماری واپسی کا یہ سفر زیادہ دلچسپ نہیں تھا سوائے اس کے کہ ہم پولیس سے چھپ کر سفر کررہے تھے۔ اس لیے اس سفر کی تفصیلات بتا کر آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گا۔ کوئی دلچسپ واقعہ پیش آتا تو اس کے بارے میں ضرور..... البتہ ان سطور کے ذریعے میں چیانگ شاؤ اور اس خوب صورت بیوی ہاشی کا شکریہ ضرور ادا کرنا چاہوں

کے تعاون اور ان کے دوستوں کی مدد سے ہم چین کی سرحد تک پہنچنے میں کامیاب ہوسکے تھے۔

شاؤلن ٹیمپل سے روانہ ہونے کے آٹھ دن بعد ہم نے جنگلا نامی ایک چھوٹے سے گاؤں سے چند میل آگے ایک جگہ سے سرحد پار کرلی۔ چیکو ہمارے ساتھ نہیں آئی تھی۔ اس نے نیک تمناؤں کے اظہار کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے ہمیں رخصت کردیا۔

وہ شام کا وقت تھا۔ میں اور جانکی چھپتے چھپاتے۔ رات بھر سفر کرتے رہے۔ یہ پہاڑی علاقہ جنگلوں سے پٹا ہوا تھا۔ یہاں خوں خوار درندے بھی ہوسکتے تھے لیکن خوش قسمتی سے کسی درندے سے ہمارا سامنا نہیں ہوا۔

صبح کے وقت ہم چند گھروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی بستی میں داخل ہوگئے اور تب یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ ہم چین سے برما کی طرف نہیں، لاؤس کی سرحد میں داخل ہوگئے تھے۔

دنیا میں خدا کے نیک بندے اب بھی موجود ہیں۔ اس بستی میں بھی ہمیں ایسے کچھ لوگ مل گئے جنہوں نے ہماری آگے روانگی کا بندوبست کردیا۔ اس طرح ہم مزید تین دن سفر کی کٹھنائیاں اٹھانے کے بعد ہوئے سائی پہنچ گئے۔ لاؤس کا یہ شہر تھائی لینڈ کی سرحد کے قریب ہی واقع ہے۔ چین کی سرحد کے قریب کی بستی سے ہمارے ساتھ آنے والا آدمی ہمیں ایک بہت عالی شان کوٹھی میں لے گیا۔ جس کے مالک کے بارے میں پتا چلا کہ وہ بھی اس چھوٹی سی بستی ہی کا رہنے والا تھا جس نے شہر میں آکر تعلیم حاصل کی اور بزنس شروع کرکے بہت بڑا آدمی بن گیا۔ یہاں اس کا شمار شہر کے معززین میں ہوتا تھا۔ اس کے تعلقات بھی بہت وسیع تھے۔ ہماری کہانی سننے کے بعد اس نے وعدہ کیا کہ ہم دو چار دن اس کے مہمان رہیں تو وہ ہمیں سرحد پار کرانے کا بندوبست کردے گا۔

ہمارے لیے یہ اطلاع بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی کہ ہوئے سائی سے چند میل آگے سرحد کے دوسری طرف تھائی بنجر کا وہ سرحدی قصبہ چیانگ سائین واقع ہے جس سے میری بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ سردار تھالوب کا شہر جہاں سے ہم گولڈن ٹرائی اینگل میں داخل ہوئے تھے۔

سرحد پر وہی دریائے میکانگ تھا جس میں داخل ہو کر ایک طرف ہم چیانگ سائین کی طرف جاسکتے تھے اور دوسری طرف چند ہی آگے گولڈن ٹرائی اینگل کا کنارہ تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر جنرل کھوراٹ کو یہ معلوم ہوجائے کہ ہم ہوئے سائی میں موجود ہیں تو اس کے لیے ہمیں گولڈن ٹرائی اینگل لے جانا کتنا آسان ہوگا۔

ہوئے سائی کے بزنس مین مسٹر کن منہ نے دوسرے روز کسی وجہ سے ہمیں اپنی کوٹھی سے ایک چھوٹے سے مکان میں منتقل کردیا تھا جہاں ہماری دیکھ بھال اور کھانے وغیرہ کے بندوبست کے لیے ایک ادھیڑ عمر عورت بھی موجود تھی۔

اس شام آٹھ بجے کے قریب میں اور جانکی مکان سے نکل کر ٹہلتے ہوئے کچھ آگے بازار کی طرف نکل گئے۔ سڑک پار کرنے کے لیے ہم ایک جگہ رک گئے۔ اسی وقت ایک سرخ رنگ کی چم چماتی ہوئی خوب صورت کار ہمارے قریب آکر رکی۔ اسٹیئرنگ کے سامنے باوردی شوفر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے نیچے اُتر کر پچھلا دروازہ کھول دیا۔ پہلے ایک ادھیڑ عمر بھاری بھرکم آدمی نیچے اُترا اور پھر ایک عورت کار سے برآمد ہوئی۔

اس عورت کو دیکھ کر میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی بُت بنی کھڑی پلک جھپکے بغیر کار سے اترنے والی عورت کو دیکھ رہی تھی۔

وہ تھائی وانگ تھی!

ماہنامہ پاکیزہ کا مقبول ترین سلسلہ
ماہنامہ پاکیزہ کے

میں یہ بھول گیا تھا کہ تھائی مرچکی تھی اور تقریباً ایک سال پہلے میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے چادر میں لپیٹ کر دریائے میکانگ کی لہروں کے سپرد کیا تھا اور تیز رو، تند لہریں چشم زدن میں اسے اپنے ساتھ بہا کر مجھ سے دور لے گئی تھی۔

لیکن میرے سامنے وہ حسین عورت۔ وہ تھائی ہی تھی۔ میری نظریں دھوکا نہیں کھاسکتی تھیں اس لیے تو میں بانہیں پھیلا کر والہانہ انداز میں اس کی طرف لپکا تھا۔ اس نے بھی مجھے دیکھا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ بھی دوڑ کر مجھے اپنی بانہوں کے حصار میں لے گی۔ مجھے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لے گی اور میں اپنے وہ سارے دکھ بھول جاؤں گا جو میں نے اس عرصے میں اٹھائے تھے۔ مجھے پھر وہی گداز آغوش مل جائے گی جس میں ماں جیسی حدت اور محبوب کے پیار جیسی جولانی تھی۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں میرے ذہن میں اس جیسے ان گنت خیالات آئے تھے۔ اس وقت میری بے تابی اور میرا اضطراب قابل دید تھا اور دیکھنے والوں نے یقیناً مجھے پاگل ہی سمجھا ہوگا مگر مجھے کس کی پروا تھی۔ میں تو اپنی تھائی کو اپنی بانہوں میں لینے کے لیے لپک رہا تھا لیکن.....

مجھے اسی طرح والہانہ انداز میں اپنی طرف لپکتے دیکھ کر اس حسین عورت کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ پہلے تو وہ شاید یہ سمجھی ہو کہ میں کسی اور طرف بڑھ رہا ہوں لیکن مجھے اپنے بالکل سامنے پاکر وہ وحشت زدہ سی ہو کر بڑی تیزی سے ایک طرف ہٹ گئی اور میں اپنی ہی جھونک میں کار سے ٹکرا گیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کون ہو تم اور اس حرکت کا کیا مطلب ہے؟"

وہی آواز تھی۔ تھائی جب غصے میں بولتی تو اس کی آواز اسی طرح کپکپانے لگتی تھی۔ میرے دماغ پر ہتھوڑے سے برسنے لگے۔ کنپٹیاں سلگ اٹھیں اور دل سینے کے بجائے حلق میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سرد مہری تھی۔

"میں..... میں ہوں۔ تھائی..... وجدان..... تمہارا وجو....."

ایک ایک لفظ میرے حلق سے اٹک اٹک کر نکل رہا تھا۔ اس ایک پل میں میرا حلق اس طرح خشک ہوگیا تھا۔ جیسے مٹھی بھر ریت بھردی گئی ہو۔ زبان سوکھ کر کانٹے کی طرح تالو میں چبھنے لگی۔

"کون وجو.....؟" اس عورت کے حلق سے نکلنے والی آواز میں بھی اس مرتبہ بڑی کاٹ تھی "میں کسی وجو کو نہیں جانتی۔ نجانے کون ہو تم۔ شاید تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ گھر سے باہر نکلو تو حواس میں رہا کرو۔"

میرے دل پر گھونسا سا لگا۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ میرے دل پر نشتر کی طرح چبھ رہا تھا۔ دماغ ایک بار پھر ہتھوڑے سے برسنے لگے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ میری تھائی مجھے پہچاننے سے انکار کردے؟ مگر وہ تھائی ہی تھی۔ میری نظریں دھوکا نہیں کھاسکتی تھیں۔

وہ اسی طرح جوان اور حسین تھی۔ جب میں شروع میں اس سے ملا تھا۔ چمکتی ہوئی سیاہ آنکھیں، جن میں اب اجنبیت اور سرد مہری تھی۔ سرخ گال اور بھرا بھرا گداز جسم۔ اس نے نیوی بلیو رنگ کا بلاؤز اور منی اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ سرخ و سفید رنگت پر یہ لباس خوب جچ رہا تھا۔ دائیں ٹانگ پر گھٹنے سے چند انچ اوپر انگوٹھے کے ناخن کے برابر گلابی جلد سے قدرے گہری گلابی رنگت کا ایک نشان تھا۔ تھائی نے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ یہ پیدائشی نشان ہے نہیں نہیں۔ میری نظریں دھوکا نہیں کھاسکتیں۔ یہ تھائی ہی تھی لیکن وہ مجھ سے اس طرح اجنبی کیوں بن گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے اتنی سرد مہری کیوں تھی۔ اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ اس کی یادداشت نہیں کھوگئی۔

وہ گولڈن ٹرائی اینگل میں کئی روز تک دارو وغیرہ کے قبضے میں رہی تھی۔ اسے کثرت سے ہیروئن استعمال کرائی گئی تھی۔ ہوسکتا ہے ہیروئن کا اثر دماغ پر ہوا ہو اور اس کی یادداشت ختم ہوگئی ہو۔

تھائی نے آخری سانس میری آغوش میں لیے تھے۔ اسے ہم نے مردہ سمجھ کر دریا کی لہروں کے حوالے کردیا تھا لیکن شاید وہ مری نہیں تھی۔ ہم نے اس کی زندگی یا موت کا فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام لیا تھا اور وہ ہمارے ہاتھ سے دریا برد ہوگئی تھی مگر کسی طرح وہ بچ گئی تھی اور اب کئی سال بعد وہ زندگی اور رعنائی سے بھرپور میرے سامنے کھڑی تھی۔

"تم جھوٹ بولتی ہو۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"تم تھائی ہو۔ میری نظریں مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔ دل جھوٹ نہیں بول سکتا۔"

"کہا نا کہ میرا نام تھائی نہیں ہے اور میں تمہیں نہیں جانتی۔" اس نے پہلے کی طرح سرد لہجے میں جواب دیا۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، اس کے ساتھ کار سے اترنے والا ادھیڑ عمر بھاری بھرکم آدمی آگے آگیا۔ اس کا قیمتی اور چہرے پر بڑی نخوت تھی۔ وہ چم چماتی ہوئی قیمتی کار بھی بتا رہی تھی کہ اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی اور یقیناً اسے دولت کا بہت گھمنڈ تھا۔ اس نے مجھے گریبان سے پکڑلیا۔

"اے مسٹر۔" اس کے حلق سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی "یہاں سے ہلتے ہو یا میں تمہیں پولیس کے حوالے کروں۔"

اس شخص کی اس حرکت پر میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ حالانکہ اگر کوئی میلی آنکھ سے بھی میری طرف دیکھتا تھا تو تھائی مرنے مارنے پر تل جاتی تھی اور اب وہی تھائی مجھے اس شخص کے ہاتھوں ذلیل ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

میرا دماغ چکرا رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر اندھیرا سا چھانے لگا۔ میں نے سر کو ایک دو جھٹکے دیے اور اپنا بیدھڑا ہاتھ اس شخص کی کلائی پر رکھ دیا۔ اسی لمحے جانکی دوڑ کر ہمارے قریب پہنچ گئی۔ اس نے ایک جھٹکے سے میرا ہاتھ اس شخص کی کلائی سے الگ کیا اور اس شخص کا ہاتھ بھی میرے گریبان سے ہٹا دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر میرا ہاتھ حرکت میں آگیا تو دنیا کی کوئی طاقت اس شخص کو مجھ سے نہیں بچاسکے گی۔

"پلیز مسٹر!" وہ اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے ملتجی لہجے میں بولی "آپ لوگ اس کی حرکت کا برا مت مانئے۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ دراصل یہ....." اس نے ایک انگلی اپنی کنپٹی کے قریب لے جاکر مخصوص انداز میں گھمائی "پلیز! اسے معاف کردیجئے۔"

"اگر یہ پاگل ہے تو اسے سڑک پر لے کر کیوں پھر رہی ہو۔ گھر لے جاؤ اسے۔" اس عورت نے ناگوار سے لہجے میں کہا۔

"یہ پاگل ہی تو ہوگیا ہے۔" جانکی نے کہا اور مجھے پکڑ کر ایک طرف چلنے لگی۔

میں نے جانکی کو اپنی کنپٹی کے قریب انگلی گھماتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کی باتیں بھی سن لیں۔ میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن یکایک میری قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔ لگتا تھا جیسے سحر زدہ ہو۔ میں سناٹا سا طاری ہوگیا ہو۔

جانکی مجھے تقریباً کھینچتی ہوئی اس مکان میں لے آئی جو وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ کمرے میں گھستے ہی وہ مجھ سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میری آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے اور پھر میرے ہونٹوں سے سسکیاں اور ہچکیاں خارج ہونے لگیں۔ میرا پورا وجود کانپ رہا تھا۔

میں اپنے ماں باپ کی موت پر اس طرح رویا تھا اور دوسری مرتبہ اس وقت بلک بلک کر رویا تھا۔ جب میں نے اپنے ہاتھوں سے تھائی کو میکانگ کی لہروں کے سپرد کیا تھا اور اب پھر تھائی کے لیے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ وہ زندہ تھی۔ میرے سامنے کھڑی تھی اور اس نے مجھے پہچاننے سے انکار کردیا تھا۔

"وجو..... چپ ہوجاؤ۔ وجو....." جانکی نے مجھے اپنی آغوش میں سمیٹنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اپنے آپ کو سنبھالو وجدان۔ جو کچھ دیکھا اسے ایک خیال سمجھ کر بھول جاؤ۔"

"وہ..... وہ تھائی ہی تھی نا؟" میں نے سر اٹھا کر جانکی کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا۔

"بعض اوقات ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ، وہ نہیں ہوتا جو ہماری نظروں کے سامنے ہوتا ہے۔" جانکی نے کہا "سمجھ میں نہیں آتا اس کیفیت کو کیا نام دوں۔ نظروں کا فریب۔ سراب۔ تصور یا لاشعوری دھوکا۔"

"یہ لاشعوری دھوکا... سراب، تصور یا نظروں کا فریب نہیں تھا۔ ایک ایسی زندہ حقیقت ہے جسے تم بھی نہیں جھٹلا سکتیں۔" میں نے جواب دیا "تم بھی طویل عرصے تک اس کے ساتھ رہی ہو۔ میری طرح تمہارے دل میں بھی اس کے لیے چاہت ہے۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ دو کہ وہ تھائی نہیں تھی۔"

"ہوسکتا ہے وہ اس کی کوئی جڑواں بہن ہو جو بچپن میں کبھی بچھڑ گئی ہو۔" جانکی نے میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"تھائی کی زندگی کا کوئی گوشہ مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا "اس کی کوئی بہن نہیں تھی۔ اگر کوئی بہن ہوتی تو مجھے ضرور بتاتی لیکن اس نے کبھی ایسا ذکر نہیں کیا۔ ہم نے راتوں میں جاگ جاگ کر ایک دوسرے سے باتیں کی ہیں۔ ایک دوسرے کی زندگی کے گوشے گوشے میں جھانکا ہے۔ نہیں جانکی اس کی کوئی بہن نہیں تھی۔ وہ تھائی ہے اور..... اور ہوسکتا ہے اس کی یادداشت کھو گئی ہو اور اسی لیے وہ مجھے اور تمہیں نہیں پہچان سکی۔"

"تم ایک اور حقیقت کو بھول رہے ہو وجدان۔" جانکی

نے کہا "تم بھول گئے ہو کہ اس نے تمہاری آغوش میں دم توڑا تھا اور تم نے اپنے ہاتھوں سے اسے دریا کی لہروں کے حوالے کیا تھا۔ وہ زندہ کیسے ہو سکتی ہے؟"

"ہو سکتا ہے اس وقت ہمیں دھوکا ہوا ہو۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "عین ممکن ہے کہ اس پر سکتے جیسی کیفیت طاری ہو گئی ہو اور ہم نے اسے مردہ سمجھ کر دریا میں پھینک دیا۔ تم تو ڈاکٹر ہو جانکی۔ تم بتاؤ کیا ایسا ممکن نہیں ہو سکتا۔"

"ہو سکتا ہے۔" جانکی بولی "بعض اوقات مریض کو مے میں چلا جاتا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ کومے کی کیفیت بعض اوقات کئی کئی مہینوں تک طوالت کھینچ لیتی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں مریض کا زندہ بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ وہ کومے ہی میں ختم ہو جاتا ہے لیکن اس دوران میں بھی اس کے دل کی دھڑکن بند نہیں ہوتی۔ اسے سانس اور خوراک کی ضرورت ہوتی ہے جو مصنوعی طریقوں سے اسے پہنچائی جاتی ہے مگر تھائی کو تو ہم نے دریا میں ڈال دیا تھا۔ اگر وہ کوما میں بھی تھی تو پانی میں ڈوبنے کے بعد وہ چند منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہی ہو گی۔"

"نہیں جانکی۔" میں نے کہا "ہم اسے پانی میں ڈال کر موٹر بوٹ پر وہاں سے بہت دور چلے گئے تھے اور ہو سکتا ہے تھائی پانی کی لہروں پر بہتی ہوئی کنارے پر آ لگی ہو اور کسی نے اسے بچا لیا ہو۔ وہ زندہ تو بچ گئی مگر دماغ پر ہیروئن کے اثر سے اس کی یادداشت چلی گئی جس وجہ سے وہ ہمیں نہیں پہچان سکی۔ یقیناً ایسا ہی ہوا ہو گا۔" میں چند لمحوں کو خاموش رہا پھر بولا "آج رات ہمارا یہاں سے جانے کا پروگرام ہے مگر میں نہیں جاؤں گا۔ میں اسے تلاش کروں گا۔"

"پاگل مت بنو جدان۔" جانکی نے کہا "ہم پاسپورٹ اور کاغذات کے بغیر چوری چھپے سفر کر رہے ہیں۔ چین' ویت نام اور لاؤس جیسے کمیونسٹ ملکوں میں بغیر کاغذات کے سفر کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے لیکن یہ ہماری خوش قسمتی رہی ہے کہ اب تک ہمیں ایسے لوگ ملتے رہے ہیں جو ہمیں تمام مصیبتوں سے بچاتے رہے ہیں۔ آج رات ہمیں یہاں سے نکلنے کا موقع مل رہا ہے تو نکل جانا چاہیے۔"

"تھائی کے بغیر؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہاں سے چند میل دور دریائے میکانگ ہے۔" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اور میکانگ کے اس طرف چیانگ سائین ہے۔ سردار تھالوب کا علاقہ۔ اس نے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ دریا پار لاؤس میں بھی اس کے کچھ علاقے ہیں۔ ہم سردار تھالوب کو صورتِ حال سے آگاہ کر کے اس سے درخواست کریں گے کہ وہ خود یہاں آ کر تھائی کو تلاش کر لے گا اور ویسے بھی رات کے بعد یہاں رہنا ہمارے لیے مناسب نہیں۔" وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی "تھائی کے ساتھ جو آدمی تھا وہ شکل سے ہی خبیث لگتا ہے۔ وہ دولت مند ہے۔ اس کے تعلقات بھی بہت ہوں گے۔ اس نے جس طرح تمہیں گریبان سے پکڑا تھا میں تو گھبرا گئی تھی کہ اگر واقعی پولیس کو بلا لیا تو ہمیں سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا جائے گا۔ اگر ہم یہاں رہے تو ممکن ہے کسی وقت ہمیں وہ یا اس کے آدمی ہمارے خلاف کوئی سنگین قدم اٹھا بیٹھے اور ہم کسی نئی مصیبت میں پھنس جائیں۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ فی الحال تھائی کو بھول جاؤ۔ جیسے ایک سال سے بھولے ہوئے تھے۔"

"یہ تم نے کیسے کہہ دیا کہ میں تھائی کو بھولا ہوا تھا۔" میں نے کہا "میں تو ایک لمحے کو بھی اسے نہیں بھولا۔ وہ ہر گھڑی ہر پل میرے ساتھ رہی ہے۔"

جانکی چند لمحے گہری نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ ہو سکتا ہے میری اس بات سے اسے کچھ دکھ بھی پہنچا ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ گزشتہ ایک سال کے دوران میں وہ تھائی کی جگہ لینے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ تھائی ہی کی طرح اس نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا تھا۔ تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ دکھ سہے تھے۔ مجھے تھائی کی طرح بہت پیار دیا تھا مگر اس حقیقت سے بھی انکار کرنا میرے لیے ممکن نہیں کہ میں خانکا کو ایک لمحے کو بھی نہیں بھولا تھا اور آج جب میں نے تھائی کو دیکھا تو خوشی سے جھوم اٹھا تھا مگر اس کی اجنبیت اور بے اعتنائی سے میرا دل پھٹ کر رہ گیا اور ایک سال سے آنکھوں میں رکا ہوا سیلاب بہہ نکلا۔

"تم ادھر آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں کافی بنوا کر لاتی ہوں۔" جانکی نے مجھے اپنی آغوش سے ہٹا کر ایک طرف بٹھایا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

وہ تقریباً بیس منٹ بعد خادمہ کے ساتھ ہی واپس آئی تھی۔ خادمہ نے کافی کے دونوں مگ چھوٹی میز پر رکھ دیے اور میری طرف دیکھتی ہوئی واپس چلی گئی۔ جانکی میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

کافی پیتے ہوئے بھی ہم تھائی ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے۔ نجانے مجھے یہ یقین کیوں تھا کہ وہ تھائی تھی۔ جبکہ جانکی اس سلسلے میں کسی ایک فیصلے پر قائم نہیں تھی۔ کبھی وہ کہتی کہ ممکن ہے وہ واقعی تھائی ہی ہو اور کبھی کہتی وہ تھائی ہو ہی نہیں سکتی۔ اسے مرے ہوئے ایک سال ہو چکا ہے اور مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں ہوتا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ اسے دیکھ کر میں بھی کچھ بدحواس ہو گئی تھی۔" وہ کہہ رہی تھی "لیکن وہ اس کی کوئی ہم شکل بھی ہو سکتی ہے۔ دنیا میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور دو ہم شکلوں کو دیکھا گیا ہے جبکہ ان میں کوئی رشتہ یا کوئی تعلق بھی نہیں۔ یہ بھی ایک ایسا ہی اتفاق ہو سکتا ہے۔"

"ہم شکل ہونے کا اتفاق ہو سکتا ہے لیکن اس کی حرکات و سکنات' آواز اور اندازِ گفتگو میں بھی کوئی فرق نہیں تھا۔ تمہیں یاد ہو گا کہ تھائی جب غصے میں بولتی تھی تو اس کی آواز تھرتھرانے لگتی تھی اور اس کی ٹانگ پر گلابی رنگ کا وہ پیدائشی نشان۔ وہ نشان کسی اور کے جسم پر کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اتفاق۔" جانکی نے کہا "میں اسے حیرت انگیز اتفاق ہی کہوں گی۔ بہرحال' تمہیں میری بات ماننی پڑے گی۔ یہاں رہ کر ہمیں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ سردار تھالوب اپنے ذرائع سے اس عورت کے بارے میں سب کچھ معلوم کر لے گا۔"

"اور اگر وہ تھائی ہی ہوئی تو...؟" میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"تو پھر ہم اسے یہاں سے لے جائیں گے۔" جانکی نے جواب دیا "میں بھی تمہارے ساتھ آؤں گی۔ تمہارے اور تھائی کے لیے اگر جان کی قربانی بھی دینی پڑے تو میں دریغ نہیں کروں گی۔ میرے دل میں تھائی کے لیے جو کچھ ہے' تم بھی تک اس کا اندازہ نہیں لگا سکے ہو۔"

میں جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جانکی مجھے خاموش پا کر مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ باہر کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر ہم دونوں چونک گئے۔ کمرے کی دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ اس وقت گیارہ بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔ ہمیں کہا گیا تھا کہ کوئی آدمی آدھی رات کے بعد ہمیں لینے کے لیے یہاں آئے گا اور ابھی گیارہ بھی نہیں بجے تھے۔ پھر خیال آیا کہ ممکن ہے ہمیں لے جانے والوں کے حالات وقت سے پہلے ہی مل ہو چکے ہوں۔

اسی دوران میں دستک کی آواز ایک بار پھر ابھری۔ اس مرتبہ بھی زیادہ اونچی نہیں تھی لیکن لگتا تھا جیسے دستک دینے والا عجلت میں ہو۔ میں غیر ارادی طور پر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے سے نکل کر میں نے ساتھ والے دروازے کی طرف دیکھا جو بند تھا۔ میرے خیال میں خادمہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے سو چکی تھی۔ میں نے تلے قدم اٹھاتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف چلنے لگا۔ اس دوران میں تیسری مرتبہ دستک کی آواز ابھری۔ میں دروازے کے سامنے پہنچ چکا تھا۔

میں نے دروازے کی جھریوں میں سے جھانکنے کی کوشش کی مگر باہر گلی میں تاریکی تھی۔ میں نے آہستگی سے کنڈا ہٹا کر دروازہ کھول دیا۔

سیاہ چادر میں لپٹا ہوا وہ انسانی ہیولا دروازے کے عین سامنے کھڑا تھا۔ دروازہ کھلنے سے آنگن میں جلنے والے بلب کی روشنی اگرچہ اس پر پڑ رہی تھی لیکن اس نے چادر اس طرح لپیٹ رکھی تھی کہ نہ صرف چہرہ بلکہ ہاتھ بھی چادر کے اندر چھپے ہوئے تھے۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتا' سیاہ چادر میں لپٹا ہوا ہیولا مجھے ایک طرف ہٹاتا ہوا اندر گھس آیا اور جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور جب اس نے میری طرف گھوم کر اپنے اوپر سے چادر ہٹائی تو میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

وہ تھائی وانگ تھی۔

میں اپنی جگہ پر اس طرح بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ تھائی چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر چیختی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی۔ اس نے مجھے اپنی بانہوں میں بھینچ ڈالا اور پھر والہانہ انداز میں مجھے چومنے لگی۔

آواز سن کر جانکی بھی دوڑی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی اور پھر تھائی کو دیکھ کر وہ بھی دوڑ کر تھائی سے لپٹ گئی۔ عجیب جذباتی منظر تھا۔ تھائی کبھی جانکی سے لپٹ جاتی اور کبھی مجھ سے لپٹ کر مجھے چومنے لگتی۔

تین چار منٹ گزر گئے۔ ہم ابھی تک دروازے کے قریب ہی کھڑے تھے پھر شاید جانکی ہی کو اس بات کا خیال آیا تھا۔ وہ ہم دونوں کو بانہوں سے پکڑے کمرے کی طرف لے جانے لگی اور شاید ہماری آواز سن کر خادمہ بھی جاگ گئی تھی۔ وہ اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑی حیرت زدہ سی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔

"ابھی تم نے ہمیں کافی پلائی تھی۔" جانکی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "بہت خوش ذائقہ تھی۔ ایک کپ اور پینے کو دل چاہتا ہے۔"

خادمہ سر ہلاتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی۔ ہم اپنے کمرے میں آ گئے۔ تھائی نے مجھے بیڈ پر گرایا اور ایک بار پھر

مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ بار بار میرا منہ چوم رہی تھی۔ کبھی قدرے پیچھے ہٹ کر مجھے اس طرح دیکھنے لگتی جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔

"تم نے مجھے بہت دکھ پہنچایا ہے تھائی۔" میں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا "مجھے پہچاننے سے انکار کرکے تم نے میرا دل پاش پاش کردیا تھا۔"

"وہ میری مجبوری تھی وجو۔" تھائی نے میرا سر اپنے سینے سے لگالیا "میں ایسا رویہ اختیار نہ کرتی تو تان منہ تمہارا دشمن ہوجاتا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ اس وقت میری جو حالت ہوئی تھی' تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "تم دونوں کو دیکھ کے میں بھونچکا سی رہ گئی تھی۔ میرا بھی دل چاہا تھا کہ دوڑ کر تم سے لپٹ جاؤں لیکن مجھے اپنے جذبات کے اظہار سے زیادہ تم دونوں کی سلامتی کا خیال تھا اس لیے میں نے وہ رویہ اختیار کیا جس پر میں خود بھی دل ہی دل میں روتی رہی۔"

"اور جانتی ہو وجدان یہاں آکر کتنا رویا ہے۔" جانگی نے کہا "میں نے اسے کبھی اس طرح بلکتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"میں جانتی ہوں تم دونوں پر' خاص طور سے وجو پر کیا گزری ہوگی۔" تھائی نے کہتے ہوئے مجھے ایک بار پھر اپنے ساتھ لپٹالیا۔

تھائی جب بھی مجھے اپنے ساتھ لپٹاتی یا میرا منہ چومتی تو مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوجاتی اور میرے لیے اس سرور آگیں کیفیت کو کوئی نام دینا مشکل تھا۔

"وہ کون تھا؟" جانگی نے پوچھا "میرا مطلب ہے وہ آدمی جو تمہارے ساتھ کار سے اترا تھا۔"

"تان منہ۔" تھائی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "وہ اس شہر کا بہت بڑا رئیس ہے۔ اس کے تعلقات بہت وسیع ہیں۔ اگر اسے پتا چل جاتا کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں تو وہ تم لوگوں کو ختم کرا دیتا یا پولیس کے حوالے کردیتا۔ میں جانتی تھی تم لوگ غیر قانونی طور پر اس ملک میں داخل ہوئے ہو۔ یہاں کی پولیس ایسے لوگوں کے ساتھ جو سلوک کرتی ہے' اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ ہم یہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"تم لوگ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو میں نے موقع پاکر ایک ہاکر کو کچھ رقم کا لالچ دے کر تم لوگوں کے پیچھے بھیج دیا تھا۔ دو ڈھائی گھنٹوں بعد اس نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ تم لوگ کہاں ہو۔ میں اب سے تقریباً ایک گھنٹے پہلے نکلی تھی اور بڑی مشکل سے چھپتی چھپاتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہوں۔ اگر تان منہ کو پتا چل گیا تو وہ میرے ساتھ تم لوگوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

میں بڑی گہری نظروں سے تھائی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تقریباً ایک سال پہلے جب میں نے گولڈن ٹرائی اینگل میں اسے دارا کے قبضے سے چھڑایا تھا تو ہیروئن کے کثیر استعمال سے وہ بالکل مردہ ہوچکی تھی۔ وہ کسی ویران کھنڈر کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ چپکے ہوئے گال اور اندر کو دھنسی ہوئی ویران آنکھیں۔ ہیروئن نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں اس کی زندگی سے مایوس ہوگیا تھا اور بالآخر چند روز بعد ہی اس نے "دم توڑ" دیا تھا اور میں نے اسے دریا کی لہروں کے حوالے کردیا تھا اور ایک معجزہ ہی تھا کہ اس "سانحے" کو ایک سال بعد وہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

پہلی مرتبہ جب میں نے تھائی کو دیکھا تھا تو وہ اپنی طرز زندگی سے بھرپور اور ایسی ہی حسین تھی۔ اس وقت بھی اس کی آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک تھی اور اس وقت تو چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

ایک سوال اب تک میرے ذہن میں چکرا رہا تھا۔ ہیروئن نے تھائی کو نچوڑ کر رکھ دیا تھا اور پھر گولڈن ٹرائی اینگل سے فرار ہوتے ہوئے وہ گولیاں کھا کر گری تھی۔ خون میں لت پت تھی اور میں نے خود اسے اٹھا کر جیپ میں اور پھر کشتی میں ڈالا تھا اور پھر اسے اپنے ہاتھوں سے دریا کی تیز لہروں کے حوالے کردیا تھا لیکن وہ زندہ کیسے بچ گئی تھی۔ جانگی کے ذہن میں بھی شاید یہی سوال گردش کررہا تھا اور بالآخر اس نے تھائی سے یہ سوال کر ہی ڈالا۔

"یہ بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔" تھائی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "مجھے نہیں معلوم تم لوگوں نے میرے لیے کیا کیا تھا۔ میں شاید تمہاری گود میں سر رکھے سو گئی تھی۔" اس نے میری طرف دیکھا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی "آنکھ کھلی تو میں ایک جھونپڑے میں زمین پر بچھی ہوئی چارپائی پر پڑی ہوئی تھی۔ میرے بائیں کندھے اور کولہے پر زخم تھے۔ میرے اردگرد کئی لوگ جمع تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور دو آدمی ایسے تھے جن کے جسموں پر فوجی وردی تھی۔

"ان کی باتوں سے پتا چلا کہ میں ایک چادر میں لپٹی جھاڑیوں میں الجھی دریا میں بہتی ہوئی آرہی تھی کہ سرحدی محافظوں نے مجھے دیکھ لیا۔ کنارے سے دو سو میٹر دور پہاڑی گیروں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ ایک محافظ پہاڑی گیروں کو بلا لایا اور مجھے دریا سے نکال کر اس بستی میں پہنچادیا گیا۔

"ان لوگوں کی دیکھ بھال کی وجہ سے میں ہوش میں آگئی۔ وہ میرے بارے میں پوچھتے رہے مگر میرا ذہن کام نہیں کررہا تھا۔ میں انہیں کچھ نہیں بتا سکی۔ سرحدی محافظوں کا خیال تھا کہ میں کوئی جاسوس ہوسکتی ہوں لیکن کچھ لوگ اس بات سے متفق تھے کہ مجھ جیسی لب گور عورت جاسوس نہیں ہوسکتی۔ ان کے خیال میں میرا تعلق اسمگلروں کی کسی پارٹی سے ہوسکتا تھا۔ جو کسی جھڑپ میں زخمی ہوکر دریا میں گری تھی اور لہروں پر بہتی ہوئی یہاں تک پہنچ گئی۔

"پانی میں رہنے سے میرے زخموں سے خون بہنا بند ہوگیا تھا۔ بستی کے کھیا نے اپنے طور پر میرے زخموں کی مرہم پٹی کردی تھی تاکہ مزید خون نہ بہہ سکے۔

"میں رات اس جھونپڑے ہی میں پڑی رہی۔ دو محافظ بھی میری نگرانی کے لیے موجود رہے۔ تاکہ میں بھاگ نہ جاؤں حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں اپنی مرضی سے اپنے جسم کے کسی حصے کو حرکت بھی نہیں دے سکتی تھی۔

"صبح ہوئی تو ایک عورت نے مجھے پیتھے سے تھوڑا سا سوپ پلا دیا۔ فوجی محافظ مجھ سے کچھ پوچھنے کی کوشش کرتے رہے لیکن میں اپنی زبان کو بھی حرکت دینے کے قابل نہیں تھی۔

"محافظ مجھے شہر لے جاکر حکام کے حوالے کرنا چاہتے تھے لیکن اتفاق سے شہر کا ایک رئیس تان منہ ماہی گیروں کی اس بستی میں پہنچ گیا۔ محافظوں نے اسے بتایا کہ گزشتہ رات دریا کے دوسری طرف گولڈن ٹرائی اینگل کے علاقے میں زبردست فائرنگ ہوتی رہی ہے۔ انہوں نے ایک بیلی بھی تباہ ہوکر دریا میں گرتے ہوئے دیکھا تھا اور اس سلسلے میں انہیں دریا میں ملی تھی۔ ان کے خیال میں' میں جاسوسہ تھی مگر تان منہ بھی ان کے اس خیال سے متفق نہیں تھا۔

"میری حالت اور میری دونوں بانہوں پر انجکشنوں کے نشانات دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ میری یہ حالت ہیروئن کے زیادہ استعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تان منہ ایک بار پھر اپنی ضمانت پر مجھے شہر لے آیا اور ایک ہفتے اسپتال میں رہی پھر مجھے تان منہ کی حویلی میں منتقل کردیا گیا۔ باقاعدہ علاج' دیکھ بھال اور بہترین خوراک کی وجہ سے میں بڑی تیزی سے روبہ صحت ہونے لگی۔ میری یہ حالت دیکھ رہے ہو۔ میں آج پھر اپنے آپ کو پہلے جیسی محسوس کرتی ہوں۔ زندگی سے بھرپور۔" تھائی خاموش ہوکر باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتی رہی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"تان منہ بہت دولت مند آدمی ہے۔ اس کا بزنس کئی ممالک میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ ایک بہت نچلی سطح سے اٹھ کر اوپر آیا ہے۔ اس نے بڑی محنت بھی کی مگر ماضی کی محرومیوں اور اب دولت کی فراوانی نے اس کا دماغ خراب کردیا ہے۔ وہ بڑا اکھڑ اور بدمزاج آدمی ہے۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس کی بدمزاجی اور اکھڑپن کی وجہ سے اس کی بیوی کئی سال پہلے اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ وہ تنہا ہے۔ اس کی کوئی اولاد بھی نہیں ہے۔

"اس کے بارے میں' میں نے بہت باتیں سنی ہیں مگر حیرت انگیز طور پر میرے ساتھ اس کا رویہ بہت مختلف ہے۔ وہ میرے سامنے بچھا جاتا ہے۔ میرے سامنے اس نے کبھی اونچی آواز میں بات بھی نہیں کی۔

"شروع میں جب میں اسپتال میں تھی تو مختلف متعلقہ اداروں کے اہلکار مجھے تنگ کیا کرتے تھے۔ میں کون ہوں۔ کہاں سے آئی ہوں۔ یہاں آنے کا میرا مقصد کیا ہے؟ مگر میں نے کبھی زبان نہیں کھولی۔ تان منہ نے اپنے تعلقات استعمال کرکے مجھے ان پریشانیوں سے نجات دلا دی اور مجھے اسپتال سے اپنے گھر لے آیا جہاں میرا ہر طرح سے خیال رکھا گیا۔

"تان منہ نے بھی مجھ سے میرے بارے میں پوچھنا چاہا۔ وہ یہ تو سمجھ گیا کہ میں تھائی لینڈ کی رہنے والی ہوں لیکن اس نے کوئی بات جاننے کے لیے کبھی مجھ سے ضد نہیں کی تھی۔ اسے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ جس روز مجھے دریا سے نکالا گیا تھا اس سے ایک رات پہلے گولڈن ٹرائی اینگل میں بڑا زبردست ہنگامہ ہوا تھا اور اس کی معلومات کے مطابق اس رات جنرل کھوراٹ کے کچھ قیدی گولڈن ٹرائی اینگل سے فرار ہوگئے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ میں بھی فرار ہونے والے انہی قیدیوں میں سے ایک ہوسکتی ہوں لیکن اس نے مجھ سے کبھی اس سلسلے میں کبھی کوئی بات نہیں کی۔

"تان منہ بہت دولت مند' غصہ ور' بے رحم اور بدمزاج واکھڑ ہونے کے باوجود بہت شریف آدمی ہے۔ بیوی چھوڑ کر چلی گئی تو اس نے کسی عورت کو کبھی اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ حالانکہ اس قسم کے لوگ بڑے بدمعاش اور عیاش

ہوتے ہیں۔

"میں تقریباً ایک سال سے اس کے پاس ہوں۔ اس نے کبھی میلی آنکھ سے مجھے نہیں دیکھا۔ وہ مجھ سے شادی کا خواہش مند ہے لیکن میری مرضی کے بغیر وہ کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔ شادی کی خواہش کا اظہار اس نے دو مہینے پہلے کیا تھا۔ میری طرف سے کوئی جواب نہ پاکر بھی اس نے اصرار نہیں کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ جس روز میں خود رضامندی کا اظہار کروں گی' اسے خوشی ہوگی۔ ویسے میرے لیے اس کے دل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ میرا بہت احترام کرتا ہے اور بقول شخصے مجھے دیکھ دیکھ کر جیتا ہے لیکن میرے معاملے میں وہ اس قدر حساس ہے کہ کسی مرد کا میرے قریب کھڑے ہونا بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ ایک مہینہ پہلے ایک دعوت میں ایک بہت بڑے سرکاری آفیسر نے میرا ہاتھ پکڑلیا تھا۔ تان منہ نے سیکڑوں لوگوں کی موجودگی میں اسے مار مار کر ادھ موا کردیا۔ یہ تو دوسرے روز پتا چلا کہ تان منہ نے اس آفیسر کی ٹانگ کی ہڈی بھی توڑ دی تھی اور وہ ابھی تک اسپتال میں پڑا ہوا ہے۔

"تم خوش قسمت ہو کہ آج بچ گئے۔ اگر بات ذرا سی بھی بڑھتی تو بہت برا ہوتا۔ تم جس طرح میری طرف لپکے تھے اور تم نے جو باتیں کی تھیں' اس سے اسے شبہ ہوگیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور ہمارا کوئی پرانا تعلق ہوسکتا ہے۔

"میں اب وہ سب کچھ چھوڑ کر آگئی ہوں۔ میرا واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اب ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ دو چار دن میں یہاں سے نکل جائیں اور اگر اس نے ہمیں تلاش کرلیا تو مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر میری محبت بھی اس کے دل سے نکل جائے گی۔"

"دو چار روز نہیں تھائی۔" میں نے تھائی کے خاموش ہونے پر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہم آج رات ہی یہاں سے جارہے ہیں۔ تمام انتظامات مکمل ہوچکے ہیں۔ ہمیں اس آدمی کا انتظار ہے جو ہمیں لینے کے لیے یہاں آنے والا ہے۔"

"اوہ!" تھائی کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی "کون ہے وہ؟"

"ہے ایک شریف آدمی۔ جس نے ہمارے یہاں سے نکلنے کا بندوبست کیا ہے۔ ویسے سرحد یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تقریباً سات میل۔" تھائی نے جواب دیا "دریا کے قریب کا کچھ علاقہ گھنے جنگل پر مشتمل ہے۔ ان جنگلوں میں فوجی محافظ چھپے رہتے ہیں تاکہ دریا پر نگاہ رکھ سکیں۔ اس طرح دریا پار کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔"

"ہمارے محسن نے کوئی نہ کوئی بندوبست تو کیا ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کافی لے کر آگئی۔ ہمارے سامنے کافی رکھتے ہوئے وہ کچھ الجھی الجھی سی نظروں سے کبھی مجھے اور کبھی تھائی کو دیکھ رہی تھی۔

کافی پینے کے دوران میں بھی ہماری گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ میں بار بار تھائی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شام کو اس نے نیوی بلیو کلر کا بلاؤز اور اسکرٹ پہن رکھا تھا اور اس وقت جینز کی پینٹ اور ڈینم کی شرٹ میں تھی جس کے اوپر کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ مجموعی طور پر اس کے بارے میں میرا تاثر یہ تھا کہ وہ پہلے سے زیادہ قیامت خیز ہوگئی تھی۔

"میں نے تمہیں مردہ سمجھ کر اپنے انہی ہاتھوں سے موت کی لہروں کے سپرد کیا تھا۔ یقین نہیں آتا کہ تم اس وقت میرے سامنے بیٹھی ہوئی ہو۔" میں نے ایک بار پھر اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھئی واہ۔" جانکی نے زوردار قہقہہ لگایا "تو وہ پہلے تمہیں اس کے مرنے کا یقین نہیں تھا اور اب تمہیں اس کے زندہ ہونے کا یقین نہیں آرہا۔"

"ہاں۔ بعض اوقات اسی طرح یقین ڈانواں ڈول ہوجاتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

تھائی کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے اب ہمارے بارے میں کرید کرید کر پوچھ رہی تھی اور اب اسے اپنے بارے میں بتانے کی میری باری تھی۔ میں نے کافی کی ایک دو چسکیاں لیں اور اسے پچھلے ایک سال کے اہم واقعات کے بارے میں بتانے لگا۔

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم بھول کر غلط جگہ سے سرحد عبور کرکے لاؤس میں نکل آئے تھے۔" میں کہہ رہا تھا "اگر ہم صحیح جگہ سے سرحد پار کرکے بھارت میں نکل جاتے تو تم سے ملاقات نہ ہوتی اور ہم تمہارے بارے میں بے خبر ہی رہتے اور تمہیں مردہ ہی سمجھتے رہتے۔"

"کافی دکھ اٹھائے ہیں تم نے بھی۔" تھائی نے کہا۔

"ہاں۔ تمہارے بغیر دکھوں کا احساس کچھ زیادہ ہی رہا۔" میں نے جواب دیا۔

"بڑے احسان فراموش ہو۔" جانکی نے مجھے گھورا "کبھی تمہیں قدم قدم پر تمہارا خیال رکھا۔ کبھی کمی محسوس نہیں ہونے دی اور میں کسی شمار میں ہی

"نہیں جانکی۔" میں نے کہا "تم دونوں ہی تو ہو جن کی وجہ سے میں آج تک زندہ ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ تم نے مجھے تھائی کی عدم موجودگی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ تم تھائی کی طرح میرے دل میں بستی ہو۔"

میری اس بات پر تھائی نے بھی ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر جانکی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیوں جانکی۔ میری عدم موجودگی میں تم اس کے ساتھ سوتی رہی ہو؟"

"مجھے افسوس ہے میں کوشش کے باوجود تمہاری جگہ لینے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تمہاری جگہ کوئی دوسرا لے بھی نہیں سکتا۔ اب تم آئی ہو تو سنبھال لو اپنے لاڈلے کو۔"

لاڈلے کے لفظ پر تھائی نے بھی ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ میں من ہی من خوش تھا۔ بہت عرصے بعد مجھے یہ خوشی ملی تھی۔ ہم اسی طرح ہنس کر باتیں کرتے رہے۔ ہمیں وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں رہا اور جب میں نے گھڑی کی طرف دیکھا تو یقین کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

سوا دو بجنے والے تھے اور ہمیں لینے کے لیے ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ میں کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا۔ کہیں آج کا پروگرام منسوخ تو نہیں ہوگیا اگر ایسا ہوا تو بہت مایوسی ہوجائے گی۔ تھائی بھی تان منہ کے گھر سے بھاگ آئی تھی۔ یہ ہوسکتا ہے وہ تھائی کو تلاش کرتا پھر رہا ہو۔ اپنے دوستوں اور جاننے والوں سے معلومات حاصل کررہا ہو۔ رات گزر جانے کے بعد صبح ہوتے ہی اس کی سرگرمیاں تیز ہوجائیں گی۔ اس لیے آج رات ہمارا یہاں سے نکل جانا انتہائی ضروری تھا۔

میری پریشانی بڑھ رہی تھی۔ اب میں بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جانکی کی آنکھوں میں بھی بے چینی دکھائی دینے لگی تھی۔

اچانک پونے تین بجے کے قریب بیرونی دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔ ہم اچھل پڑے۔ میں اٹھ کر تیزی سے باہر آگیا اور احتیاط سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک دبلا پتلا سا لمبے قد کا آدمی کھڑا تھا۔ اس نے سر پر سرخ رنگ کا دو تین انچ چوڑی پٹی کی طرح باندھ رکھا تھا۔ اس نے کالے رنگ کی جینز کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ ممکن ہے ان کپڑوں کا رنگ اندھیرے میں وہ کالے ہی لگ رہے تھے۔ وہ چند لمحے مجھے گھورتا دیکھتا رہا پھر اندر آگیا۔

"تم لوگ جلدی سے تیار ہوجاؤ۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تمہارا سامان کہاں ہے؟"

"ہمارے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔ ہمیں کوئی تیاری نہیں کرنی۔ ہم تمہارے ساتھ چل رہے ہیں۔" میں کہتے ہوئے کمرے کی طرف آیا تو وہ بھی میرے ساتھ ہی آگیا۔

وہ دروازے میں رک کر باری باری تھائی اور جانکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کون کون جائے گا؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم تینوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تینوں!" اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی "لیکن ہمیں دو آدمیوں کے لیے کہا گیا تھا اور یہ۔۔۔" اس نے تھائی کی طرف اشاروں کیا "یہ تو تان منہ کی عورت ہے۔ اگر اسے پتا چل گیا کہ ہم نے اسے سرحد پار پہنچایا ہے تو وہ ہماری پارٹی کے کسی آدمی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

میں کانپ اٹھا۔ بدن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس نے تھائی کو پہچان لیا تھا کہ وہ تان منہ کی عورت تھی اور ہم اسے چوری چھپے اپنے ساتھ لے جارہے تھے۔ میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ بھی دھواں ہو رہا تھا۔

"تان منہ کو پتا نہیں چلے گا کہ تم نے مجھے سرحد پار کرائی تھی۔" تھائی نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا اور اپنے ہینڈ بیگ میں سے کئی کرنسی نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے "تم اپنی زبان بند رکھو گے۔ تم نے مجھے کبھی نہیں دیکھا۔ تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

اس شخص نے نوٹ لے کر پتلون کی جیب میں ٹھونس لیے۔

"مگر ہمیں صرف دو آدمیوں کو سرحد پار کرانے کے لیے کہا گیا تھا۔" وہ ایک بار پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مسٹر کن منہ کہاں ہے۔ تمہارے ساتھ اور کون ہے؟" میں نے پوچھا۔ کن منہ ہمارا وہی دولت مند ہمدرد تھا جس نے ہمارے فرار کا بندوبست کیا تھا۔

"مسٹر کن منہ تو اس وقت اپنے گھر میں سو رہے ہوں گے۔ اوپر سے ہمارے ساتھ گاڑی میں بیٹھی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

محض کسی نام سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا تھا کہ وہ کوئی عورت ہے یا مرد لیکن اس شخص نے چونکہ اس مشکل نام کے ساتھ مؤنث کا صیغہ استعمال کیا تھا کہ وہ کوئی عورت ہے۔

"چلو۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

ہم تینوں کمرے سے باہر آگئے۔ میں نے ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھول کر خادمہ کو جگا دیا۔ اسے بتایا کہ ہم جارہے ہیں وہ باہر کا دروازہ بند کرلے۔

ہم چاروں تاریک گلی میں دبے قدموں چلتے رہے۔ وہ آگے تھا اور ہم اس کے پیچھے۔ گلی کے موڑ پر ایک بند وین کھڑی تھی۔ میں نے طے کرلیا کہ اگر اوپدھیہ نے ہم تینوں کو لے جانے سے انکار کردیا تو ہم آج نہیں جائیں گے۔ ظاہر ہے میں نہ تو جانکی کو چھوڑ سکتا تھا اور نہ ہی تھائی کو۔ اوپدھیہ کے انکار کی صورت میں ہم واپس آجاتے اور صبح میں اپنے مہربان دوست کن منسہ سے بات کرتا۔

وین کے شیشوں پر سیاہ شیٹس لگی ہوئی تھیں۔ آگے ڈرائیونگ سیٹ پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اندھیرے میں اس کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ہمارے ساتھ آنے والے نے وین کا دروازہ کھول کر اندر جھکتے ہوئے کچھ کہا۔ جواب میں ایک نسوانی آواز بھی سنائی دی تھی۔ اس شخص نے ہمیں اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا۔

وین کے پچھلے حصے میں ایک عورت کے علاوہ دو آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے مگر تاریکی کے باعث ان کے چہرے نظر نہیں آرہے تھے۔ عورت نے چھت پر لگی ہوئی بتی جلا دی۔ روشنی اگرچہ زیادہ تیز نہیں تھی مگر ایک دوسرے کے چہرے دیکھے جاسکتے تھے۔

اس عورت نے باری باری ہماری طرف دیکھا اور پھر اس کی نظریں تھائی کے چہرے پر مرکوز ہوگئی تھیں۔ اس کے چہرے پر بھی الجھن کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ہمارے بیٹھنے کے بعد وین چل پڑے گی مگر وین حرکت میں نہیں آئی۔ وہ عورت تھائی سے مختلف سوالات کرنے لگی اور میں اسی دوران میں اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کی عمر تیس اور پینتیس کے درمیان رہی ہوگی۔ خاصی حسین تھی اور چہرے سے خرانٹ لگ رہی تھی۔ کسی جرائم پیشہ گروہ کی سربراہی کرنا کسی شریف عورت کا کام نہیں ہوسکتا تھا۔

تان منسہ شہر کا ایک مشہور و معروف آدمی تھا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں شہر کا بچہ بچہ واقف ہوتا ہے۔ تھائی ایک سال تک اس کے ساتھ رہی تھی۔ بہت سے لوگ اسے بھی جانتے تھے۔ اس آدمی نے تھائی کو "تان منسہ کی عورت" کہا تھا۔ ممکن ہے شہر کے لوگ تھائی کو تان منسہ کی داشتہ سمجھتے ہوں۔

تقریباً پانچ منٹ تک تھائی اور اوپدھیہ میں باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں تھائی نے اپنا ہینڈ بیگ اس کے حوالے کردیا۔ اوپدھیہ نے بیگ کھول کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت سی ابھر آئی۔ غالباً بیگ میں تگڑی رقم موجود تھی۔ اوپدھیہ نے چھت کی بتی بجھا دی۔ ڈرائیور سے کچھ کہا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کردیا اور وین حرکت میں آگئی۔

مجھے اوپدھیہ سے مذاکرات کا موقع ہی نہیں ملا۔ سارا معاملہ تھائی ہی نے طے کرلیا تھا۔ وہ تان منسہ سے نکلتے وقت غالباً خاصی بڑی رقم لے کر آئی تھی۔ اس کا خیال ہوگا کہ یہاں رہتے ہوئے ہمیں رقم کی ضرورت پڑے گی اور اس طرح رقم کام آگئی تھی۔ تھائی نے پورا بیگ اس کے حوالے کردیا تھا۔ ظاہر ہے تھائی نے بھی یہی سوچا ہوگا کہ ہم تو یہاں سے جا ہی رہے ہیں۔ لاؤس کی کرنسی تو ہمارے لینڈ میں ہمارے کام نہیں آئے گی۔

تاریک شیشوں سے ہم تو باہر دیکھ سکتے تھے لیکن باہر سے اندر نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔ شہر کی سڑکیں سنسان تھیں۔ صرف ایک سڑک پر سامنے سے آتی ہوئی ایک کار دکھائی دی تھی اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ شہر میں کسی جگہ پولیس کی کوئی گشتی پارٹی بھی دکھائی نہیں دی تھی۔

وین شہر سے نکل کر دریا کی طرف جانے والے راستے پر مڑ گئی۔ اس سڑک کے دونوں طرف درخت تھے۔ درختوں میں وین کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں یوں لگ رہا تھا جیسے ہم کسی سرنگ میں سفر کررہے ہوں۔

بالآخر وین ایک جگہ رک گئی۔ ڈرائیور نے انجن بند کردیا۔ اس کے چند ہی منٹ بعد ایک کھلی جیپ ہمارے قریب آکر رکی۔ اس میں فوجی وردیوں میں ملبوس دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اوپدھیہ وین سے اتر کر ان سے باتیں کرنے لگی۔ چند منٹ بعد ہمیں وین سے اتار کر جیپ میں بٹھا دیا گیا۔ اوپدھیہ اور اس کے دو ساتھی بھی ہمارے ساتھ جیپ میں گئے تھے اور جیپ حرکت میں آگئی۔ اوپدھیہ کے باقی ساتھی وین ہی میں رہ گئے تھے۔

چھ سات منٹ بعد جیپ درختوں کے درمیان ایک کھلی جگہ پر رک گئی۔ یہاں لکڑی کے تین چار ہٹ بنے ہوئے تھے۔ صرف ایک ہٹ میں روشنی ہورہی تھی۔ اوپدھیہ جیپ سے اتر کر ایک فوجی کے ساتھ اس ہٹ میں داخل ہوگئی۔

یہ سرحدی محافظوں کی نگران پوسٹ تھی۔ تقریباً پچاس گز آگے دریائے میکانگ بہہ رہا تھا اور اس کے دوسری طرف تھائی لینڈ تھا۔ ہم اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے تھے۔ راستے میں صرف میکانگ حائل تھا۔ اگر کوئی

نہ ہوئی تو ہم چند منٹ بعد تھائی لینڈ میں ہوں گے۔

وہ محافظ اوپدھیہ کو ہٹ میں چھوڑ کر واپس آگیا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد ہٹ کا دروازہ کھلا اور اوپدھیہ ایک اور فوجی کے ساتھ ہٹ سے برآمد ہوئی۔ اوپدھیہ کی شرٹ کے اوپر کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔

اس کے ساتھ ہٹ سے برآمد ہونے والا آفیسر اس نگران پوسٹ کا انچارج تھا۔ وہ ہماری جیپ کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ ہٹ کے کھلے ہوئے دروازے سے آنے والی روشنی جانکی اور تھائی کے چہروں پر پڑ رہی تھی اور وہ آفیسر باری باری ان دونوں کو گھور رہا تھا۔ وہ دونوں بے چینی سے پہلو بدلنے لگیں اور میرے دل کی دھڑکن بھی تیز ہونے لگی۔ آفیسر نے ان دونوں سے نظریں ہٹا کر میری طرف دیکھا اور مجھ سے سوالات کرنے لگا۔

میں جانتا تھا کہ ہمارے ہمدرد کن منسہ نے ہمیں سرحد پار کرانے کے لیے اوپدھیہ کو ایک خطیر رقم دی ہوگی اور اوپدھیہ نے اس آفیسر کو بھی حصہ دیا ہوگا۔ اس کے بغیر تو ہم دریا کے اتنا قریب آ بھی نہیں سکتے تھے لیکن اس کے باوجود کسی گڑبڑ کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس موقع پر میں نے ترپ کا پتا پھینکنے کا فیصلہ کرلیا اور مجھے امید تھی کہ یہ پتا کام کرجائے گا۔ میں نے مہاراج اور سردار تھالوب کے ناموں کا سہارا لینے کا فیصلہ کیا تھا۔

آفیسر یہ دونوں نام سن کر چونک گیا۔ مہاراج کا نام لاؤس کے لوگوں کے لیے بھی اجنبی نہیں تھا۔ یہاں کے لوگ بھی تھائی لینڈ سے کک باکسنگ کی ٹریننگ لے کر آتے تھے۔

اور سردار تھالوب کو تو یہ آفیسر زیادہ جانتا تھا۔ وہ تھائی لینڈ کے ایک بہت بڑے قبیلے کا سردار تھالوب اور یہ قبیلہ خچروں میں دریا کے ساتھ ساتھ اپنی سرحد میں دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ سردار تھالوب ویسے بھی منشیات کی پیداوار کی وجہ سے شمالی کے حوالے سے ان علاقوں میں خاصی شہرت رکھتا تھا۔ اسی حوالے سے لاؤس کے سرحدی علاقوں میں رہنے والے بعض بڑے بڑے لوگوں اور سرکاری افسروں سے بھی اس کے رابطے تھے۔

وہ سوالات کرتا رہا تھالوب کا نام سن کر آفیسر مجھ سے اس کے بارے میں سوالات کرتا رہا اور میں ایک سال پہلے تک کے واقعات کے بارے میں اسے بتاتا رہا اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے اپنے ماتحت سے کچھ کہا۔ ماتحت نے ہمیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ ہم جیپ سے اتر کر اسی کے ساتھ چل پڑے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو اوپدھیہ آفیسر کے ساتھ اس کے ہٹ میں داخل ہورہی تھی۔

دریا کے کنارے پر ایک موٹر بوٹ تیار کھڑی تھی۔ ہم تینوں کے علاوہ اوپدھیہ کے دونوں آدمی بھی بوٹ میں بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک نے انجن اسٹارٹ کرکے کنٹرول لیور سنبھال لیا۔

ہمارے ساتھ آنے والے فوجی نے اپنے ایک ساتھی سے کچھ کہا۔ وہ دوڑتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ اس کے تقریباً پانچ منٹ بعد اس طرف سے ٹارچ کی روشنی حرکت کرتی ہوئی دکھائی دی۔

"کو" ہمارے قریب کھڑے ہوئے فوجی نے چیخ کر کہا اور موٹر بوٹ حرکت میں آگئی۔

بوٹ دریا کی تند لہروں کو چیرتی ہوئی سامنے والے کنارے کی طرف دوڑنے لگی۔ یہاں دریا کا پاٹ ہزار میٹر سے بھی زیادہ تھا۔ ہمارے کپڑے گہرے رنگوں کے تھے اور بوٹ پر بھی سیاہ رنگ پینٹ کیا ہوا تھا۔ تاریکی میں دور سے بوٹ کو دیکھ لینا آسان نہیں تھا۔

بوٹ دریا کے وسط میں پہنچ چکی تھی۔ اچانک فائرنگ کی آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جانکی تو سیٹ سے اچھل کر نیچے گر پڑی تھی۔ میں بھی نیچے آگیا اور تھائی کو بھی سیٹ کے نیچے کھینچ لیا۔

آٹومیٹک رائفلوں سے فائرنگ کی آوازوں نے سناٹے کو چیر کر رکھ دیا تھا۔ میرا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر دیکھا۔ اوپدھیہ کے دونوں آدمی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور تب مجھے احساس ہوا کہ وہ فائرنگ ہماری بوٹ پر نہیں کی جارہی تھی۔ میں محتاط انداز میں اٹھ کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

فائرنگ بائیں جانب تقریباً ایک ہزار میٹر دور ہورہی تھی اور پھر اوپدھیہ کے ساتھی نے بتایا کہ جب بھی یہاں سے کوئی بوٹ چوری چھپے دوسرے کنارے کی طرف جاتی ہے تھائی محافظوں کی توجہ ہٹانے کے لیے کچھ دور فائرنگ شروع کردی جاتی ہے۔ دوسرے کنارے پر گشت کرنے والے تھائی محافظ اس طرف چلے جاتے ہیں اور بوٹ خیریت سے منزل پر پہنچ جاتی ہے۔ اس وقت بھی یہی حکمت عملی اختیار کی گئی تھی۔

چند منٹ میں ہی بوٹ دوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔ کنارے پر گنجان درختوں کی شاخیں پانی میں جھکی ہوئی تھیں۔

"چند گز آگے تمہیں ایک پگڈنڈی ملے گی۔ اسی پر چلتے چلے جاؤ۔ کہیں رکنے کی کوشش مت کرو۔" اوپدھیہ کے

ایک آدمی نے کنارے پر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ خود کنارے پر اتر گیا تھا۔ ہم دونوں نے پہلے جانکی اور تھائی کو بوٹ سے اترنے میں مدد دی پھر میں نے بھی چھلانگ لگا دی۔ وہ آدمی دوبارہ بوٹ پر بیٹھ گیا اور بوٹ تیزی سے واپس روانہ ہوگئی۔

ہم وہاں رکے نہیں۔ ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے تیزی سے درختوں میں چلتے رہے۔ کچھ ہی دور جانے کے بعد ہمیں وہ پگڈنڈی مل گئی۔ وہ ایک باقاعدہ کشادہ راستہ تھا۔ ہم تیز رفتاری سے چلتے رہے۔

اندھیرے میں جانکی اور تھائی کو کئی مرتبہ ٹھوکریں لگی تھیں اور دو مرتبہ تو میں ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا تھا۔

یہ پتھریلا راستہ بتدریج بلندی کی طرف جارہا تھا۔ تھائی اور جانکی ہانپنے لگی تھیں مگر ہم رکے بغیر چلتے رہے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد راستہ نشیب میں اترنے لگا۔

"رک جاؤ۔" تھائی ہانپتے ہوئے بولی "تھوڑی دیر کو رک جاؤ۔ اب مجھ سے ایک قدم نہیں چلا جارہا۔" وہ ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

میں اور جانکی بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ سناٹے میں حشرات الارض کی آوازیں بڑا خوفناک تاثر دے رہی تھیں۔

اس وقت شاید پانچ سے اوپر کا وقت تھا۔ اندھیرا بتدریج کم ہورہا تھا اور فضا میں بہت مدھم سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد ہم نشیب میں اترنے لگے۔

ہم مزید دو گھنٹوں تک رکے بغیر چلتے رہے اور اب دھوپ پھیل رہی تھی۔ دھوپ کی روپہلی نرم کرنیں بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ ایک چٹان کے اوپر سے گھوم کر ہم جیسے ہی دوسری طرف آئے، تھائی ٹھٹک کر رک گئی اور ہاتھ سے بائیں طرف اشارہ کرنے لگی۔

نشیب میں تاحدِ نگاہ دھان کے کھیت پھیلے ہوئے تھے اور ان کھیتوں کے بیچ میں ایک مکان دکھائی دے رہا تھا۔ وہ مکان ہم سے کم از کم ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ اگر نشیب میں نہ ہوتا تو اتنی دور سے ہمیں وہ مکان نظر نہ آتا۔

ہم چند منٹ وہاں رکے اور پھر نشیب میں اترنے لگے۔ نیچے کھیتوں تک پہنچنے کے لیے کوئی سیدھا راستہ نہیں تھا۔ ہمیں بائیں طرف مڑنا پڑا۔ اس طرف گنجان درخت تھے جن کی شاخیں راستے پر جھکی ہوئی تھیں لیکن ٹوٹی ہوئی شاخوں سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس راستے پر گاڑیوں کی آمدورفت رہی ہوگی جن کے ٹکرانے سے شاخیں ٹوٹی تھیں۔

ہم تقریباً پندرہ منٹ تک ان گنجان درختوں میں چلتے رہے اور پھر اس راستے سے مڑ کر ایک پگڈنڈی پر آگئے جو ہمیں دھان کے کھیتوں تک لے گئی۔ وہ مکان اتنا قریب نہیں تھا جتنا ہمیں اوپر سے نظر آیا تھا۔ وہ اب بھی تقریباً دو سو گز دور تھا۔ ہم ایک اونچی جگہ پر رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ مکان کے آس پاس تو کیا دور دور تک کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"حیرت ہے کوئی نظر نہیں آرہا۔" جانکی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی "حالانکہ کاشتکار قسم کے لوگ تو سورج نکلنے سے پہلے ہی کھیتوں میں پہنچ جاتے ہیں۔"

"کھیتوں میں پانی بھرا ہوا ہے۔" میں نے جواب دیا "ہوسکتا ہے اس موقع پر فصل کو کاشتکار کی توجہ کی ضرورت نہ ہو۔ بہرحال، آگے چل کر دیکھتے ہیں۔ ممکن ہے وہ لوگ ابھی تک سو رہے ہوں۔"

ہم اونچی جگہ سے اتر کر کھیتوں کے درمیان ایک تنگ سی پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ سب سے آگے تھائی تھی۔ اس کے پیچھے میں اور میرے پیچھے جانکی۔ دھان کے پودے دو اڑھائی فٹ اونچے تھے۔ ان میں ابھی پھل آنا شروع ہوا تھا۔ دھان کی فصل کو پنیری کی بوائی سے لے کر پھل پکنا شروع ہونے تک بہت زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بعد پانی بند کردیا جاتا ہے۔ اس وقت فصل جوان تھی اس لیے کھیتوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔ تنگ سی پگڈنڈی بھی پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ہم سب بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتے ہوئے چل رہے تھے۔ میرے پیچھے جانکی کے پیر کے نیچے سے اچانک ہی مٹی نکل گئی۔ اس نے سنبھلنے کے لیے مجھے پکڑلیا۔ وہ خود تو سنبھل سکی بلکہ میرا توازن بھی بگڑ گیا اور میں اس سے پہلے لڑکھڑاتا ہوا کھیت میں گر گیا۔ میرے ساتھ ہی جانکی بھی گری تھی۔

تھائی ہم سے چند قدم آگے تھی۔ اس کے حلق سے بے اختیار قہقہے ابل پڑے۔ وہ کبھی میری طرف دیکھتی اور کبھی جانکی کی طرف۔ میں چند لمحے پانی میں پڑا جانکی کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں سر سے پیر تک کیچڑ میں لتھڑ گیا تھا۔ مجھے دیکھ کر جانکی نے بھی قہقہے لگانا شروع کردیے اور کوشش کرکے وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے دیکھ کر ہنس رہی ہو۔ ذرا اپنا حلیہ دیکھو۔ بالکل بھتنی لگ رہی ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

جانکی نے اپنا جائزہ لیا مگر اس کی ہنسی نہیں رکی۔ وہ مکان اب وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا اور میرا خیال تھا کہ قہقہوں کی آواز سن کر کوئی نہ کوئی باہر ضرور آئے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہم ایک بار پھر آگے چلنے لگے۔ اس مکان کے چاروں طرف سو گز ہموار جگہ تھی جہاں کیاریوں میں پھول لگے ہوئے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ اس مکان میں جو بھی لوگ تھے، ابھی تک گہری نیند سو رہے تھے لیکن قریب پہنچے تو ہمارا یہ خیال سو فیصد غلط ثابت ہوا۔ مکان کے دروازے پر ایک چھوٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔ جسے دیکھ کر یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ ہماری آوازیں سن کر بھی کوئی باہر کیوں نہیں نکلا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ یہاں کسی سے ہمیں کپڑے مل جائیں گے مگر اب تو کیچڑ ہی میں رہنا پڑے گا۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے۔" جانکی بولی "ان گیلے کپڑوں ہی تو ہم ٹھٹھر کر رہ جائیں گے۔ میں دیکھتی ہوں۔" اس نے ایک پتھر اٹھالیا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے میری ایک بات نہیں سنی اور تالے پر پتھر سے ضربیں لگانے لگی۔ ویسی قسم کا تالا زیادہ مضبوط نہیں تھا۔ تیسری ہی ضرب پر ٹوٹ کر لٹک گیا۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا جانکی۔" تھائی نے کہا "اس طرح کسی کے گھر کا تالا توڑنا اچھی بات نہیں ہے۔"

"ہم یہاں چوری کرنے تو نہیں جارہے۔" جانکی نے تالا کنڈے سے نکالتے ہوئے جواب دیا "ہمیں خشک کپڑوں کی ضرورت ہے۔ ہم اپنے کپڑے دھو کر ڈال دیں گے۔ یہ سوکھ جائیں گے تو ہم ان کے کپڑے اتار دیں گے۔"

اس نے دروازے کے دونوں پٹ مکمل کھول دیے۔ پھر جانکی کے ساتھ ہی اندر داخل ہوگیا۔ کافی بڑا کمرا تھا جس کے سامنے کی دیواروں کے ساتھ لکڑی کے دو تخت بچھے تھے جو غالباً بیٹھک کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ صرف ایک بیڈ پر دری بچھی ہوئی تھی۔ ایک میلا سا تکیہ بھی پڑا تھا۔ ایک دیوار کی کھونٹیوں پر میلے سے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ نیچے ایک میلی سی چادر ٹنگی ہوئی تھی۔

کمرے کے بائیں طرف ایک دروازہ تھا اور پچھلی طرف کی دیوار میں کھڑکی تھی جو قریب پہنچ کر باہر جھانکنے لگا۔ مکان کے پیچھے صرف تقریباً دس گز کے فاصلے پر ایک ندی بہہ رہی تھی جو پاٹ چار فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ پانی بالکل شفاف تھا۔ کھیتوں کو اسی ندی سے پانی دیا جاتا تھا۔

میں پیچھے مڑا تو تھائی دوسرے دروازے میں داخل ہورہی تھی۔ میں بھی اس طرف پہنچ گیا۔ یہ ایک کشادہ اور لمبا سا کچن تھا۔ ایک طرف چولھا بنا ہوا تھا جس کے قریب ہی لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ لکڑی کے تختوں کے عارضی شیلف بنے ہوئے تھے جن پر برتن اور کچھ ڈبے وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ جانکی ان ڈبوں کی تلاشی لینے لگی۔ بالآخر اسے دو ڈبوں میں چائے کی پتی اور چینی مل گئی۔ ایک طرف پانی سے بھری ہوئی بالٹی رکھی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی ایلومینیم کی کیتلی بھی پڑی تھی جو دھوئیں سے بالکل سیاہ ہورہی تھی۔ تھائی کیتلی دھونے لگی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ چائے بنانے کی تیاری کررہی تھی۔

باورچی خانے کے عقب میں بھی ایک کھڑکی تھی جہاں سے وہ ندی اور اس کے پیچھے دور تک کا منظر دیکھا جاسکتا تھا۔ میں چولھے کے سامنے بیٹھ کر اس میں لکڑیاں جمانے لگا۔ اس دوران میں تھائی نے کیتلی دھو کر اس میں چائے کے لیے پانی ڈال لیا پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ ہمارے پاس ماچس تو تھی نہیں آگ کیسے جلائی جائے گی۔ یہی بات میں نے تھائی سے کہی تو وہ مسکراوی۔

"اس شیلف پر میں نے ایک ماچس بھی رکھی ہوئی دیکھی تھی۔ اس لیے تو چائے بنانے کا خیال ذہن میں آیا تھا۔" اس نے کہا۔

میں اٹھ کر شیلف پر دیکھنے لگا۔ ماچس تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ میں چولھے میں آگ جلانے کی کوشش کرنے لگا۔ تھائی نے کیتلی چولھے پر رکھ دی۔ آگ جلانے سے دھواں پھیلا تو میری آنکھوں سے پانی..... بہنے لگا۔ میں اٹھ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا اور تھائی چوکی پر بیٹھ کر آگ جلانے لگی۔ ہم یہ سب کچھ اس طرح اطمینان سے کررہے تھے جیسے یہ اپنا ہی گھر ہو اور ہمیں کسی کی مداخلت یا پکڑے جانے کا کوئی خوف نہ ہو۔

میں شیلفوں میں رکھی ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ یقیناً یہاں کسی کی مستقل رہائش تھی۔ جو کسی کام سے قریبی بستی یا شہر گیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے وہ رات ہی کو گیا ہو اور اب آنے والا ہو۔

میری نظر اچانک ہی عقبی کھڑکی کی طرف اٹھ گئی اور مجھے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ جانکی ندی کے قریب بے لباس کھڑی تھی۔ اس نے جسم سے اتارے ہوئے گندے کپڑے ندی کے کنارے پر پھینک دیے تھے۔

دھو کر ڈال دوں۔ نہا کر یہ چادر لپیٹ لوں گا۔"

جانکی نے وہ چادر مجھے دے دی۔ وہ دونوں اٹھ کر باہر آکر دھوپ میں بیٹھ گئیں۔ میں چادر لے کر مکان کے پچھلی طرف چلا گیا۔ ندی کچھ آگے جا کر بائیں طرف کھیتوں میں مڑ گئی تھی۔ میں بھی اس طرف جا کر ایسی جگہ رک گیا جہاں کسی کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔

میری واپسی تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ میں نے چادر کو بھگشوؤں کی طرح جسم پر لپیٹ لیا تھا۔ دھوئے ہوئے کپڑے دھوپ میں پھیلا دیے۔ وہ دونوں مکان کے دروازے کے قریب دھوپ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ جانکی اب پہلے کی طرح نہیں کانپ رہی تھی۔ اس کا گریبان بھی اب کھلا ہوا نہیں تھا۔ کیکر کے کانٹے کی طرح سوئی جیسے ایک لمبے کانٹے سے گریبان بند کر دیا گیا تھا اور یہ کام غالباً تھائی نے کیا تھا۔ جانکی نے میری طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ میں بھی ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

تھائی اٹھ کر اندر چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد قہوہ گرم کر کے لے آئی۔ قہوے کا یہ دوسرا دور چل رہا تھا کہ کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سن کر ہم تینوں اچھل پڑے۔ ہمیں یہاں آئے ہوئے تقریباً دو گھنٹے ہو چکے تھے اور قرب و جوار میں کوئی کتا دکھائی نہیں دیا تھا اور اب کسی کتے کے بھونکنے کی آواز نے ہمیں چونکا دیا تھا۔ یہ آواز دائیں طرف سے آ رہی تھی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اسی طرف دیکھنے لگا۔ دائیں طرف تقریباً سو گز دور درختوں کا جھنڈ تھا اور اس جھنڈ سے ذرا آگے ایک مریل سا کتا کھڑا بھونک رہا تھا۔ اس کا رخ مکان کی طرف تھا۔ غور سے دیکھنے پر درختوں کے جھنڈ میں ایک خچر بھی نظر آ گیا۔ جس کے ساتھ ہی ایک ادھیڑ عمر آدمی بھی کھڑا تھا اور اس کے ساتھ غالباً کوئی عورت بھی تھی جو درختوں کی آڑ میں کھڑی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اس گھر کے مالک تھے جو واپس آ گئے تھے لیکن مکان کے سامنے پھیلے ہوئے کپڑے دیکھ کر انہوں نے یہاں ہماری موجودگی کا اندازہ لگا لیا تھا اور وہ لوگ وہیں رک گئے تھے۔ کتے نے بھی کسی اجنبی کی موجودگی محسوس کر کے بھونکنا شروع کر دیا تھا۔

درختوں میں خچر کے قریب کھڑے ہوئے اس بوڑھے نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اس نے مڑ کر درخت کے پیچھے کھڑی ہوئی عورت سے کچھ کہا اور دوبارہ میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے تھائی اور جانکی کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں میرے قریب آ گئیں۔

"اس مکان کے مالک آ گئے ہیں اور غالباً کسی ڈر کی وجہ سے آگے نہیں آ رہے۔" میں نے تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم ذرا آگے جا کر انہیں بتاؤ کہ ہم چور نہیں ہیں۔ ہم سے انہیں کوئی خطرہ نہیں۔"

تھائی کے ساتھ جانکی بھی اس طرف چلنے لگی۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا ان کی طرف دیکھتا رہا۔ ان دونوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ بوڑھا کچھ محتاط ہو گیا تھا۔ تھائی اور جانکی اپنی طرف آتے دیکھ کر کتا کچھ اور بھی زور سے بھونکنے لگا تھا۔ تھائی اور جانکی دور ہی رک گئیں۔ تھائی اونچی آواز میں اس بڈھے سے کچھ کہہ رہی تھی۔ بڈھے نے بھی چیخ کر جواب میں تھائی کچھ بولی۔ ان کے مذاکرات تقریباً تین منٹ تک جاری رہے۔ اس دوران میں کتے کی مداخلت بھی جاری رہی تھی۔ بالآخر بڈھے نے پیچھے مڑ کر اس عورت سے کچھ کہا۔ وہ عورت درخت کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گئی اور وہ دونوں درختوں کے جھنڈ سے نکل کر آگے آنے لگے۔ اس عورت نے پتلون اور اوپن شرٹ پہن رکھی تھی۔ سر پر ٹوپی سے بنا ہوا چوڑے چھجے کا ہیٹ تھا۔ جس کی نوک اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ اس خطے کے کاشتکار عام طور پر اسی قسم کے ہیٹ پہنتے تھے۔ ہیٹ کا چھجا آگے کو جھکا ہوا تھا جس سے اس کا چہرہ واضح طور پر نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس کے جسم سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ جوان عورت تھی۔ بوڑھا آگے بڑھتے ہوئے کتے کو بھی ڈانٹ رہا تھا۔

تھائی اور جانکی کے قریب پہنچ کر وہ دونوں رک گئے۔ تھائی اور اس بوڑھے میں ایک بار پھر مذاکرات شروع ہو گئے۔ بوڑھا خاصا برہم نظر آ رہا تھا لیکن بالآخر تھائی اپنی باتوں سے اس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا اور میری طرف دوسرا ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ قریب پہنچ کر اس عورت کے چھجے والا ہیٹ سر سے اتار دیا اور اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

وہ بے حد حسین تھی اور میرے خیال میں اس کی عمر تیئیس چوبیس سال سے زیادہ نہیں تھی اور میرے پاس اطلاع خاصی دلچسپ ثابت ہوئی کہ وہ اس بوڑھے کی بیٹی تھی۔ بوڑھے کی عمر پچپن سال سے کسی طرح بھی کم نہیں تھی۔

خچر پر کچھ سامان لدا ہوا تھا۔ بوڑھا وہ سامان اتارتے ہوئے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ وہ اب بھی ناراض تھا۔ اسے ناراض ہونا ہی چاہیے تھا۔ ہم نے نہ صرف ان کے مکان کا استعمال کیا تھا بلکہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے کپڑے بھی

وہ ساتھ والے کمرے میں کھونٹی پر ٹنگی ہوئی پینٹ شرٹ بھی لے گئی تھی۔ یہ دونوں کپڑے بھی قریب ہی پڑے تھے۔

وہ پانی میں اتر گئی۔ ندی کا پانی اس کی کمر تک آرہا تھا۔ اس نے پانی میں کھڑے کھڑے اپنے کپڑے دھو کر کنارے کے قریب گھاس پر اچھال دیے اور پانی میں بیٹھ گئی۔ غوطہ لگانے کے بعد وہ پانی سے ابھری تو پانی اس کے بدن سے آبشاروں کی طرح بہنے لگا۔

میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہوتی جارہی تھی۔ میں کسی قدر مڑ کر کھڑا ہوگیا۔ میں اپنے آپ کو روکنا چاہتا تھا مگر میری بے قابو نظریں بار بار اس طرف اٹھ رہی تھیں۔ کبھی میں تھائی کی طرف بھی دیکھنے لگتا۔ یہ بھی خوف تھا کہ تھائی میری یہ چوری نہ پکڑ لے۔

تھائی اور جانگی میرے لیے اجنبی نہیں تھیں۔ تھائی تو کئی مرتبہ میرے سامنے بے لباس ہوئی تھی جب میں اس کے جسم پر کوڑے اور چھڑیاں برسایا کرتا تھا۔ جانگی کو بھی کئی مرتبہ مختصر ترین لباس میں دیکھا تھا لیکن آج اسے اس طرح بے لباس پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

وہ ندی کے پانی میں بیٹھی ہوئی تھی اور میں بے حس و حرکت کھڑا اپنے آپ سے لڑ رہا تھا۔ میرا سانس بھی جیسے رک گیا تھا اور آنکھیں جیسے پلک جھپکنا بھول گئی تھیں اور پھر اچانک اپنے کان پر ہلکی سی گرفت محسوس کرکے میں اچھل پڑا۔

"بڑے بدتمیز ہوگئے ہو تم۔" یہ تھائی کی آواز تھی جس نے میرے کان کو چٹکی میں پکڑ رکھا تھا "بری بات ہے۔ اچھے بچے ایسی نازیبا حرکتیں نہیں کرتے۔ چلو۔ بیٹھو میرے پاس۔"

میری نظریں جھک گئیں اور چہرہ ایک دم سرخ ہوگیا۔ مارے ندامت کے میں کٹا جارہا تھا۔

"وہ... وہ تھائی... میں تو..." میں ہکلا کر رہ گیا۔ ظاہر ہے میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

"میں سمجھتی ہوں۔ تم تو بہت شریف آدمی ہو۔ محض اتفاق سے نظریں اس طرف اٹھ گئی تھیں۔" تھائی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "تم میرے بغیر تقریباً ایک سال جانگی کے ساتھ رہے ہو۔ کیا..."

"نہیں تھائی۔" میں ایک دم تڑپ اٹھا "تمہاری قسم۔ میں کبھی جانگی کے اتنا قریب نہیں گیا کہ..."

"قسم مت کھاؤ۔ مجھے تم پر یقین ہے۔" تھائی نے میری بات کاٹ دی اور پھر نجانے مجھے کیا ہوا کہ میں نے اپنا سر تھائی کے سینے پر رکھ دیا۔ میرے اندر وہی احساس جاگا جو جب میں پہلے اسی طرح تھائی کے سینے پر سر رکھ کر سویا کرتا تھا۔ ایک عجیب سا احساس جس میں ممتا کی حدت بھی تھی اور کسی عزیز ترین ہستی کی چاہت بھی۔

میری سسکیوں کی ہمک پاکر تھائی نے ایک ہاتھ میری پشت پر رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ مجھے عجیب سا سکون محسوس ہونے لگا۔

کیتلی کا پانی کھول کر چولھے میں گرنے لگا تو شوں کی آواز سن کر تھائی کے ساتھ میں بھی چونک گیا۔ میں تھائی سے الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ تھائی نے کیتلی میں پتی ڈال کر اسے چولھے سے اتار لیا۔ بغیر دودھ کی چائے کے لیے اتنا ہی ابال کافی تھا۔

میں شاخ پر رکھے ہوئے پلاسٹک کے کپ اٹھانے کے لیے کھڑا ہوا تو میری نظریں ایک بار پھر غیر ارادی طور پر کھڑکی کی طرف اٹھ گئیں۔ اس وقت تک جانگی نہ صرف ندی سے باہر آچکی تھی بلکہ اس نے کپڑے بھی پہن لیے تھے اور اپنے دھوئے ہوئے کپڑے اٹھائے واپس آرہی تھی۔

میں اور تھائی کپ اور کیتلی لے کر کمرے میں آگئے۔ جانگی اس وقت اپنے کپڑے مکان کے سامنے دھوپ میں گھاس پر پھیلا رہی تھی۔ تھائی نے تینوں کپوں میں قہوہ انڈیل دیا۔ جانگی اندر آئی تو اسے دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن ایک بار پھر تیز ہوگئی۔ شرٹ کے اوپر کے دو بٹن ٹوٹے ہوئے تھے اور جانگی نے اس شرٹ کے نیچے کچھ بھی نہیں پہنا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی میرے سامنے دوسرے تخت پر بیٹھ گئی۔

"اچھا ہوا تمہیں یہاں چائے بنانے کا سامان مل گیا۔" وہ تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "میں تو سردی سے ٹھٹھر رہی ہوں۔ ندی کا پانی بھی کم بخت بہت ٹھنڈا ہے۔ مجھے واقعی اس وقت چائے کی ضرورت تھی۔"

تھائی نے ایک کپ اٹھا کر جانگی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ واقعی سردی سے ٹھٹھر رہی تھی۔ میری نظریں اب پھر بار بار جانگی کی طرف اٹھنے لگی تھیں۔ میں نے اپنا کپ اٹھایا اور کمرے سے باہر آکر دھوپ میں کھڑا ہو کر قہوے کی چسکیاں لینے لگا۔ میرے جسم پر بھی بھیگے ہوئے کپڑے تھے اور سردی مجھے بھی لگ رہی تھی۔

میں اپنی چائے ختم کرکے کمرے میں آگیا۔ جانگی نے چادر اوڑھ رکھی تھی جو میں نے کھونٹی پر ٹنگی ہوئی دیکھی تھی۔

"تم باہر دھوپ میں بیٹھ جاؤ اور یہ چادر مجھے دے دو۔" میں نے جانگی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں بھی اپنے کپڑے

تھائی بدستور بوڑھے کے ساتھ آگے پیچھے چلتے ہوئے اس سے باتیں کررہی تھی۔ وہ اسے سمجھانے کی کوشش کررہی تھی کہ ہم برے لوگ نہیں ہیں۔ ہمیں مجبوراً مہمان کا نوالہ توڑنا پڑا تھا۔ ہم نے اجازت کے بغیر اس کے کپڑے استعمال کیے تھے۔ چائے بھی بنائی تھی لیکن کوئی ایسا نقصان نہیں کیا تھا جس کا ازالہ نہ ہوسکے۔ ہماری وجہ سے جو کوفت ہوئی تھی ہم اس کا ازالہ کرنے کو تیار تھے۔

جانگی نے عقل مندی یہ کی کہ اس دوران میں ان دونوں کے لیے قہوہ بنالیا۔ وہ دونوں ایک لمبے سفر سے آئے تھے اور انہیں چائے کی ضرورت تھی۔ چائے کے دوران میں میں نے بھی ان کی باتوں میں مداخلت شروع کردی اور جب میں نے باتوں ہی باتوں میں سردار تھالوب کا نام لیا تو بوڑھا چونک گیا۔

"تم لوگ غیر قانونی طور پر سرحد پار کرکے آئے ہو۔ سردار تھالوب سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" وہ مجھے گھورنے لگا۔

میں نے جواب دینے کے بجائے تھائی کی طرف دیکھا اور پھر تھائی اس بوڑھے کو بتانے لگی کہ سردار تھالوب سے ہمارا کیا تعلق ہے۔

"اوہ!" بوڑھے نے ایک بار پھر چونک کر باری باری ہم تینوں کی طرف دیکھا "تو تم لوگ وہی ہو جن کی وجہ سے چیانگ سائین میں خون خرابا ہوا تھا اور سردار تھالوب کے بھی کئی آدمی مارے گئے تھے۔"

"خون خرابا ہماری وجہ سے نہیں ہوا تھا۔" میں نے گفتگو کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ہمارے بارے میں اس کے ذہن میں کس قسم کا شبہ تھا۔ وہ شاید یہی سمجھ رہا تھا کہ ایک سال پہلے چیانگ سائین میں ہونے والے خون خرابے کے ذمے دار ہم لوگ تھے۔ "بات وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔" میں نے اس کا ذہن صاف کرنے کے لیے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اس خون خرابے کی ذمے داری ہم پر نہیں جنرل کھوراٹ کے آدمیوں پر عائد ہوتی ہے جو تین غیر ملکیوں کی مدد سے یہاں اپنے اڈے بنا رہے تھے۔ ہم ان تین غیر ملکیوں کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں آئے تھے۔ سردار تھالوب سے ہماری ملاقات چیانگ سائین میں نہیں چیانگ رائے میں ہوئی تھی۔ وہ ہمارا ہم خیال تھا۔ تم جانتے ہو اس نے اپنے علاقوں میں پوست کی کاشت ممنوع قرار دے رکھی ہے۔ وہ ہیروئن کی پیداوار، اس کے پھیلاؤ اور اس کے استعمال کا شدید مخالف ہے۔ اس لیے وہ ہماری مدد کرنے کو تیار ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے تمام آدمی میری کمان میں دے دیے تھے۔ بعد میں وہ خود بھی چیانگ سائین آگیا تھا۔ وہ جنرل کھوراٹ کے آدمیوں کے خلاف ہمارے شانہ بشانہ لڑا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس جنگ میں اس کے بھی کئی آدمی مارے گئے لیکن ہم نے یہاں جنرل کھوراٹ کے آدمیوں کے قدم نہیں جمنے دیے۔ انہیں یہاں سے بھاگنے پر مجبور کردیا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ سردار تھالوب کی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

"لیکن تم لوگ اسے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔" بوڑھے نے میرے خاموش ہونے پر کہا "بعد میں اکیلے رہ جانے والے سردار تھالوب کو جو مشکلات پیش آئیں... اس کے بارے میں تم لوگ شاید کچھ نہیں جانتے۔"

"ہم بعد کی صورتِ حال کے بارے میں واقعی کچھ نہیں جانتے۔" میں نے جواب دیا۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ ذہین اور سمجھ دار آدمی ہے اور اپنے اردگرد کے ماحول کی پوری خبر رکھتا ہے "سب سے پہلے تو میں یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ ہم لوگ یہاں سے بھاگے نہیں تھے بلکہ جنرل کھوراٹ کے ساتھیوں، ان تین غیر ملکیوں کا تعاقب کرتے ہوئے گولڈن ٹرائی اینگل میں داخل ہوگئے تھے۔ اس کا انتظام بھی سردار تھالوب نے کیا تھا اور ایک کشتی پر ہمیں رخصت بھی اسی نے کیا تھا۔ ہم اسے چھوڑ کر نہیں بھاگے تھے لیکن اب تمہاری باتوں سے مجھے بڑی تشویش ہوگئی ہے۔ اندازہ ہورہا ہے کہ بعد میں بھی بہت کچھ ہوا تھا۔ اب میں تم سے اس کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔"

"زیادہ تفصیل میں نہیں جانتا۔" بوڑھے نے جواب دیا "لیکن اس ہنگامے کے تھوڑے ہی عرصے بعد سردار تھالوب پر کئی مرتبہ قاتلانہ حملے ہوئے تھے۔ جن میں وہ بال بال بچتا رہا۔ قہری پہاڑیوں سے راکٹ برسا کر اس کے مکان کو تباہ کردیا گیا۔ یہ سردار تھالوب کی خوش قسمتی تھی کہ وہ حملہ ہونے سے صرف ایک گھنٹا پہلے اس مکان سے نکل گیا تھا۔"

"اوہ..." میرے منہ سے بے اختیار نکلا "حملہ کرنے والے کون لوگ تھے؟"

"میں زیادہ نہیں جانتا لیکن اُڑتی اُڑتی خبر سنی تھی کہ سردار تھالوب کے مکان کی تباہی اور اس پر ہونے والے قاتلانہ حملوں میں جنرل کھوراٹ کے علاوہ یہاں کے کچھ سرکاری افسروں کا بھی ہاتھ تھا۔"

"اوہ!" میں چونک گیا "میرے ذہن میں شہنشاہ کے

خلاف وہ سازش ابھر آئی جسے کچلنے کی ذمے داری مجھے مہاراج نے سونپی تھی اور شہنشاہ کے ایک کزن رتنا کوسن نے مجھے بریف کیا تھا۔ اس سازش کے حوالے سے بھی چیانگ سائمین میں بڑا ہنگامہ ہوا تھا۔ بنکاک میں بھی وسیع پیمانے پر پکڑ دھکڑ ہوئی تھی۔ اس سازش میں شریک حکومت کے کئی بڑے بڑے افسروں کو بھی سلاخوں کے پیچھے بند کردیا گیا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ سازش انہی دنوں ختم ہوگئی تھی لیکن اس بوڑھے کی باتوں سے انکشاف ہوا تھا کہ بعد میں بھی یہاں بڑے زبردست ہنگامے ہوتے رہے تھے۔ میں سردار تھالوب اور رنگولی کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ کہاں تھے۔

"سردار تھالوب آج کل بنکاک میں ہے۔" بوڑھے نے جیسے میرا ذہن پڑھ لیا ہو "سننے میں آیا تھا کہ اسے حکومت میں ایک اہم عہدے کی پیشکش کی گئی تھی لیکن اس نے انکار کردیا تھا لیکن اس کی بنکاک آمدورفت بڑھ گئی ہے۔ وہ کئی کئی روز وہاں رہتا ہے۔ اب بھی تقریباً تین ہفتوں سے گیا ہوا ہے۔"

"اور اس کی دوست۔" میں نے کہا "میرا مطلب ہے اس کی ایک دوست رنگولی بھی اس کے پاس رہ رہی تھی۔ وہ کہاں ہے؟"

"میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"سردار تھالوب پر حملوں کے الزام میں کوئی پکڑا بھی گیا تھا یا نہیں!" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"کئی لوگ پکڑے گئے تھے لیکن وہ سب نچلے درجے کے کارندے تھے۔" بوڑھے نے جواب دیا "سردار تھالوب کے مکان پر پہاڑیوں سے راکٹ برسائے جانے کے بعد دریا کے ساتھ ساتھ فوج تعینات کردی گئی تھی۔ اس طرح سرحد سیل کردینے سے حملے بند ہوگئے مگر کچھ ماہ بعد فوج ہٹالی گئی۔ اس کے بعد کوئی حملہ نہیں ہوا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر باری باری ہم سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم لوگ اگر سردار تھالوب کے دوست اور ہمدرد ہو تو اتنا عرصے کہاں غائب رہے۔ لوٹ کر اس کی خبر کیوں نہ لی۔"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "جنرل کھوراٹ کے ساتھی میری اس دوست کو اٹھا کر لے گئے تھے۔" میں نے تھائی کی طرف اشارہ کیا "اس کا نام تھائی ہے۔ چیانگ سائمین میں ہونے والے ہنگاموں کے دوران میں ہی یہ ان کے قابو میں آگئی تھی اور جب ہمیں پتا چلا کہ وہ لوگ اسے لے کر گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف نکل گئے ہیں تو میں نے بھی ان کے پیچھے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ سردار تھالوب بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار تھا مگر میں نے اسے روک دیا تاکہ وہ یہاں کے معاملات کو سنبھال سکے۔ بہرحال میں اور جانکی۔" میں نے جانکی کی طرف اشارہ کیا "ایک رات کشتی پر گولڈن ٹرائی اینگل پہنچ گئے۔ میں چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر گولڈن ٹرائی اینگل میں پیش آنے والے واقعات اسے مختصر طور پر بتانے لگا۔ آخر میں کہہ رہا تھا "ہم نے تھائی کو ان کے قبضے سے تو چھڑا لیا لیکن اس عرصے میں ہیروئن کے انجکشن دے دے کر اسے ادھ موا کردیا گیا تھا۔ ہم دریائے میکانگ میں گولڈن ٹرائی اینگل سے برما کی سرحد کی طرف فرار ہوگئے۔ تھائی کی حالت بہت بری تھی اور ایک موقع پر یہ کومے میں چلی گئی اور ہم نے اسے مردہ سمجھ کر دریا کی لہروں کے سپرد کردیا۔ میں اور جانکی برما سے ہوتے ہوئے چین کی طرف نکل گئے۔ اس دوران میں ہم زندگی کے کن مراحل سے گزرے؟ اس کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال کچھ عرصہ شانگ ٹیمپل میں گزارنے کے بعد واپس آتے ہوئے ہم غلطی سے برما کے بجائے لاؤس کی سرحد میں داخل ہوگئے اور۔"

"ایک منٹ!" بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر مجھے آگے بولنے سے روک دیا "ابھی تم نے بتایا تھا کہ ہیروئن کے استعمال سے یہ ادھ موئی ہوچکی تھی اور تم لوگوں نے اسے مردہ سمجھ کر دریا میں پھینک دیا تھا لیکن یہ تو ہمارے سامنے زندہ موجود ہے اور اس کی صحت بھی غالباً ہم سب سے زیادہ اچھی اور قابلِ رشک ہے۔"

"یہ تمہارے سامنے زندہ کس طرح موجود ہے؟ یہ بھی ایک دلچسپ کہانی ہے اور اس کی تفصیل تمہیں تھائی خود بتائے گی۔" میں نے کہتے ہوئے تھائی کی طرف اشارہ کیا۔

ہماری اس گفتگو کے دوران میں اب تک نہ تو تھائی کی دخل اندازی کی تھی اور نہ ہی جانکی نے۔ بوڑھے کی جوان اور حسین بیوی بھی خاموش بیٹھی ہماری باتیں سن رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی اور کبھی چہرے پر تشویش کے ساتھ لہرانے لگتے۔ میں نے یہ بات بھی خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ وہ بار بار میری طرف دیکھ رہی تھی۔

چند لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے اور پھر تھائی بتانے لگی کہ وہ زندہ کس طرح بچی تھی۔ وہ دونوں بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ آخر میں تھائی کہہ رہی تھی۔

"تان منہ نے میری زندگی بچائی تھی۔ وہ بہت دولت مند اور ظالم آدمی ہے۔ اسے عورتوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ پھر اس نے مجھے کبھی چھوا تک نہیں۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے مجھ پر کبھی دباؤ نہیں ڈالا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں خود ہاں کروں۔

"اسی دوران میں۔۔۔ میرا ایک روز اچانک ہی ہوئے سائی میں ان سے سامنا ہوگیا۔" اس نے میری اور جانکی کی طرف اشارہ کیا "میرے ساتھ تان منہ تھا۔ اس کی وجہ سے میں ان کے لیے اس وقت بالکل اجنبی بن گئی لیکن بعد میں چوری چھپے ان کے ٹھکانے پر پہنچ گئی اور رات کے آخری پہر دریا پار کرکے اس طرف آگئے۔ کتنا سکون مل رہا ہے مجھے اپنے وطن کی سرزمین پر آنے کے بعد۔ لگتا ہے میں اپنی ماں کی محبت بھری آغوش میں آگئی ہوں۔" وہ خاموش ہوگئی۔ اس کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اسے اپنے وطن سے واقعی کتنی محبت تھی۔ کچھ دیر بعد اس کے ہونٹوں کو پھر حرکت ہوئی۔ وہ کہہ رہی تھی "اگر اب بھی تمہیں ہماری باتوں کا یقین نہ آیا ہو تو میں مزید کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھتی۔ ہم نے اپنے وطن کی سلامتی کے لیے جان کی بازی لگائی ہے۔ قدم قدم پر موت سے پنجہ آزمائی کی ہے بلکہ میں نے تو ایک طرح سے موت کا مزہ بھی چکھا ہے۔ ہمیں کسی سے اپنی وفاداری کا سرٹیفکیٹ لینے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم نے ہماری باتوں کا یقین کرلیا ہے تو ٹھیک ہے۔ بصورتِ دیگر۔۔۔"

"دھیرج تھائی دھیرج!" میں اس کا کندھا تھپتھپانے لگا۔ "میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔" بوڑھے نے تھائی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا "مجھے تم دونوں پر شبہ تو تھا مگر اتنی تفصیلی باتیں ہونے کے بعد اب کسی شبے کی گنجائش نہیں رہی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "دراصل پچھلے سال ان خونی ہنگاموں میں کچھ غیر ملکیوں کی بھی کثرت سے ذکر رہا ہے۔ تم تو تھائی لینڈ ہی کی رہنے والی ہو اور یہ دونوں چہرے مقامی نہیں ہیں اس لیے مجھے کچھ شبہ ہوا تھا۔" اس نے میری اور جانکی کی طرف اشارہ کیا "اب بات صاف ہوچکی ہے اس لیے شبے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔"

"اگر بات صاف ہوچکی ہے تو ہمارے لیے کچھ کھانے کا بندوبست کرو۔" تھائی نے کہا "ہم نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔ خالی قہوہ پی کر پیٹ میں اور بھی اینٹھن ہونے لگی ہے۔"

تھائی کی اس بات پر بوڑھا مسکرا دیا۔ اس کی جوان بیوی کے ہونٹوں پر بھی آسودہ سی مسکراہٹ آگئی۔

بوڑھے نے اپنی بیوی کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ جہاں خچر سے اتارا جانے والا کچھ سامان رکھا گیا تھا۔ بوڑھا تھائی سے باتیں کرنے لگا۔ وہ اس سے میرے اور جانکی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

اس بوڑھے کا نام بوری رام اور بیوی کا نام مائے پانگ تھا۔ بوڑھے کا تعلق لیزو قبیلے سے تھا۔ یہ قبیلہ بھی صدیوں سے برما کی سرحد پر آباد تھا۔ تاہم کئی لوگ اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔ بوڑھے کا خاندان کئی نسلوں سے یہاں آکر آباد ہوگیا تھا اور انہوں نے کھیتی باڑی شروع کردی تھی۔ اس کی بیوی مائے پانگ تھانگ سانگ کی رہنے والی تھی۔ یہ قصبہ یہاں سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ بوری رام کی پہلی بیوی کا انتقال ہوچکا تھا۔ کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کا مکان تھانگ سانگ میں بھی تھا جہاں وہ اکثر جاتا رہتا تھا۔ مائے پانگ اس کے ایک بہت غریب دوست کی بیٹی تھی۔ کثرتِ اولاد کی وجہ سے وہ خاصا پریشان تھا۔ دوست کی غربت پر ترس کھا کر بوری رام نے مائے پانگ سے شادی کرلی تھی۔ اس شادی کو دو سال ہوچکے تھے۔ بوری رام اپنی بیوی کے ساتھ کبھی اس فارم ہاؤس میں رہتا اور کبھی ایک آدھ دن کے لیے تھانگ سانگ چلا جاتا۔ وہ گزشتہ روز دوپہر کے بعد تھانگ سانگ گئے تھے اور اب واپس آئے تھے۔

بوڑھے کی باتوں سے یہ بھی انکشاف ہوا کہ ہم چیانگ سائمین سے تقریباً اٹھارہ میل کے فاصلے پر تھے۔ یہاں سے چھ میل تھانگ سانگ تھا اور اس سے بارہ میل آگے چیانگ سائمین اور یہاں اس بوڑھے کے پاس اس خچر کے سوا کوئی سواری نہیں تھی اور ظاہر ہے ایک خچر پر ہم تینوں سفر نہیں کرسکتے تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد مائے پانگ نے ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کردیا۔ چائے دودھ والی تھی۔ پاؤڈر کا دودھ یہ لوگ قصبے سے لے کر آئے تھے۔ گھر کا بنا ہوا ایک موٹی موٹی روٹیاں اور کھانے پینے کی کچھ اور چیزیں بھی تھیں۔ یہ لوگ جب بھی تھانگ سانگ جاتے تھے اپنے لیے اس قسم کی کچھ نہ کچھ چیزیں لے آتے تھے۔

ان لوگوں کے آنے سے پہلے میں اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کررہا تھا کیونکہ اس وقت مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ یہاں ہمیں کس قسم کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن بوری رام اور مائے پانگ کے آجانے اور ان سے باتوں کے بعد میری بے چینی ختم ہوگئی تھی۔

ہمارے کپڑے سوکھ چکے تھے۔ میں اپنے کپڑے اٹھا کر ایک کھیت میں گھس گیا اور کپڑے بدل کر واپس آگیا۔ وہ چادر میں نے شکیلے کے ساتھ بوری رام کو واپس کردی۔ جانکی اپنے کپڑے لے کر دور درختوں کے جھنڈ کی طرف چلی گئی تھی۔ یہ زحمت بھی اس نے بوری رام اور مائے پانگ کی موجودگی کی وجہ سے کی تھی اگر وہ دونوں نہ ہوتے تو جانکی ڈھیٹ بن کر ہم دونوں کے سامنے ہی کپڑے بدل لیتی۔

اس وقت دوپہر ہونے والی تھی۔ جانکی اور تھائی روانگی کے لیے پر تول رہی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ ہم تھانگ سانگ تک پیدل چلیں گے اور وہاں سے کسی سواری کا بندوبست کرکے چیانگ سائین کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔ ان دونوں کے خیال میں اب چونکہ ہم اپنی سرزمین پر تھے اس لیے ہمیں کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن میں ان کے اس خیال سے متفق نہیں تھا۔ پہلے بھی تو ہم اپنی ہی سرزمین پر تھے اور ہمیں سکھ کا سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ بوری رام سے یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ ہمارے جانے کے بعد چیانگ سائین میں خاصے معرکے ہوئے تھے۔ سردار تھالوب کا گھر برباد کردیا گیا تھا۔ اب اگرچہ وہ صورتِ حال نہیں رہی تھی مگر بوری رام کی باتیں سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ چیانگ سائین اور اس کے قرب و جوار میں کچھ نہ کچھ ایسے لوگ ضرور موجود ہوں گے جن کا شمار ہمارے پرانے دشمنوں میں کیا جاسکتا ہو۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی سرگرمِ عمل ہوجائیں گے اور پھر سردار تھالوب بھی چیانگ سائین میں موجود نہیں تھا۔ ہمیں کچھ دشواریاں پیش آسکتی تھیں۔ اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ دن کی روشنی میں سفر کرنے کے بجائے شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد یہاں سے روانہ ہوا جائے۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔" بوری رام نے کہا "اس وقت تک سواری کا بھی بندوبست ہوجائے گا۔"

"وہ کیسے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مائے پانگ خچر پر واپس چلی جائے اور تھانگ سانگ سے گاڑی لے آئے۔" بوری رام نے کہا "یہاں چونکہ چھکڑا گاڑی کی ان دنوں ضرورت نہیں ہوتی اس لیے میں اسے تھانگ سانگ والے مکان پر ہی چھوڑ دیتا ہوں۔ مائے پانگ اس میں یہی خچر جوت کر لے آئے گی۔"

تجویز معقول تھی۔ جانکی نے فوراً ہی ہاں میں ہاں ملا دی اور تھائی نے بھی تائید میں گردن ہلا دی۔ بات ان کی سمجھ میں آگئی تھی اور ویسے بھی بہتر یہی تھا کہ پیدل سفر کرنے کے بجائے کسی سواری کا بندوبست کیا جائے۔

آدھے گھنٹے بعد مائے پانگ خچر پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہوگئی۔ اس وقت دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ اس نے چوڑے چھجے والا ہیٹ سر پر جما رکھا تھا۔ کتا بھی خچر کے پیچھے چل پڑا تھا۔

ہمارے پاس انتظار کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔ ہم باہر درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھ گئے۔ بوری رام پہلے کچھ دیر کمرے کے اندر اپنے کاموں میں مصروف رہا پھر اس نے قریب کے کھیتوں کا ایک چکر لگایا اور ہمارے قریب آگر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی کھیتی باڑی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ یہاں سال میں دھان کی دو فصلیں ہوتی تھیں۔ ان دونوں فصلوں کے بیچ میں کچھ سبزیاں اگانے کا موقع بھی مل جاتا تھا۔

"ہم نے گزشتہ رات اس طرف سے دریا پار کیا تھا۔" میں نے ایک طرف اشارہ کیا "یہاں اور لوگوں کی بھی غیر قانونی آمد و رفت رہتی ہوگی۔"

"اکثر۔" بوری رام نے جواب دیا "لیکن غیر قانونی طور پر سرحد پار کنارے کے ساتھ ساتھ چٹانوں اور گھنے درختوں میں چھپ کر دور نکل جاتے ہیں۔ دیکھ لیے جانے یا پکڑے جانے کے خوف سے اس طرف یا کسی اور بستی کا رخ نہیں کرتے۔"

"اور سرحدی محافظ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ آئے تھے تو کیا میکانگ کے دوسری طرف سرحدی محافظوں نے تم لوگوں کو روکا تھا؟" اس نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا۔

"ہم تو انہیں رقم دے کر آئے تھے۔ ہمارے دریا پار کرنے کے لیے کشتی بھی انہوں نے ہی فراہم کی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"یہاں بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال ہے۔" بوری رام نے جواب دیا "یہ راستہ کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ کام دونوں طرف کے محافظوں کی ملی بھگت سے ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جو کرپشن کا شکار نہ ہو۔ ہر جگہ سب کچھ ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے گہرا سانس لیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی اور پھر کرپشن ہی کے موضوع پر باتیں ہونے لگیں۔ بوری رام..... بظاہر ایک جاہل سیدھا سادہ کسان نظر آتا تھا لیکن اس کی باتوں سے اندازہ ہوگیا کہ وہ بہت سلجھا ہوا اور باخبر آدمی ہے۔ اسے سب

زیادہ دکھ تو اس بات کا تھا کہ جن لوگوں کو کسی چیز کی حفاظت کی ذمے داری سونپی جاتی ہے وہی اسے نقصان پہنچاتے ہیں۔

باتیں کرتے کرتے وہ اچانک ہی خاموش ہوگیا۔ ایک مرتبہ ادھر اُدھر دیکھا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

"تین بجنے والے ہیں اور میں نے ابھی تک تم لوگوں کو کھانا نہیں کھلایا۔"

اس وقت واقعی ہمیں بھوک لگ رہی تھی۔ بوری رام نے وہی کھانا ہمارے سامنے چن دیا جو ہم صبح ناشتے میں کھا چکے تھے۔ کھانے کے بعد جانکی اور تھائی ایک تخت پر لیٹ گئیں اور کچھ ہی دیر بعد ان کے خراٹے سنائی دینے لگے۔ دونوں رات بھر کی جاگی ہوئی تھیں اور مجھے حیرت تھی کہ اب تک کس طرح آنکھیں کھولے بیٹھی رہی تھیں۔ بظاہر میری آنکھوں میں بھی ہو رہی تھی لیکن میں ابھی تک برداشت کر رہا تھا۔

پانچ بجے کے قریب مائے پانگ چھکڑے پر واپس آگئی۔ ریکٹر ٹرالی کی طرح چھکڑا تھا جس میں موٹر کے پہیے لگے ہوئے تھے۔ اس گاڑی کو کھینچنے کے لیے گھوڑے کے بجائے خچر سے کام لیا جا رہا تھا۔

مائے پانگ اپنے ساتھ کچھ اور چیزیں بھی لے کر آئی تھی۔ جنہیں وہ کمرے میں سنبھال کر رکھنے لگی۔ اس کی آواز سن کر تھائی اور جانکی جاگ گئیں۔ مائے پانگ ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔ میں باہر بوری رام کے ساتھ تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے والا تھا۔ مائے پانگ نے کمرے میں لیمپ روشن کردیا اور ہم سب کے لیے چائے بنانے لگی۔ ہمارا پروگرام یہ تھا کہ چائے پینے کے تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔ بوری رام نے ہمیں اس مکان کے رستے میں بتا دیا تھا جہاں ہمیں یہ خچر گاڑی چھوڑنی تھی۔

اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔ ہم روانگی کی تیاری کر رہے تھے کہ فضا اچانک ہی فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ سنگل شاٹ تھا۔ یہ آواز اس طرف سے آئی تھی جس طرف سے ہم دریا پار کرکے آئے تھے۔ ہم سب مڑ کر اس طرف دیکھنے لگے۔

دو تین منٹ بعد ہمیں بہت دور ڈھلان پر دو سائے حرکت کرتے ہوئے نظر آگئے۔ ان دونوں نے سفید لباس پہن رکھے تھے جس وجہ سے وہ ہمیں نظر آگئے تھے۔ اگر لباس سیاہ ہوتے تو اندھیرے میں دکھائی نہ دیتے۔

"اب تم لوگوں کا جانا مناسب نہیں ہے۔" بوری رام نے کہا "خچر گاڑی دیکھ کر انہیں شک ہوجائے گا کہ کوئی یہاں سے گیا ہے۔ میری چھٹی حس کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی ہے۔ اس لیے تم لوگ اس وقت تک یہاں رک جاؤ جب تک وہ لوگ کسی اور طرف نہ نکل جائیں۔"

"یہ کون لوگ ہوسکتے ہیں؟" میں نے کہا۔

"تان منہ۔" تھائی کے منہ سے بے اختیار نکلا "اس نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اگر میں کبھی اسے چھوڑ کر گئی تو وہ دنیا کے آخری سرے تک میرا پیچھا کرے گا۔ ہوسکتا ہے اس نے پتا چلا لیا ہو کہ میں تم لوگوں کے ساتھ بھاگی ہوں۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔" میں نے تھائی کو گھورا "اسے کیا پتا کہ ہم سرحد پار کرکے کس طرف گئے ہوں گے۔"

"میں ایک سال اس کے ساتھ رہی ہوں اور اسے اچھی طرح جان چکی ہوں۔ وہ میری تلاش میں تھائی لینڈ کا چپا چپا چھان مارے گا۔" تھائی نے کہا۔

تھائی کی بات میں کچھ وزن تھا۔ عین ممکن ہے تان منہ ہی اس کی تلاش میں آیا ہو لیکن وہ گولی کیوں چلائی گئی تھی۔

"تم لوگ اوپر چھت پر چلے جاؤ۔" بوری رام نے کہا "ادھر پچھلی طرف اینٹوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ چھت پر چڑھنے میں آسانی رہے گی۔ میں ان لوگوں سے نمٹ لوں گا۔"

ہم فوراً ہی مکان کے پچھلی طرف آگئے۔ جہاں دیوار کے ساتھ اینٹوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ میں نے اور بوری رام نے پہلے تھائی اور جانکی کو اوپر چڑھنے میں مدد دی پھر میں بھی اوپر آگیا۔ بوری رام نے ڈھیر پر سے کچھ اینٹیں گرا دیں اور سامنے کی طرف چلا گیا۔

چھت کے کنارے پر تقریباً دو فٹ اونچی منڈیر تھی۔ ہم سینے کے بل لیٹ کر منڈیر کے دوسری طرف دیکھنے لگے۔

وہ دو ہی آدمی تھے جو کھیتوں میں چلتے ہوئے مکان کی طرف ہی آرہے تھے۔ انہیں مکان تک پہنچنے میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ بوری رام اس وقت کمرے سے باہر آگیا اور جب ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے اونچی آواز میں بوری رام سے کچھ پوچھا تو تھائی نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ وہی ہے۔" اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

میں ذرا سا آگے جھک کر دیکھنے لگا۔

کمرے میں لیمپ جل رہا تھا اور کھلے ہوئے دروازے سے مدھم سی روشنی باہر بھی آرہی تھی اور اس مدھم سی روشنی میں دونوں کے چہرے دکھائی دے رہے تھے۔ تھائی نے آواز سے ٹھیک پہچانا تھا۔ میں نے تان منہ کو صرف ایک

مرتبہ ہوئے سائی میں تھائی کے ساتھ دیکھا تھا اور اس وقت اسے پہچاننے میں مجھے بھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا جس کے ہاتھ میں پستول نظر آرہا تھا۔ بوری رام ان دونوں کے سامنے کھڑا تھا اور وہ تان منہ کے سوال کے جواب میں کہہ رہا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ کل رات اگر کسی نے دریا پار کیا تھا تو وہ کس طرف گیا۔ ویسے کل رات میں یہاں تھا بھی نہیں۔ تھانگ سانگ گیا ہوا تھا۔ آج صبح ہی واپس آیا ہوں۔"

"ایک آدمی دو عورتیں۔" تان منہ نے کہا "انہوں نے یہیں سے دریا پار کیا تھا۔ سب سے پہلے تمہارا ہی فارم ہاؤس آتا ہے۔ تم نے یقیناً انہیں دیکھا ہوگا۔ ہوسکتا ہے وہ یہاں آئے بھی ہوں اور تم نے انہیں پناہ دی ہو۔ اس لیے بتا دو کہ وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"میں کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" بوری رام نے جواب دیا "میں نے کہا نا کہ کل رات میں یہاں نہیں تھا۔"

"تم یہ مت سمجھو کہ میں چوری چھپے سرحد پار کرکے آیا ہوں تو یہاں چھپ کر رہوں گا اگر وہ عورت مجھے نہ ملی تو میں اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ اس لیے مجھے بتا دو کہ وہ لوگ کہاں گئے ہیں۔ میں تمہیں اتنی دولت دوں گا کہ تم زندگی بھر ان زمینوں پر ہل چلانے کے بعد بھی حاصل نہیں کرسکو گے۔"

"میں کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" بوری رام نے جواب دیا۔

"تورانا۔" تان منہ نے اپنے ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم مکان کی تلاشی لو۔ مجھے یقین ہے وہ یہاں ضرور ٹھہرے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے ان کا کوئی سراغ مل جائے۔"

دوسرا آدمی تورانا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے میں داخل ہوگیا۔ اس کے صرف ایک منٹ بعد کمرے سے مائے پانگ کی ہلکی سی چیخ کی آواز سنائی دی اور پھر اس کے تھوڑی ہی دیر بعد تورانا اسے بازو سے پکڑے کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔

"یہ عورت اندر ایک کونے میں چھپی ہوئی تھی۔" تورانا نے تان منہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے یہ کچھ بتا سکے۔"

"کون ہے یہ؟" تان منہ نے بوری رام سے پوچھا۔

"میری بیوی ہے۔" بوری رام نے جواب دیا "یہ بھی میرے ساتھ گاؤں گئی ہوئی تھی۔ ہم آج صبح ہی آئے ہیں۔ یہ بھی کچھ نہیں جانتی۔"

"چار منگ۔" تان منہ' مائے پانگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "بہت حسین ہے۔ تم بھی اسے اس طرح پیار کرتے ہوگے جس طرح میں اس عورت کو پیار کرتا ہوں۔ مجھے دھوکا دے کر بھاگ آئی ہے۔ تمہاری یہ خوب صورت بیوی بتائے گی کہ وہ لوگ یہاں آئے تھے یا نہیں اور اگر آئے تھے تو کہاں گئے۔" اس نے سرگوشی میں تورانا سے کچھ کہا اور خود تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے میں داخل ہوگیا۔

تورانا ان دونوں کو پستول کی زد پر لیے کھڑا تھا۔ میرے خیال میں اب کھیل شروع ہونے والا تھا۔ یہ لوگ ہمارے بارے میں پوچھنے کے لیے مائے پانگ کے ساتھ زیادتی کریں گے اور ظاہر ہے میں اپنے آپ کو اس معاملے سے الگ نہیں رکھ سکوں گا لیکن... ابھی میری مداخلت کا وقت نہیں آیا تھا۔

تان منہ تقریباً پانچ منٹ بعد کمرے سے برآمد ہوا۔ اس کا چہرہ غصے میں لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک زنانہ ہینڈ بیگ تھا جسے دیکھ کر میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ تھائی کا ہینڈ بیگ تھا۔

"یہ ہینڈ بیگ۔" تان منہ بیگ بوری رام کے چہرے کے سامنے نچاتے ہوئے غرایا "اسی عورت کا ہے۔ تمہارے فارم ہاؤس میں اس بیگ کی موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ لوگ یہاں آئے تھے اور ممکن ہے اب بھی یہاں موجود ہوں اور ہمیں آتے دیکھ کر تم نے انہیں کہیں چھپا دیا ہو۔ بتاؤ وہ کہاں ہیں؟"

"یہ بیگ میری بیوی کا ہے۔ میں کسی اور کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" بوری رام نے جواب دیا۔

تان منہ چند لمحے خوں خوار نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے بیگ بڑے زور سے بوری رام کے منہ پر مار دیا۔ بوری رام کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم زیادتی کر رہے ہو۔" وہ تان منہ کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا "ایک تو تم غیر قانونی طور پر سرحد پار کرکے آئے ہو اور اوپر سے ہمیں ہراساں کر رہے ہو۔ میں اتھارٹیز کو اطلاع کردوں گا۔"

"اتھارٹیز کو اطلاع تو تم اس وقت دو گے جب اپنے پیروں پر چلنے کے قابل رہو گے۔" تان منہ نے کہا "میں اب بھی تمہیں ایک موقع دے رہا ہوں۔ تمہارے کمرے میں بیگ کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ وہ لوگ یہاں آئے تھے۔ ہوسکتا ہے تم نے انہیں کہیں چھپا دیا ہو۔ ان کے بارے میں بتا دو تو میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔ بصورتِ دیگر میں بتا دو تو تمہاری یہ خوب صورت بیوی..." اس نے خاموش ہوکر مائے پانگ کی طرف دیکھا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "...دونوں کی عمروں میں کم از کم تیس سال کا فرق لگتا ہے۔ تمہاری عمر بتا رہی ہے کہ تم اندر سے کھوکھلے ہو چکے ہو اور ...تک شاید اس نے جاری کا کچھ نہیں بگاڑ سکے لیکن ہم ...کا جو حشر کریں گے وہ دیکھ کر تم..."

"نہیں۔ تم ایسا نہیں کرسکتے۔" بوری رام چیخ اٹھا۔

"اگر تم ان لوگوں کے بارے میں بتا دو تو ہم تمہاری بیوی کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے۔" تان منہ نے جواب ...

"میں کچھ نہیں جانتا۔" بوری رام نے اس بار بھی چیخ کر جواب دیا۔

"لیکن یہ جانتی ہے اور ہمیں بتا بھی دے گی۔" تان منہ' مائے پانگ کی طرف متوجہ ہوگیا "کیا خیال ہے۔ تمہارے شوہر کو تو تمہاری عزت اور جان کا کچھ خیال نہیں۔ اگر تم اپنی عزت بچانا چاہتی ہو تو..."

"میں کچھ نہیں جانتی۔" مائے پانگ نے خوف زدہ ہونے کے باوجود ٹھوس لہجے میں جواب دیا "یہ بیگ میرا ہے اور یہاں کوئی اور نہیں آیا۔"

"تورانا۔ یہ پستول مجھے دو اور اسے بتاؤ کہ اس جیسی ...کی زبان ہم کس طرح کھلواتے ہیں۔"

تورانا نے پستول تان منہ کے حوالے کردیا اور اچانک ...مائے پانگ پر جھپٹ پڑا۔ مائے پانگ چیختے ہوئے اپنے آپ ...چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ اسی کھینچا تانی میں اس کی ...شرٹ چاک ہوگئی۔ وہ جدوجہد کرتی رہی۔ قمیص اس کے جسم ...الگ ہوکر تورانا کے ہاتھ میں آگئی۔ تورانا نے قمیص ...پھینک دی اور لپک کر مائے پانگ کو دبوچ لیا۔

اس موقع پر بوری رام نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر ...تان منہ نے اس کے پیروں کے قریب گولی چلا دی۔ اس ...ساتھ ہی وہ بھیڑیے کی طرح غرایا۔

"اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔ اگر حرکت کی تو دوسری گولی ...کھوپڑی اڑا دے گی۔ ویسے تمہارے پاس اب بھی ...اپنی بیوی کی عزت بچا سکتے ہو۔"

میرا خیال تھا کہ بوری رام اب زبان کھول دے گا لیکن ...مجھے اپنے اس خیال پر شرمندہ ہونا پڑا۔ بوری رام قبائلی تھا۔ یہ قبائلی مہمان نوازی کی روایات کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ہم اگرچہ ان کی عدم موجودگی میں تالا توڑ کر ان کے گھر میں گھسے تھے مگر بعد میں اس نے بہرحال ہمیں اپنا مہمان تسلیم کرلیا تھا اور یہ لوگ مہمان کی عزت و سلامتی کے لیے اپنی عزت اور جان تک قربان کردیتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ قومی سلامتی کا معاملہ بھی تھا۔ صبح کی باتوں سے اس نے یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ ہم لوگ بھی اس وطن کی سلامتی کے لیے اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے پھر رہے تھے اس لیے ان دونوں میاں بیوی نے ہمارے بارے میں اپنی زبانیں بند رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن اب میں بھی خاموش نہیں بیٹھا رہ سکتا تھا۔

"ہاں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں وہ لوگ یہاں آئے تھے۔" بوری رام نے چیختے ہوئے کہا "لیکن تمہیں نہیں بتاؤں گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں۔ ہم نے انہیں چھپا رکھا ہے لیکن تم ہماری زبان نہیں کھلوا سکو گے اور تم بھی یہاں سے بچ کر نہیں جاسکو گے۔"

میں نے مڑ کر تھائی اور جاپانی کی طرف دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور منڈیر پر چڑھ کر چھلانگ لگانے کے لیے پر تول رہا تھا کہ بوری رام نے پستول کی پروا کیے بغیر تورانا کی طرف چھلانگ لگا دی جس نے مائے پانگ کو دبوچ رکھا تھا۔ اسی لمحے فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ تان منہ کی چلائی ہوئی گولی بوری رام کی ٹانگ پر لگی اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہوگیا۔ تان منہ نے آگے بڑھ کر اسے زوردار ٹھوکر رسید کردی۔

"اب تم زبان کھولو گے۔" وہ غرایا "تورانا۔ چیڑ الو اس عورت کو۔ اسے بتا دو کہ ہم کسی کی زبان کس طرح کھلواتے ہیں۔"

میں نے منڈیر پر سے چھلانگ لگا دی۔ کمرے کی چھت تقریباً بارہ فٹ اونچی تھی۔ اس کے اوپر دو فٹ کی منڈیر تھی۔ میں تقریباً چودہ فٹ کی بلندی سے تان منہ سے دو تین فٹ کے فاصلے پر گرا۔ اگر تان منہ عین وقت پر اپنی جگہ سے نہ ہٹ جاتا تو میں اس کے اوپر ہی گرتا۔

اپنے عقب میں دھب کی زوردار آواز سن کر تان منہ اچھل کر میری طرف گھوم گیا لیکن میں نے اسے کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر پیر کی زوردار ٹھوکر اس کے پستول والے ہاتھ پر رسید کردی۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔

تان منہ اس اچانک افتاد سے بدحواس ہوگیا۔ میں نے اس کی بدحواسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہتھیلی پھیلا کر اس کے چہرے پر وار کیا۔ یہ ضرب گھونسے سے بھی زیادہ

شدید ثابت ہوئی۔ وہ بلبلاتا ہوا دوہرا ہوگیا۔ اس کی ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔ میں نے ایک زوردار رائٹ کک بھی لگادی۔ وہ ایک بار پھر چیختا ہوا بائیں طرف الٹ گیا۔

تورانا نے اب بھی مائے پانگ کو دبوچ رکھا تھا۔ میں نے اس کی طرف چھلانگ لگادی۔ میری ٹکر سے وہ مائے پانگ کو ساتھ لیتا ہوا زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

تان منہ کی عمر پینتالیس اور پچاس کے لگ بھگ تھی۔ وہ لڑائی بھڑائی کا آدمی نہیں تھا اور اس میں اتنا حوصلہ بھی نہیں تھا لیکن تورانا دراز قامت اور ہٹا کٹا آدمی تھا۔ اس کی عمر بھی تیس اور پینتیس کے درمیان رہی ہوگی۔ اس سے مجھے مقابلے کی توقع تھی۔

تورانا نیچے گرتے ہی سنبھل گیا تھا۔ اس نے مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی مگر میں نے اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی۔ میری زوردار سائڈ کک اس کے کولہے پر لگی۔ وہ... لڑکھڑایا مگر سنبھل گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ پھر مجھ پر حملہ کرے گا لیکن اس نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے مائے پانگ کی طرف چھلانگ لگادی اور اسے گرفت میں لینے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ مائے پانگ کو گرفت میں لے کر مجھے مزید کارروائی سے روکنے کی کوشش کرے گا لیکن مائے پانگ کی مزاحمت کی وجہ سے وہ اپنی اس کوشش میں بھی کامیاب نہیں ہوسکا۔ مزید برآں میں نے بھی اس پر چھلانگ لگادی تھی۔

میں تورانا کو رگیدتا ہوا دور تک لے گیا۔ مائے پانگ اپنے آپ کو چھڑا کر الگ ہوگئی تھی۔ بوری رام زخمی ہونے کے باوجود تان منہ سے لپٹ گیا تھا۔ تان منہ دولت سے کھیلنے والا آدمی تھا۔ عیاشیوں نے اسے اندر سے کھوکھلا کر رکھا تھا۔ لڑائی بھڑائی سے تو وہ بالکل واقف نہیں تھا۔ اس کے برعکس بوری رام کی عمر بھی اگرچہ پچاس سے اوپر تھی مگر وہ کسان تھا۔ دھرتی کا سینہ چیرنے والا۔ اس میں اب بھی بہت دم خم تھا۔ وہ تان منہ کو بری طرح رگید رہا تھا اور تان منہ کے منہ سے گندی گالیاں نکل رہی تھیں۔ دوسری طرف بوری رام کے کتے نے بھی بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ لگتا تھا جیسے اس کتے اور تان منہ میں زوردار قسم کی گالیوں کا تبادلہ ہو رہا ہو۔

میں تورانا کو رگید رہا تھا۔ ایک موقع پر تورانا کا داؤ چل گیا۔ وہ میرے سینے پر سوار ہوگیا۔ اس نے میرے گلے کو گرفت میں لے لیا تھا اور دونوں انگوٹھے میرے نرخرے پر دباؤ ڈال رہے تھے۔

اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے میں نے مائے پانگ کی طرف دیکھا۔ اس نے لیک کر وہ پستول اٹھالیا جو شروع میں تان منہ کے ہاتھ سے نکل کر دروازے کے قریب جا گرا تھا۔

تھائی اور جانگی چھت پر کھڑی چیخ رہی تھیں۔ وہ نیچے نہیں اتر پا رہی تھیں کیونکہ ہمارے چھت پر چڑھنے کے بعد بوری رام نے دیوار کے قریب ڈھیر سے بہت سی اینٹیں ہٹادی تھیں مگر مجھے تورانا کی گرفت میں دیکھ کر ان دونوں نے بیک وقت چھت سے چھلانگ لگادی۔ اس کے ساتھ ہی نیچے جانگی کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔

مائے پانگ پستول اٹھا کر ہماری طرف لپکی۔ اس نے پستول کے دستے کی زوردار ضرب تورانا کے سر پر لگائی۔ تورانا کراہتا ہوا ایک طرف الٹ گیا۔ اس کی گرفت سے نجات ملتے ہی میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اس سے پہلے کہ میں تورانا کی طرف بڑھتا، مائے پانگ پستول سیدھا کرکے پے در پے ٹریگر دباتی چلی گئی۔ تورانا کی صرف ایک چیخ سنائی دی تھی۔ گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہوتی رہیں اور وہ مرغ بسمل کی طرح زمین پر لوٹتا رہا۔

میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر مائے پانگ کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔ اس کے چہرے پر جنون کی سی کیفیت تھی۔ میں نے ایک ہاتھ سے پستول لے لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا کندھا تھپتھپانے لگا اور پھر اچانک ہی وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہی تھی۔

تھائی دوڑ کر میرے قریب آگئی۔ میں نے مائے پانگ کو اس کے حوالے کیا اور دوڑ کر بوری رام اور تان منہ کے قریب پہنچ گیا۔ بوری رام اگرچہ تان منہ کو چھوڑ کر الگ ہوگیا تھا مگر تان منہ پشت کے بل بے حس و حرکت اپنی جگہ پر پڑا تھا۔

جانگی اسی جگہ پڑی کراہ رہی تھی جس جگہ وہ چھت سے گری تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا بایاں پیر پکڑ رکھا تھا۔ میں دوڑ کر اس کے قریب پہنچ گیا اور اسے سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ ایک بار کی چیخ اٹھی۔ اس کے پیر میں موچ آگئی تھی اور وہ اس پر دباؤ نہیں ڈال سکتی تھی۔ میں نے جھک کر اسے گود میں اٹھالیا اور کمرے میں لے جا کر اسے پلنگ پر بٹھادیا۔ تھائی، مائے پانگ کو اپنے ساتھ لپٹائے کھڑی تھی۔ جانگی نے مائے پانگ کو پکڑ کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا۔

میں کمرے سے باہر نکلا تو تھائی بھی میرے پیچھے ہی آئی۔ بوری رام نے ایک بار پھر تان منہ کو دبوچ رکھا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر بوری رام کو کھینچ کر الگ کردیا اور تان منہ پر پستول تان لیا۔

"اٹھ کر کھڑے ہوجاؤ۔" میں نے غراتے ہوئے کہا "اپنے ساتھی کا انجام دیکھ چکے ہو۔ اگر تم نے کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو تمہارا انجام اس سے بھی زیادہ برا ہوگا۔"

اس کی حالت دیکھ کر میں دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ وہ کسی گڑبڑ کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنے آدمی کا انجام دیکھ کر اس کی ساری طراری ختم ہوگئی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"تھائی وانگ۔" وہ تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی "میں نے تمہارے ساتھ بھلائی کی اور تم نے مجھے اس طرح دھوکا دیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم..."

"تم نے میری زندگی بچائی تھی۔ میں اس کے لیے تمہاری احسان مند ہوں لیکن کسی پر احسان کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے بدلے کی توقع رکھی جائے۔ مجھے زندہ پاکر تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ یہ بہرحال تمہاری مہربانی ہے کہ تم نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "یہ محض اتفاق تھا کہ میرے یہ دوست ہوئے سائی میں نظر آگئے تھے۔ میں اگر تمہیں ان سے متعارف کروا دیتی تو تم یقیناً انہیں پکڑوا دیتے یا ختم کروا دیتے۔ اس لیے میں نے تمہارے سامنے انہیں پہچاننے ہی سے انکار کردیا تھا لیکن میں نے خفیہ طور پر یہ معلوم کرلیا تھا کہ یہ لوگ کہاں ٹھہرے ہوئے تھے اور پھر میں اسی رات ان کے پاس پہنچ گئی۔ یہ لوگ رات ہی کو وہاں سے روانگی کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ میں ان کے ساتھ آگئی۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی۔ اس نے نشست پر بیٹھے ہوئے بوری رام کی طرف دیکھا پھر دوبارہ تان منہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم نے ان بے گناہوں پر زیادتی کرکے نہایت ذلالت کا ثبوت دیا ہے۔ تورانا کو تو اس کے کیے کی سزا مل گئی۔ تمہارے لیے ہونا تو یہ چاہیے کہ تمہیں لے جاکر پولیس کے حوالے کردیا جائے۔ تم اپنے ملک میں ضرور معزز ہوگے مگر یہاں تمہارے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کیا جائے گا۔ تم اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی کوشش کررہے تھے۔ اب تم خود ہمارے رحم و کرم پر ہو ہماری نسبت..." وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی اور چند لمحوں بعد بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "میں احسان فراموش نہیں ہوں تم نے میری زندگی بچائی تھی۔ تمہارا یہ احسان میں زندگی کے آخری لمحوں تک یاد رکھوں گی اور اس وقت میں اپنے کندھوں پر تمہارے احسان کا کچھ بوجھ اس طرح ہلکا کرسکتی ہوں کہ تمہیں یہاں سے زندہ سلامت نکل جانے کا موقع دیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ تم لوگ جس کشتی پر آئے تھے، دریا کے ساحل پر کسی جگہ چھپا رکھی ہوگی۔ اب تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اپنی جان بچا کر یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ہم تمہیں صرف دو گھنٹوں کا وقت دے سکتے ہیں۔ دو گھنٹے گزرنے کے بعد سرحد کے اِس طرف دکھائی دیے تو وہ تمہاری زندگی کا آخری وقت ہوگا۔ اب تم جاسکتے ہو۔"

"تھائی..."

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔" تھائی نے اسے کچھ کہنے سے روک دیا "تم مجھ سے شادی کے لیے میرا فیصلہ سننا چاہتے تھے۔ میں نے اپنا فیصلہ سنادیا ہے۔ اب تم بھاگ لو یہاں سے۔"

اس موقع پر بوری رام نے مداخلت کی کوشش کی مگر میں نے اسے روک دیا۔ اس کے خیال میں تان منہ کو اس طرح چھوڑنے کے بجائے پولیس کے حوالے کردینا چاہیے تھا لیکن میں نے اسے خاموش کرادیا۔

تان منہ کچھ دیر کھڑا تھائی کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ سرد مہری تھی اور پھر وہ مڑ کر کھیتوں میں پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ کتے نے بھونکتے ہوئے اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کی مگر بوری رام نے اسے ڈانٹ کر دوسری طرف بھگادیا۔

ہم دیر تک وہیں کھڑے تان منہ کو کھیتوں میں جاتے ہوئے دیکھتے رہے اور جب وہ دور پہنچ کر نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تو ہم بھی کمرے میں آگئے۔ میں جھک کر بوری رام کی ٹانگ کو دیکھنے لگا۔ گولی اس کی پنڈلی کا گوشت چھیلتی ہوئی چلی گئی تھی۔ بہت معمولی سا خون رس رہا تھا۔ میں نے چادر کی ایک پٹی پھاڑ کر اس کے زخم پر باندھ دی اور جانگی کا پیر دیکھنے لگا۔ ٹخنے کے آس پاس سوجن بڑھ رہی تھی۔ چھت سے چھلانگ لگاتے ہوئے زمین پر اس کا پیر سیدھا نہیں پڑا تھا جس سے ٹخنا مڑ گیا تھا۔ مائے پانگ اس کے ساتھ لپٹی بیٹھی تھی۔ خود تکلیف میں ہونے کے باوجود جانگی نے ایک ہاتھ سے اسے اپنے ساتھ لپٹا رکھا تھا۔ مائے کی شرٹ تو پھٹ گئی تھی۔ ماں پانگ کا جسم اب بھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ جنون کی کیفیت میں اس کے ہاتھوں ایک قتل ہوگیا تھا اور یہ غالباً اسی خوف کا نتیجہ تھا۔

میں جانگی کے پیر کو ٹٹول کر دیکھنے لگا۔ مارشل آرٹ کی تربیت کے دوران میں میرے ساتھ بھی اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ میرے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوتا رہا تھا اور میں نے یہ بھی سیکھ لیا تھا کہ اکھڑے ہوئے جوڑ کس طرح بٹھائے جاتے ہیں۔

ٹخنے کے آس پاس ہلکا سا دباؤ ڈالنے سے جانگی کراہنے لگی۔ میں اس کے کراہنے کی پروا کیے بغیر ٹخنے کے آس پاس پیر کو ٹٹولتا رہا اور پھر ہلکا سا جھٹکا دیا۔ کڑک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ہی جانگی کے منہ سے چیخ نکل گئی مگر میں نے اس کا پیر نہیں چھوڑا۔ بوری رام بھی شاید ایسی چیزوں سے واقف تھا۔ وہ لپک کر کچن سے سرسوں کے تیل کی بوتل اٹھا لایا اور خود ہی جانگی کے پیر پر مالش کرنے لگا۔ جانگی کراہتے ہوئے مچل رہی تھی مگر میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے گرفت میں لے رکھا تھا۔ بوری رام نے چادر کا ایک لمبا ٹکڑا پھاڑ کر جانگی کے پیر پر پٹی باندھ دی۔

تھائی اور مائے پانگ سامنے والے تخت پر بیٹھ گئی تھیں۔ تھائی نے اسے اپنی آغوش میں اودھا لٹا رکھا تھا اور آہستہ آہستہ اس کا کندھا تھپتھپا رہی تھی۔

"تم نے اسے چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔" بوری رام تھائی اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "اسے تو باندھ کر پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے تھا۔"

"یہ درست ہے کہ وہ غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے آیا تھا۔ ہم اسے قانون کے حوالے کر دیتے تو اسے سزا بھی ہو سکتی تھی مگر تم نے شاید تصویر کے دوسرے رخ پر غور نہیں کیا۔" میں نے کہا۔

"دوسرا رخ..... کیا مطلب!" بوری رام نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"تصویر کا دوسرا رخ اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔" میں نے کہا "تمہاری بیوی کے ہاتھوں ایک قتل ہو چکا ہے۔ اگر ہم تان منہ کو لے جا کر پولیس کے حوالے کر دیتے تو وہ اپنے آدمی کی ہلاکت کا رونا روتا اور اس طرح مائے پانگ بھی قانون کی گرفت میں آجاتی اور تم بھی اس چکر میں پھنس جاتے۔"

"لیکن وہ قانون کا مجرم تھا۔ غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے آیا تھا۔" بوری رام نے کہا۔

"بلاشبہ وہ مجرم تھا مگر سزا دینے کا حق صرف عدالت کو ہے۔ کسی اور کو قانون ہاتھ میں لینے اور اپنے طور پر فیصلے کرنے کی اجازت نہیں۔" میں نے کہا۔

بات بوری رام کی سمجھ میں آگئی۔

"اس نے مائے پانگ کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی توہین کی تھی۔ مائے نے اسے سزا دے دی۔ اگرچہ اس نے یہ قدم نہایت اشتعال میں اٹھایا تھا۔ اس کی صورت میں اس کے ساتھ کچھ قانونی رعایت ہو سکتی ہے لیکن سزا سے بہرحال وہ پھر بھی نہ بچ سکتی اور تم جانتے ہو جب کوئی قانون کے چکر میں پھنستا ہے تو اسے کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ تم دونوں کو ان مصائب سے بچانے کے لیے ہی ہم نے تان منہ کو جانے دیا تھا۔"

"اگر وہ واپس جانے کے بجائے اپنے آدمی کے قتل کی اطلاع دینے کے لیے پولیس کے پاس چلا گیا تو؟" بوری رام نے کہا۔

"وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا۔" مجھ سے پہلے تھائی بول پڑی "وہ غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے آیا ہے۔ اپنے ملک میں وہ کتنا ہی بارسوخ سہی' یہاں اس کی حیثیت ایک مجرم کی ہوگی۔ پولیس قتل کے بارے میں کوئی کارروائی کرنے سے پہلے اسے سلاخوں کے پیچھے بند کر دے گی۔ نہیں بوری رام' وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا۔ اس نے تو اپنی جان بچ جانے پر شکر ادا کیا ہوگا اور مجھے یقین ہے کہ وہ کہیں رکے بغیر چلتا ہوا اب تک دریا پر پہنچ چکا ہوگا۔"

"باہر جو لاش پڑی ہے اس کا کیا کرنا ہے؟" جانگی نے ہماری باتوں میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ وہ اب اپنے آپ کو قدرے پُرسکون محسوس کر رہی تھی۔

"ظاہر ہے اسے اس طرح نہیں چھوڑا جا سکتا۔" میں نے کہا "اسے مکان سے کہیں دور لے جا کر دفن کرنا ہوگا تاکہ بعد میں بھی اس کا سراغ نہ لگایا جا سکے۔"

تھوڑی دیر بعد میں اور بوری رام باہر آگئے۔ بوری رام دو پھاوڑے بھی لے آیا تھا۔ وہ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ مکان کے پیچھے کافی دور جا کر ایک مناسب جگہ پر ہم گڑھا کھودنے لگے۔ زمین نرم تھی اس لیے پانچ چھ فٹ گہرا گڑھا کھودنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ گڑھا کھودنے کے بعد ہم لاش کو گھسیٹتا ہوا وہاں تک لے آیا۔

تورانا کی لاش دفن کرنے کے بعد ہم نے واپس آکر اس جگہ کی مٹی کھود کر برابر کر دی جہاں تورانا قتل ہوا تھا اور اس کا خون پھیلا ہوا تھا۔

منہ ہاتھ دھونے کے لیے ہمیں ایک بار پھر مکان کے پیچھے ندی پر جانا پڑا تھا۔

ہم واپس آئے تو تھائی اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور کچھ ہی دیر بعد چائے بنا کر لے آئی۔ اس وقت ہم سب کو چائے کی طلب محسوس کر رہے تھے۔ چائے پینے کے دوران میں ہم پروگرام بھی بناتے رہے۔ اب بوری رام اور جانگی بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار تھے۔ مائے پانگ کے دل میں خوف زدہ تھی۔ اس نے تو کہہ دیا تھا کہ اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گی۔ بوری رام کو زخم کے لیے یہاں واپس آنے کی ضرورت تھی اور ظاہر ہے یہاں وہ اپنا علاج نہیں کرا سکتا تھا۔

چائے پینے کے بعد میں اور بوری رام باہر آگئے۔ خچر کو تیار کرنے میں' میں بھی اس کی مدد کرنے لگا اور پھر گاؤں سے جو چیزیں لائے تھے' وہ بھی گاڑی میں ڈال دیں۔ تھائی اور مائے تو خود ہی گاڑی پر سوار ہو گئیں البتہ مجھے گود میں اٹھا کر لانا پڑا تھا۔ مائے نے عقل مندی یہ کی کہ دوبارہ جب وہ تھانگ سانگ گئی تھی تو واپسی پر ایک لے آئی تھی اور اس وقت دروازے پر وہی تالا لگایا تھا۔

میں بوری رام کے ساتھ اگلے حصے پر بیٹھ گیا تھا۔ لگام رام کے ہاتھ میں تھی۔ سردی کی وجہ سے اب اس کے میں ہلکی ہلکی تکلیف بھی شروع ہو گئی تھی۔

پہاڑی میں کھیتوں میں چھ میل کا یہ فاصلہ تقریباً ایک طے ہوا۔ خچر بہت ہی سست رفتار تھا۔ ویسے بھی چڑھائی کی وجہ سے گاڑی بار بار راستے سے اتر کر کچے میں جاتی تھی جسے نکالنے کے لیے مجھے ہی نیچے اتر کر زور لگانا پڑتا تھا۔

تھانگ سانگ خاصا بڑا قصبہ تھا۔ اس وقت رات کے بج چکے تھے لیکن قصبے میں ابھی رونق تھی۔ بوری رام قصبے کے بیرونی علاقے میں مختلف کشادہ سڑکوں پر ہوا... ایک مکان کے بہت بڑے پھاٹک کے سامنے یا۔ اس نے نیچے اتر کر آہنی چادر والے گیٹ کو زور سے کھٹکھٹایا اور دوبارہ گاڑی پر بیٹھ گیا۔

چند منٹ بعد گیٹ کھل گیا۔ بوری رام گاڑی کو اندر گیٹ کے اندر بہت وسیع و عریض کمپاؤنڈ تھا۔ ایک طرف روک لی۔ اس دوران میں گیٹ کھولنے والا وہاں پہنچ گیا۔ وہ روشنی میں آیا تو پتا چلا کہ وہ ایک عورت تھی۔ مائے پانگ گاڑی رکتے ہی چھلانگ لگا کر اور اس عورت سے لپٹ گئی۔ وہ عورت مائے کی

یہ بات راستے ہی میں طے ہو گئی تھی کہ بوری رام کے گھر والوں یا کسی اور کو اصلی بات نہیں بتائی جائے گی۔ البتہ یہ بتایا جائے گا کہ فارم پر کام کے دوران میں بوری رام کو چوٹ لگ گئی تھی جس وجہ سے ان دونوں کو واپس آنا پڑا اور ہم چیانگ کھون سے چیانگ سائین کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ بھٹک کر ان کے فارم ہاؤس کی طرف نکل گئے اور یہ لوگ ہمیں ساتھ لے آئے۔

بوری رام کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کا کوئی بہن بھائی بھی نہیں تھا۔ مائے پانگ کی ماں اور اس کی بڑی بہن اس مکان میں رہتی تھیں۔ بوری رام نے گاڑی پر بیٹھے بیٹھے اپنی ساس کو ایک من گھڑت کہانی سنا دی۔ میں نے نیچے اتر کر اسے گاڑی سے اترنے میں مدد دی۔ بوری رام نے اپنی ساس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ میری ایک ساتھی کے پیر پر بھی چوٹ لگی ہوئی ہے اور وہ چل نہیں سکتی۔

بوری کی ساس نے کمروں کے سامنے کھڑی ہوئی اپنی دوسری بیٹی سے اونچی آواز میں کچھ کہا اور پھر مجھے بتایا کہ میں جانگی کو وہاں لے جاؤں۔ میں نے جانگی کو گود میں اٹھا لیا۔ مائے پانگ اپنے شوہر کو سہارا دے کر چلنے لگی۔ تھائی ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ بوری رام کی ساس خچر کو گاڑی سے کھولنے لگی تھی۔

میں جانگی کو لے کر اس کمرے میں داخل ہو گیا جس کے دروازے پر کھڑی ہوئی مائے پانگ کی بہن نے اشارہ کیا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی اندر داخل ہوئی تھی۔ میں نے جانگی کو بیڈ پر بٹھا دیا اور مائے کی بہن کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ مجھے کچھ جانا پہچانا سا لگا لیکن یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ کب اور کہاں دیکھا تھا۔ چند سیکنڈ بعد جیسے ہی تھائی کمرے میں داخل ہوئی مائے کی بہن اسے دیکھ کر اچھل پڑی۔ تھائی بھی اسے دیکھ کر چونک گئی۔

"ارے انزاک تم۔" تھائی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور انزاک بھی "ارے تھائی" کہتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ دریائی سرحد پار کرنے کے بعد ہم پناہ لینے کے لیے بوری رام کے فارم ہاؤس میں رکے تھے۔ ان دونوں میاں بیوی نے ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا بلکہ ہماری وجہ سے اپنی جانیں بھی خطرے میں ڈال دی تھیں اور یہاں بوری رام کی سالی انزاک' تھائی کی شناسا نکلی تھی اور پھر یہ انکشاف بھی میرے لیے بڑا دلچسپ ثابت ہوا کہ جس زمانے میں تھائی بنکاک میں مساج پارلر چلایا کرتی تھی' انزاک بھی اس کے پاس کام کرتی تھی۔ انزاک اس

کے ایک مساج پارلر برانچ کی انچارج تھی اور پھر مجھے بھی یاد آگیا کہ میں نے انزاک کو کہاں دیکھا تھا۔ دراصل میں نے انزاک کو نہیں بلکہ تھائی کے بنگلے میں موجود ایک البم میں اس کی تصویر دیکھی تھی۔ وہ تصویر نہایت مختصر لباس میں تھی اور اب میں اس کے بارے میں بہت کچھ سمجھ گیا تھا۔

میری وجہ سے جب تھائی پر دارا اور ٹائیگر کا قہر نازل ہونا شروع ہوا تو اس کا سارا بزنس چوپٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے اپنا وہ مساج پارلر انزاک کو دینے کی پیشکش کی تھی لیکن وہ اسے نہیں چلا پائی تھی اور چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

مائے پانگ اور بوری رام بھی اس کمرے میں آگئے اور جب انزاک نے انہیں تھائی کے بارے میں بتایا تو بوری رام کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی تھی۔ انزاک کی باتوں نے اس کہانی کی تصدیق کردی تھی جو ہم اپنے بارے میں پہلے ہی بوری رام کو سنا چکے تھے۔

مائے پانگ کی ماں کمرے میں آکر دیر تک بوری رام سے سوال جواب کرتی رہی۔ بوری رام نے اسے بتایا کہ کام کرتے ہوئے لوہے کا نوک دار سریا اس کی ٹانگ کے گوشت کو چیرتا ہوا چلا گیا تھا۔

"انزاک۔" ماں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم ان لوگوں کے کھانے پینے کا بندوبست کرو میں ڈاکٹر کو لے کر آتی ہوں۔ اس کے زخم کی ڈریسنگ بہت ضروری ہے۔ انفیکشن ہوگیا تو زخم بگڑ جائے گا اور مائے تم بھی بوری کو دوسرے کمرے میں لے چلو۔"

مائے پانگ کی ماں چلی گئی۔ مائے بھی بوری رام کو دوسرے کمرے میں لے گئی اور انزاک بھی کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے کمرے سے نکل گئی۔

ہمیں بوری رام اور مائے پانگ کی وجہ سے کچھ حوصلہ تو تھا ہی، انزاک کی وجہ سے مزید اطمینان ہوگیا۔

جانکی کی وجہ سے ہمیں تقریباً ایک ہفتہ وہاں رہنا پڑا۔ اس دوران میں ایک مخصوص تیل سے جانکی کے پیر کی مالش ہوتی رہی جس سے اسے کافی فائدہ ہوا اور وہ آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

اس ایک ہفتے کے دوران میں ہم میں بہت سی باتیں ہوئی تھیں۔ انزاک، تھائی کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ تھائی سے پیش آمدہ حالات کے بارے میں پوچھتی رہتی۔ ہماری باتوں میں اکثر سردار تھالوب کا بھی ذکر آتا۔ انزاک اکثر چیانگ سائین جاتی رہتی تھی۔ اس نے بتایا کہ تین چار مہینے پہلے سردار تھالوب کے تباہ شدہ مکان کی جگہ نیا مکان تعمیر ہو چکا ہے۔

مزید دو دن گزارنے کے بعد بالآخر ہم نے چیانگ سائین جانے کا فیصلہ کرلیا۔ انزاک بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہوگئی۔

انزاک، مائے پانگ سے تین سال بڑی تھی۔ اس کے دوسرے بہن بھائی الگ مکان میں رہتے تھے۔

اس روز ہم بوری رام اور مائے پانگ کے رخصت ہو کر شام کی آخری بس سے چیانگ سائین کے لیے روانہ ہوگئے۔ اس وقت دن کی روشنی تھی لیکن پہاڑیوں میں راستہ نہایت دشوار گزار ہونے کی وجہ سے بس کی رفتار سست تھی۔ بارہ میل کا فاصلہ تقریباً ایک گھنٹے میں طے ہوا۔

چیانگ سائین پہنچے تو آٹھ بج رہے تھے۔ میں ایک سال بعد اس شہر میں آیا تھا۔ ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں کے نیون سائن جگمگا رہے تھے۔ جس جگہ ہم بس سے اترے وہاں سے سردار تھالوب کے بنگلے کا فاصلہ تقریباً ایک میل کے لگ بھگ تھا اور ہم نے یہ فاصلہ پیدل ہی طے کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ایک سال پہلے جب ہم یہاں تھے تو صورت حال مختلف تھی۔ اس وقت ہمارے چاروں طرف دشمن پھیلے ہوئے تھے۔ ہمیں قدم قدم پر محتاط رہنا پڑتا تھا لیکن آج صورت حال مختلف تھی۔ اس وقت ہم آزادی سے ٹہلتے ہوئے جا رہے تھے۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ اس شہر میں اب بھی میرے بہت سے دشمن موجود تھے اور بوری رام کے بھی خبردار بھی کردیا تھا۔

ہم چاروں باتیں کرتے، ٹہلتے ہوئے چل رہے تھے کہ سامنے سے آنے والی ایک تیز رفتار ٹریو جیپ ہمارے قریب سے گزر گئی لیکن بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز سن کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تقریباً پچاس گز دور وہ جیپ رک گئی اور پھر وہ یوٹرن لے کر واپس آنے لگی۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ میں نے تھائی پستول کسی ممکنہ خطرے سے آگاہ کردیا اور جیپ سے وہ پستول لیا جو چند روز پہلے تک تان منہ کی ملکیت تھا۔ اس میں دو یا زیادہ سے زیادہ تین گولیاں ہوں گی مگر یہ بھی حال میں یہ بھی کار آمد ثابت ہو سکتی تھیں۔

پیچھے سے آنے والی جیپ ہمارے قریب پہنچ کر بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز سے ہم کے چند رک گئی۔ ہم رک گئے۔ میں کسی بھی صورت حال کرنے کے لیے تیار تھا۔

جیپ کا ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھلا اور ایک دراز قد آدمی اتر کر ہماری طرف لپکا۔ قریب ہی ایک نائٹ کلب کی پیشانی پر رنگ برنگا نیون سائن جگمگا رہا تھا۔ ویسے بھی اس جگہ کافی روشنی تھی۔ اس دراز قامت شخص کو جیپ سے اتر کر اپنی طرف لپکتے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

وہ سردار تھالوب تھا!

سردار تھالوب کی گرم جوشی قابل دید تھی۔ وہ مجھ سے اس طرح ملا تھا جیسے برسوں سے بچھڑا ہوا سگا بھائی مل گیا ہو۔ وہ بار بار میرا منہ چوم رہا تھا۔ گلے لگا کر بھینچ رہا تھا۔ تھائی اور جانکی سے بھی وہ اسی گرم جوشی سے ملا تھا البتہ انزاک سے ہاتھ ملانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

ہم کچھ دیر تک وہیں کھڑے باتیں کرتے رہے پھر سردار تھالوب کے ساتھ اس کی ٹریو جیپ میں بیٹھ گئے۔ پے جیرو کی یہ جیپ بہت شان دار تھی۔ تھائی وغیرہ پچھلی سیٹوں پر بیٹھ گئیں اور میں آگے پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سردار تھالوب اس وقت کسی کام سے مائے سین کی طرف جا رہا تھا جن سے ملاقات کے بعد اس نے ارادہ بدل دیا اور جیپ واپس اپنے بنگلے کی طرف موڑ دیا۔

پہلے یہاں قدیم طرز کی عمارت ہوا کرتی تھی جو جنرل ہوراٹ کے آدمیوں نے راکٹوں سے تباہ کردی تھی۔ اس جگہ اب بڑی شان دار جدید طرز کی عمارت نظر آرہی تھی۔

جیپ جیسے ہی گیٹ میں داخل ہوئی، مجھے لوما نظر آگیا۔ وہ اس کے ساتھ دو قبائلی اور بھی تھے۔ وہ تینوں عمارت کے برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے لیکن جیپ کو اندر میں داخل ہوتے دیکھ کر اٹھ گئے تھے۔ مجھے اور تھائی کو جیپ سے اترتے دیکھ کر لوما پہلے تو حیرت سے ہمیں تکتا رہا پھر چھلانگ لگا کر اور پھر دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ اس نے سردار تھالوب ہی کی طرح گرم جوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"دیکھو لوما کو تم سے کتنی محبت ہے۔" سردار تھالوب نے لوما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم لوگوں کے لیے سب متفکر تھے۔ دیکھو لوما کا چہرہ کیسے کھل اٹھا ہے۔"

"تمہارے دلوں سے بھی کسی کی محبت کم نہیں ہوئی۔" مسکرا کر تھائی نے جواب دیا "ہم بھی ہر ہر لمحہ تم سب کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ میں نے تو مرنے سے پہلے بھی تم لوگوں کو یاد کیا تھا۔"

"مرنے سے پہلے کیا مطلب؟" سردار تھالوب نے اسے ٹوکا "تم کہنا کیا چاہتی ہو کہ تم مر چکی ہو اور اس وقت ہمارے سامنے تمہاری روح کھڑی ہے۔"

"یہی سمجھ لو تھالوب۔" میں نے کہا "یہ تھائی کا دوسرا جنم ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" سردار تھالوب کے لہجے میں اب بھی حیرت تھی۔

"لمبا قصہ ہے۔ اطمینان سے بتاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا۔ چلو۔ اندر تو چلو۔ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ میں بھی کتنا بے وقوف ہوں۔ تم لوگوں کو باہر ہی روکے ہوئے ہوں اور لوما۔" وہ لوما کی طرف گھوم گیا "تمہارے مہمان آئے ہیں۔ ان کی کوئی خاطر نہیں کرو گے۔"

"کیوں نہیں سردار۔" لوما بولا "پہلے میں انہیں کافی پلاؤں گا اور پھر ان کے لیے تھائی سوپ اور کھانا تیار کروں گا۔"

ہم سردار تھالوب کے ساتھ اندر آگئے اور پہلے گھوم پھر کر مکان دیکھنے لگے۔ مکان پہلے سے بڑے رقبے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ کمروں کی تعداد بھی زیادہ تھی اور وہ پہلے سے زیادہ کشادہ بھی تھا۔ اوپر جانے کے لیے گول زینہ تھا۔ اوپر کی منزل پر بھی پانچ کمرے تھے۔ ہم گھوم پھر کر نیچے نشست گاہ میں آگئے۔ تمام کمرے بہت شاندار تھے، فرنیچر سے آراستہ تھے۔

"بہت شان دار۔" جانکی نے کہتے ہوئے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا "لیکن ایک چیز کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔"

"تم جس چیز کی کمی محسوس کر رہی ہو، وہ اس وقت چیانگ رائے میں ہے۔" سردار تھالوب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

تھالوب کے اس جواب پر جانکی نے بڑا جان دار قسم کا قہقہہ لگایا تھا۔ پہلے تو میں مطلب نہیں سمجھ سکا پھر بات سمجھ میں آگئی۔ جانکی نے رنگولی کی کمی کا ذکر کیا تھا۔

"رنگولی چیانگ رائے میں کیا کر رہی ہے؟ اسے تو یہاں ہونا چاہیے تھا۔" میں نے تھالوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسے رقص سے عشق ہے۔" تھالوب نے جواب دیا "یہاں اس چھوٹے سے شہر میں اسے موقع نہیں ملتا۔ یہاں اس کے فن کی داد دینے والا بھی کوئی نہیں۔ فنکاروں کو داد کی طلب ہوتی ہے اور داد وہیں ملتی ہے جہاں قدرداں ہوں اور قدرداں چیانگ رائے اور بنکاک جیسے بڑے شہروں ہی میں ہوتے ہیں۔ میں اس کے شوق میں مزاحم نہیں ہونا چاہتا اس

لیے۔۔۔"

"اسے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔" جانکی نے اس کا جملہ مکمل کردیا۔

"چھوٹ۔" تھالوب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا "میں اس پر پابندی لگانے والا کون ہوتا ہوں؟"

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں کے بیچ میں جو حجاب ہے اسے اب ختم ہوجانا چاہیے۔" جانکی نے سردار تھالوب کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"حجاب!" تھالوب کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

اسی وقت لوما کافی لے کر آگیا۔ دور سے میں نے اس کی گنگناہٹ کی آواز سنی تھی لیکن قریب آکر اس نے گنگنانا بند کردیا۔

کافی آنے کے بعد گفتگو کا موضوع بھی بدل گیا۔ تھائی نے انزاک کا تعارف کرایا جو اب تک خاموش بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہی بوری رام اور مائے پانگ کا ذکر بھی آیا اور ان کے ساتھ تان منہہ کا تذکرہ بھی ضروری ہوگیا۔

"تان منہہ!" سردار تھالوب کے لہجے میں حیرت تھی "وہ حرامی یہاں کیسے آگیا؟"

"وہ تھائی کے پیچھے آیا تھا۔" میں نے کہا اور پھر میں اسے تھائی کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔

"میں تان منہہ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ بہت حرامی آدمی ہے۔" تھالوب نے میرے خاموش ہونے پر کہا "یہ تھائی کی خوش قسمتی ہے کہ اس کے چنگل سے بچی رہی۔ میں آج ہی سرحدی چوکی کے کمانڈر کو فون کرکے اس کے بارے میں بتا دیتا ہوں اگر تان منہہ تھائی سرحد میں موجود ہو تو اسے پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کردیا جائے گا اور تم لوگ۔" وہ انزاک کی طرف دیکھنے لگا "بوری رام اور مائے پانگ کو اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مائے پانگ کے ہاتھوں اگر کسی کا قتل ہوا ہے تو اس میں مائے پانگ کے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس نے اپنی عزت بچانے کے لیے اشتعال میں گولی چلائی تھی اور اس کی ذمے داری بھی تان منہہ پر عائد ہوتی ہے جس نے اپنے آدمی کو مائے پانگ پر مجرمانہ حملہ کرنے پر اکسایا تھا۔ بہرحال، میں اس سلسلے میں بھی بات کروں گا اور تم لوگوں کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔"

انزاک حیرت سے ہم سب کی صورتیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے لیے تو یہ انکشاف ہی بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ اس کی چھوٹی بہن کے ہاتھوں کوئی قتل ہوچکا ہے۔ انزاک اس کی ماں کو تو ہم نے تان منہہ اور اس قتل کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔

وقفے وقفے سے گفتگو کا موضوع بھی بدلتا رہا۔ سردار تھالوب کہہ رہا تھا۔

"مجھے یہ تو پتا چل گیا تھا کہ تم لوگ جنرل کھوراٹ کی بھاری نقصان پہنچانے کے بعد گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف نکل گئے ہو لیکن تھائی کے بارے میں مجھے پتا نہیں چلا تھا کہ اس پر کیا بیتی تھی اور پھر اس کے کئی مہینوں بعد تک تم لوگوں کے بارے میں بھی کوئی خبر نہیں ملی۔ بالآخر ایک روز میں نے مہاراج سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ تم لوگ شاؤلن ٹیمپل پہنچ چکے ہو لیکن تھائی کا کوئی ذکر نہیں ہوا تھا۔ میں بہرحال مطمئن ہوگیا کہ تم لوگ خیریت سے ہو۔"

"خیریت!" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "جنرل کھوراٹ اور دارا کے آدمیوں نے تو آخر تک ہمارا بھی پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر ہکسیان اور میگا تیراڈ کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں کہہ رہا تھا "سنا ہے دارا آج کل پھر بنکاک میں ہے۔"

"سنا تو میں نے بھی یہی ہے۔" تھالوب نے جواب دیا "لیکن اسے یہاں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ وہ ویسے بھی پس منظر میں ہے۔ بہرحال، اب تم لوگ آگئے ہو۔ قانونی کارروائی کریں گے اسے۔"

دس بجے کے قریب لوما نے کھانا تیار ہوجانے کی اطلاع دی۔ ہم لوگ نشست گاہ سے اٹھ کر ڈائننگ روم میں آگئے۔ بڑی سی میز لوازمات سے بھری ہوئی تھی۔ لوما نے کھانا تیار کرنے میں بڑی عجلت دکھائی تھی۔ یوں تو تمام ہی کھانے مزے دار تھے مگر تھائی سوپ کی اپنی ہی لذت تھی۔

کھانے کے بعد میں نے فون پر بنکاک میں مہاراج کا نمبر ملایا۔ وہاں سے پتا چلا کہ مہاراج اس وقت جمنازیم میں ہیں اور دیر تک وہیں رہیں گے۔ میں نے کریڈل ٹپ کرکے جمنازیم کا نمبر ملایا۔ کال ماسٹر ہوچن نے ریسیو کی تھی۔ میری آواز سنتے ہی شاید وہ اچھل پڑا تھا۔

"ہے وجدان۔" وہ چیخ کر بولا "کہاں غائب ہو تم شاؤلن ٹیمپل سے تو تم کئی روز پہلے روانہ ہوگئے تھے۔"

"یس ماسٹر۔" میں نے جواب دیا "ہمارا خیال تھا کہ چین کی سرحد سے برما میں داخل ہوکر کنمنگ بوری کی طرف سے تھائی لینڈ آئیں گے مگر ہم غلطی سے لاؤس میں داخل ہوگئے۔ چند روز پہلے میکانگ پار کرکے ہم تھائی لینڈ میں داخل ہوئے ہیں اور اس وقت چیانگ سائین میں سردار تھالوب کے مہمان ہیں۔"

"اوہ۔" ماسٹر ہوچن کی آواز سنائی دی "مجھے تمہارے یہاں آنے کی خوشی ہے۔ تم لوگ ٹھیک ہو نا۔ تھائی اور جانکی بھی ہیں؟"

"ہم سب ٹھیک ہیں۔" میں نے جواب دیا "تم کیسے ہو مہاراج کیسے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک۔ لو مہاراج سے بات کرو۔" ماسٹر ہوچن نے کہا۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر ریسیور پر مہاراج کی آواز سنائی دی "ہیلو وجدان کیسے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں مہاراج۔ آپ کیسے ہیں؟" میں نے پوچھا اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے تک مہاراج سے باتیں ہوتی رہیں۔ مہاراج نے تھائی، جانکی اور سردار تھالوب سے بھی بات کی تھی۔ انہوں نے سردار تھالوب سے کہا تھا کہ وہ ہمیں لے کر جلد بنکاک پہنچ جائے۔

فون بند کرنے کے بعد ہم پھر باتوں میں مصروف ہوگئے۔ جانکی، تھائی اور انزاک ایک کمرے میں جاکر سوگئی تھیں۔ میں اور سردار تھالوب ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھے رہے۔ ہماری باتوں کا سلسلہ ختم ہی نہیں ہورہا تھا۔ ہمارے پاس کرنے کو بہت سی باتیں تھیں۔

"میں نے سنا تھا کہ تمہیں حکومت میں کسی بڑے عہدے کی پیشکش بھی کی گئی تھی؟" میں نے سردار تھالوب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ اور یہ پیشکش میری خدمات سے متاثر ہوکر کی گئی تھی لیکن میں نے جو کچھ بھی کیا تھا، وہ کسی معاوضے یا لالچ کے لیے نہیں کیا تھا۔ وطن کی خدمت کے لیے کسی عہدے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کوئی بھی محب وطن سرکاری عہدوں سے بے نیاز ہوکر بھی وطن کی خدمت کرسکتا ہے اور پھر دوسرے اوپر اپنے قبیلے کی بھی ذمے داریاں ہیں۔ میرے لیے سب سے بڑا انعام ہے کہ حکومت نے میری خدمات کا اعتراف کیا اور اس سرحد کے حوالے سے میرے مشوروں کو اہمیت دی۔ ان پر عمل درآمد کیا جس کے نتیجے میں اس علاقے میں جنرل کھوراٹ کے آدمیوں کی مداخلت کچھ کم ہوگئی ہے۔ میرے قبیلے کے کئی اڈے تو ہم نے اسی زمانے میں ختم کردیے تھے۔ کچھ اڈے باقی ہیں جو نہایت خفیہ ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ہم آہستہ آہستہ انہیں بھی ختم کردیں گے۔ یہ میرے لیے سب سے بڑا اعزاز ہے کہ حکومت اب مجھ سے مشورے لیتی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "برما اور لاؤس کی سرحد کی طرف بعض قبائل اب بھی پوست کی کاشت کرتے ہیں۔ منشیات کے بین الاقوامی اسمگلر بھاری معاوضے پر ان سے فصل خرید لیتے ہیں جن سے تیار ہونے والی منشیات انسانیت کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔ یہ قبائل بھی پوست کاشت کرنے پر مجبور ہیں۔ اس پر ایک تو محنت کم ہوتی ہے اور معاوضہ زیادہ ملتا ہے۔ دوسرے ان کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ ان زمینوں پر کچھ اور کاشت کرسکیں۔ میں نے حکومت کو تجویز پیش کی تھی کہ ان علاقوں میں لیچی اور اسٹرابری کی کاشت ہوسکتی ہے مگر کاشتکاروں کے پاس اتنے وسائل بھی نہیں اور انہیں ان فصلوں کا زیادہ معاوضہ بھی نہیں ملے گا لیکن اگر حکومت ان کی مالی معاونت کرے تو صحت مند فصلیں کاشت کرکے پوست کی کاشت کو بتدریج کم کیا جاسکتا ہے۔ حکومت نے میری یہ تجویز مان لی اور گزشتہ چار پانچ مہینوں سے اس پر کام ہورہا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے بار بار بنکاک بھی جانا پڑتا ہے اور ان قبائلی علاقوں کے دورے بھی کرنے پڑتے ہیں۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ تقریباً ایک منٹ کی خاموشی کے بعد سردار تھالوب نے دوبارہ لب کشائی کی۔ وہ کہہ رہا تھا "ہم اس برائی کو مکمل طور پر ختم تو نہیں کرسکتے مگر اسے کم کرنے میں اپنا کردار ادا کرسکتے ہیں۔ ایک سال پہلے جب تم سے ملاقات ہوئی تھی تو میں تمہاری باتوں سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ اگرچہ اس وقت بھی میں منشیات کے خلاف تھا۔ اپنے زیر اثر علاقوں میں پوست کی کاشت کا خاتمہ کرچکا تھا لیکن تمہاری باتوں اور تمہارے خیالات نے میرے خیالات کو مہمیز کیا اور میں ہر طرح سے تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوگیا۔ یہ ہماری مشترکہ مہم کا نتیجہ ہے کہ ہم کم از کم اپنے علاقے میں اس برائی کو کسی حد تک کم کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ ہم اپنی کوششیں جاری رکھیں گے اور ایک نہ ایک دن کم از کم اپنے علاقے میں اس برائی کا جڑ سے خاتمہ کردیں گے۔"

مجھے سردار تھالوب کی نیت پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ اس نے میرے ساتھ مل کر اس کے لیے بہت کام کیا تھا۔ اپنے کئی آدمی مروائے تھے۔ اپنی جان خطرے میں ڈالے رکھی تھی۔ اپنا گھر تباہ کروالیا تھا مگر اس کے پایۂ استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی تھی۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا کہ اس کے دل میں کوئی لالچ نہیں تھا۔ دل میں لالچ ہوتا تو وہ ان سرگرمیوں میں میرا ساتھ ہی نہ دیتا۔ اپنے علاقوں میں پوست کاشت کرکے عیش کرتا مگر اس کے دل میں انسانیت کا درد تھا۔ وہ

جان گیا تھا کہ یہ لعنت انسانیت کو مفلوج کر رہی ہے۔ اس نے اپنے علاقے میں اس کی کاشت بند کروا دی تھی۔ اسے حکومت میں ایک بڑے عہدے کی پیشکش کی گئی تھی جسے اس نے قبول نہیں کیا تھا۔ لالچ ہوتا تو وہ یہ عہدہ قبول کر کے بھی عیش کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے مکان کو راکٹوں سے حملہ کر کے تباہ کر دیا گیا تھا۔ حکومت کی طرف سے اسے مکان کے معاوضے اور تعمیر کی پیشکش بھی کی گئی تھی لیکن اس نے یہ پیشکش بھی قبول نہیں کی تھی۔

"تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں مہاراج جیسا آدمی مل گیا۔" سردار تھالوب کہہ رہا تھا "تم اگر غلط ہاتھوں میں چلے جاتے تو آج دوسروں کے لیے بہت بڑا خطرہ بن چکے ہوتے لیکن مہاراج نے جس طرح تمہاری تربیت کی ہے، وہ قابلِ رشک ہے۔"

"ہاں۔ یہ واقعی میری خوش قسمتی ہے۔" میں نے جواب دیا "مہاراج جیسے لوگوں کی محبت اور شفقت بھی قسمت والوں کو ہی ملتی ہے۔"

رات بیتی جا رہی تھی لیکن ہماری باتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہو رہا تھا۔ اس دوران میں لوما نے ہمیں کم از کم دو مرتبہ کافی بنا کر دی تھی۔ وہ بھی جاگ رہا تھا کہ نجانے کب ہمیں کس چیز کی ضرورت پڑ جائے لیکن بالآخر صبح چار بجے کے قریب میرے قویٰ مضمحل ہونے لگے اور جماہیاں آنے لگیں۔

"رات ختم ہو رہی ہے۔" سردار تھالوب نے کہا "اب تم بھی سو جاؤ۔ میں صبح مائے سین چلا جاؤں گا۔ تین چار گھنٹوں میں واپسی ہو گی۔ شام سے ذرا پہلے ہم چیانگ رائے کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ اس وقت تک تم لوگ بھی یہاں گھوم پھر لینا۔ میں نرو جیپ یہیں چھوڑ جاؤں گا۔"

سردار تھالوب نے مجھے وہ کمرا دکھا دیا جہاں مجھے رات کا باقی حصہ گزارنا تھا۔ اس کا اپنا بیڈ روم اوپر کی منزل پر تھا۔ سردار تھالوب اوپر چلا گیا۔ میرے سامنے والے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ اندر بتی جل رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ جانکی، تھائی اور انزاک ایک ہی بیڈ پر ایک دوسرے پر لدی سو رہی تھیں۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا۔

بستر پر لیٹنے کے بعد میں کچھ دیر تک نہیں سو سکا اور سردار تھالوب کے بارے میں سوچتا رہا۔ بالآخر میری آنکھیں نیند کے بوجھ سے بند ہونے لگیں۔

صبح جب میں بیدار ہوا تو گیارہ بج رہے تھے۔ باہر لان سے جانکی وغیرہ کی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں الجھ باتھ روم میں گھس گیا اور جب باہر نکلا تو لوما میز پر ناشتا لگا رہا تھا۔

"یہ اتنا سارا ناشتا؟ کیا صرف میرے لیے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے لوما کی طرف دیکھا۔

"صرف تم نہیں۔ سب لوگ ناشتا کریں گے۔" لوما نے جواب دیا۔

"سردار تھالوب بھی؟"

"وہ تو صبح سات بجے چلے گئے۔" لوما نے کہا "ماوام تھائی وغیرہ نے ابھی تک ناشتا نہیں کیا۔ انہوں نے کہا تھا وہ تینوں بھی تمہارے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کریں گی۔"

"چلو۔ بلاؤ انہیں۔" میں کہتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے افسوس بھی ہوا تھا۔ وہ تینوں پتا نہیں کب سے اٹھی ہوئی تھیں لیکن میری وجہ سے بھوکی بیٹھی تھیں۔

چند منٹ بعد وہ تینوں بھی اندر آ گئیں۔

"ارے واہ۔" جانکی تنک کر بولی "ہم تو تمہارے انتظار میں صبح سے بھوکے بیٹھے ہیں اور تم سے چند منٹ انتظار نہیں ہو سکا۔"

"ابھی میں نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔" میں نے جواب دیا "تم لوگ بیٹھو تو ناشتا شروع ہو۔"

وہ تینوں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ لوما ایک ایک چیز اٹھا کر ہمارے سامنے رکھ رہا تھا۔ طویل عرصے بعد اس طرح بھرپور ناشتا ملا تھا۔ خوب سیر ہو کر کھایا۔

ہم ناشتے کے بعد نشست گاہ میں بیٹھے کافی پی رہے تھے کہ لوما نے ایک پھولا ہوا والٹ میری طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"سردار نے تمہارے لیے دیا تھا۔" لوما نے جواب دیا "تم لوگ شہر گھومنے کے لیے جاؤ گے نا۔ کوئی چیز دیکھ کر دل مچل سکتا ہے۔" لوما نے کہا پھر بولا "ڈرائیور باہر موجود ہے جب جانا ہو تو بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم بتا دیں گے اور یہ والٹ مجھے دینے کی ہمارا دل مچل سکتا ہے۔ اس بندے کے سینے میں تو دل ہے ہی نہیں۔ مچلے گا کیا۔"

لوما نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اس سے والٹ لے کر جانکی کی طرف اچھال دیا۔ جسے اس نے ہوا میں ہی جھپٹ لیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم باہر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

میں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ گیا۔ نے بتایا یہ ڈرائیور ہے۔ اسے دیکھ کر مجھے وانگ ڈن یاد وہ بھی اسی طرح مستعد رہتا تھا۔ اس سے ہماری بہت تکلفی بھی ہو گئی تھی۔

"ہم ڈرائیور کو ساتھ نہیں لیں گے۔" جانکی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہمارا دل چاہتا ہے کہ آج ہم آزادی سے گھومیں پھریں۔ اپنی مرضی سے جہاں جائیں جہاں ہیں۔ اسی لیے۔"

"ٹھیک ہے میڈم۔" اس شخص نے جواب دیا اور گاڑی کی چابیوں کا گچھا اس کی طرف بڑھا دیا "مینیجنگ پوری طرح بھری ہوئی ہے۔ آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔"

جانکی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ انزاک پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گئی اور میں تھائی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر ٹک گیا۔ انزاک کو میں نے اگلی سیٹ پر اس لیے بٹھا دیا تھا کہ وہ اس شہر سے واقف تھی اور جانکی کو راستوں کے بارے میں بتا سکتی تھی۔

گیٹ سے باہر نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد میں نے ایک جیپ کو اپنے تعاقب میں محسوس کر لیا۔ وہ جیپ بنگلے کے باہر تھوڑا دور سڑک کے کنارے کھڑی تھی جو ہماری جیپ کے گیٹ سے نکلتے ہی ہمارے پیچھے لگ گئی تھی۔ اس میں ڈرائیور کے علاوہ تین اور آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے اور وہ سب قبائلی تھے۔ انہیں دیکھ کر میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ سردار تھالوب کے آدمی تھے۔ ظاہر ہے۔ صبح مائے سین جانے سے پہلے سردار تھالوب نے اپنے آدمیوں کو ہمارے بارے میں بہت سی ہدایات دی ہوں گی۔

جانکی جیپ کو مختلف سڑکوں پر دوڑاتی رہی۔ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی انزاک راستوں، سڑکوں اور عمارتوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ یہاں ہم پہلے بھی گھومتے رہے تھے لیکن ہمیں بہت سی چیزوں کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔

ہم اس سڑک سے بھی گزرے جہاں ایک گلی کے کارنر پر وانگ سنت کا کانیج تھا۔ جانکی نے میرے کہنے پر بنگلے کے سامنے سڑک پر جیپ روک لی اور ہم بنگلے کی طرف دیکھنے لگے۔ بنگلے کے باہر دیوار کے ساتھ بے تحاشا جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ اندر درختوں کی شاخیں بہت نیچے تک جھکی ہوئی تھیں۔ بہت سی شاخیں سوکھ چکی تھیں اور ان سے لٹکتی ہوئی بیلیں مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے۔

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ رنگ سنت انہی دنوں ماری گئی تھی۔ اس کی بیٹی سونیا اپنی ماں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے ہمارے ساتھ مل گئی تھی۔ سونیا نے واقعی اس مٹی سے وفا کا حق ادا کر دیا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ قدم قدم پر موت کا سامنا کیا تھا۔ گولڈن ٹرائی اینگل کے جہنم سے فرار ہونے کے بعد وہ بوما اور اس کی بیوی ہوفا کے ساتھ برما سے ہوتی ہوئی ہندوستان کی طرف چلی گئی تھی۔ سونیا کی یاد سے میرے اندر ایک پھریری سی دوڑ گئی۔ مجھے گولڈن ٹرائی اینگل کی وہ رات یاد آ گئی جب تاریک غار میں اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھے چت کر دیا تھا حالانکہ جانکی بھی عرصے سے ایسی کوشش کرتی رہی تھی مگر میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا تھا لیکن سونیا... وہ لمحات یاد کر کے میں اپنے آپ میں ندامت محسوس کرنے لگا اور شاید ندامت کا یہ احساس زندگی بھر میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

ہم اس پہاڑی پر بھی گئے جہاں فاسٹ فوڈ کے کئی ریسٹورنٹ بنے ہوئے تھے اور جہاں سے نشیب میں بہت دور دریائے میکانگ کے اس پار گولڈن ٹرائی اینگل کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ اس وقت بھی یہاں بہت سے غیر ملکی سیاح موجود تھے۔ بنگلے کے قریب ایک میز پر بیٹھ کر فرائی فش کھاتے ہوئے مجھے اسی ریسٹورنٹ کی ویٹریس مائے سایاد آ گئی۔ جس نے وانگ ڈن کے کہنے پر ہمارے لیے کام کیا تھا اور بالآخر ماری گئی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹا وہاں رکنے کے بعد ہم واپسی کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہ جیپ اب بھی ہمارے پیچھے تھی جس میں چار قبائلی بیٹھے ہوئے تھے۔ جانکی وغیرہ نے بھی اس جیپ کو بہت پہلے دیکھ لیا تھا اور وہ تینوں بھی سمجھ گئی تھیں کہ وہ قبائلی ہماری حفاظت کے لیے ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

انزاک یہ سب کچھ دیکھ کر بہت حیران ہوئی تھی۔ تھالوب اس علاقے کے سب سے بڑے قبیلے کا سردار تھا۔ ہمارے ساتھ اس کے سلوک نے بھی انزاک کو بے حد متاثر کیا تھا۔

ہم جب بنگلے پر واپس پہنچے تو تین بج رہے تھے۔ اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد سردار تھالوب بھی واپس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ ہم پانچ بجے یہاں سے چیانگ رائے کے لیے روانہ ہوں گے۔ اس نے انزاک سے بھی پوچھ لیا تھا کہ کیا وہ بھی ہمارے ساتھ جائے گی۔

"نہیں سردار۔" انزاک نے جواب دیا "میں گاؤں

واپس جاؤں گی اور میرا خیال ہے کہ اب مجھے آپ لوگوں سے اجازت لے لینی چاہیے۔ بازار سے کچھ چیزیں بھی خریدنی ہیں۔ میں چھ بجے والی بس سے چلی جاؤں گی۔"

"بس سے نہیں۔ میرا ڈرائیور تمہیں جیپ پر چھوڑ آئے گا اور۔۔۔" اس نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی "یہ رکھ لو۔ بازار میں کچھ شاپنگ کرلینا اور ایک بات ذہن میں رکھنا۔ تم لوگوں کو کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے متعلقہ حکام سے بات کرلی ہے۔ تان منہ کو تھائی لینڈ کی سرحد میں دیکھتے ہی گرفتار کرلیا جائے گا اور اگر کوئی تم لوگوں کو پریشان کرنے کی کوشش کرے تو فوراً مجھے اطلاع دینا۔ یہ میرا کارڈ بھی رکھ لو۔ اس میں میرا یہاں کا اور چیانگ رائے کا بھی فون نمبر موجود ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "تم نے میرے ان دوستوں کی مدد کرکے دراصل مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور میں یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ تم لوگوں کو کسی بھی قسم کا مسئلہ درپیش ہو بلا تکلف میرے پاس چلی آنا اور اب تم جانا چاہو تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ تمہیں بازار میں بھی کچھ وقت لگے گا۔"

انزاک رقم لیتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ اس نے تھائی کی طرف دیکھا۔ تھائی نے سردار کے ہاتھ سے نوٹوں کا بنڈل لے کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ سردار تھالوب نے ڈرائیور کو بلا کر ہدایت کردی کہ وہ دوسری جیپ پر انزاک کو لے جائے اور بازار میں شاپنگ کے بعد اسے تھانگ سانگ چھوڑ آئے۔ انزاک بڑی گرم جوشی سے ہم لوگوں سے مل کر رخصت ہوگئی۔

ہم ٹھیک پانچ بجے چیانگ سائین سے روانہ ہوگئے۔ مجھے بوری رام نے بتایا تھا کہ سردار تھالوب کے بعض دشمن اب بھی اس علاقے میں موجود ہیں اور ظاہر ہے وہ جنرل کھوراٹ کے آدمی تھے۔ اس کا تذکرہ تو خود سردار تھالوب نے بھی کیا تھا اس لیے سردار تھالوب کبھی بھی غیر محتاط نہیں رہا تھا۔ آج صبح مائے سین جانے سے پہلے وہ ہماری حفاظت کا بندوبست بھی کرگیا تھا اور اب بھی محافظ ہمارے ساتھ موجود تھے۔ ایک جیپ ہم سے پانچ منٹ پہلے روانہ ہوچکی تھی اور محافظوں کی دوسری جیپ ہم سے پچیس تیس گز پیچھے تھی۔

جب ہم پہلی مرتبہ چیانگ رائے سے چیانگ سائین آئے تھے تو سفر اندھیرے میں ہوا تھا لیکن اس وقت ہم دن میں سفر کررہے تھے۔ سردار تھالوب ڈرائیو کررہا تھا اور میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جانکی اور تھائی پچھلی سیٹ پر تھیں۔ دن کی روشنی میں ہمیں یہ علاقہ دیکھنے کا موقع مل گیا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف درختوں سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں تھیں۔ راستے میں جگہ جگہ خطرناک موڑ تھے۔ کسی گاڑی کے ڈرائیور کی معمولی سی غفلت ہمیں موت کے منہ میں دھکیل سکتی تھی۔ سردار تھالوب بھی بہت محتاط ڈرائیونگ کررہا تھا۔

فاصلہ اگرچہ صرف اُنسٹھ ساٹھ کلومیٹر تھا۔ سڑک ہموار ہوتی تو یہ فاصلہ پینتیس چالیس منٹ میں طے ہوسکتا تھا لیکن ہم تقریباً دو گھنٹوں کے بعد چیانگ رائے کے نواح میں پہنچے تھے۔ اس کے مزید آدھے گھنٹے بعد ہم سردار تھالوب کی عالی شان کوٹھی میں موجود تھے۔

میرا خیال تھا کہ یہاں رنگولی ہمارے استقبال کے لیے موجود ہوگی لیکن سردار تھالوب نے بتایا کہ اس نے ابھی تک رنگولی کو ہمارے بارے میں اطلاع ہی نہیں دی۔ دراصل وہ رنگولی کو سرپرائز دینا چاہتا ہے۔

رنگولی اس بنگلے میں بھی رہائش پذیر نہیں تھی۔ وہ اپنے اسی چھوٹے سے مکان میں ہی رہ رہی تھی جہاں چند روز ہم بھی رہے تھے۔ تھالوب نے بتایا کہ چیانگ سائین سے واپس آنے کے بعد سے وہ اسی مکان میں تھی۔

"وہ آج کل گولڈن ٹرائی اینگل ہوٹل میں پروگرام کررہی ہے۔" سردار تھالوب بتا رہا تھا "اس ہوٹل میں بہت کم رقاصاؤں کو اپنے فن کے مظاہرے کا موقع ملتا ہے۔ رنگولی نے اپنے فن میں واقعی کمال حاصل کیا ہے۔ ہوٹل کی انتظامیہ نے خود اسے معاہدے کی پیشکش کی تھی۔ ہفتے میں صرف دو پروگرام۔۔۔ اور ان دو پروگراموں میں اسے لاکھوں کی آمدنی ہوتی ہے۔ یہ اس کے معاہدے کا آخری مہینہ ہے شاید دو ہفتے اور رہ گئے ہیں۔ ہوٹل کی انتظامیہ اس سے مزید تین مہینے کا معاہدہ کرنا چاہتی ہے مگر رنگولی نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ آج رات اس کا پروگرام ہے۔ میں تم لوگوں کو اچانک سامنے لاکر اسے سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔ اسی لیے میں نے اسے تم لوگوں کے بارے میں ابھی تک کوئی اطلاع نہیں دی۔"

"پہلے تو شاید وہ ٹوئنٹی سکس کلب میں تھی نا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں شاید۔" تھالوب نے مختصر سا جواب دیا اور ملازم کو رات کے کھانے کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔ وہ ہمارے لیے کافی لے کر آیا تھا۔

اور پھر رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم گیارہ بجے کے قریب بنگلے سے نکلے۔ رنگولی کا پروگرام ساڑھے

شروع ہوتا تھا۔ اسٹیج کے قریب سردار تھالوب کی میز اگرچہ ہمیشہ ریزرو رہتی تھی لیکن اسی رات چیانگ رائے پہنچتے ہی اس نے فون کرکے ایک اور میز مخصوص کروالی تھی۔

اور یہ میز اسٹیج سے بہت ہٹ کر تھی۔ میں سمجھ گیا کہ تھالوب نے یہ میز کیوں ریزرو کروائی تھی تاکہ رقص کے دوران میں رنگولی ہمیں نہ دیکھ سکے۔

رنگولی واقعی اپنے فن میں یکتا تھی۔ اس کے رقص کے دوران میں لوگ سانس تک لینا بھول جاتے تھے۔ ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ رقص کے دوران میں اس کی نظریں بار بار اسٹیج کے قریب اس میز کی طرف اٹھ رہی تھیں جو خالی تھی اور جس پر ریزروڈ کی تختی رکھی ہوئی تھی۔ وہ سردار تھالوب کی مخصوص میز تھی مگر آج وہ ہمارے ساتھ اسٹیج سے دور دوسری میز پر بیٹھا تھا۔

رقص کے اختتام پر رنگولی نے ایک بار پھر اس خالی میز کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر اداسی صاف نظر آرہی تھی۔ وہ جیسے ہی اسٹیج کے پیچھے غائب ہوئی، سردار تھالوب نے اشارہ کیا اور ہم اسٹیج کے پہلو کے دروازے سے نکل کر اس طرف آگئے جہاں ڈریسنگ رومز تھے۔ رنگولی والے ڈریسنگ روم کے دروازے پر اس کے نام کی پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ سردار تھالوب دروازے پر ہلکی دستک دے کر ایک طرف ہٹ گیا۔ رنگولی نے دروازہ کھولا اور ہمیں دیکھ کر مارے خوشی کے چیخ اٹھی۔

ہم پندرہ بیس منٹ تک رنگولی کے ساتھ ڈریسنگ روم میں رہے اور پھر ہال میں آگئے۔

ہم دو بجے تک ہوٹل میں رہے۔ سردار تھالوب نے رنگولی کو بھی اپنے بنگلے پر چلنے کی پیشکش کی تھی لیکن وہ ہمیں اپنے مکان پر لے جانا چاہتی تھی۔ سردار تھالوب ہم سب کو اپنی گاڑی پر رنگولی کے مکان پر چھوڑ کر چلا گیا۔

رنگولی کے مکان کو اندر سے دیکھ کر مجھے واقعی بڑی حیرت ہوئی تھی۔ سردار تھالوب نے اس کی آمدنی لاکھوں میں بتائی تھی اور میرا خیال تھا کہ اس نے گھر میں قیمتی ساز و سامان جمع کر رکھا ہوگا لیکن گھر کی حالت بالکل ویسی تھی جو ایک سال پہلے تھی۔ بالکل بے سروسامانی کی سی کیفیت تھی۔

"تھالوب نے تو بتایا تھا کہ تم لاکھوں کما رہی ہو لیکن تمہارے گھر کی یہ حالت۔۔۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

اور پھر ہمارے لیے یہ انکشاف بڑا دلچسپ ثابت ہوا تھا کہ وہ اپنی آمدنی کا نوّے فی صد حصہ "اینوائرنمنٹ فرینڈلی" نامی ایک تنظیم کے عطیے میں دے دیتی تھی۔ یہ تنظیم ترقیاتی پروگرام کے علاوہ اور بھی کئی رفاہی پروجیکٹ چلا رہی تھی جس کا ایک پروجیکٹ منشیات کے عادی افراد کی بحالی بھی تھا۔ اس پروجیکٹ میں کئی ایسے ادارے کام کر رہے تھے جہاں منشیات کے عادی افراد کا علاج کرکے انہیں معاشرے میں باعزت مقام حاصل کرنے میں مدد دی جاتی تھی۔

رنگولی کے بارے میں یہ جان کر واقعی مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اس نے ایک سال پہلے مار دھاڑ میں بھی ہمارا ساتھ دیا تھا۔ "اینوائرنمنٹ فرینڈلی" نام کا یہ ادارہ چند مہینے پہلے ہی قائم ہوا تھا اور اسے بہت اچھا رسپونس ملا تھا۔

یوں تو تینوں کمروں میں بیڈ بچھے ہوئے تھے لیکن سونے کا ہوش کسے تھا۔ ہم سب رنگولی ہی کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رنگولی اس ایک سال کے عرصے میں ہم پر بیتی ہوئی ہر بات کرید کرید کر پوچھ رہی تھی۔

اس وقت پونے چار بجنے والے تھے۔ رنگولی چائے بنانے کے لیے کچن میں چلی گئی۔ اس کی واپسی تقریباً بیس منٹ بعد ہوئی تھی۔ میں جانکی اور تھائی کے ساتھ بیڈ پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ رنگولی نے دروازے میں قدم رکھا تو اس نے دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں چار کپ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے دوسرا قدم اٹھایا ہی تھا کہ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ رنگولی اچھل کر گری۔ اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی تھی۔ تھائی بھی چیختی ہوئی اچھل کر پلنگ سے گر گئی۔ میں بھی اچھل کر جانکی کو ساتھ لیتا ہوا دوسری طرف آگرا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا، ایک اور کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا اور پھر تو گویا ہم پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

یکے بعد دیگرے چار دھماکے ہوئے۔ لگتا تھا جیسے مکان پر راکٹوں سے حملہ کردیا گیا ہو یا بم پھینکے جارہے ہوں۔ چھت کا ایک حصہ اڑ گیا۔ ٹوٹی ہوئی چھت ہمارے اوپر گر رہی تھی۔ یہ بھی شکر تھا کہ چھت پختہ لینٹر کی نہیں تھی۔ یہ مکان پرانی طرز کا تھا۔ زمین سے پانچ فٹ اونچی دیوار۔ اس کے اوپر لکڑی کی بلیوں کا فریم بنا کر اندر کی طرف خاص میزل سے بنے ہوئے دو انچ موٹے گتے کے پیس اور باہر کی طرف ٹن کی چادریں تھیں۔ چھت بھی اسی طرح تھی۔ سیلنگ ہوٹ گتے کی اور اوپر ہٹ کی طرح سلانٹ ٹن کی چھت۔ اس علاقے کے بیشتر مکان اسی طرز کے تھے۔

دیوار کی ایک بلی ٹوٹ کر میرے سر پر گری۔ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرتی محسوس ہونے لگیں۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ جانکی اور تھائی کی چیخیں مسلسل گونج رہی تھیں۔ رنگولی چھت کے گرنے والے ایک حصے کے نیچے دب گئی تھی اور شاید بے ہوش ہوگئی تھی اس لیے اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ہماری طرف والی ایک دیوار اندر کی طرف جھک رہی تھی۔ میں نے جانکی کو پلنگ کے نیچے دھکیل دیا اور خود بھی نیچے گھس کر دوسری طرف سے تھائی کو کھینچنے لگا۔ اسی لمحے ایک اور زوردار دھماکا ہوا اور پوری کی پوری چھت ہمارے اوپر آن گری۔

تھائی کا اوپر کا دھڑ پلنگ کے نیچے تھا مگر اس کی ٹانگیں گری ہوئی چھت کے نیچے دب گئی تھیں۔ میں اور جانکی پلنگ کے نیچے ہونے کی وجہ سے محفوظ رہے تھے۔ مجھے سر پر جو چوٹ لگی تھی میں اس سے سنبھل گیا تھا مگر سر میں ابھی تک ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

اب دھماکے نہیں ہو رہے تھے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ مکان پر راکٹوں یا بموں سے حملہ کیا گیا تھا۔ حملہ آور غالباً جا چکے تھے لیکن ایک اور خوفناک حقیقت نے مجھے لرزا کر رکھ دیا۔ دھوئیں کی بو میرے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔

میں پلنگ کے نیچے دبا ہوا تھا۔ تھائی بھی بے ہوش ہو چکی تھی۔ میں نے پلنگ کو اپنے اوپر سے ہٹانے کی کوشش کی مگر گرنے والی چھت کے بوجھ سے پلنگ کی ایک پٹی ٹوٹ گئی تھی جس سے پلنگ نیچے دب گیا تھا اور ہم اس کے نیچے پھنس گئے تھے۔

میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب میں نے شاہراہِ نیمپل میں عمارت کے ملبے کے نیچے دبے ہوئے ایک لڑکی کو نکالا تھا۔ وہ میری جی کا کارنامہ تھا اور اس وقت بھی اس نے جی سے کام لینے کا فیصلہ کرلیا اور پھر مجھے مشکل پیش نہیں آئی۔ میں نے پلنگ کو اپنے اوپر سے اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا۔

اور پھر وہ خوفناک حقیقت کھل کر میرے سامنے آگئی۔ کمرے کے دروازے کے باہر نارنجی شعلے اٹھ رہے تھے۔ دھوئیں میں سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ لکڑیوں اور گتے سے بنے ہوئے اس مکان میں آگ پھیلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

میں نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگایا۔ جانکی کے بھی کندھے اور سر پر چوٹ لگی تھی اور وہ کراہ رہی تھی۔ تھائی بے ہوش پڑی تھی۔ اس کی ٹانگیں ملبے کے نیچے دبی ہوئی تھیں۔ رنگولی تو پوری کی پوری چھت کے ایک حصے کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ میں نے سب سے پہلے ملبا ہٹا کر رنگولی کو کھینچ کر باہر نکالا اور اسی وقت شور اور چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ آگ پھیلتی جارہی تھی۔ دروازے کی طرف سے نکلنا ممکن نہیں رہا تھا۔

"جانکی۔" میں جانکی کو اٹھاتے ہوئے بولا "آگ پھیل رہی ہے۔ دیوار کا یہ حصہ گرانے میں میری مدد کرو۔"

دیوار اس طرح ٹوٹ کر گری تھی کہ اس طرف کا راستہ بھی بند ہوگیا تھا۔ میں نے لکڑی کی ایک بلی توڑ کر الگ کی اور دیوار پر مارنے لگا۔ چند ضربوں سے وہ حصہ ٹوٹ گیا اور چھت کا باقی حصہ دھڑام سے میرے اوپر آن گرا۔

آگ پھیل رہی تھی اور باہر سے شور کی آوازیں بھی بڑھتی جارہی تھیں۔ گلی کے دوسرے مکانوں کے لوگ جمع ہوگئے تھے اور چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو آگ بجھانے کے لیے کہہ رہے تھے۔

شاید دو تین آدمی آگ کے خوف کی پروا کیے بغیر مکان میں گھس آئے تھے۔ ایک آدمی چیخ چیخ کر رنگولی کو آوازیں بھی دے رہا تھا۔ وہ شاید کوئی پڑوسی تھا اور رنگولی کو جانتا تھا۔

آگ خطرناک حد تک بڑھ گئی تھی۔ میں ملبے کو بڑی تیزی سے ایک طرف ہٹا رہا تھا۔ دیوار میں اتنا گیپ بن گیا تھا کہ ایک آدمی باہر نکل سکے۔ میں نے جانکی کو اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ وہ چیخ چیخ کر اس طرف سے لوگوں کو مدد کے لیے پکارنے لگی۔

کچھ لوگ دوڑ کر اس طرف آگئے اور دیوار توڑنے لگے۔ وہ کام کم اور شور زیادہ مچا رہے تھے۔ میں نے ملبے کے نیچے دبی ہوئی تھائی کو بھی نکال لیا تھا۔ پلنگ کی پٹی ٹوٹنے سے اس کے سر پر چوٹ لگی تھی۔ جس سے وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔

باہر سے لوگوں نے دیوار کا کافی حصہ توڑ لیا تھا۔ میں نے تھائی کو دوسرے لوگوں کے حوالے کیا اور رنگولی کی طرف لپکا۔ دھوئیں سے سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ میں رنگولی سے ابھی کچھ دور ہی تھا کہ دیوار کی لکڑیوں کا جلتا ہوا پورا فریم رنگولی کے اوپر گرا۔ میں نے بڑی تیزی سے جلتی ہوئی بلیاں ایک طرف ہٹائیں اور رنگولی کو ایک طرف گھسیٹنے لگا۔ اسی دوران میں دو آدمی ٹوٹی ہوئی دیوار سے کود کر اندر آگئے اور انہوں نے رنگولی کو سنبھال لیا۔

پہلے رنگولی کو باہر نکالا گیا اور پھر میں بھی باہر آگیا۔ گلی میں بیسیوں لوگ جمع تھے۔ بہت سے لوگ بالٹیوں سے پانی آگ پر پھینک رہے تھے۔ وہی سب کچھ ہو رہا تھا جو ایسے

مواقع پر ہوتا ہے۔ لوگ بدحواسی کا شکار تھے اور چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو ہدایت دے رہے تھے۔

آگ پھیل گئی تھی اور پڑوس کا ایک مکان بھی اس کی لپیٹ میں آرہا تھا۔

رنگولی اور تھائی کو وہاں سے دور ایک مکان کے سامنے چھوٹے سے لان میں ڈال دیا گیا۔ جانگی بھی ان کے پاس کھڑی تھی۔ بہت سے لوگ ارد گرد جمع ہو رہے تھے۔ ایک دو آدمی چیخ چیخ کر انہیں اسپتال لے جانے کو کہہ رہے تھے اور پھر اسی گلی کا ایک آدمی گاڑی لے آیا۔ بے ہوش رنگولی اور تھائی کو گاڑی میں ڈال دیا گیا۔ ایک اور آدمی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مجھے اور جانگی کو دوسری گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ دو آدمی ہمارے ساتھ بھی بیٹھ گئے تھے اور پھر دونوں گاڑیاں تیزی سے حرکت میں آگئیں۔

دونوں گاڑیاں گلیوں سے نکل کر سہامٹ روڈ سے ہوتی ہوئی سپر ہائی وے پر آگئیں۔ کنگ مینگرائے اسٹیچو والے چوراہے سے اگلی کار تو سنکھا کلانے روڈ پر مڑ گئی جبکہ ہماری کار سپر ہائی وے پر سیدھی دوڑتی رہی۔

"وہ گاڑی اس طرف گئی ہے۔ تم کس طرف جارہے ہو۔" میں نے ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ لوگ اوور بروک اسپتال کی طرف گئے ہیں لیکن یہ راستہ ذرا لمبا ہے۔ ہم شارٹ کٹ سے نکلیں گے۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

لیکن کچھ ہی دیر بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے کیونکہ کار سائمون نامی بدھ عبادت گاہوں کے قریب سائمون روڈ پر مڑ گئی تھی۔ اس راستے سے ہم اوور بروک اسپتال تو نہیں البتہ مخالف سمت جارہے تھے۔

"یہ... یہ تم لوگ کہاں جارہے ہو۔ یہ اسپتال کا راستہ تو نہیں ہے۔" میں نے ایک بار پھر ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"خاموشی سے بیٹھے رہو مسٹر۔" میرے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ اس کے ساتھ ہی کوئی سخت چیز میرے پہلو میں چبھنے لگی "اگر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو سینے میں سوراخ کردوں گا۔"

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی بھی ہماری طرف مڑ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ریوالور تھا۔

"ہمیں مکان پر راکٹ برسانے کے بعد چلے جانا چاہیے تھا۔" اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے کہا "لیکن ہم کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتے۔ ہماری ماضی کی غلطیوں سے بچتے رہے ہو لیکن اس مرتبہ ہم کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ہمیں شبہ تھا کہ تم میں سے کوئی زندہ نہیں بچ سکا اس لیے ہم ایک طویل چکر کاٹ کر واپس آگئے اور تم لوگ بھیڑ میں شامل ہوگئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "تم..... واقعی ڈھیٹ اور سخت جان قسم کے لوگ ہو۔ ہم نے اس مکان پر چار راکٹ مارے تھے۔ مکان آگ کی لپیٹ میں آگیا تھا مگر اس کے باوجود تم لوگ بچ نکلے مگر اب نہیں بچو گے۔ ان دونوں عورتوں کو تو محلے والے اسپتال لے گئے اور تم لوگ ہمارے ہاتھ لگ گئے۔ بدحواسی میں کسی نے یہ تو نہیں بھی نہیں دی ہوگی کہ تم لوگوں کو کون لے گیا تھا۔ تم لوگوں کی تلاش میں شہر کے تمام اسپتال چھان مارے جائیں گے مگر تم لوگوں کا سراغ کسی کو نہیں ملے گا۔"

"تم لوگ کون ہو۔ ہماری تو تم سے کوئی دشمنی نہیں۔" میں نے کہا۔

"دشمنی تو تم سے ہماری بھی نہیں ہے۔ ہم تو اوپر کے احکامات کی تعمیل کررہے ہیں۔" اس شخص نے جواب دیا "بنگاک والوں کو تمہارے واپس آنے کی اطلاع اسی وقت مل گئی تھی جب تم سردار تھالوب کے بنگلے پر آئے تھے۔ ہمیں فوراً ہی حکم مل گیا تھا کہ تمہارا بندوبست کردیا جائے۔ ہمیں حکم تو یہ ملا تھا کہ تم لوگوں کو ختم کردیا جائے لیکن یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر تم زندہ ہاتھ آجاؤ تو ہمارا معاوضہ دگنا ہوگا اور اب یہ ہماری قسمت ہے کہ تم زندہ ہی ہاتھ لگے ہو۔ جس کا مطلب ہے ہمارا معاوضہ ڈبل۔"

"اگر میں تمہیں اس سے بھی ڈبل معاوضہ دوں تو؟" میں نے کہا۔

"بات نہیں بنے گی۔" اس نے جواب دیا "ان سے غداری کرکے ہم دشمنی مول نہیں لینا چاہتے۔ تم سے ہمیں ان سے دگنا معاوضہ تو مل جائے گا مگر وہ لوگ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے اس لیے بات ختم۔ اب تم خاموش بیٹھے رہو۔"

"اچھا۔ یہ تو بتا دو کہ تم ہمیں کہاں لے جارہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"وانگ چائے۔" اس شخص نے جواب دیا "یہ جگہ شہر سے زیادہ دور نہیں ہے۔ دو چار دن وہاں تم لوگوں کو مہمان رکھیں گے اور جب یہ ہنگامہ کچھ سرد پڑ جائے گا تو دونوں کو بنگاک والوں کے حوالے کردیا جائے گا۔"

اس کے بعد میں نے واقعی کوئی بات نہیں کی۔ سر تھامے سنسان تھیں۔ کار اب سائمون روڈ سے اتر کر اتھ چائی

طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی تھی۔ آگے دریا کا ایک گاڑی کی طرح شہر کے اندر نکلا ہوا تھا۔ کار کا رخ اسی ف تھا۔ آگے ایک موڑ کی وجہ سے کار کی رفتار کم ہوگئی۔ دروازے کی طرف بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے میرے پہلو ساہو کا دیا اور موڑ گھومنے کے لیے کار کی رفتار جیسے ہوئی جانگی نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر گا دی۔

"اے۔ اے۔ رکو کا سے۔" اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی

جانگی نے مجھے جیسے ہی ٹھوکا دیا تھا میں اسی وقت سنبھل تھا اور اس نے جیسے ہی دروازے کو جھٹکا دیا' میں نے بڑی سے حرکت کرتے ہوئے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کا موڑ دیا۔ پستول کا رخ پچھلی طرف ہوگیا تھا۔ اس شخص گر دبا دیا یا بدحواسی میں دب گیا تھا۔ گولی پچھلی ونڈ ان میں سوراخ کرتی ہوئی نکل گئی۔ میں نے اس کے ہاتھ ک اور جھٹکا دیا۔ اس کا ہاتھ اوپر سے مڑتا ہوا سامنے کی آگیا اور پستول کی نال اگلی سیٹ کی پشت سے لگ گئی۔ ٹریگر ایک بار پھر دب گیا۔

اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی تیزی سے پیچھے مڑا تھا مگر سے نکلی ہوئی گولی سیٹ میں سوراخ کرتی ہوئی اس کی میں پیوست ہوگئی۔ وہ اپنی سیٹ پر اچھلا اور قدرے طرف لڑھک گیا۔

ڈرائیور بھی اس صورتِ حال سے بدحواس ہوگیا تھا۔ اسی وقت سامنے دوسرے موڑ سے ایک گاڑی اسی طرف آئی۔ اس پر چمکتی ہوئی سرخ اور نیلی فلیش لائٹ بتا رہی تھی کہ وہ پولیس کی گاڑی تھی جسے دیکھ کر ڈرائیور کچھ بدحواس ہوگیا تھا۔ کار سڑک پر لہرانے لگی۔

میرا کام آسان ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے حریف کا ہاتھ مروڑ دیا کہ پستول کا رخ فرش کی طرف ہوگیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھول دیا اور باہر چھلانگ لگانے کی کرنے لگا۔ اس کا پورا جسم کار سے باہر لٹک گیا۔ ہاتھ میں تھا۔ کار سڑک پر لہرا رہی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

ڈرائیور بری طرح بدحواس ہوگیا تھا۔ سامنے سے آنے والی گاڑی بھی اس کا راستہ روک لیا۔ میں نے اپنی سنبھل کر ایک بازو ڈرائیور کے گلے پر لپیٹ دیا۔ کار ہوکر سڑک کے کنارے فٹ پاتھ سے ٹکرا گئی۔ مجھے بھی زوردار جھٹکا لگا تھا۔ ڈرائیور کی گردن میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی اور ایک طرف دوڑنے لگا۔

اس وقت پولیس کار سے تین کانسٹیبل برآمد ہوئے۔ ان میں سے ایک نے چیخ کر ڈرائیور کو رکنے کا حکم دیا اور جب وہ نہیں رکا تو گولی چلا دی۔ ڈرائیور چیختا ہوا ڈھیر ہوگیا۔ گولی اس کی ٹانگ میں لگی تھی۔ میں بھی کار سے اتر آیا۔ ایک پولیس والے نے مجھے ریوالور کی زد پر لے لیا۔

"یہ لوگ ہمیں اغوا کرکے لے جارہے تھے۔" میں نے کہا اور جلدی جلدی اسے صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔ آخر میں کہا "میری ساتھی نے اس موڑ پر کار سے چھلانگ لگا دی تھی۔ وہ زخمی ہے۔"

پولیس والے نے میرے ساتھ اس طرف دوڑ لگا دی۔ تقریباً پچاس گز پیچھے جانگی لنگڑاتی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔ کار سے چھلانگ لگانے سے اس کے دونوں گھٹنوں پر چوٹ لگی تھی۔

کار سے چھلانگ لگانے والا دوسرا آدمی گلیوں میں غائب ہوگیا تھا۔ میں جانگی کو سہارا دے کر کار تک لے آیا۔ زخمی ڈرائیور کو ایک پولیس والے نے ریوالور کی زد پر لے رکھا تھا۔ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا دوسرا آدمی ختم ہوچکا تھا۔ سیٹ کی پشت سے لگنے والی گولی پچھلی طرف سے اس کے دل میں پیوست ہوگئی تھی۔ لاش کو کار ہی میں چھوڑ دیا گیا۔ ایک پولیس والا مجھ سے جرح کرنے لگا۔

"تم وقت ضائع کررہے ہو آفیسر۔" میں نے اس کی جرح سے تنگ آکر کہا "میری دوست زخمی ہے۔ اسے طبی امداد کی ضرورت ہے اور میری ساتھی دو خواتین کو بے ہوشی کی حالت میں اوور بروک اسپتال بھیجا گیا تھا۔ پتا نہیں وہ بھی وہاں پہنچ پائی ہیں یا ان کے ساتھ بھی کوئی دھوکا ہوا ہے۔ یہ شخص..." میں نے زخمی ڈرائیور کی طرف اشارہ کیا "اس نے اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ رنگولی کے مکان پر راکٹوں سے حملہ کیا تھا۔ ہم لوگ بچ گئے مگر وہ مکان اب بھی جل رہا ہے۔ تم اپنے ہیڈ کوارٹر یا متعلقہ پولیس اسٹیشن سے اس کی تصدیق کرلو۔ مکان پر حملے کی اطلاع پولیس اسٹیشن پہنچ چکی ہوگی۔"

"کیا نام بتایا تم نے۔ رنگولی۔ یہ وہی مشہور رقاصہ تو نہیں ہے؟" پولیس مین نے پوچھا۔

"ہاں وہی۔ ہم اس کے دوست ہیں۔" میں نے جواب دیا "جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرو آفیسر۔ اگر مزید کوئی گڑبڑ ہوگئی تو سردار تھالوب تم لوگوں کو معاف نہیں کرے گا۔"

"سردار تھالوب۔" پولیس مین چونک گیا۔ اس نے ایک دو اور سوال کیے اور پھر اپنی کار کے ریڈیو پر ہیڈ کوارٹر سے بات کرنے لگا۔ چند منٹ بعد وہ میری طرف آگیا "پولیس کی گاڑیاں یہاں آرہی ہیں۔ ہمارے آفیسر کے آنے سے پہلے تم لوگ یہاں سے نہیں جاسکتے۔"

میں جھنجلا کر رہ گیا لیکن ظاہر ہے جھنجلاہٹ کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں جانکی کے قریب آگیا جو فٹ پاتھ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کار سے چھلانگ لگانے سے اس کی ایک کہنی اور دونوں گھٹنوں پر رگڑ لگی تھی جن سے خون رس رہا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد پولیس کی دو اور گاڑیاں وہاں پہنچ گئیں۔ ایک آفیسر کچھ دیر ہم سے سوالات کرتا رہا پھر ہمیں ایک کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اس وقت سڑکوں پر اِکّا دُکّا گاڑیوں کی آمدورفت شروع ہوچکی تھی۔ فاصلہ اگرچہ بہت زیادہ تھا لیکن ٹریفک نہ ہونے کی وجہ سے پولیس کار کو سنگھا کلائے روڈ پر واقع اوور بروک اسپتال پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

تھائی اور رنگولی وہاں موجود تھی۔ تھائی تو ہوش میں آچکی تھی مگر رنگولی ابھی تک بے ہوش تھی۔ ملبے کے نیچے دبنے سے تھائی کی ٹانگوں پر دباؤ پڑا تھا مگر تکلیف زیادہ نہیں تھی۔ جانکی کو بھی فوراً ہی ایمرجنسی میں ایک ڈاکٹر کے حوالے کردیا گیا۔ پولیس پہلے بھی وہاں موجود تھی لیکن تھائی نے ابھی تک پولیس کو کوئی بیان نہیں دیا تھا البتہ یہ درخواست کی تھی کہ سردار تھالوب کو کسی طرح اس حادثے کی اطلاع دے دی جائے۔

"انہوں نے سردار تھالوب کو اطلاع دی یا نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" تھائی نے اثبات میں سرہلایا "وہ گھر سے روانہ ہوچکا ہے اور میرا خیال ہے یہاں پہنچنے ہی والا ہے۔"

مزید دس منٹ گزر گئے۔ رنگولی ہوش میں آگئی اور اس کے چند منٹ بعد ہی سردار تھالوب بھی پہنچ گیا۔ رنگولی کو پیشانی پر چوٹ بھی لگی تھی جس پر بینڈیج کردی گئی تھی۔ میرے سر پر بھی گومڑ سا بن گیا تھا اور جانکی کے گھٹنوں اور کہنی پر بھی بینڈیج تھی۔ اس کی پیشانی پر بھی چوٹ لگنے سے گومڑ سا ابھر آیا تھا۔ ہم سب کی یہ حالت دیکھ کر سردار تھالوب لال بھبوکا ہوگیا۔ وہ ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا اور ہمیشہ پُرسکون رہتا تھا لیکن اس وقت اس نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا تھا۔ پولیس آفیسر اس کے سامنے خاموش کھڑے تھے۔

"وہ لوگ پکڑے گئے یا نہیں؟" تھالوب نے اس پولیس آفیسر سے پوچھا جو میرے ساتھ آیا تھا۔

"ایک آدمی کو زخمی کرکے حراست میں لے لیا گیا ہے دوسرا اپنے ساتھی کی گولی سے ہلاک ہوچکا ہے اور تیسرا فرار ہوگیا ہے مگر۔۔۔"

"میں دو گھنٹوں کے اندر اندر اسے سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتا ہوں۔" سردار تھالوب نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "اس کے زخمی ساتھی سے اس کا ٹھکانا معلوم ہوسکتا ہے اگر وہ دو گھنٹوں میں گرفتار نہ ہوا تو۔۔۔" اس نے جان بوجھ کر جملہ۔۔۔ ادھورا چھوڑ دیا۔

اسی دوران میں پولیس کے چند اعلیٰ افسران بھی پہنچ گئے۔ انہیں بھی اطلاع مل چکی تھی کہ معاملہ سردار تھالوب کا ہے۔ اس لیے وہ صبح صبح بستر چھوڑ کر بھاگے چلے آئے تھے۔

رنگولی کو کم از کم دو گھنٹے اسپتال میں رکھا گیا۔ سردار تھالوب نے ہم سب کو بنگلے پر چھوڑا اور خود باہر چلا گیا۔ اس وقت تک میں اسے سب کچھ بڑی تفصیل سے بتا چکا تھا۔

سردار تھالوب ہمیں صبح چھ بجے کے قریب بنگلے پر چھوڑ گیا تھا اور اس کی واپسی گیارہ بجے ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ بھی غصے سے تمتما رہا تھا۔

"کیا ہوا۔۔۔؟ مفرور پکڑا گیا یا نہیں؟" میں نے پوچھا "کون تھے وہ لوگ؟"

"جو بھاگ گیا تھا، وہ پکڑا گیا لیکن اس نے کچھ بتانے سے پہلے خودکشی کرلی۔" سردار تھالوب نے جواب دیا "اس کار کا ڈرائیور جو پہلے ہی پولیس کی گولی سے زخمی ہوگیا تھا۔ اس وقت بھی پولیس کی تحویل میں ہے۔ تلاشی لینے پر اس کی جیب سے بھی پوٹاشیم سائنائڈ کا ایک کیپسول نکلا تھا۔ اس سے بہرحال بہت کچھ معلوم ہوا ہے۔"

"مثلاً؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کے کہنے کے مطابق تین دن پہلے چنگ چی ایک شخص نے بنکاک سے اسے فون پر بتایا تھا کہ تھائی لینڈ واپس آگئے ہو اور میرے بنگلے میں مقیم ہو۔۔۔ تم لوگوں کو ختم کرنے یا تمہیں زندہ پکڑنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ جس کے عوض بھاری معاوضے کی۔۔۔ تھی۔" تھالوب نے بتایا "ان لوگوں نے چنگ چی میرے۔۔۔ میں تم لوگوں کی نگرانی شروع کردی تھی لیکن میری۔۔۔ کی وجہ سے انہیں موقع نہیں مل سکا۔ انہوں نے۔۔۔ ہمارا تعاقب کیا لیکن صورتِ حال وہی رہی یعنی۔۔۔

کرتے رہے لیکن کلب سے واپسی پر تم لوگوں کو رنگولی۔۔۔ پر چھوڑتے ہوئے مجھ سے یہ غلطی ہوگئی کہ میں نے۔۔۔ کو وہاں نہیں چھوڑا اور اس طرح انہیں مکان پر۔۔۔ کا موقع مل گیا لیکن بہرحال، غنیمت ہے کہ تم۔۔۔ کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔"

"چنگ چی۔ یہ کون ہوسکتا ہے۔ یہ نام میں نے پہلی۔۔۔ سنا ہے۔" میں نے کہا۔

"بنکاک میں سوکھم وٹ روڈ پر واقع ڈی جے نائٹ کلب۔۔۔ ہے۔ وہ ان لوگوں سے اکثر کام لیتا رہتا ہے اور ظاہر۔۔۔ دارا ہی کے لیے کام کررہا ہوگا۔" سردار تھالوب نے۔۔۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے کہا "چنگ چی چینی نام۔۔۔ دارا کا ساتھی چی فانگ بھی چینی ہے۔ اس سے کوئی۔۔۔ ہوا ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس شخص سے دارا یا۔۔۔ بنکاک کا پتا معلوم ہوسکتا ہے لیکن حیرت ہے کہ چنگ چی یا۔۔۔ کیسے پتا چلا کہ ہم تھائی لینڈ واپس آچکے ہیں۔"

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ان کے آدمی اب بھی یہاں۔۔۔ ہیں۔" تھالوب نے جواب دیا "انہوں نے تم لوگوں کو۔۔۔ بنکاک میں دارا کو اطلاع کردی اور دارا نے یہ ذمے۔۔۔ چنگ چی کو سونپ دی جس نے یہاں اپنے آدمیوں کو۔۔۔ کردیا۔"

"ان لوگوں کے پکڑے جانے سے چنگ چی محتاط۔۔۔ ہوگیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے وہ غائب ہوجائے اور میں چاہتا ہوں۔۔۔ اپنے آدمیوں کے پکڑے جانے سے پہلے ہی گرفت۔۔۔ لیا جائے۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا۔" سردار تھالوب نے کہا۔۔۔ ساتھ۔ "وہ مجھے لاؤنج میں لے آیا جہاں ٹیلی فون۔۔۔ تھا۔ اس ٹیلی فون کا ایک ایکس ٹینشن اس کے بیڈ۔۔۔ بھی تھا۔

میں نے صوفے پر بیٹھ کر فون اپنے سامنے رکھ دیا اور۔۔۔ کرکے بنکاک میں مہاراج کے جمنازیم کا نمبر ڈائل۔۔۔ سکا۔ کال کسی لڑکی نے ریسیو کی تھی۔ ماسٹر ہوچن اس۔۔۔ جمنازیم میں کلاس لے رہا تھا۔ میرا نام سن کر لڑکی نے۔۔۔ کو کہا اور پھر دو منٹ بعد ریسیور پر ماسٹر ہوچن کی۔۔۔ سنائی دی۔

"کہو کنول ماسٹر! تم لوگوں کو تو آج یہاں پہنچنا تھا۔۔۔ کیا یہاں تھوڑی سی گڑبڑ ہوگئی ہے ماسٹر۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی اور پھر اسے گزشتہ رات کے بارے میں بتانے لگا۔

"تم لوگ ٹھیک ہو۔ کوئی زیادہ نقصان؟" اس نے پوچھا۔

"تھائی اور جانکی کو معمولی چوٹیں آئی ہیں لیکن تشویش کی کوئی بات نہیں۔ ہمیں دو تین دن اور یہاں رہنا پڑے گا لیکن اس دوران میں تمہیں ایک کام کرنا ہے بلکہ آج اور فوری طور پر۔"

"کوئی ایمرجنسی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ ایمرجنسی ہی سمجھ لو۔" میں نے جواب دیا "ہم پر حملہ چنگ چی نامی کسی شخص کے کہنے پر کیا گیا تھا۔ وہ بنکاک میں سوکھم وٹ روڈ پر واقع ڈی جے نائٹ کلب کا مالک ہے۔ اس سے ہمیں دارا کے بارے میں معلوم ہوسکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ حملہ ناکام ہونے کی اطلاع چنگ چی تک پہنچنے سے پہلے اسے گرفت میں لے لیا جائے۔ ایسا نہ ہو وہ غائب ہوجائے اور ہم ایک بار پھر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جائیں۔"

"اپنا نمبر بتاؤ۔ میں ڈیڑھ دو گھنٹوں بعد تمہیں اطلاع دوں گا۔" ماسٹر ہوچن نے کہا۔

میں نے اسے فون نمبر نوٹ کروا دیا اور چند منٹ مزید گفتگو کرنے کے بعد فون بند کردیا۔

صبح یہاں آنے کے بعد ہم نے صرف ایک ایک کپ چائے پی تھی اور سردار تھالوب نے تو ابھی تک چائے بھی نہیں پی تھی۔ اس نے ملازم کو ناشتا تیار کرنے کو کہا اور اس کمرے میں آگیا جہاں رنگولی لیٹی ہوئی تھی۔ وہ اکیلی ہی تھی۔ جانکی اور تھائی دوسرے کمرے میں تھیں۔ میں تھالوب کے ساتھ کچھ دیر اس کمرے میں رہا پھر تھائی والے کمرے میں آگیا۔ وہ دونوں بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔ میں بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"پروگرام تو یہ تھا کہ آج ہم بنکاک چلے جائیں گے لیکن اب ہمیں دو چار دن یہیں رہنا پڑے گا۔" میں نے تھائی اور جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں رہنے کا کوئی فائدہ تو نہیں۔" تھائی نے کہا "ہمیں آرام ہی کرنا ہے اور وہ ہم بنکاک میں بھی کرسکتے ہیں۔"

"تھائی ٹھیک کہتی ہے۔ ہمیں یہاں رکنے کے بجائے بنکاک چلے جانا چاہیے۔" جانکی نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

میں بھی ان کے خیال سے متفق تھا۔ اب یہاں میرا بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ بنکاک میں بھی اگرچہ ہمارا کوئی ایسا مستقل ٹھکانا نہیں تھا جسے گھر کہا جاسکتا مگر میں اسے ہوم سک ہی کہوں گا کہ جہاں ہماری زندگیوں کا بیشتر حصہ گزرا تھا۔ اب وہ جگہ ہمیں بڑی شدت سے یاد آرہی تھی۔

ہم ابھی باتیں کررہے تھے کہ کامن روم سے ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ ماسٹر ہوچن نے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد فون کرنے کو کہا تھا اور ابھی آدھا گھنٹا ہی ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ سردار تھالوب کے لیے کال ہوگی۔ اس لیے میں اپنی جگہ پر اطمینان سے بیٹھا رہا۔

سردار تھالوب نے اپنے کمرے سے نکل کر کال ریسیو کرلی اور پھر تقریباً پانچ منٹ بعد اس نے مجھے آواز دے کر بلالیا۔

"مہاراج تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے ریسیور میری طرف بڑھادیا۔

میں نے ریسیور لے لیا۔ پانچ منٹ کی گفتگو کے دوران میں سردار تھالوب سے مہاراج نے بہت کچھ معلوم کرلیا ہوگا لیکن وہ میری زبان سے بھی کچھ سننا چاہتے تھے۔ میں تقریباً پندرہ منٹ تک مہاراج سے باتیں کرتا رہا۔ سب سے پہلے انہوں نے ہماری خیریت دریافت کی اور پھر مجھے گزشتہ رات کے واقعات کی تفصیل دہرانی پڑی۔

"وہاں اگر کوئی گڑبڑ نہیں ہے تو تم لوگ بنکاک آجاؤ۔ تاکہ یہاں تم لوگوں کا بہتر علاج اور دیکھ بھال ہوسکے۔" مہاراج نے کہا۔

"سردار تھالوب کی وجہ سے یہاں ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہے لیکن ہم سوچ رہے ہیں کہ کل یا زیادہ سے زیادہ پرسوں بنکاک آجائیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ جو تم مناسب سمجھو اور میری طرف سے تھائی، جانکی اور رنگولی کو پوچھنا اور اب تم ریسیور تھالوب کو دے دو۔" مہاراج نے کہا۔

میں نے ریسیور سردار تھالوب کو دے دیا۔ تھالوب تقریباً پانچ منٹ تک مہاراج سے باتیں کرتا رہا۔ وہ مہاراج کو تسلی دے رہا تھا کہ ہمارے لیے پریشان نہ ہوں۔ ایک دو دن آرام کرنے کے بعد وہ خود ہمیں بنکاک لے آئے گا۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ملازم نے بتایا کہ میز پر ناشتا لگا دیا گیا ہے۔ ہم سب ڈائننگ ہال میں آگئے۔ رنگولی بھی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہاں تک آگئی تھی۔ یوں تو ہم سب کو چوٹیں لگی تھیں مگر رنگولی سب سے زیادہ متاثر ہوئی تھی۔

ناشتا کرنے کے فوراً ہی بعد وہ کمرے میں جاکر لیٹ گئی۔ سردار تھالوب کچھ دیر ہمارے پاس بیٹھا رہا پھر وہ بھی اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ ہم بھی اسی کمرے میں آگئے جہاں پہلے بیٹھے تھے۔ تھائی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر لیٹ گئی اور کچھ ہی دیر میں اونگھنے لگی۔ جانکی بھی اس کے قریب ہی ٹانگیں پھیلا کے لیٹ گئی تھی۔ اس کی ایک کہنی اور دونوں گھٹنوں پر پیٹی کے بجائے پٹی پہن رکھی تھی جو گھٹنوں سے بہت اوپر تھی۔

تقریباً دو بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو میں نے کامن روم میں آکر کال ریسیو کی۔ وہ بنکاک سے ماسٹر ہوچن کی کال تھی۔

"یس ماسٹر ہوچن۔ کیا رہا؟" میں نے پوچھا۔

"گڑبڑ ہوگئی لٹل ماسٹر۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "میں نے تمہاری طرف سے اطلاع ملنے کے بعد ایک گروپ کے اندر اندر ڈی جے کلب پر ریڈ کیا تھا لیکن چنگ چی کو شاید شاید چیانگ رائے میں اپنے آدمیوں کے مارے اور پکڑے جانے کی اطلاع مل گئی تھی۔ وہ ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی غائب ہوگیا۔ البتہ ہوشنگ نام کی ایک چینی لڑکیاں ہمارے ہاتھ لگی ہے۔ جس نے کچھ اور سنسنی خیز انکشافات کیے ہیں۔"

"ہوشنگ!" میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ہوشنگ وہی لڑکی تھی جس نے شاؤلن ٹیمپل میں مجھے دھوکے سے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اور پھر ایک ویرانے میں میگا تیراڈ کے ساتھ فرار ہوگئی تھی لیکن ممکن ہے ڈی جے کلب سے پکڑے جانے والی ہوشنگ نام کی یہ لڑکی کوئی اور ہو۔ میں نے تصدیق کرنے کے لیے پوچھا "کیا اس لڑکی کا شاؤلن ٹیمپل سے بھی کوئی تعلق رہا ہے؟"

"یس لٹل ماسٹر۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "یہ وہی لڑکی ہے جس نے شاؤلن ٹیمپل میں تمہیں دھوکے سے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے اور بھی بہت سی باتیں بتائی ہیں۔ میگا نام کا اس کا ایک اور ساتھی بھی یہاں موجود تھا۔ وہ بھی چنگ چی کے ساتھ غائب ہوچکا ہے۔"

"اوہ۔" میں نے کہا "ہوشنگ بہت خطرناک لڑکی ہے ماسٹر۔ اس کا خیال رکھنا۔ اس سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔"

"اس کی تم فکر مت کرو لٹل ماسٹر۔" ہوچن نے جواب دیا "تم کب تک یہاں آرہے ہو؟"

"میں کل یا پرسوں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا اور چند منٹ مزید باتیں کرنے کے بعد فون بند کردیا اور کمرے میں آکر تھائی اور جانکی کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔ تھائی، ہوشنگ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی البتہ جانکی اس سے اچھی طرح واقف تھی۔

"تو وہ حرافہ بنکاک بھی پہنچ گئی۔" جانکی نے کہا "ہم لوگ تو لاؤس میں بھٹکتے رہے۔ وہ لوگ یقیناً ہم سے پہلے بنکاک پہنچ گئے ہوں گے اور ہمارے آنے سے پہلے انہوں نے ہمارے استقبال کی تیاریاں مکمل کرلی تھیں۔"

"اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری عدم موجودگی میں دارا نے یہاں آکر ہاتھ پیر کافی پھیلا لیے ہیں لیکن اب میں انہیں زیادہ پھیلنے کا موقع نہیں دوں گا۔"

"صحیح صورتِ حال کا اندازہ تو وہاں پہنچ کر ہی ہوگا۔" جانکی نے کہا۔

ہم دیر تک یہی باتیں کرتے رہے۔ میگا تیراڈ نے جس طرح شاؤلن ٹیمپل تک میرا پیچھا کیا تھا اور جس طرح وہ مجھ سے پہلے بنکاک پہنچ گیا تھا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ جنرل کھوراٹ مجھے کسی قیمت پر بھی چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس نے شاید طے کرلیا تھا کہ دنیا کے آخری سرے تک اور زندگی کے آخری لمحوں تک میرا پیچھا کرے گا۔ میں غالباً پہلا شخص تھا جس نے گولڈن ٹرائی اینگل میں گھس کر اسے کروڑوں ڈالر کا نقصان پہنچایا تھا۔ میں نے اس کی نہ صرف ہیروئن کی ایک جدید ترین لیبارٹری تباہ کی تھی بلکہ اس کے کئی آدمی بھی میرے ہاتھوں مارے گئے تھے اور ہمارے فرار کے دوران میں اسے اپنے ایک بیلی کاپٹر سے بھی ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ اس طرح میں اس کا دشمن نمبر ایک بن گیا تھا اور وہ مجھے کیسے چھوڑ سکتا تھا۔

دوپہر کا کھانا ہم نے تین بجے کھایا۔ اس وقت میں نے سردار تھالوب کو ماسٹر ہوچن کی کال کے بارے میں بتادیا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا۔" سردار تھالوب نے کہا "ہم نے چیانگ سا تین سے ان کے قدم اکھاڑے ہیں تو بنکاک میں بھی انہیں نہیں جمنے دیں گے۔ بس دو چار دن کی بات اور ہے۔"

سردار تھالوب کو ہوشنگ اور میگا تیراڈ کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ میں نے ان دونوں کے بارے میں اسے تفصیل سے بتادیا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا۔" تھالوب نے کہا۔

کھانے کے بعد تھالوب فوراً ہی رنگولی کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ کھانے پر نہیں آئی تھی۔ سردار تھالوب جس طرح

ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں

کتابیات پبلی کیشنز اور مکتبہ نفسیات کی کتب کے ہول سیل ڈسٹری بیوٹر

شائلہ بک ایجنسی

ہماری تمام کتب کے حصول کیلئے ان سے رابطہ کریں۔

آپ کے آرڈر کی فوری تعمیل کرتے ہوئے، کتب، آپ کی دکان پر پہنچائی جائیں گی۔

شائلہ بک ایجنسی

دربار بابا بجلی شاہ اسٹریٹ، چوہدری پارک، ٹوبہ ٹیک سنگھ

فون 515011

موبائل 0300-4291286

رنگولی کے پلنگ کی پٹی سے لگا بیٹھا.... تھا اور جس طرح اس کی تیمارداری کررہا تھا اس سے ہمیں اندازہ ہوگیا کہ وہ رنگولی کو کس قدر چاہتا ہے۔

اس رات کھانے کے بعد میں' جانکی اور تھائی بھی ان کے کمرے میں آگئے اور ہم نے ان دونوں کو گھیر لیا۔

"مجھے تم لوگوں کی نیت کچھ اچھی نہیں لگ رہی۔" سردار تھالوب نے مسکراتے ہوئے باری باری ہم تینوں کی طرف دیکھا۔

"ہاں تھالوب۔" تھائی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "آج ہم نے طے کرلیا ہے کہ کوئی فیصلہ کرکے ہی یہاں سے اٹھیں گے؟"

"کیسا فیصلہ؟" تھالوب بولا۔ وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔ غالباً ہماری باتوں سے سمجھ گیا تھا کہ ہم کیا کہنے والے ہیں۔

"اب وقت آگیا ہے کہ تم دونوں میں جو تھوڑا بہت فاصلہ ہے وہ بھی ختم ہوجائے۔" میں نے کہا "میرا مطلب ہے۔ اب تم دونوں کو شادی کرلینی چاہیے۔"

"کیا یہ کافی نہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر زندہ ہیں۔" سردار تھالوب نے کہا۔

"اگر تم دونوں میں سے ایک ٹل گیا تو حسرتیں بھی ساتھ ہی دفن ہوجائیں گی۔" تھائی نے کہا "اس لیے بہتر ہے کہ تم دونوں...."

"تھائی...." رنگولی نے اسے ٹوک دیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر تھائی نے اسے ڈانٹ کر خاموش کرادیا۔

"تم چپ رہو۔" تھائی نے اسے ڈانٹ دیا "جب بڑے بات کررہے ہوں تو چھوٹے نہیں بولتے۔"

تھائی کی اس بات پر سب ہی نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

"اگر رنگولی کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں...."

"اعتراض۔" جانکی نے اس کی بات کاٹ دی "ارے اس کے دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ بس تم یہ بتاؤ کہ تم دونوں ایک کب ہورہے ہو۔"

تھالوب چند لمحے رنگولی کی طرف دیکھتا رہا پھر میری طرف رخ کرکے بولا۔

"بنکاک والا معاملہ ختم ہوجائے تو ہم کوئی دن مقرر کرلیں گے۔"

"بنکاک والا معاملہ تو چلتا رہے گا۔ ہوسکتا ہے وہ کچھ طول بھی کھینچ جائے لیکن ہم تم دونوں کو صرف ایک ہفتے کی مہلت دے رہے ہیں۔ صرف ایک ہفتہ۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اس وقت تک رنگولی بالکل ٹھیک ہوجائے گی۔ تم بھی اپنے قبیلے والوں کو بتا دو۔ یہ شادی چیانگ سائین میں ہوگی اور تمہارے قبیلے کی رسم وروایات کے مطابق بڑی دھوم دھام سے ہوگی۔"

سردار تھالوب کے خیال میں ایک ہفتے کی مہلت بہت کم تھی۔ بہرحال یہ مہلت دو ہفتے کردی گئی۔ ہم ابھی یہ باتیں کررہے تھے کہ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ تھالوب نے ریسیور اٹھالیا اور پھر دوسری طرف کی بات سننے کے بعد ریسیور میری طرف بڑھادیا۔

"تمہاری کال ہے۔"

میں نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ بنکاک سے ماسٹر ہوچن کی کال تھی۔ اس نے جو اطلاع دی' وہ خاصی تشویش ناک تھی۔

"ہوشنگ پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔ وہ شدید زخمی ہے اور بے ہوش پڑی ہے۔"

"کیا ہوا؟" میں جلدی سے بولا "وہ تو تم لوگوں کی تحویل میں تھی۔ اس پر حملہ کیسے ہوا؟"

"ان لوگوں کو شاید ہمارے اس ٹھکانے کا پتا چل گیا تھا۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "اس ٹھکانے پر ہمارے صرف دو آدمی تھے۔ حملہ ہوا تو انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حملہ آور یقیناً چنگ جی یا دارا کے آدمی تھے۔ وہ لوگ ہوشنگ کو لے جانا چاہتے تھے لیکن ہمارے آدمیوں کی مزاحمت کے باعث وہ اپنے اس مقصد میں تو کامیاب نہیں ہوسکے تاہم فائرنگ میں اسے دو گولیاں لگی ہیں۔ وہ بے ہوش پڑی ہے۔ ڈاکٹرا سے بچانے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس حملے میں ہمارا آدمی مارا گیا ہے اور دوسرا معمولی زخمی ہوا ہے۔"

"ہوشنگ کہاں ہے۔ اسپتال میں یا...."

"اسے دوسرے ٹھکانے پر منتقل کردیا گیا ہے۔ دو ڈاکٹر اسے بچانے کی کوشش کررہے ہیں۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ماسٹر۔ میں کل بنکاک پہنچ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"روانگی سے پہلے اطلاع دے دینا۔" ہوچن نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں فون کروں گا۔" میں نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور تھالوب اور تھائی وغیرہ کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا پھر میں نے تھالوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیا یہ ممکن ہے کہ ہمیں کل صبح جہاز پر سیٹیں مل سکیں؟"

"کیوں نہیں۔" سردار تھالوب نے کہا "میں ابھی بندوبست کرتا ہوں۔" اس نے فون اٹھا کر اپنے ساتھی کو لیا اور نمبر ملانے لگا۔

وہ کئی منٹ تک فون پر بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھتے ہوئے بولا "صبح دس بجے والی فلائٹ سے تم تینوں کی سیٹوں کا بندوبست ہوگیا ہے۔ دو تین دن بعد میں بھی پہنچ جاؤں گا۔"

اس کے بعد بھی ہماری باتوں کا سلسلہ جاری رہا لیکن موضوع بدل گیا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب ہم وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آگئے۔

صبح نو بجے کے قریب ہم ائرپورٹ کے لیے روانہ ہوگئے۔ سردار تھالوب ہمارے ساتھ تھا۔ وہ رن وے پر جہاز کی سیڑھیوں تک ہمارے ساتھ آیا تھا۔ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ ماسٹر ہوچن کو روانگی کی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔

"تم فکر مت کرو۔" تھالوب نے میری بات کے جواب میں کہا "میں یہاں سے لاؤنج میں پہنچتے ہی فون کردوں گا۔ میں اپنے آدمیوں کو بھی اطلاع دے دوں گا' وہ گاڑی لے کر ائرپورٹ پر پہنچ جائیں گے۔ اگر ماسٹر ہوچن کسی وجہ سے نہ پہنچ سکا تو میرے آدمی تم لوگوں کو پہنچادیں گے۔"

سردار تھالوب رخصت ہوگیا اور تھوڑی دیر بعد جب جہاز نے ٹیک آف کیا تو مجھے اپنے آپ پر ہنسی آرہی تھی۔ ایک سال پہلے ہم یہی تینوں تھے۔ میں تھائی اور جانکی۔ ہم نے بینکاک اور دارا کو ننگی ناچ نچا رکھا تھا اور اب بھی ہم تینوں ہی تھے لیکن اب ہماری یہ ٹیم نگڑے لولوں پر مشتمل تھی۔

ایک گھنٹا پچیس منٹ کا راستہ تھا۔ جہاز نے چیانگ رائے ائرپورٹ سے مقررہ وقت پر ٹیک آف کیا تھا اور مقررہ وقت پر بنکاک ائرپورٹ پر لینڈ کیا۔

میرا خیال تھا کہ ماسٹر ہوچن یا اس کا کوئی نہ کوئی آدمی ہمیں لینے کے لیے ائرپورٹ پر موجود ہوگا لیکن کوئی ایسا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ ایک دبلا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہمارے قریب پہنچ گیا۔

"مسٹر دجدان۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں بولا "ہمیں فون پر آپ کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی۔ آیئے گاڑی اس طرف کھڑی ہے۔"

سردار تھالوب نے اپنے آدمیوں کو بھی فون پر اطلاع دے دی تھی۔ میں نے ماسٹر ہوچن یا اس کے آدمیوں کا انتظار کرنے کے بجائے اسی آدمی کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا۔ میرے ہاتھ میں بیگ تھا جو اس شخص نے لے لیا۔

ہم ٹرمنل سے نکل کر پارکنگ میں آگئے۔ پارکنگ کے نزدیک نیلے رنگ کی ایک اسٹیشن ویگن کھڑی تھی۔ اسٹیئرنگ کے سامنے ڈرائیور بھی بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ آنے والے شخص نے بیگ ویگن کی چھت پر رکھ کر دروازہ کھول دیا۔ پہلے جانکی اندر بیٹھی پھر تھائی اور آخر میں' میں اندر داخل ہوا۔ میں پوری طرح سیٹ پر بیٹھ بھی نہیں پایا تھا کہ دروازہ دھڑ سے بند ہوگیا۔ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پچھلی سیٹوں اور ڈرائیور کی سیٹ کے درمیان لوہے کا جنگلا دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ شیشے رنگین اور ون وے تھے۔ اندر سے تو باہر دیکھا جاسکتا تھا مگر باہر سے اندر نہیں دیکھا جاسکتا تھا اور پھر دونوں طرف کے دروازوں پر نظر پڑتے ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اندر کی طرف سے دونوں دروازوں کے ہینڈل غائب تھے۔

ہمیں اپنے ساتھ لانے والا آدمی ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے سیٹ پر بیٹھتے ہی ہماری طرف رخ کرکے جیب سے پستول نکال لیا تھا۔

"تم میں سے کسی کے منہ سے آواز نہیں نکلنی چاہیے۔" اس کے حلق سے غراہٹ نکلی "یہ پستول شور مچانا پسند نہیں کرتا۔ کسی نے شور مچانے کی کوشش کی تو یہ خاموشی سے تم لوگوں کا خاتمہ کردے گا۔"

جانکی اور تھائی کو بھی صورتِ حال کا اندازہ ہوگیا۔ ان دونوں کے چہروں پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ میں نے ایک خاصا گہرا سانس لیتے ہوئے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔ ہم واقعی چوہے دان میں پھنس گئے تھے۔

ویگن ایک جھٹکے سے حرکت میں آئی اور پارکنگ سے نکل کر تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگی۔ اس صورت میں کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ہم واقعی پنجرے میں بند تھے۔ ویگن کے دونوں دروازوں کے ہینڈل اندر سے غائب تھے۔ آگے لوہے کا جنگلا لگا ہوا تھا جس کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے شخص کے ہاتھ میں سائیلنسر لگا ہوا پستول تھا۔ اس وقت ہمارے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ اگر ہم کچھ کرنا بھی چاہتے تو اس جنگلے کی وجہ سے ہماری کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔

بنکاک ائرپورٹ کو اس خطے کا مصروف ترین ائرپورٹ کہا جاسکتا ہے۔ مختلف فلائٹس کی آمدورفت کی وجہ سے ائرپورٹ کے سامنے خاصا ٹریفک تھا۔ ویگن ائرپورٹ کی حدود سے نکل کر چاہون یوتھن روڈ پر نکل آئی جو دکھڑی میموریل والے چوراہے سے ہوتی ہوئی اندرون شہر تک چلی گئی تھی۔

ویگن کی رفتار خاصی تیز تھی لیکن سوتھی سان روڈ کے چوراہے پر سگنل بند ہونے کی وجہ سے ویگن رک گئی۔ اس

شخص نے پستول اس طرح اپنے جسم کی آڑ میں چھپالیا تھا کہ باہر سے نہ دیکھا جاسکے لیکن ہم اس کی زد میں تھے۔

وین کے دونوں طرف گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہم تو ان گاڑیوں اور ان میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھ سکتے تھے مگر باہر والے لوگ ہمیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

اس وقت ہمارے بائیں طرف کا ٹریفک ایئرپورٹ کی طرف جارہا تھا۔ ایک گاڑی کو سامنے سے گزرتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس کار کے اسٹیئرنگ کے سامنے ماسٹر ہوچن بیٹھا ہوا تھا۔ جانکی اور تھائی نے بھی اسے دیکھ لیا۔

"وھ۔۔۔ وہ ہوچن۔۔۔"

"زبان بند رکھو۔" گن بردار بھیڑیے کی طرح غرایا اور تھائی اپنا جملہ مکمل نہیں کرسکی۔

ماسٹر ہوچن کی کار تیزی سے ائرپورٹ کی طرف نکل گئی۔ اس طرف کا ٹریفک رکا تو دائیں طرف کا ٹریفک سامنے سے گزرنے لگا۔ پُرہجوم سڑک پر ٹریفک زیادہ تھا۔ ہماری طرف کا سگنل ڈیڑھ منٹ بعد کھلا تھا۔ ہمارے آگے بھی تین چار گاڑیاں تھیں۔ ہمارا ڈرائیور وین ان سے آگے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے ہونے کے بعد ایک زوردار دھماکا ہوا اور وین لڑکھڑانے لگی۔ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا گن مین اچھل پڑا اور محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

وین کا اگلا ایک ٹائر برسٹ ہوگیا تھا۔ ڈرائیور نے وین کو سنبھال لیا اور اسے ٹریفک کے ہجوم سے نکال کر سڑک کے کنارے پر لگا کر روک لیا اور دروازہ کھول کر نیچے اترگیا۔

"ٹائر برسٹ ہوگیا ہے۔" اس نے اپنے ساتھی کو بتایا۔

"اسے تبدیل کرو۔ جلدی۔" وہ شخص غرایا۔

"اسپیئر ٹائر تو چھت پر رکھا ہے لیکن ٹول بکس اور جیک اندر ہے۔" ڈرائیور نے بتایا۔

"دروازہ کھول کر جیک اور ٹول بکس نکالو۔ میں انہیں دیکھتا ہوں۔" اس شخص نے کہا پھر ہماری طرف دیکھ کر غرایا "اگر تم میں سے کسی نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو بلا دریغ گولی ماردوں گا۔"

ڈرائیور نے جانکی کی طرف والا دروازہ باہر سے کھول دیا۔ اس کے چہرے پر ہلکے سے خوف کے تاثرات تھے۔ اس نے سیٹ کے پیچھے جھک کر ٹول بکس اور جیک باہر کھینچ لیا اور دروازہ دھڑ سے بند کردیا۔ ہم تینوں اطمینان سے اپنی جگہ پر بیٹھے رہے تھے۔

ڈرائیور نے جیک لگا کر پہلے برسٹ شدہ ٹائر نکالا اور پھر دوسرا ٹائر چڑھانے لگا۔ دوسرا آدمی ہمیں پستول کی زد پر لیے سیٹ پر بیٹھا رہا۔ میں کچھ دیر تو اس کی طرف دیکھتا رہا پھر دروازے کے لاک کی طرف دیکھنے لگا جہاں ہینڈل لگا ہونا چاہیے تھا۔ وہاں راڈ تھوڑی سی باہر نکلی ہوئی تھی۔ میری نظریں اسی راڈ پر مرکوز تھیں اور پھر وہ راڈ آہستہ آہستہ گھومنے لگی۔

اس وقت میرے دل میں خواہش تھی کہ یہ دروازہ کھل جائے اور میرے اندر چھپی کی مخفی قوت نے میری نظروں کے ذریعے اپنا کام شروع کردیا تھا۔

چند سیکنڈ بعد ہی کھٹک کی ہلکی سی آواز ابھری اور دروازہ خود بخود کھل گیا۔

"اے۔ دروازہ کیسے کھلا۔۔۔ خبردار۔۔۔!" گن بردار چیخا۔

اور ٹھیک اسی وقت ایک کار بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز سے وین سے چند گز آگے رکی اور ماسٹر ہوچن ایک اور لڑکے کے ساتھ کار سے اتر کر ہماری وین کی طرف دوڑا۔

ڈرائیور اور گن مین نے انہیں دیکھ لیا۔ گن مین تیزی سے پلٹا۔ اسی وقت میں نے دروازے سے چھلانگ لگادی۔ میں گن مین کی طرف لپکا لیکن مجھے یوں لگا جیسے کسی غیبی قوت نے مجھے اٹھا کر ہوا میں اچھال دیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی ایک زوردار دھماکے کی آواز بھی میری سماعت سے ٹکرائی تھی۔

وہ نجانے کون سی قوت تھی جس نے مجھے ہوا میں اچھال دیا تھا۔ اگر مجھے ایک لمحے کی بھی تاخیر ہوجاتی تو گن مین کی چلائی ہوئی گولی میری پیشانی میں سوراخ کردیتی۔ مگر میرے اچھلنے سے گولی بائیں طرف کان کے قریب سے گزر گئی۔ گن مین کو دوسری گولی چلانے کا موقع اس لیے نہیں مل سکا کہ ماسٹر ہوچن اور اس کے دونوں ساتھی طوفان کی طرح دہاڑتے اور چنگھاڑتے ہوئے بڑھے آرہے تھے۔ ماسٹر ہوچن کے ہاتھ میں پستول تھا جبکہ دونوں لڑکوں کے ہاتھوں میں تیز نما چوڑے پھل والے خنجر تھے۔

گن مین نے ان کی طرف گھومتے ہی فائر کھول دیا۔ پے در پے تین گولیاں چلیں۔ اس کے پستول پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔ فائر کی آوازیں تو نہیں گونجی تھیں البتہ ٹریگر دبنے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

گن مین نے فائرنگ اگرچہ بدحواسی میں کی تھی مگر ان کی چلائی ہوئی ایک گولی ماسٹر ہوچن کے ایک ساتھی کے بازو میں لگی۔ وہ چیختا ہوا لڑکھڑا گیا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر بھی ہوا میں اڑتا ہوا دور جاگرا تھا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے اپنا زخمی بازو تھامتا ہوا دہرا ہوگیا۔

وین کا ڈرائیور بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ گن مین کے ساتھ ہی اس نے اپنی جیب سے ریوالور بھی نکال لیا تھا مگر اسے فائر کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ماسٹر ہوچن کی چلائی ہوئی گولی اس کے پیٹ میں لگی اور وہ چیختا ہوا دہرا ہوتا چلا گیا۔

ماسٹر ہوچن کا دوسرا ساتھی خنجر لہراتا ہوا گن مین کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ اس نے زوردار حملہ بھی کردیا مگر اس کا خنجر گن مین کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول پر لگا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاگرا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی۔ خنجر کا وار چند انچ اور آگے پڑتا تو پستول کے بجائے اس کی کلائی کٹ کر پورا ہاتھ ہی نیچے گرتا۔ پستول ہاتھ سے چھوٹتے ہی اس نے ایک طرف چھلانگ لگادی تھی۔ میں اس سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے ایک ٹانگ آگے کردی۔ وہ میری ٹانگ سے الجھ کر لڑکھڑاتا ہوا آگے کھڑی ہوئی ایک اور کار سے ٹکرا گیا۔ ماسٹر ہوچن کے آدمی نے بھی اس کی طرف چھلانگ لگادی۔

اسی لمحے فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی۔ پیچھے سے آنے والی ایک اور کار بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ ہم سے چند گز کے فاصلے پر رکی تھی اور یہ فائرنگ اس کار سے کی گئی تھی۔

"جانکی۔ تھائی۔ نیچے جھک جاؤ!" میں نے چیخ کر کہا اور سڑک پر پڑا ہوا وہ پستول اٹھالیا جو ہمیں اغوا کرنے والے کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا تھا۔ پستول ہاتھ میں آتے ہی میں وین کی اوٹ لے کر کھڑا ہوگیا۔

دوسری کار سے فائرنگ ہم پر کی گئی تھی اور کم از کم دو گولیاں وین کی باڈی میں لگی تھیں۔ ماسٹر ہوچن نے ایک کار کی اوٹ لے کر حملہ آور کار پر فائرنگ شروع کردی۔

دوسری کار سے آٹومیٹک رائفل سے فائرنگ کی جارہی تھی۔ یہ ان کا نشانہ ہماری وین تھی۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اس کار میں بھی ہمیں اغوا کرنے والوں کے ساتھی ہی تھے۔ جو غالباً شروع ہی سے ہماری وین کے پیچھے تھے لیکن ہی جگہ ٹریفک میں پھنس کر پیچھے رہ گئے تھے۔

میرے خیال میں ان لوگوں کو کسی طرح پتا چل گیا تھا کہ اغوا کا منصوبہ بڑی عجلت میں بنایا ہوگا مگر اس کے لیے بھی بظاہر ایک اور کار کو اس وین کے پیچھے رکھا گیا تھا تاکہ کسی ایسی ہی صورتِ حال میں اپنے ساتھیوں کی مدد کی جاسکے مگر وہ کار ٹریفک کے ہجوم میں پھنس کر پیچھے رہ گئی تھی۔

میں نے وین کی آڑ سے جھانک کر دیکھا۔ اس کار میں بھی دو آدمی تھے۔ ایک ڈرائیونگ سیٹ پر اور دوسرا پچھلی سیٹ پر بیٹھا فائرنگ کررہا تھا۔

فائرنگ سے سڑک پر ٹریفک کی روانی میں گڑبڑ ہوگئی تھی۔ کئی کاریں ایک دوسرے سے ٹکرا گئی تھیں۔ دور کہیں پولیس سائرن کی آواز سنائی دے رہی تھی مگر ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے پولیس کی گاڑی کو آگے آنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

دوسری کار سے چلائی جانے والی ایک گولی وین کے پچھلے فینڈر پر لگی۔ میرے لیے فائر کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ میں تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ میرے خیال میں جانکی اور تھائی کا وین میں رہنا مناسب نہیں تھا۔ وین کی پیٹرول کی ٹینکی اسی طرف تھی جس طرف سے فائرنگ کی جارہی تھی۔ اگر کوئی گولی ٹینکی پر لگ گئی تو ہم تینوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں

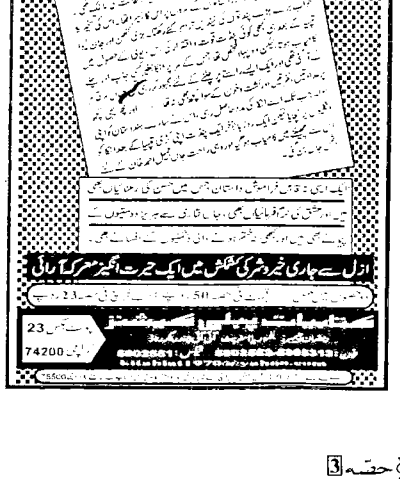
ایک دردمند دل رکھنے والے انسان کی
بے مثال خدمات کی داستان
انکا
جمیل احمد خان کی سرگزشت
ماہنامہ سچی کہانی میں شائع ہونے والی پہلی قسط کی فوٹو کاپی
ازل سے جاری خیر و شر کی کشمکش میں ایک حیرت انگیز معرکہ آرائی
کتاب گھر

بچ سکتا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

ہماری وین فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس سے آگے کشادہ سروس روڈ تھی جس کے دوسری طرف بلند عمارتیں تھیں جن کے نیچے دکانیں تھیں ان میں کئی بڑے بڑے سپر اسٹورز بھی تھے لیکن فائرنگ شروع ہوتے ہی دکانیں دھڑا دھڑ بند ہونے لگی تھیں اور اب دور دور تک کوئی بھی دکان کھلی ہوئی نظر نہیں آرہی تھی البتہ سروس لین کے دونوں طرف متعدد گاڑیاں کھڑی تھیں۔

"تھائی۔ جانکی۔ نیچے اترو۔ ہری اپ!" میں نے وین کے دروازے کے سامنے آتے ہوئے چیخ کر کہا۔

وہ دونوں جھک کر وین سے باہر آگئی تھیں۔ ہم تینوں فٹ پاتھ پر دوڑتے ہوئے سروس روڈ پر آگئے۔ ہمارا بیگ وین کی چھت پر رکھا ہوا تھا لیکن اس وقت بیگ اٹھانے کا ہوش کسے تھا اور پھر اس میں کوئی قیمتی چیز بھی نہیں تھی۔ صرف ہم تینوں کے کپڑے ہی تھے۔

ماسٹر ہوچن نے ہمیں وین سے اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ہم تینوں سروس روڈ پر کھڑی ہوئی کاروں کی آڑ لیتے ہوئے ایک طرف دوڑتے رہے۔ جانکی کی ٹانگوں میں اگرچہ تکلیف تھی مگر جب جان پر بنی ہو تو اس قسم کی معمولی تکالیف خود بخود نظر انداز ہو جاتی ہیں۔

میں نے ایک لمحے کو رک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر دکانوں کے درمیان ایک کشادہ گلی کی طرف دوڑ لگا دی۔ ہم اس گلی کے موڑ پر پہنچے ہی تھے کہ فضا کان پھاڑ دینے والے ایک زور دار دھماکے سے گونج اٹھی۔ ہم تینوں نے بیک وقت مڑ کر دیکھا۔ کوئی گولی وین کے پیٹرول ٹینک میں لگی تھی۔ وین کے پرخچے اڑ گئے۔ آگ اور گاڑھے دھوئیں کا ایک بہت بڑا گولا اوپر کو اٹھ رہا تھا۔ گلی کے موڑ پر کچھ لوگ کھڑے تھے۔ دھماکا ہوتے ہی وہ بھی گلی کے اندر کی طرف دوڑ پڑے۔

جب ہم وین سے اتر کر اس طرف آئے تھے تو بہت سے لوگوں نے ہمیں دیکھا تھا لیکن اب وہاں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم بھی ایک طرف دوڑتے چلے گئے۔

یہ بڑا بارونق علاقہ تھا۔ فائرنگ سے پہلے تو بھگدڑ مچی پھر سناٹا چھا گیا۔ میں جانکی اور تھائی کے ساتھ پہلے تو دوڑتا رہا پھر ہم ایک جگہ رک گئے۔ ہم وہاں سے کافی دور نکل آئے تھے۔ اس طرف دکانیں وغیرہ کھلی ہوئی تھیں اور رونق بھی نظر آرہی تھی۔

دوڑتے ہوئے جانکی اور تھائی کے سانس پھول گئے تھے مگر ہم وہاں صرف دو منٹ رکے اور تیز تیز چلتے ہوئے ایک اور کشادہ گلی میں مڑ گئے۔ اس گلی میں بھی دکانیں تھیں۔ اس طرف پہنچ کر معلوم ہوا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ہر چیز معمول کے مطابق تھی۔

تقریباً سو گز آگے یہ گلی ایک بڑی سڑک سے جا ملی۔ یہاں بڑے بڑے شاپنگ مالز اور سپر اسٹورز تھے۔ میں بنگاک میں بہت کم گھوما پھرا تھا اور یوں ہی واپس آگیا تھا اس لیے مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ یہ کون سی جگہ تھی مگر جانکی اور تھائی تو اس شہر کے چپے چپے سے واقف تھیں۔ تھائی نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بتایا کہ یہ ونگ نام روڈ ہے۔ ہم یہاں سے چائنا ٹاؤن یا کسی بھی طرف جا سکتے تھے۔

ہم تینوں ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف چلنے لگے۔ ابھی چند ہی گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ سامنے سے آنے والی ایک کار ہمارے قریب آکر رک گئی۔ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ماسٹر ہوچن کو دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ پچھلی سیٹ پر اس کا ایک ساتھی تھا جس نے اس شخص کو دبوچ رکھا تھا جس نے وین میں ہمیں پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔

"کار میں بیٹھو۔ جلدی کرو۔" ماسٹر ہوچن نے کھڑکی سے گردن نکال کر ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تھائی اور جانکی اگلی سیٹ پر ایک دوسرے میں پھنس کر بیٹھ گئیں اور میں پچھلی سیٹ پر آگیا۔ اس طرح وہ قیدی میرے اور ماسٹر ہوچن کے آدمی کے بیچ سینڈوچ بن کر رہ گیا۔ میں نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ قیدی کی ٹانگ زخمی تھی اور اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

کار ونگ نام روڈ سے یو تھی روڈ اور وہاں سے راما سکس روڈ کی طرف مڑ کر تیزی سے دوڑنے لگی۔

"اچھا ہوا تم لوگ مل گئے ورنہ ہم پریشان ہوتے رہتے۔" ماسٹر ہوچن نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا دوسرا ساتھی کہاں ہے ماسٹر۔ وہ شاید زخمی ہو گیا تھا۔" میں نے کہا۔

"وہ پولیس کے ہاتھ لگ گیا ہے۔" ہوچن نے کار ایک اور سڑک پر موڑتے ہوئے جواب دیا۔

"پولیس!" میں چونک گیا۔

"سائرن کی آوازیں تم نے بھی سنی ہوں گی۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "ٹریفک جام ہو جانے کی وجہ سے پولیس کی گاڑی کو تو آگے آنے کا موقع نہیں مل سکا تھا لیکن پولیس والے دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے تھے۔ اس حرامی کو تو ہم نے اپنی گاڑی میں ڈال لیا تھا۔" اس نے قیدی کی طرف اشارہ کیا "مگر بودھی کو کار تک آنے کا موقع نہیں مل سکا۔ پولیس کی ایک گولی اس کی ٹانگ میں لگی تھی جس وجہ سے وہ کار تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اگر ہم اس کا انتظار کرتے تو ہم بھی یا تو مارے جاتے یا دھر لیے جاتے اس لیے ہمیں اس کے بغیر ہی وہاں سے بھاگنا پڑا۔"

"اور میرا خیال ہے دوسری کار والے بھی بھاگ گئے ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔" ہوچن نے جواب دیا "فائرنگ کرنے والا پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ ڈرائیور نے کار بھگانے کی کوشش کی تھی مگر ایک گولی سے اس کا ایک ٹائر برسٹ ہو گیا۔ پولیس نے ڈرائیور کو بھی گرفت میں لے لیا ہو گا۔"

"تم لوگوں کو ائرپورٹ پہنچنے میں اتنی دیر کیوں ہو گئی اور پھر یہ کیسے پتا چلا کہ ہم اس وین میں ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"تقریباً ایک گھنٹا پہلے سردار تھالوب نے فون پر اطلاع دی تھی کہ تم لوگ اس فلائٹ سے روانہ ہو چکے ہو۔ اس کے تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم ائرپورٹ کے لیے روانہ ہو گئے لیکن راستے میں کار کا اگلا ایک ٹائر برسٹ ہو گیا۔ یہ غنیمت تھا کہ ڈکی میں اسٹپنی موجود تھی ٹائر تبدیل کرنے میں چند منٹ لگ گئے اور جب ائرپورٹ پہنچے تو پتا چلا کہ فلائٹ آچکی ہے اور بیشتر مسافر جا چکے ہیں۔ تم لوگ نظر نہیں آئے تو مجھے تشویش ہوئی۔ اتفاق سے ایک پراٹا شاگرد مل گیا۔ اس نے تم لوگوں کو نیلے رنگ کی اس وین میں بیٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی تھا۔ اسے بھی شہر کی طرف آنا تھا۔ مجھے بھی کسی گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا اس لیے میں نے اسے بھی ساتھ لے لیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ وین ابھی زیادہ دور نہیں گئی ہو گی۔ اس لیے میں کار کو تیزی سے دوڑاتا رہا اور پھر بودھی نے سڑک پر کھڑی ہوئی وہ وین دیکھ لی۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا تمہارے سامنے ہی ہوا تھا۔"

"بودھی۔" میں نے کہا "وہ زخمی ہے اور پولیس کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ کیا اس طرح مزید گڑبڑ نہیں ہو جائے گی۔"

"اس کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔" ماسٹر ہوچن کہتے ہوئے کار ایک اور سڑک پر موڑ دی۔

میرا خیال تھا کہ ماسٹر ہوچن ہمیں اپنے جمنازیم یا واٹ لے جائے گا مگر کار پر اتوتام ڈسٹرکٹ میں پھٹ بوری روڈ پر مڑ کر پھایا تھائی روڈ پر آگئی اور ہوٹل ایشیا کے سامنے سے ہوتی ہوئی ایک اور سڑک پر مڑ گئی۔ میں خاموش بیٹھا باہر دیکھتا رہا۔ ساتھ بیٹھا ہوا آدمی ایک دو بار کسمسایا تھا لیکن ایک طرف سے میں نے دباؤ ڈالے رکھا اور دوسری طرف سے ماسٹر ہوچن کے آدمی نے۔

کار ایک اور کشادہ گلی میں گھوم گئی۔ اس گلی میں دونوں طرف بڑے بڑے بنگلے تھے۔ کار گلی کے وسط میں ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔ ماسٹر ہوچن نے صرف ایک مرتبہ ہارن بجایا تھا۔ گیٹ فوراً ہی کھل گیا۔ ہوچن نے کار اندر لے جا کر پورچ میں روک دی جہاں پہلے ہی ایک کار کھڑی تھی۔

کار رکتے ہی سب سے پہلے تھائی اور جانکی نیچے اتری تھیں۔ ماسٹر ہوچن نے انجن بند کر دیا اور پیچھے مڑ کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اسے اندر لے جا کر تہ خانے میں پہنچا دو۔ اگر یہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو گولی مار دینا۔"

میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ اسی دوران میں ایک آدمی برآمدے والے دروازے سے نکل کر سامنے آچکا تھا۔ اس نے اسٹون واشڈ جینز کی پینٹ اور ڈینم کی نیلی شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ درمیانے قد کا قدرے بھاری بھرکم آدمی تھا۔ بال قریب سے ترشے ہوئے اور بائیں کان میں سونے کی بالی تھی۔ اس کی عمر کا اندازہ چالیس اور پینتالیس کے درمیان لگایا جا سکتا تھا۔ چہرے کے تاثرات میں نرمی تھی۔ مجموعی طور پر وہ ایک شریف آدمی ہی لگتا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر پہلے ماسٹر ہوچن اور پھر مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور پھر وہ فوراً ہی قیدی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ کون ہے؟"

"ابھی تک ہم نے اس کا نام یا حدود اربعہ معلوم نہیں کیا لیکن اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کی مدد سے ائرپورٹ سے اسٹل ماسٹر کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔" ماسٹر ہوچن نے بتایا۔

"اس کے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟" اس شخص نے پوچھا۔

"ایک پولیس کے ہاتھوں مارا گیا اور دو زخمی ہو کر پولیس کی گرفت میں آگئے۔ یہ ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ اب یہ ہمیں بتائے گا کہ اس نے کس کے کہنے پر لٹس ماسٹر کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ شخص ماسٹر ہوچن کے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تو ران اسے نیچے پہنچا دو۔ کچھ دیر بعد اس سے معلوم کرتے ہیں کہ یہ کون ہے اور کس کے لیے کام کر رہا

ہے۔"

قیدی کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ اس کی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔ توران اسے دھکے دیتا ہوا برآمدے والے دروازے میں داخل ہوگیا۔ تھائی اور جانگی بھی برآمدے میں آچکی تھیں اور پھر اسی وقت ماسٹر ہوچن نے اس شخص سے ہمارا تعارف کرایا۔

وہ چندا روبن تھا۔ مہاراج کا ایک پرانا شاگرد اور رتنا کوسن کا قریبی عزیز۔ وہ امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس سے وابستہ تھا اور یہ بنگلا اسی کا تھا۔ ماسٹر ہوچن جس طرح براہِ راست ہمیں یہاں لے کر آیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ پروگرام پہلے سے طے تھا کہ ہمیں یہاں لایا جائے گا۔

چندا روبن ہمیں کامن روم میں لے آیا۔ یہ وسیع و عریض کمرا شان دار فرنیچر سے آراستہ تھا۔ روبن نے خادمہ کو بلا کر کافی کے لیے کہا اور ماسٹر ہوچن سے ہمارے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے کہ چیانگ رائے میں ان کا کوئی آدمی موجود تھا جو ان کی نگرانی کررہا تھا۔ ان کے ائرپورٹ پر پہنچتے ہی اس نے بنگاک والوں کو اطلاع دے دی اور وہ ائرپورٹ پہنچ گئے اور ان پر ہاتھ ڈالنے کا موقع مل گیا۔" چندا روبن نے ماسٹر ہوچن کے خاموش ہونے پر کہا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون لوگ ہیں اور کس کے کہنے پر ہمیں اغوا کرنے کی کوشش کی گئی تھی؟" تھائی نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"مثلاً ماسٹر کے ازلی دشمنوں کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔" چندا روبن نے کہا "دارا اور اس کے ساتھی بنگاک میں ہیں لیکن اس مرتبہ وہ خوپس منظر میں ہے۔ اس نے کچھ اور لوگوں کو آگے کر رکھا ہے۔ جن میں چنگ چی سرفہرست ہے لیکن کچھ اور نام بھی سامنے آئے ہیں اور یہ نام بھی پہلی مرتبہ سنے گئے ہیں۔ اس سے پہلے ان کے بارے میں کبھی کچھ نہیں سنا گیا تھا۔"

"مثلاً کون سے نام؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہوشنگ۔ جو اس وقت ہماری قید میں ہے۔" اُس نے بتایا۔ "اس کے علاوہ میگا اور تان منہ کے نام ہمارے لیے نئے ہیں۔"

"تان منہ۔" میں اچھل پڑا۔ میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کا رنگ بھی متغیر ہوگیا تھا۔

"کیا بات ہے!" چندا روبن نے باری باری ہماری طرف دیکھا "یہ نام سن کر تم دونوں چونک کیوں گئے ہو انہیں؟"

"میگا تیراؤ، جنرل کھوراٹ کا آدمی ہے جس نے شاؤلن ٹیمپل تک میرا پیچھا کیا تھا اور ہوشنگ اس کی ساتھی ہے۔" میں نے جواب دیا "اور تان منہ لاؤس کا ایک رئیس ہے جو تھائی کا پیچھا کرتا ہوا چیانگ سائین تک پہنچ گیا تھا اور مجھے حیرت ہے وہ بنگاک بھی پہنچ گیا۔"

"میں سمجھا نہیں۔" چندا روبن نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا "تھائی تو تمہارے ساتھ تھی۔ لاؤس کے کسی رئیس سے اس کا کیا تعلق؟"

میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر اسے تھائی کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہہ رہا تھا۔

"چیانگ سائین سے اٹھارہ میل دور ایک فارم ہاؤس میں اس سے سامنا ہوگیا تھا۔ اس تصادم میں ایک عورت کے ہاتھوں اس کا ساتھی مارا گیا اور اسے ہم نے دارنگ دے کر بھگا دیا اور یہی میری غلطی تھی۔ اسے جانے کا موقع نہیں دینا چاہیے تھا۔"

"یہ واقعی تمہاری غلطی تھی۔" چندا روبن نے کہا "اس قسم کے لوگ کو برا سے زیادہ زہریلے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا تو پہلے موقع پر ہی سر کچل دینا چاہیے۔ ان کے ساتھ کوئی رعایت برتی جائے تو بعد میں خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ بہرحال..." وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا "اسے بھی ہم تلاش کرلیں گے۔"

اسی دوران میں خادمہ کافی لے کر آگئی۔ ماسٹر ہوچن اپنا کپ لے کر دوسری سیٹ پر جا بیٹھا جہاں قریب ہی انٹرنیشنل فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے کپ صوفے کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ تقریباً دس منٹ تک وہ فون پر بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھ دیا اور دوبارہ ہمارے پاس آکر بیٹھ گیا۔ ہم میگا اور تان منہ کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔

"دو دن پہلے تمہاری اطلاع پر ہوچن نے ڈی جے کلب پر ریڈ کیا تھا۔" چندا روبن کہہ رہا تھا "ہوشنگ تو نہیں تو ہمارے ہاتھ لگ گئی تھی مگر چنگ چی اپنے دو آدمیوں کے ساتھ فرار ہوگیا تھا۔ ان میں ایک میگا تیراؤ کا نام بھی سننے میں آیا تھا۔"

"میگا تیراؤ جنرل کھوراٹ کا آدمی ہے جو میرا تعاقب کرتا ہوا شاؤلن ٹیمپل تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے کئی

بہت پیچھے لگایا تھا مگر سب بتدریج ختم ہوتے گئے۔ ایک بھی اسی کی ساتھی ہے جس کے ذریعے اس نے مجھے ٹریس کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں بھی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ فرار ہوگیا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر تفصیل سے شاؤلن ٹیمپل کے واقعات کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں، میں نے پوچھا۔

"ہوشنگ کہاں ہے؟"

"اس کوٹھی کے تہ خانے میں۔" چندا روبن نے کہا "تھائی پی لو پھر اس سے تمہاری ملاقات کراتے ہیں۔"

کافی پیتے ہوئے میں نے کئی بار جانگی اور تھائی کی طرف دیکھا تھا۔ وہ دونوں کچھ بے چینی سی محسوس کررہی تھیں۔ وہ دونوں چیانگ رائے میں ایک سنگین حادثے سے گزری تھیں۔ انہیں جسمانی تکلیف تو تھی ہی مگر ذہنی طور پر بھی اپ سیٹ تھیں اور یہاں آتے ہی یہ واقعہ پیش آگیا جس نے ان کے ذہنوں کو کچھ زیادہ ہی متاثر کیا تھا اور میرے خیال میں ان انہیں آرام کی ضرورت تھی۔

"ہماری رہائش کا بندوبست کیا ہوگا؟" میں نے ماسٹر ہوچن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "ہم یہیں رہیں گے یا..."

"تم لوگ یہیں رہو گے۔" چندا روبن میرا جملہ مکمل ہونے سے پہلے بول پڑا "میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ خواتین کچھ بے چینی سی محسوس کررہی ہیں اور میرے خیال میں انہیں آرام کی ضرورت ہے۔ آؤ۔ پہلے انہیں کمرا دکھا دوں۔"

یہ بنگلا دو منزلہ تھا اور اوپر جانے کے لیے زینہ اندر ہی سے تھا۔ اوپر ایک بہت بڑا ہال، ایک کچن اور تین بیڈ رومز تھے ہر کمرا شان دار فرنیچر سے آراستہ تھا۔ چندا روبن ہمیں کمرے دکھاتا رہا۔

"یہ تینوں بیڈ رومز تم تینوں کے استعمال میں رہیں گے۔" اس نے دوبارہ ہال میں آکر کہا پھر جانگی اور تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اب تم لوگ کچھ دیر آرام کرلو۔ دوپہر کا کھانا تیار ہوجائے گا تو بتا دیں گے۔ ہم نیچے لٹل ماسٹر کے ساتھ کچھ باتیں کریں گے۔"

جانگی اور تھائی ایک ہی کمرے میں گھس گئی تھیں۔ ہم دوبارہ نیچے آگئے۔

"ہوشنگ کہاں ہے؟" میں نے ایک بار پھر پوچھا۔

"آؤ۔ تمہیں ہوشنگ سے بھی ملا دیا جائے۔" چندا روبن نے کہا۔

اس مرتبہ ماسٹر ہوچن بھی ہمارے ساتھ تھا۔ ہم تینوں پہلے کمرے میں آگئے۔ یہ بھی بیڈ روم ہی تھا۔ ایک طرف دیوار کے اندر شیشے کے دروازے والی بہت بڑی الماری فٹ تھی جس میں کتابیں آراستہ تھیں۔ انہی کتابوں میں دو تین جگہوں پر کچھ آرائشی چیزیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ انہی میں ایک تقریباً چھ انچ اونچا مہاتما بدھ کا مجسمہ بھی تھا۔

چندا روبن نے الماری کھول کر مجسمے کے پیچھے ہاتھ ڈال کر اس میں لگی ہوئی ایک ناب کو گھمایا۔ اس کے ساتھ ہی الماری اپنی جگہ پر گھوم گئی۔ الماری کے پیچھے ایک کشادہ زینہ تھا۔ اندر روشنی ہورہی تھی۔ اس بتی کا تعلق غالباً اس میکنزم سے تھا جس سے الماری گھومی تھی۔

ہم تینوں زینے سے اتر کر نیچے آگئے۔ سامنے ایک وسیع ہال تھا۔ جس سے آگے تین چار کمرے بنے ہوئے تھے۔ ہال میں ایک میز اور چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ توران ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ گیا۔

"اس نے کچھ بتایا؟" چندا روبن نے توران سے پوچھا۔ اس کا اشارہ اس قیدی کی طرف تھا جسے یہاں لایا گیا تھا۔

"میں نے ابھی کچھ پوچھا ہی نہیں سر۔ آپ لوگوں کا انتظار کررہا تھا۔" توران نے جواب دیا "ویسے وہ بہت بد حواس ہورہا ہے۔ میرا خیال ہے ایک دو ہاتھ پڑنے پر ہی سب کچھ اگل دے گا۔"

"ابھی دیکھتے ہیں۔ پہلے اس لڑکی کے کمرے کا دروازہ کھولو۔" چندا روبن نے کہا۔

توران دائیں طرف والے ایک دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ دروازہ لوہے کی موٹی چادر کا تھا۔ اس میں کوئی کنڈا یا ہینڈل وغیرہ نظر نہیں آرہا تھا البتہ چوکھٹ پر ذرا اوپر ایک پلیٹ فٹ لگا ہوا تھا۔ توران نے وہ فٹ دبا دیا۔

لوہے کا دروازہ اپنی جگہ سے سرکتا ہوا دائیں طرف کی دیوار میں غائب ہوگیا۔

کمرا کافی کشادہ تھا۔ چھت بہت اونچی تھی جہاں ایک مرکزی بلب روشن تھا۔ دیواریں بالکل سپاٹ تھیں۔ دائیں طرف بیڈ تھا اور آگے باتھ روم کا دروازہ تھا۔ بیڈ پر ہوشنگ لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے پیٹ اور بائیں کندھے پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔

"تت... تم..." وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"تمہارا خیال تھا کہ میں ساری زندگی شاؤلن ٹیمپل ہی میں گزار دوں گا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ وہ کافی خوف زدہ تھی۔ اس نے سرمئی بلاؤز اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا اور یہ لباس غالباً کئی دنوں سے اس کے

جسم سے جُدا نہیں ہوا تھا۔

"یہاں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں ہوئی؟" میں نے ایک بار پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"زیادتی! یہ عجیب سوال کیا ہے تم نے۔" وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "مجھے دو دن سے زخمی حالت میں اس کمرے میں بند رکھا گیا ہے اور تم پوچھ رہے ہو کہ میرے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں ہوئی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "یہ لوگ دو دن سے مجھ سے الٹے سیدھے سوال کر رہے ہیں۔ میں بتا چکی ہوں کہ میں دارا نام کے کسی شخص کو نہیں جانتی۔ میرا اس نام کے کسی شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو پہلی مرتبہ بنکاک آئی ہوں۔ مجھے تو اس حرامی میگا نے پھنسا دیا۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوگئی۔ اس نے میگا تیراڈ کو چند موٹی موٹی نہایت فحش قسم کی گالیاں دیں پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "شاؤلن ٹیمپل میں اس سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی تو اس نے کہا تھا کہ وہ تم سے اپنی کسی توہین کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ تمہیں کسی قسم کا سبق سکھانا چاہتا ہے۔ میں نے یہی سمجھا تھا کہ مارشل آرٹ کے کسی مقابلے میں اس نے تمہارے ہاتھوں شکست کھائی ہوگی اور وہ اپنا انتقام لینا چاہتا ہوگا۔ شاؤلن ٹیمپل میں اس قسم کے ڈرامے ہوتے رہتے ہیں اس لیے میں اس کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہوگئی تھی اور پھر جب تمہارے اغوا کی کوشش میں ناکام ہو کر وہ بھاگ گیا اور تم مجھے بھی ویرانے میں چھوڑ گئے تو مجھے تم پر اور اس پر بھی بہت غصہ آیا تھا۔

"میں شاؤلن کس طرح پہنچی تھی؟ یہ ایک الگ داستان ہے۔ میں اس روز کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل گئی اور تین چار روز بعد فان کنگ پہنچ گئی۔ اس کے ایک ہفتے بعد میگا مجھے فان کنگ میں مل گیا۔ دیر تک اپنے طرزِ عمل کی معافی مانگتا رہا اور پھر اس نے مجھے ایک نئی پٹی پڑھائی۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی۔ میں نے اسے ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔ نہ ہی چندا روبن اور ماسٹر ہوچن نے مداخلت کی۔ کچھ دیر بعد ہوشنگ بات جاری رکھتے ہوئے دوبارہ کہنے لگی۔

"میگا نے مجھے بتایا کہ تم شاؤلن ٹیمپل کے اندر ایک ایسی جگہ سے واقف ہو جہاں منگ خاندان کی صدیوں پرانا خزانہ دفن ہے۔ وہ خزانہ اتنا قیمتی ہے کہ اس کی ایک ایک چیز آج کے دور میں کروڑوں ڈالر مالیت کی ہو سکتی ہے۔ اگر ہم تم سے اس خزانے کا راز معلوم کرلیں تو کسی شہنشاہ کی طرح دولت مند ہو سکتے ہیں۔ اس نے مجھے اس خزانے کے چالیس فی صد حصے کا لالچ دیا اور مجھے اپنے ساتھ بنکاک لے آیا۔ تاکہ تمہیں پکڑ کر خزانے کا راز معلوم کیا جاسکے۔

"یہاں ہماری ملاقات چنگ چی سے ہوئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے تھے۔ چنگ چی نے بتایا کہ تم بنکاک نہیں آئے۔ میگا کو یقین تھا کہ تم یہاں ضرور آؤ گے۔ چنگ چی نے جگہ جگہ اپنے آدمی پھیلا دیے تاکہ تم جیسے ہی بنکاک میں داخل ہو انہیں اطلاع مل جائے۔

"مجھے چنگ چی کے نائٹ کلب میں رقص کے پروگرام مل گئے۔ اس طرح مجھے وقت گزارنے کا بہانہ مل گیا اور پھر ایک رات میں نے چھپ کر میگا اور چنگ چی کی باتیں سن لیں۔ تب مجھے پتا چلا کہ اصل قصہ کیا ہے۔ میگا جنرل کھوراٹ کا آدمی ہے اور تم کسی وقت جنرل کھوراٹ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا چکے ہو اور جنرل کھوراٹ تمہیں ہر قیمت پر اپنے قدموں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ میگا اسی چکر میں تمہارے پیچھے لگا ہوا تھا۔

"ان کی باتوں میں چی فانگ اور دارا نامی کسی شخص کا ذکر بھی آیا تھا لیکن میں ان دونوں کو نہیں جانتی نہ ہی انہیں کبھی دیکھا ہے لیکن بہرحال اصل بات معلوم ہونے کے بعد میں خوف زدہ ہوگئی تھی اور یہاں سے بھاگنا چاہتی تھی۔ ایک موقع پر میں نے ایسی کوشش بھی کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں کچن بوری سے ہوتی ہوئی برما کی طرف نکل جاؤں گی لیکن بنکاک سینٹرل ریلوے اسٹیشن پر پکڑی گئی۔ تب مجھے پتا چلا کہ ان کے شکنجے سے نکلنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ میری نگرانی کی جاتی تھی۔

"اور پھر اس روز میں دوپہر کے وقت ڈی جے کلب کی اوپر والی منزل پر اپنے کمرے میں سو رہی تھی کہ شور کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ کلب میں بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔ دو آدمی میرے کمرے میں بھی گھس آئے تھے اور مجھے پکڑ کر کلب سے نکال لے گئے۔ پہلے تو میں یہی سمجھی تھی کہ پولیس نے چھاپا مارا ہے لیکن بعد میں پتا چلا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ یہ لوگ مجھے کسی بنگلے میں لے گئے۔ اس بنگلے پر بھی حملہ ہوگیا۔ اس مرتبہ شاید مجھے ہی قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ میں واقعی بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہوں کہ دو گولیاں لگنے کے باوجود اب تک زندہ ہوں۔"

"تم سمجھتی ہو کہ میں نے تمہاری کہانی پر یقین کرلیا ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"انہوں نے بھی یقین نہیں کیا۔" ہوشنگ نے چندا روبن اور ماسٹر ہوچن کی طرف اشارہ کیا "مگر سچ وہی ہے جو میں بتا چکی ہوں۔ اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتی اور نہ ہی کچھ بتا سکتی ہوں۔"

"شاید تم نے اپنی زبان اس لیے بند رکھی ہے کہ تمہارے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جارہا ہے۔" میں نے کہا "لیکن میرا پوچھ گچھ کا طریقہ ان سے قدرے مختلف ہے۔ میں ہڈیوں کو بھی بولنے پر مجبور کردیتا ہوں۔ تم مجھے اچھی طرح جان چکی ہو۔ میں اس بات کی بھی پروا نہیں کروں گا کہ تم عورت ہو یا زخمی ہو۔ میں تم سے صرف چند سوال پوچھوں گا۔ اگر تم ٹھیک ٹھیک جواب دے دو گی تو میں تمہاری کچھ مدد بھی کرسکوں گا لیکن میں صرف سچ جاننا چاہتا ہوں۔"

"سچ وہی ہے جو میں بتا چکی ہوں۔" ہوشنگ نے جواب دیا۔

"یہ لوگ تمہاری کسی بھی کہانی پر یقین کرسکتے ہیں۔" میں نے چندا روبن اور ماسٹر ہوچن کی طرف اشارہ کیا "اگر تم رو رو کر بار بار یہی کہانی دہراؤ گی تو یہ لوگ تمہیں معصوم اور مظلوم سمجھ لیں گے لیکن میں نہیں کیونکہ میں تمہیں بہت اچھی طرح جان چکا ہوں۔ اس لیے میں تم سے کہانیاں نہیں صرف اور صرف سچ سننا چاہوں گا۔"

"یہی سچ۔"

"ہاں۔ صرف سچ!" میں نے اس کی بات کاٹ دی اور پھر چندا روبن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اس کے زخموں کی پوزیشن کیا ہے؟"

"پیٹ میں اور ہنسلی کی ہڈی کے قریب گولیاں لگی تھیں۔" چندا روبن کے بجائے ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "گولیاں نکال دی گئی ہیں۔ تقریباً چار بوتل خون دیا گیا ہے۔ اب کہیں بچ سکی ہے۔ ہر دو گھنٹے بعد ڈاکٹر اسے چیک کر رہا ہے۔ اس وقت تو اس کی حالت پہلے سے بہت بہتر نظر آرہی ہے۔ میرا خیال ہے دو چار روز میں یہ اٹھ کر چلنے پھرنے لگے گی۔"

میں نے ایک بار پھر بغور ہوشنگ کا جائزہ لیا۔ تکلیف اور پھر خوف کی وجہ سے اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ کندھے والی پٹی پر سرخ دھبا سا نظر آرہا تھا۔ میں نے لپٹا بایاں پیر پلنگ کی پٹی پر رکھ لیا اور پتلون کا پائنچہ کچھ اوپر اٹھا کر پنڈلی پر بندھا ہوا خنجر نکال لیا۔

میرے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر ہوشنگ کے چہرے پر خوف کے سائے کچھ اور گہرے ہوگئے۔ آنکھوں میں ویرانی سی چھائی۔ میں نے خنجر کی نوک اس کے پیٹ پر بندھی ہوئی پٹی کے نیچے رکھ کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔ پٹی کٹتی چلی گئی۔ میں نے خنجر ہی کی نوک سے پٹی سے کٹے ہوئے دونوں حصوں کو الگ الگ کردیا اور زخم پر رکھا ہوا کاٹن ہٹانے لگا۔

چندا روبن اور ماسٹر ہوچن بھی الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ہوشنگ کی حالت تو ایسی تھی جیسے وہ ابھی چیخ پڑے گی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ زخم پر رکھنا چاہا تو میں نے خنجر کی نوک اس کے ہاتھ کی پشت پر چبھو دی۔ اس نے جلدی سے ہاتھ پیچھے ہٹالیا۔

ناف سے ذرا اوپر زخم خاصا بڑا تھا۔ گولی نکالنے کے لیے آپریشن کیا گیا تھا جس سے زخم پھیل گیا تھا۔ دس بارہ ٹانکے لگے ہوئے تھے۔

"یہ لوگ بہت رحمدل ہیں۔" میں نے چندا روبن اور ہوچن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ان پر کبھی ظلم نہیں ہوا۔ انہیں کبھی تشدد کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ ان کی نظروں کے سامنے ان کے کسی عزیز کو ذبح نہیں کیا گیا اس لیے یہ لوگ نہیں جانتے کہ ظلم اور تشدد کیا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کسی پر ظلم کرنا بھی نہیں جانتے۔ تمہارے ساتھ تو انہوں نے بہت رحم دلی کا مظاہرہ کیا ہے لیکن میں ان سے بہت مختلف ہوں۔ میں نے اپنے ماں باپ کو ذبح ہوتے دیکھا ہے۔ میں اپنی زندگی بچانے کے لیے بھاگتا رہا ہوں۔ خونی بھیڑیے میرا پیچھا کرتے رہے ہیں۔ میں ایک لمحہ بھی کبھی سکون سے نہیں بیٹھ سکا۔ جان کا خوف ہر ہر لمحہ میرے ذہن پر سوار رہا۔ میں نے بے پناہ ظلم برداشت کیے ہیں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو خوف سے ہی مرچکا ہوتا لیکن میں بہت سخت جان واقع ہوا ہوں۔ مجھے صرف ایک چیز زندہ رکھے ہوئے ہے۔ انتقام۔ اپنے بے گناہ ماں باپ کے قتل کا انتقام۔ اپنی بربادی کا انتقام جو میری رگوں میں دوڑنے والے خون میں رچ بس گیا ہے اور تم جانتی ہو... کہ انتقام کی آگ میں جلتا ہوا انسان اس حد تک آگے چلا جاتا ہے کہ وہ انسانیت کو بھی بھول جاتا ہے۔ میں بھی انتقام کی آگ میں جل رہا ہوں اور انسانیت کو بھول چکا ہوں۔ میں درندہ ہوں جس کے دل میں درگزر اور رحم نام کا کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ میں اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہوں جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ میں اپنے دشمنوں کی تلاش میں ہوں اور تم جانتی ہو وہ لوگ کہاں ہیں۔" میں خاموش ہو کر ہوشنگ کی طرف دیکھنے لگا۔ خوف سے اس کا چہرہ ایک دم سیاہ پڑ گیا تھا اور جسم پر ہلکی سی کپکپاہٹ طاری ہوگئی تھی۔ میں نے خنجر کی نوک اس کے زخم کے قریب پیٹ پر رکھ دی "میرے ہاتھ کا ایک ہلکا سا جھٹکا تمہارا پیٹ چاک کردے گا۔ تمہاری آنتیں

باہر نکل آئیں گی اور۔۔۔"

"نہیں۔" ہوشنگ بذیانی انداز میں چیخ اٹھی "تم ایسا نہیں کرسکتے۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔"

"مجھے کون روک سکے گا۔" میں نے کہا "مجھے یاد ہے چند سال پہلے وارا نے میری ایک ہمدرد کا پیٹ اسی طرح چاک کیا تھا اور میں تمہارا پیٹ چاک کرنے میں جھجک کیوں محسوس کروں گا۔ مجھے تم پر بالکل رحم نہیں آئے گا۔"

"نہیں نہیں۔ تم ایسا نہیں کرسکتے۔" وہ ایک بار پھر چیخی۔

"سنو ہوشنگ۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماویں "میری تمہاری کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ تم نے پیسے کے لالچ میں میرے ساتھ کچھ زیادتیاں کی ہیں اور تمہیں یہ بھی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ تم پر جب بھی برا وقت آیا تمہیں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ شاؤلن ٹیمپل میں بھی میگا تمہیں ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ کر اپنی جان بچا کر بھاگ گیا تھا اور یہاں بھی میرے آدمیوں نے تمہیں نائٹ کلب سے اٹھایا تو انہوں نے تمہیں جان سے مار دینے کی کوشش کی تاکہ تم ان کے بارے میں کچھ نہ بتا سکو۔ موقع ملتے ہی وہ لوگ تمہیں پھر جان سے مارنے کی کوشش کریں گے۔ کیا تم ایسے لوگوں پر بھروسا کرسکتی ہو جو تمہاری جان کے دشمن ہوں؟"

"میں تمہاری جاں بخشی کرسکتا ہوں۔ بشرطیکہ تم یہ بتا دو کہ وہ لوگ کہاں ہیں۔ بصورتِ دیگر میں تمہارا پیٹ چاک کروں گا اور مجھے تمہاری موت کا کوئی افسوس نہیں ہوگا۔"

میں نے اس کے پیٹ پر خنجر کی نوک کا ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ وہ چیخ اٹھی۔

"اب بھی تمہارے پاس وقت ہے۔" میں غرایا "میں آخری بار پوچھ رہا ہوں۔ اگر اب بھی تم نے زبان نہ کھولی تو میرا ہاتھ حرکت میں آجائے گا۔"

"ٹھہرو۔۔۔ ٹھہرو۔" وہ چیخی "ب۔۔۔ بتاتی ہوں۔۔۔"

"گڈ۔" میں نے خنجر ہٹالیا "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اب تم بولنا شروع کردو۔ سب سے پہلے یہ بتاؤ وارا کہاں ہے؟"

وہ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے خوف زدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے ماسٹر ہوچن کو اشارہ کیا۔ اس نے کاٹن دوبارہ زخم پر رکھ دی۔ پٹی تو میں کاٹ چکا تھا۔ لہٰذا فوری طور پر دوسری پٹی باندھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"بتاؤ۔ وارا کہاں ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

"مم۔۔۔ میں وارا کو نہیں جانتی۔" وہ گہرے سانس لیتے ہوئے بولی "سچ کہتی ہوں۔ میں اسے نہیں جانتی۔ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا... صرف نام سنا ہے۔"

"چنگ چی کا وارا سے کیا تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔" ہوشنگ نے جواب دیا "میگا مجھے چنگ چی کے پاس لے کر آیا تھا اور مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ وہ چنگ چی کی مدد سے تمہیں تلاش کرنا چاہتا ہے۔ مجھے اصل کہانی معلوم نہیں تھی۔ مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ تم شاؤلن ٹیمپل میں منگ خاندان کے کسی وفینے کے راز سے واقف ہو۔ اتفاق سے میں نے ایک روز چوری چھپے ان دونوں کی باتیں سن لی تھیں۔ جس سے پتا چلا کہ اصل معاملہ کچھ اور ہے اور میگا تمہیں ہر حالت میں گولڈن ٹرائی اینگل لے جانا چاہتا ہے۔ ان کی باتوں میں وارا اور چی فانگ کا نام بھی آیا تھا۔ وہ دونوں بھی میگا کے ساتھی ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ چنگ چی کے نائٹ کلب میں آتے رہے ہوں مگر میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"مجھے کس کے کہنے پر اغوا کرنے کی کوشش کی گئی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"چنگ چی اور میگا نے یہ منصوبہ بنایا تھا۔" ہوشنگ نے جواب دیا "چند روز پہلے تان منہ نامی ایک شخص نے نائٹ کلب میں ان سے ملاقات کی تھی۔"

"تان منہ۔" میں اچھل پڑا۔

"ہاں۔ یہی نام بتایا تھا اس نے۔" ہوشنگ نے کہا "وہ لاؤس کا رہنے والا ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ تم ہوئے سائی سے اس کی عورت کو بھگا کر چیانگ سامین لے آئے ہو جہاں اس کا ایک آدمی بھی تمہارے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ تمہارے خلاف کارروائی کرنا چاہتا تھا مگر تم تھالوب نامی کسی شخص کے پاس چلے گئے۔ جس کے بارے میں اس نے بتایا کہ وہ بہت طاقت ور قبائلی سردار ہے۔ اس کی موجودگی میں تمہارے خلاف کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تان منہ بنکاک آگیا۔ یہاں اس نے چنگ چی اور میگا تیراڈ سے رابطہ کیا۔"

"کیا وہ پہلے سے انہیں جانتا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے یہ لوگ پہلے سے ایک دوسرے کے بارے میں جانتے ہوں۔" ہوشنگ نے جواب دیا "تان منہ نے ہمیں بتایا تھا کہ تھائی نامی عورت کو تمہارے قبضے سے آزاد کرا کے اس کے حوالے کردیا جائے۔ وہ منہ مانگا معاوضہ دے گا۔ اس کے بعد ہی انہوں نے پروگرام بنایا تھا اور چیانگ رائے میں

اپنے آدمیوں کو مطلع کردیا تھا کہ تم لوگوں پر نگاہ رکھی جائے۔

"میگا تو تمہیں زندہ ہی پکڑنا چاہتا تھا تاکہ جنرل کھوراٹ کے سامنے پیش کیا جاسکے لیکن اسی رات چنگ چی کو ایک فون کال موصول ہوئی۔ میں بھی اس وقت اس کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ چنگ چی نے فون پر باتیں کرتے ہوئے کہا تھا کہ تم لوگوں کو چیانگ رائے ہی میں ختم کردیا جائے گا اور اس کے بعد اس نے فون پر چیانگ رائے میں اپنے آدمیوں کو اس قسم کی ہدایات بھی دی تھیں۔

"تم لوگ تو چیانگ رائے میں بچ گئے لیکن یہاں میگا تیراڈ اور چنگ چی کی شامت آگئی۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ یہاں تمہارے آدمی اتنی جلدی کوئی کارروائی کریں گے مگر میگا اور چنگ چی کو فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ تان منہ بھی ان کے ساتھ ہی تھا مگر میں پھنس گئی۔"

"آج صبح بھی ان کے آدمیوں نے ہمیں اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی محفوظ جگہ پر ہیں اور تم ان کے ٹھکانے کے بارے میں ضرور جانتی ہوگی۔"

"وہ دونوں ایک مرتبہ مجھے ایکا مائی روڈ پر واقع برونائی کے سفارت خانے کے پچھلی طرف ایک بنگلے میں لے گئے تھے۔ میگا تو واپس آگیا تھا اور میں چنگ چی کے ساتھ تین دن اسی بنگلے میں رہی تھی۔ ہوسکتا ہے وہ لوگ اسی بنگلے میں چھپے ہوئے ہوں۔ اس کے علاوہ میں ان کے کسی اور ٹھکانے کے بارے میں نہیں جانتی۔" ہوشنگ نے کہا۔

وہ اس بنگلے کا نمبر نہیں جانتی تھی لیکن اس نے لوکیشن سمجھاوی اور یہ لوکیشن بھی اسے برونائی کے سفارت خانے کی وجہ سے یاد رہ گئی تھی۔

"وہاں اور کون کون ہوسکتا ہے؟" میں نے ہوشنگ سے اگلا سوال کیا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" ہوشنگ نے جواب دیا "جب مجھے وہاں لے جایا گیا تھا تو ایک بوڑھی خادمہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے ہوشنگ۔" میں نے کہا "میں ان سے کہوں گا کہ ڈاکٹر کو بلا کر تمہاری ڈریسنگ کردی جائے۔ اگر اس بنگلے سے چنگ چی یا اس کے کسی ساتھی کا سراغ مل گیا تو تمہیں رہا کردیا جائے گا اور اگر یہ پتا چلا کہ چنگ چی یا میگا تیراڈ کا اس بنگلے سے کوئی تعلق نہیں اور انہیں بھی وہاں آتے جاتے نہیں دیکھا گیا تو تم سمجھ سکتی ہو کہ تمہارا انجام کیا ہوگا۔"

ہوشنگ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے پر خوف کے ساتھ کرب کے آثار بھی نمایاں ہو رہے تھے۔ اس کا زخم خاصا سیریس تھا اور اسے آرام کی ضرورت تھی۔ جبکہ میں نے اس کا زخم کھول کر خنجر کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ دی تھی اور اسے مزید دہلا دیا تھا۔ حالانکہ اسے مزید زخمی کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن اگر میں یہ حربہ استعمال نہ کرتا تو وہ زبان بھی نہ کھولتی۔ اس نے اگرچہ اس بنگلے کا پتا بتا دیا تھا جہاں وہ چنگ چی کے ساتھ دو تین دن رہی تھی لیکن میرے حوالے سے میگا کے بارے میں جو کہانی سنائی تھی، وہ جھوٹی تھی۔ یہ غلط تھا کہ میگا نے اسے کسی خزانے میں حصے کا لالچ دیا تھا۔ شاؤلن ٹیمپل میں اس نے مجھے کوئی اور کہانی سنائی تھی۔

ہم تینوں اس کمرے سے باہر آگئے۔ ماسٹر ہوچن نے چوکھٹ پر لگا ہوا بٹن دبا کر دروازہ بند کردیا۔ توران اس دوران میں باہر ہی کھڑا رہا تھا۔ اس نے ہوچن کا اشارہ پاکر دوسرے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ وہ دروازہ بھی اسی قسم کا تھا۔ اس لحاظ سے یہ تہ خانہ اس حد تک محفوظ ہوگیا تھا کہ کمروں کے دروازے بند کرنے کے بعد اگر تہ خانے میں آمد و رفت کا راستہ کھلا بھی رہ جاتا تو قیدیوں کے فرار ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔

دوسرا کمرا بھی اسی طرح کا تھا۔ سپاٹ دیواریں اور ایک بیڈ۔ پچھلی طرف ایک باتھ روم تھا۔ وہ آدمی بیڈ پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے دایاں گھٹنا کھڑا کر رکھا تھا۔ بائیں اوپر چڑھا ہوا تھا اور پنڈلی خون آلود تھی۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ ماسٹر ہوچن نے بتایا تھا کہ سڑک پر جب پولیس آگئی تھی تو اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر توران نے اس کی ٹانگ پر خنجر سے وار کرکے زخمی کردیا تھا۔ زخم اگرچہ معمولی تھا مگر مسلسل خون بہنے کی وجہ سے اس کی ٹانگ تر ہو رہی تھی اور خون جوتے پر بھی جما ہوا تھا۔

ہمیں دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوگیا۔ کھڑے ہوتے ہوئے اس نے صرف ایک ٹانگ پر زور دے رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں ہوگئے تھے۔

"توران۔ اس سے پوچھو کہ اس نے کس کے کہنے پر ہمیں اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ لوگ ہمیں کہاں لے جانا چاہتے تھے۔" میں نے توران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

توران نے اپنے لباس میں چھپا ہوا خنجر نکال لیا۔ اس خنجر کا پھل آگے سے کسی قدر چوڑا اور مڑا ہوا تھا۔ اس نے

آگے بڑھ کر خنجر کو اس کے چہرے کے سامنے لہرایا اور اچانک ہی بائیں ہاتھ کا پنچ اس کے جبڑے پر رسید کردیا۔ وہ شخص کراہتا ہوا پشت کے بل بیڈ پر گرا۔ توران بھی چھلانگ لگا کر اس کے سینے پر سوار ہوگیا۔ بائیں ہاتھ سے اس کے بال جکڑ لیے اور خنجر اس کے کان سے ذرا نیچے گردن پر رکھ دیا۔

"یہاں سے تمہاری صرف ایک نس کٹے گی اور تمہارے جسم کا سارا خون بہہ جائے گا۔" توران کے حلق سے بھیڑیے کی سی غراہٹ نکلی۔

"بب۔۔۔ بتاتا ہوں۔" وہ شخص ہکلایا۔ اس کا چہرہ خوف سے ایک دم سیاہ پڑ گیا تھا۔

توران نے میری طرف دیکھا۔ میں نے سر ہلا دیا اور وہ اس شخص کو چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ وہ شخص بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ کچھ دیر تک اپنا جبڑا سہلاتا رہا پھر بولا۔

"میگا تیراڈ نے حکم دیا تھا کہ تم لوگوں کو ائرپورٹ سے اغوا کرکے برونائی کے سفارت خانے کے پیچھے ایک بنگلے میں پہنچا دیا جائے۔ وہاں وہ لوگ ہمارا انتظار کرتے۔ پروگرام کے مطابق ہمیں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا مگر اب دو گھنٹے ہو چکے ہیں۔ انہیں گڑبڑ کی اطلاع مل چکی ہوگی اور وہ لوگ وہاں سے چلے گئے ہوں گے۔"

اس شخص کی باتوں سے ہوشنگ کے بیان کی تصدیق ہوگئی تھی کہ چنگ چی اور میگا برونائی کے سفارت خانے کے عقب میں واقع کسی بنگلے میں روپوش تھے اور اس شخص نے بھی ٹھیک ہی کہا تھا' انہیں دیر ہوجانے کے باعث میگا وغیرہ کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوگیا ہوگا اور ممکن ہے وہ لوگ اب تک وہاں سے غائب ہو چکے ہوں۔

"ان کا کوئی اور ٹھکانا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس شخص کی طرف دیکھا۔

"ڈی جے نائٹ کلب۔" اس شخص نے جواب دیا "لیکن اب وہاں کوئی نہیں ملے گا۔ چند روز پہلے ان لوگوں نے وہاں چھاپا مارا تھا تو اس وقت سب لوگ بھاگ گئے تھے۔"

"وارا اور چی فانگ کہاں ملیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے وارا کا صرف نام سنا ہے' دیکھا نہیں۔ البتہ چی فانگ کو میں جانتا ہوں۔ وہ آج کل مادام اوتو کو کے ساتھ رہ رہا ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"مادام اوتو کو کون ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"رقاصہ ہے۔ خود ریٹائر ہو چکی ہے۔ اس نے تین چار لڑکیاں رکھی ہوئی ہیں جن کے سر پر وہ عیش کر رہی ہے۔" اس نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "مادام اوتو کو دراصل ٹائیگر کی داشتہ تھی۔ ٹائیگر کی موت کے بعد وہ پیڈرو کی تحویل میں آگئی۔ پیڈرو مارا گیا تو مختلف لوگوں کے ساتھ رہی۔ چی فانگ گولڈن ٹرائی اینگل سے واپس آیا تو اس وقت سے مادام کے ساتھ رہ رہا ہے۔"

"اور یہ مادام اوتو کہاں رہتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نانا نوا روڈ پر واقع آکاش بلڈنگ کے پنٹ ہاؤس میں۔" اس نے جواب دیا "لیکن کسی اجنبی کے لیے اس بلڈنگ میں داخل ہونا آسان نہیں۔ وہ بہت بڑی بلڈنگ ہے جہاں دولت مند لوگوں کی رہائش ہے۔ گیٹ پر بڑی سخت سیکیورٹی ہے۔ ہر فلیٹ سیکیورٹی کے مرکزی نظام سے وابستہ ہے۔ میرا خیال ہے تم لوگ وہاں داخل نہیں ہو سکو گے۔"

"یہ ہمارا مسئلہ ہے۔" میں نے کہا "بہرحال' تم اس وقت تک رہو گے جب تک وہ لوگ ہمارے قابو میں نہیں آجاتے۔"

"مم۔۔۔ میری ٹانگ میں تکلیف ہے۔" وہ کراہتے ہوئے بولا "میری ڈریسنگ کرا دو۔ خون زیادہ بہہ گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" چندا روبن نے کہا "ڈریسنگ کردیں گے۔ فی الحال آرام سے یہاں لیٹے رہو۔"

ہم لوگ یہ خانے سے باہر آگئے۔ اس وقت ڈیڑھ بج چکا تھا۔ خادمہ نے بتایا کہ کھانا تیار ہو چکا ہے۔

"تم لوگ بیٹھو۔ میں اوپر سے جانکی اور تھائی کو بلا لاؤں۔" میں کہتے ہوئے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

جانکی اور تھائی ایک ہی کمرے میں تھیں۔ جانکی تو گہری نیند سو رہی تھی۔ تھائی اس کے قریب ہی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز سامنے والی دیوار کو گھور رہی تھی۔

"کھانا تیار ہو چکا ہے۔ جانکی کو بھی جگا دو۔" میں نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"اسے سونے دو۔" تھائی آہستگی سے بیڈ سے اترتے ہوئے بولی "اس نے کہا تھا کہ اگر سو جائے تو جگایا نہ جائے۔"

ہم دونوں کمرے سے باہر آگئے اور کچھ ہی دیر بعد ہم نیچے ڈائننگ ہال میں موجود تھے۔ میز پر کھانا لگا ہوا تھا اور چندا روبن اور ماسٹر ہوچن ہمارے ہی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ توران کچن ہی میں ایک کرسی پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ کھانا اگرچہ پر تکلف تھا۔ تین چار چیزیں تھیں مگر میری بھوک مر چکی تھی۔ میں نے صرف تھائی سوپ پر ہی اکتفا کیا۔ تھائی نے بھی بہت کم کھایا تھا۔

کھانے کے بعد ہم لاؤنج میں آگئے اور تھوڑی ہی دیر بعد خادمہ نے ہمارے سامنے کافی سرو کردی۔

"میں نے مہاراج کو فون پر اب تک کی صورتِ حال سے آگاہ کردیا تھا۔" ماسٹر ہوچن نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "مہاراج رات کو یہاں آئیں گے۔ میں نے ہوشنگ والے بنگلے اور آکاش بلڈنگ کی نگرانی کے لیے بھی کہہ دیا ہے۔ تم بہت تھک چکے ہوگے۔ چائے پینے کے بعد آرام کرو۔ جو کچھ بھی ہوگا شام کو دیکھا جائے گا۔"

میں اس وقت خاموش رہا۔ چائے پینے کے بعد تھائی اوپر چلی گئی۔ چندا روبن بھی باہر نکل گیا۔ میں اور ماسٹر ہوچن باتیں کرنے لگے۔ یہاں آتے ہی ہنگامہ شروع ہوگیا تھا اور اب پہلی مرتبہ ہمیں اس طرح آرام سے بیٹھنے کا موقع ملا تھا۔ ہم دیر تک باتیں کرنا چاہتے تھے لیکن کھانا کھانے کے بعد مجھ پر سستی سی طاری ہونے لگی۔ میرے لیے بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا۔ نیند کے جھونکے آرہے تھے۔ ماسٹر ہوچن میری کیفیت کو سمجھ گیا اور میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے لٹل ماسٹر۔ اب تم اوپر جاکر آرام کرو۔ شام کو باتیں ہوں گی۔"

میں صوفے سے اٹھ گیا۔ اوپر آکر اس کمرے میں جھانکا۔ تھائی بھی جانکی کے ساتھ اسی بیڈ پر سو رہی تھی۔ میں سامنے والے کمرے میں آگیا اور بستر پر لیٹتے ہی میری آنکھیں بند ہوگئیں۔

مجھے شام چھ بجے کے قریب جانکی نے جگایا تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ عجیب یتیمی سی برس رہی تھی۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" میں اس کی شکل دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔

"پیٹ میں اینٹھن ہو رہی ہے۔" وہ پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی "بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ تمہیں یاد ہے ہم نے توضیح ناشتے کے بعد کچھ بھی نہیں کھایا۔"

میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ بھوک کبھی بھی جانکی سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ٹھیک کہا تھا کہ صبح چیانگ رائے میں سردار تھالوب کے گھر سے ناشتا کرکے نکلے تھے۔ بنکاک ائرپورٹ سے نکلتے ہی ہنگامہ شروع ہوگیا تھا۔ بارہ بجے کے قریب اس بنگلے میں آکر ایک ایک کپ کافی کا پیا تھا اور پھر دو بجے کے قریب ہم نے تو کھانا کھالیا تھا مگر جانکی اس وقت سو رہی تھی۔

"ہم نے تو دوپہر کو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم سو رہی تھیں اور تم نے ہی تھائی کو منع کیا تھا کہ جگایا نہ جائے۔"

"اس وقت بڑے زور کی نیند آرہی تھی۔" جانکی بولی۔

"اور اب بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" میں نے کہا "تھائی کہاں ہے۔"

"وہ باتھ روم میں ہے۔" جانکی نے جواب دیا۔

"نیچے خادمہ سے جاکر کہہ دو تاکہ تمہیں کچھ کھانے کو دے دے لیکن ٹھہرو۔ میں خود کہہ کر آتا ہوں۔ چائے کے لیے بھی کہہ دوں گا۔" میں کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

نیچے نہ تو ماسٹر ہوچن تھا اور نہ ہی چندا روبن۔ وہ دونوں باہر گئے ہوئے تھے۔ البتہ توران باہر برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کچن میں برتنوں کی آواز آرہی تھی۔ میں کچن کے دروازے پر آگیا۔ خادمہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

"چائے کی طلب ہو رہی ہے؟" وہ بولی "چند منٹ لگیں گے۔ بس میں تیار کر رہی ہوں۔"

"میری ایک ساتھی نے دوپہر کو کھانا نہیں کھایا تھا۔ اسے بھوک لگ رہی ہے۔ اگر کچھ کھانے کو ہو تو۔۔۔"

"میں نے ڈاکٹر جانکی کے لیے کھانا رکھا ہوا ہے۔" خادمہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "صرف چند منٹ میں آواز دے دوں گی۔"

"تم ڈاکٹر جانکی کو جانتی ہو؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کئی سال پہلے میں نے اپنی بیٹی کا علاج اس سے کروایا تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس نے میری بیٹی کو نئی زندگی دی تھی۔ ڈاکٹر جانکی تو مجھے بھول گئی ہے مگر میں اسے کس طرح بھول سکتی ہوں۔ بہرحال' کھانا اوون میں رکھا ہوا ہے۔ چائے تیار ہونے میں چند منٹ لگیں گے۔ میں آواز دے دوں گی۔"

میں اوپر آگیا اور جانکی کو بتایا کہ خادمہ اس سے اپنی بیٹی کا علاج کروا چکی ہے اور اسے اچھی طرح جانتی ہے۔

"جانتی ہوگی۔" جانکی نے کندھے اچکا دیے "میں سرکاری اسپتال میں تھی اور بعد میں پرائیویٹ کلینک میں پریکٹس کرتی رہی۔ میرے پاس سیکڑوں مریض آتے تھے۔ بہت سے لوگ مجھے جانتے ہوں گے مگر میرے لیے تو ہر ایک کو یاد رکھنا ممکن نہیں۔ صبح میں نے اسے دیکھا تو تھا مگر توجہ نہیں دی تھی۔ اب دیکھوں گی' شاید پہچان لوں۔"

میں جانکی کو وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے کے باتھ روم میں

گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے میری کسل مندی دور ہوگئی۔ جب میں باہر نکلا تو تھائی اور جانکی کمرے کے سامنے ہی کھڑی تھیں۔ اسی وقت ادھیڑ عمر خادمہ بھی زینے پر نمودار ہوئی۔ ہمیں دیکھ کر وہ واپس مڑ گئی۔

ڈائننگ روم میں میز پر جانکی کے لیے کھانا اور ہمارے لیے چائے رکھی ہوئی تھی۔ جانکی کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑی جیسے واقعی کئی روز سے فاقے سے ہو۔ قریب کھڑی ہوئی خادمہ بھی مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

جانکی نے چند منٹ میں ہی پلیٹیں صاف کردیں اور پھر چائے کا کپ اٹھالیا۔ اس دوران میں ہمارے چائے کے کپ صرف آدھے ہی ہوئے تھے۔

"باہر لان میں چل کر بیٹھیں۔ کھلی ہوا میں۔" تھائی نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"چلو۔" میں نے بھی اپنا کپ اٹھالیا۔

جانکی اس وقت خادمہ سے باتوں میں مصروف ہوچکی تھی۔ وہ جانکی کو یاد دلانے کی کوشش کررہی تھی کہ اس نے کس طرح اس کی بیٹی کی جان بچائی تھی۔

میں اور تھائی لان میں آکر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اس وقت دھوپ رخصت ہورہی تھی۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ تھوڑی دیر بعد جانکی بھی وہیں آگئی۔

ہم تقریباً ایک سال بعد بنکاک واپس آئے تھے اور یہاں آتے ہی ہنگامے شروع ہوگئے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا یہ ہنگامے کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ میری ساری زندگی اسی طرح مار دھاڑ میں گزر جائے گی اور میں اور کچھ نہیں کرسکوں گا۔

مہاراج نے میرے ساتھ نیکی کی تھی۔ مجھے قاتلوں سے پناہ دی تھی اور ایک خاص انداز میں میری پرورش کی تھی۔ میں بہت عرصے سے سنتا آرہا تھا کہ مہاراج مجھ سے کوئی خاص کام لینا چاہتے ہیں اور وہ کام بھی میرے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ شہنشاہ کے خلاف سازش پکڑی جاچکی تھی۔ کچھ سازشی عناصر اگرچہ اس وقت بچ نکلے تھے مگر اب ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ مہاراج کی خواہش پر میں نے شاؤلن ٹیمپل سے ٹریننگ بھی حاصل کرلی تھی۔ میرا خیال تھا کہ واپس آؤں گا تو امن و سکون سے زندگی گزار سکوں گا مگر یہاں پھر وہی ہنگامے میرے منتظر تھے۔

میں ایک ایسا جنگ جو بن کر رہ گیا تھا جس کے لیے کوئی اور انتخاب نہیں رہا تھا لیکن میں اب ان ہنگاموں سے اکتا گیا تھا۔ پرسکون زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ جب تک اپنے ماں باپ کے قاتلوں کو جہنم رسید نہیں کردوں گا مجھے سکون نہیں آئے گا۔ یہی میری زندگی کا مقصد تھا۔ چند گھنٹے پہلے میں نے یہی بات ہوشنگ سے بھی کہی تھی کہ انتقام ہماری رگوں میں رچ بس گیا ہے۔ ہم بعض اوقات انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے اس حد تک آگے چلے جاتے ہیں کہ انسان اور انسانیت کو بھی بھول جاتے ہیں۔ انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے میں بھی انسانیت کو بھول گیا تھا۔ لیکن۔۔۔ اپنی بربادی کے ساتھ مجھے ان لوگوں کا بھی خیال تھا جو میری خاطر برباد ہوئے تھے۔ اپنی جانیں تک قربان کردی تھیں۔ اپنا سب کچھ لٹادیا تھا۔ تھائی اور جانکی چند سال پہلے تک اسی شہر میں عیش و آرام کی زندگی گزارتی تھیں۔ آزادی سے گھومتی پھرتی تھیں کوئی خوف نہیں تھا انہیں لیکن میرا ساتھ دینے کے جرم میں ان کا سب کچھ تباہ کردیا گیا تھا۔ انہیں ہر چیز سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ اپنی جان کے خوف سے میرے ساتھ دنیا کے ایک ملک سے دوسرے ملک تک بھاگتی پھری تھیں اور اب بھی اس بنگلے میں چھپ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ کیا یہ بھی میری طرح زندگی بھر ایسے ہی بھاگتی رہیں گی۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ کار کے ہارن کی آواز سے میرے خیالات منتشر ہوگئے۔ آواز گیٹ کے بالکل سامنے سے آئی تھی۔ میں نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔ گیٹ کی جھریوں سے روشنی اندر آرہی تھی۔ وہ کار گیٹ کے سامنے ہی کھڑی تھی۔ میرا خیال تھا برآمدے میں بیٹھا ہوا تو ران اٹھ کر گیٹ کھولے گا مگر وہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور پھر اسی لمحے کڑک کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور گیٹ کے دونوں پٹ خود بخود اندر کی طرف کھلنے لگے۔ گیٹ میں الیکٹرک سسٹم تھا اور اندر ہی سے کوئی بٹن دبا کر گیٹ کھولا گیا تھا اور اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئی کہ صبح جب ہمارے آنے پر گیٹ کھلا تھا تو کوئی آدمی دکھائی کیوں نہیں دیا تھا۔ اس وقت بھی خادمہ نے اندر ہی سے بٹن دبا کر گیٹ کھولا تھا۔

کار اندر داخل ہونے کے بعد گیٹ بند ہوگیا۔ کار پورچ میں جاکر رکی۔ میں نے اسٹیئرنگ کے سامنے ماسٹر ہوچن کو دیکھ لیا تھا۔ میں نے جانکی اور تھائی کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خود اٹھ کر کار کے قریب آگیا۔ ماسٹر ہوچن جیسے ہی انجن بند کرکے کار سے اترا' میں نے اسے بوکیا اور پھر ہم دونوں لان ہی میں آگئے۔

"میں تو سارا دن سویا رہا۔ کوئی خاص خبر ماسٹر؟" میں نے

نگاہوں سے ماسٹر کی طرف دیکھا۔

"چنگ چی کے بنگلے اور آکاش بلڈنگ کی نگرانی جاری ہے۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "چنگ چی کے بنگلے میں کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا گیا۔ البتہ چی فانگ کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ وہ آکاش بلڈنگ ہی میں رہ رہا ہے لیکن وہ آج صبح نو بجے کے قریب بلڈنگ سے باہر گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔ وہ جیسے ہی واپس آئے گا بلڈنگ پر بلہ بول دیا جائے گا۔"

"چندا روبن کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ اپنے ذاتی کام سے کہیں گیا ہوا ہے۔ نو بجے تک آجائے گا۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا۔

اسی دوران میں خادمہ ماسٹر ہوچن کے لیے چائے لے آئی۔ چائے کے دوران میں بھی ماسٹر ہوچن بولتا رہا۔ جانکی خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہیں۔

ہم کافی دیر لان میں بیٹھے رہے اور پھر اٹھ کر اندر گئے۔ نو بجے کے قریب چندا روبن بھی پہنچ گیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور گاڑی گیٹ کے سامنے آکر رکی۔ ڈرائیور نے برآمدے والے دروازے کے قریب ہی سوئچ بورڈ پر لگا ہوا ایک بٹن دبادیا۔ باہر کا گیٹ کھل گیا۔

میں جس جگہ بیٹھا ہوا تھا وہاں کھڑکی سے باہر کا گیٹ صاف نظر آرہا تھا۔ سفید رنگ کی ایک بہت شان دار لمبی سی گاڑی اندر داخل ہوکر پورچ میں چندا روبن کی کار کے پیچھے رکی۔ برآمدے میں جلنے والی ٹیوب کی روشنی میں کار میں بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھ کر میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ ماسٹر ہوچن اور چندا روبن بھی دروازے کی طرف لپکے تھے۔

ہم جب برآمدے میں پہنچے تو کار کا ڈرائیونگ سائڈ کا دروازہ کھل چکا تھا۔ ایک باوردی شوفر نیچے اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول رہا تھا۔ پچھلی سیٹ پر رتنا کوسن اور اس کے ساتھ ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آگے پسنجر زسیٹ پر دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ماسٹر ہوچن نے تیزی سے آگے بڑھ کر پسنجر زسیٹ کا دروازہ کھول دیا اور مہاراج بھی نیچے اتر آئے۔

میں نے آگے بڑھ کر مہاراج کو بوکیا۔ مہاراج حسب معمول اندر میں جسم سے چپکی ہوئی تھی۔ پیروں میں سلیپر تھے۔ چند لمحے میری طرف دیکھتے رہے اور پھر دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ میں بے اختیار ہوکر مہاراج کے سینے سے لپٹ گیا۔ جانے کیوں میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ مہاراج مجھے سینے سے بھینچے رہے اور ایک ہاتھ سے میرا کندھا تھپتھپاتے رہے۔

مہاراج دانگ ونگ یائے میرا روحانی باپ بھی تھا۔ اسے دیکھ کر میں اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکا تھا اور مہاراج نے میرے لیے جس طرح اپنی آغوش وا کی تھی' اس سے تو میں اور بھی بے قابو ہوگیا تھا اور ان کے بوڑھے سینے سے لپٹ کر بے اختیار رودیا تھا۔

مہاراج نے مجھے اپنے سے الگ کیا۔ دونوں بانہوں سے پکڑ کر میرے چہرے کو دیکھتے رہے۔ ان کے ہونٹوں پر بڑی پراسرار سی مسکراہٹ آگئی تھی پھر انہوں نے میری پیشانی پر بوسہ دیا اور رتنا کوسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"رتنا کوسن بھی تم سے ملنے کو بے چین تھے۔"

میں نے رتنا کوسن کو بوکیا۔ اس نے بھی مجھے سینے سے لپٹالیا اور پھر میری پیشانی پر بوسہ دیا۔

"مجھے تم پر فخر ہے مائی سن۔ پوری قوم کو تم پر فخر ہے۔ میں پوری تھائی قوم اور شہنشاہ کی طرف سے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ایک سال پہلے تم نے جو کارنامہ انجام دیا تھا' اس سے یہ ملک ایک بہت بڑی تباہی سے بچ گیا تھا۔

"شہنشاہ خود تم سے مل کر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتے تھے مگر اپنے دشمنوں کا تعاقب کرتے ہوئے آگے نکل گئے تھے۔ شہنشاہ کو تمہاری آمد کی اطلاع مل چکی ہے۔ وہ بھی تم سے ملنے کو بے چین ہیں۔۔۔" رتنا کوسن رکے بغیر بولے چلا جارہا تھا اور میں اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کررہا تھا۔

"اور ان سے ملو۔۔۔" وہ آخر میں کہہ رہا تھا "مادام اینا کورنیکو۔ میری مسز۔ یہ خاص طور پر تم سے اور تمہاری دوستوں تھائی اور جانکی سے ملنے آئی ہیں۔"

میں نے مادام اینا کورنیکو کو بوکیا۔ اس نے میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر میری پیشانی پر بوسہ دیا اور مسکراتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

مادام اینا کورنیکو بڑی شان دار عورت تھی۔ اس کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس نے روایتی تھائی لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر بالوں کا گول جوڑا بنا ہوا تھا جس سے نکلی ہوئی بالوں کی ایک لٹ پیشانی پر لٹکی ہوئی تھی۔ جسم صحت مند اور چہرے کے نقوش بہت دل فریب اور آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک تھی۔ اس کی عمر اگرچہ پینتالیس سے کچھ اوپر ہی رہی ہوگی لیکن وہ اپنی عمر سے بہت کم نظر آرہی تھی۔ مجموعی طور پر وہ بہت شان دار' بہت پروقار اور حسین

عورت تھی۔

ہم لوگ چند منٹ وہیں کھڑے رہے اور پھر اندر آگئے۔ جانکی اور تھائی انہیں دیکھ کر اٹھ گئیں۔ مادام اینا کورنیکو بڑے پرجوش انداز میں انہیں باری باری گلے لگا کر ملیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد چندا روبن کے کہنے پر خادمہ نے ہم سب کے سامنے کافی سرو کردی اور پھر باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔

رتنا کوسن کی باتوں سے یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ ایک سال پہلے اگر ہم شہنشاہ کے خلاف اس سازش کو ناکام نہ بناتے تو یہاں ایک خوفناک خانہ جنگی شروع ہوجاتی اور یہ ملک تباہ ہوجاتا۔ گفتگو میں سردار تھالوب کا بھی ذکر آیا تھا۔ رتنا کوسن کے کہنے کے مطابق سردار تھالوب کو حکومت میں ایک اعلیٰ عہدے کی پیشکش کی گئی تھی جسے اس نے قبول نہیں کیا تھا تاہم اس کی خدمات کے پیش نظر برما اور گولڈن ٹرائی اینگل کی سرحد کے ساتھ ساتھ آباد تھالوب کے قبیلے اور دوسرے قبائل کو بھی بہت سی مراعات دی گئی تھیں۔ تھالوب کے مشورے سے ان قبائل کی بہبود کے لیے ایک منصوبہ بنالیا گیا تھا۔ جن قبائلی علاقوں میں پوست کاشت کی جاتی تھی وہاں دوسری صحت مند فصلوں کی پیداوار کے لیے منصوبے بنائے جارہے تھے۔

سردار تھالوب نے "ایوا ٹرنمنٹ فرینڈلی" کے نام سے بھی ایک منصوبہ بنایا تھا۔ اس تنظیم کے تحت دیہی ترقیاتی پروگراموں کے علاوہ اور بھی کئی رفاہی پراجیکٹس نے کام شروع کررکھا تھا۔ اس پراجیکٹ کے تحت منشیات کے عادی افراد کی بحالی کا ایک ادارہ بھی شامل تھا۔ مجھے یاد آگیا کہ رنگولی اپنی آمدنی کا توے فی صد حصہ اسی ادارے کو عطیے کے طور پر دیتی تھی اور اسے شاید معلوم نہیں تھا کہ یہ ادارہ سردار تھالوب کی نگرانی میں کام کررہا ہے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ سردار تھالوب کو حکمران طبقے میں اس قدر پذیرائی حاصل ہوئی تھی اور اچھی بات تو یہ ہے کہ وہ اس کا حق دار بھی تھا۔ اس نے اپنے قبیلے کی فلاح و بہبود، ملک کی سلامتی اور انسانیت کی خدمت کے لیے بہت کام کیا تھا اور کررہا تھا۔

مادام اینا کورنیکو تو جانکی اور تھائی سے باتیں کرنے لگی تھی اور ہم الگ بیٹھے تازہ ترین صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کررہے تھے۔

"اب صورتِ حال پہلے جیسی نہیں رہی۔" رتنا کوسن کہہ رہا تھا "شہنشاہ کے خلاف سازش کچلی جاچکی ہے۔ جو ایگا دہشت گردی، غنڈا گردی، منشیات فروشوں کی پرورش، سرگرمیاں بھی دراصل اسی سازش کا ایک حصہ تھیں۔ فائنل جنگی کی مکمل تیاری کرلی گئی تھی مگر اس سازش کے سرکردہ لوگوں کی موت کے ساتھ ہی صورتِ حال بھی بدل گئی۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ٹائیگر اور پیڈرو تمہارے ہاتھوں ختم ہوگئے تھے۔ وہ گروپ اگرچہ اب بھی موجود ہیں مگر بہت کمزور پڑچکے ہیں۔ ان کے خلاف بھی بہت جلد حکومت ایک کریک ڈاؤن مشن شروع کرنے والی ہے جس سے ان گروہوں کا خاتمہ کردیا جائے گا۔ غیر ملکیوں پر بھی نگاہ رکھی جارہی ہے۔ دارا جیسے لوگوں کو تلاش کیا جارہا ہے اور بہت جلد تم یہ خوش خبری سنو گے کہ دھرتی ان کے ناپاک وجود سے نجات حاصل کرچکی ہے۔"

"پیڈرو کے گینگ کا کون لیڈر کررہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"چنگ چی۔" رتنا کوسن نے جواب دیا "وہ ایک تھری کلاس نائٹ کلب کا مالک اور تھرڈ ریٹ غنڈا ہے۔ ایسے لوگوں پر قابو پانا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ پولیس کا ایک معمولی انسپکٹر بھی اسے پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کرسکتا ہے۔ گرچہ کچھ سیاسی مصلحتیں حائل ہیں جس وجہ سے اس کے خلاف ابھی تک کوئی مؤثر کارروائی نہیں ہوسکی۔"

"مثلاً۔ کیا مصلحتیں ہیں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چنگ چی کو ایک سیاسی لیڈر کی پشت پناہی حاصل ہے۔" رتنا کوسن نے جواب دیا "پہلے تو صورتِ حال یہ تھی کہ ہم اس سیاسی لیڈر کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن ایک معاملے میں اس سیاسی لیڈر پر بھی ہمیں شبہ ہوا تھا۔ خفیہ طور پر اس کی نگرانی کی جارہی تھی۔ وہ ایسا مواد قانونی سرگرمیوں میں ملوث پایا گیا ہے جو حکومت اور عوام کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہیں اس لیے بہت جلد اس کے خلاف بھی کارروائی ہونے والی ہے۔"

"کیا آپ تازہ ترین صورتِ حال سے واقف ہیں؟" میرا مطلب ہے کہ آج جو کچھ ہوا، اس کے بارے میں آپ کو رپورٹ ملی ہے یا نہیں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ مجھے مہاراج سے یہ معلوم ہوا تھا کہ ایئرپورٹ سے تم لوگوں کو اغوا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ تم لوگوں کی بروقت مداخلت سے اغوا کی کوشش ناکام بنادی گئی۔"

دکا عناصر بچ نکلے ہیں وہ روپوش ہیں۔ ان سے بہرحال حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بنگاک اور دوسرے بڑے شہروں میں دہشت گردی، غنڈا گردی، منشیات فروشوں کی پرورش، سرگرمیاں بھی دراصل اسی سازش کا ایک حصہ تھیں۔ فائنل جنگی کی مکمل تیاری کرلی گئی تھی مگر اس سازش کے سرکردہ لوگوں کی موت کے ساتھ ہی صورتِ حال بھی بدل گئی۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ٹائیگر اور پیڈرو تمہارے ہاتھوں ختم ہوگئے تھے۔ وہ گروپ اگرچہ اب بھی موجود ہیں مگر بہت کمزور پڑچکے ہیں۔ ان کے خلاف بھی بہت جلد حکومت ایک کریک ڈاؤن مشن شروع کرنے والی ہے جس سے ان گروہوں کا خاتمہ کردیا جائے گا۔ غیر ملکیوں پر بھی نگاہ رکھی جارہی ہے۔ دارا جیسے لوگوں کو تلاش کیا جارہا ہے اور بہت جلد تم یہ خوش خبری سنو گے کہ دھرتی ان کے ناپاک وجود سے نجات حاصل کرچکی ہے۔"

"پیڈرو کے گینگ کا کون لیڈر کررہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"چنگ چی۔" رتنا کوسن نے جواب دیا "وہ ایک تھری کلاس نائٹ کلب کا مالک اور تھرڈ ریٹ غنڈا ہے۔ ایسے لوگوں پر قابو پانا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ پولیس کا ایک معمولی انسپکٹر بھی اسے پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کرسکتا ہے۔ گرچہ کچھ سیاسی مصلحتیں حائل ہیں جس وجہ سے اس کے خلاف ابھی تک کوئی مؤثر کارروائی نہیں ہوسکی۔"

"مثلاً۔ کیا مصلحتیں ہیں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چنگ چی کو ایک سیاسی لیڈر کی پشت پناہی حاصل ہے۔" رتنا کوسن نے جواب دیا "پہلے تو صورتِ حال یہ تھی کہ ہم اس سیاسی لیڈر کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن ایک معاملے میں اس سیاسی لیڈر پر بھی ہمیں شبہ ہوا تھا۔ خفیہ طور پر اس کی نگرانی کی جارہی تھی۔ وہ ایسا مواد قانونی سرگرمیوں میں ملوث پایا گیا ہے جو حکومت اور عوام کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہیں اس لیے بہت جلد اس کے خلاف بھی کارروائی ہونے والی ہے۔"

"کیا آپ تازہ ترین صورتِ حال سے واقف ہیں؟" میرا مطلب ہے کہ آج جو کچھ ہوا، اس کے بارے میں آپ کو رپورٹ ملی ہے یا نہیں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ مجھے مہاراج سے یہ معلوم ہوا تھا کہ ایئرپورٹ سے تم لوگوں کو اغوا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ تم لوگوں کی بروقت مداخلت سے اغوا کی کوشش ناکام بنادی گئی۔"

"اور آپ کو یہ جان کر یقیناً حیرت ہوگی کہ ہمارے اغوا کی کوشش کے پیچھے بھی چنگ چی کا ہاتھ تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ!" رتنا کوسن چونک گیا "سیاسی لیڈر کی پشت پناہی کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ چنگ چی میں اتنا دم خم نہیں ہے کہ تم جیسے آدمی پر ہاتھ ڈالنے کا تصور بھی کرسکے۔ یہ انکشاف میرے لیے خاصا دلچسپ ہے۔ اس کا سبب یہ بھی ہے کہ اسے کسی اور طرف سے بھی شہ مل رہی ہے۔"

"دارا؟" میں نے کہا۔

"نہیں۔" رتنا کوسن نے نفی میں سر ہلایا "دارا جب واپس آیا ہے مسلسل پس منظر میں ہے۔ ہم نے تو یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ اسے اس شرط پر گولڈن ٹرائی اینگل سے واپس جانے دیا گیا تھا کہ وہ کسی بھی طریقے سے جنرل کھوراٹ کا نشان پورا کرے گا جو اسے تمہاری وجہ سے اٹھانا پڑا تھا۔ ہمیں اب اتنا دم خم نہیں رہا لیکن ہوسکتا ہے کہ۔"

"جنرل کھوراٹ کا ایک آدمی میگا تیرا ابھی میرا پیچھا کرتا ہوا یہاں پہنچا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اوہ!" رتنا کوسن ایک بار پھر چونک گیا "ایسی صورت میں ممکن ہے کہ دارا اور چنگ چی اس سے مل گئے ہوں اور یہ ان کا مشترکہ منصوبہ ہو۔"

"یہ ان جنوں کا مشترکہ منصوبہ ہے۔" میں نے ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "بلکہ اس منصوبے میں لاؤس کا ایک رئیس تان منہ بھی شریک ہے۔" میں نے اسے دارا اور تھائی منہ کے بارے میں مختصراً بتایا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا "چنگ چی کا ایک آدمی ہمارے قبضے میں آچکا ہے جس نے ہمیں اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ چنگ چی کے ٹھکانے کا پتا چل گیا۔ اس بنگلے کی نگرانی کی جارہی ہے لیکن وہ وہاں سے بھی غائب ہوچکا ہے۔ آپ کی بات سے مجھے خیال آرہا ہے کہ اب اس کا ایک ہی ٹھکانا ہوسکتا ہے۔"

"وہ کونسا؟" رتنا کوسن نے پوچھا۔

"وہی سیاست داں جس کی اسے پشت پناہی حاصل ہے۔" میں نے کہا "وہی اسے پناہ دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو اب نہ تو چنگ چی بچ سکے گا اور نہ ہی اس کی لیڈر۔" رتنا کوسن نے کہتے ہوئے چندا روبن کو اشارہ کیا۔ اس نے ٹیلی فون اٹھا کر سامنے رکھ دیا۔ رتنا کوسن نے ریسیور اٹھایا اور پولیس کمشنر کو کچھ ہدایات دینے کے بعد فون بند کردیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "چنگ چی وہاں نہ بھی ہوا تو وہ سیاسی لیڈر ہماری گرفت میں آجائے گا۔ اس کے خلاف ہمارے پاس اتنے ثبوت موجود ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت نہیں کرسکے گا اور چنگ چی بھی کہیں پناہ حاصل نہیں کرسکے گا۔"

چند لمحے خاموش گزرے پھر ہم اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ تقریباً گیارہ بجے کے قریب رتنا کوسن اپنی بیگم مادام اینا کورنیکو کے ساتھ رخصت ہوگیا۔ مہاراج وہیں رہ گئے تھے۔ رتنا نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ ایک دو روز میں مجھے شہنشاہ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

رتنا کوسن اور مادام اینا کورنیکو کو رخصت کرنے کے بعد ہم مہاراج کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مہاراج ہم سے بہت خوش تھے۔

اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔ کسی نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ خادمہ نے چندا روبن سے پوچھ کر کھانا میز پر لگا دیا۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ہم کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ چندا روبن نے اٹھ کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔ وہ تقریباً دو منٹ تک فون پر بات کرتا رہا پھر ماسٹر ہوچن کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ پہلے سرگوشی میں کچھ کہا اور پھر ریسیور ماسٹر ہوچن کے ہاتھ میں دے دیا۔ فون پر بات کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ تقریباً تین منٹ بات کرنے کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا اور ہمارے قریب آگیا۔

"چی فانگ آکاش بلڈنگ کے پینٹ ہاؤس میں پہنچ چکا ہے۔ اس کے ساتھ دارا بھی ہے۔" اس نے پہلے مہاراج اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا۔۔۔؟" میں اچھل پڑا "تو پھر سوچ کیا رہے ہو ماسٹر۔ ہمیں انہیں وہاں سے ہلنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔"

"دھیرج مائی سن دھیرج!" مہاراج نے میری طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا پھر ماسٹر ہوچن کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس اطلاع کے بارے میں تفصیل سے پوچھنے لگے۔

"ٹھیک ہے۔" وہ آخر میں بولے "میرا خیال ہے زیادہ لوگ ہوئے تو وہ ہوشیار ہوجائیں گے۔ تو ان یہاں موجود ہے۔ ایک اور لڑکے کو بلالو۔ دو تم ہو۔ میرا خیال ہے تم چاروں ان سے نمٹ سکتے ہو۔"

"ان کے لیے تو ہم دونوں ہی کافی ہیں مہاراج۔" میں نے کہا "آپ اجازت دیں تو ہم ابھی روانہ ہو جائیں۔"

"ان کے لیے تو تم اکیلے ہی کافی ہو سکتے ہو۔" مہاراج نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن میں نہیں چاہتا کہ اس مرتبہ ان میں سے کوئی بچ نکلے اور یہ بھی ممکن ہے ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہو جو نگرانی کرنے والے کی نگاہوں میں نہ آیا ہو اس لیے دو لڑکے اور ساتھ لے جاؤ۔"

"یس مہاراج۔" میں نے سر جھکا دیا۔

ماسٹر ہوچن ایک اور لڑکے کو بلانے کے لیے فون کرنے لگا۔ میں اپنی سیٹ پر بیٹھا بے چینی سے پہلو بدلتا رہا۔ جانکی اور تھائی بار بار میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ وہ میری بے چینی کو سمجھ رہی تھیں۔ وہ خود بھی بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں۔ میں جانتا تھا کہ وہ بھی میرے ساتھ جانا چاہتی تھیں مگر مہاراج کی وجہ سے دل کی بات نہیں کہہ سکتی تھیں کیونکہ مہاراج انہیں کسی صورت بھی ہمارے ساتھ جانے کی اجازت نہ دیتے۔

ہم اس وقت پھایا تھائی روڈ کے قریب تھے اور چانا ٹاؤن میں مہاراج کا جمنازیم وہاں سے کافی دور تھا۔ میرا خیال تھا کہ ماسٹر ہوچن کو آدھی بیس پچیس منٹ سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکے گا لیکن میرا یہ خیال غلط نکلا۔ تقریباً آٹھ منٹ بعد کوئی گاڑی گلی میں رکی اور پھر کال بیل کی آواز سنائی دی۔ توران اس وقت باہر ہی موجود تھا۔ اس نے آکر بتایا کہ رنگٹ پہنچ چکا ہے۔ دراصل ماسٹر ہوچن نے مہاراج کے جمنازیم کے بجائے اسی علاقے میں واقع اپنے ایک شاگرد کے ٹریننگ سینٹر پر فون کر دیا تھا۔ جہاں سے رنگٹ سات آٹھ منٹ میں یہاں پہنچ گیا تھا۔

مہاراج نے ہمیں آشیرباد دی اور ہم وہاں سے رخصت ہو گئے۔ دروازے سے نکلنے سے پہلے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جانکی اور تھائی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ چندا روبن ہمیں رخصت کرنے کے لیے گیٹ تک ساتھ آیا تھا۔

باہر سفید رنگ کی ایک وین کھڑی تھی۔ رنگٹ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور توران باہر کھڑا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی وین کا دروازہ کھول دیا۔ ہمارے بیٹھنے کے بعد وہ بھی پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا اور وین حرکت میں آگئی۔

"آکاش بلڈنگ کی طرف لے چلو۔" ماسٹر ہوچن نے رنگٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

میں نے رنگٹ کو دیکھتے ہی اس کے بارے میں ایک رائے قائم کر لی تھی۔ اس کی عمر انتیس تیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ لمبا قد، گٹھا ہوا جسم اور سر کے بال خاصے لمبے تھے جنہیں اس نے گردن پر ایک چٹیا کی صورت میں باندھ رکھا تھا۔ اس نے سلیولیس ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بازوؤں کے ابھرے ہوئے مسلز دیکھ کر اس میں بھری ہوئی طاقت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

وین ایشیا ہوٹل کے قریب سے پہلے پھایا تھائی روڈ پر اور پھر پھلن چیت روڈ کی طرف گھوم گئی۔ اگرچہ آدھی رات ہو رہی تھی مگر سڑکوں پر ٹریفک خاصا تھا اور پھر ہم ایکسپریس وے اور ریلوے برج سے ہوتے ہوئے مین سوکھم وٹ روڈ پر آگئے۔ یہ شہر کا مرکزی اور سب سے بارونق علاقہ تھا۔ مین سوکھم وٹ روڈ یہاں سے شروع ہوتا تھا اور یہاں اس وقت بھی دن کا سا سماں تھا مگر ہمیں سوکھم وٹ روڈ پر زیادہ آگے نہیں جانا پڑا۔ رنگٹ نے ہوٹل گرینڈ ان کے قریب سے وین کو ناناتوا روڈ پر موڑ لیا۔

اس سڑک پر پاکستانی سفارت خانے کے سامنے سے ہوتے ہوئے ہوٹل ہیمپٹن ان اور ایک اسپتال کی عمارت کے قریب سے وین بائیں طرف ایک اور سڑک پر مڑ گئی۔ اس سڑک پر ذرا ہی آگے دائیں طرف مائیک پیلس ہوٹل کی بلڈنگ تھی۔

"ہوٹل سے اگلے موڑ پر گھما کر گاڑی روک لو۔" ماسٹر ہوچن نے آگے کو جھکتے ہوئے کہا۔

رنگٹ نے وین کی رفتار کم کر لی اور ہوٹل سے آگے نکل کر بائیں طرف ایک گلی میں مڑتے ہی وین روک لی۔ اس گلی میں بتنگلے تھے مگر سناٹا تھا۔ گلی میں کسی قسم کی آمدورفت نہیں تھی جبکہ چند گز کے فاصلے پر ہوٹل کے سامنے خاصی چہل پہل نظر آرہی تھی۔

وین رکنے کے صرف ایک منٹ بعد ایک آدمی کسی طرف سے نکل کر وین کے قریب پہنچ گیا۔ وہ پاتھی تھا جو آکاش بلڈنگ کی نگرانی کر رہا تھا۔ بلڈنگ میں چی فانگ اور دارا کی آمد کی اطلاع اسی نے دی تھی۔

"کیا رپورٹ ہے؟" ماسٹر ہوچن نے پوچھا۔

"ان دونوں کے بعد ایک اور آدمی پینٹ ہاؤس کی لفٹ پر سوار ہو کر اوپر گیا ہے۔" پاتھی نے بتایا "لیکن شکل و صورت سے وہ تھائی لینڈ کا باشندہ نہیں لگتا۔"

"کوئی انڈین؟" ماسٹر ہوچن نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس کے چہرے کے نقوش ویت نامیوں سے ملتے جلتے ہیں۔" پاتھی نے بتایا۔

"اوہ!" میں چونک گیا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی تان منہ کا خیال ابھر آیا تھا۔ لاؤس اور ویت نام کے باشندوں کے چہرے ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ میں نے تان منہ کا حلیہ بتایا تو پاتھی زور زور سے سر ہلانے لگا۔

"یہی ہے۔ بالکل یہی حلیہ ہے ماسٹر۔" اس نے کہا۔

"وہ تان منہ ہے۔" میں نے ماسٹر ہوچن کو بتایا۔

"ان کے علاوہ اور کون کون ہے؟" ماسٹر ہوچن نے پاتھی سے پوچھا۔

"مادام اوتوکو اور دو لڑکیاں۔ جوچی فانگ اور دارا کے ساتھ ہی آئی تھیں۔ ان میں ایک لڑکی غالباً نشے میں دھت تھی جسے چی فانگ نے سنبھال رکھا تھا۔" پاتھی نے جواب دیا۔

پاتھی کی بات سن کر ماسٹر ہوچن جیسے چونک سا گیا۔ وہ پاتھی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہاں ہوٹل میں کوئی لڑکی ملے گی۔ بہت زوردار قسم کی ہونی چاہیے۔"

"سونے اس وقت ہوٹل میں موجود ہے۔" پاتھی نے مائیک پیلس ہوٹل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ تھرڈ کلاس نائٹ کلبوں کی رقاصہ ہے آج کل بڑے ہوٹلوں میں پروگرام حاصل کرنے کے لیے ایسی جگہوں پر پھرتی ہے۔ بائیس تیئیس سال عمر ہے۔ بڑی حسین لڑکی ہے۔"

"لے آؤ اسے مگر جلدی۔۔۔ جو مانگے دے دینا۔" ماسٹر نے کہا۔

"لیکن ماسٹر۔ آپ چاروں کو دیکھ کر شاید وہ ساتھ جانا پسند نہ کرے۔" پاتھی بولا۔

"تم اسے لے آؤ۔ میں بات کرلوں گا۔" ماسٹر ہوچن نے کہا۔

پاتھی چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر سر ہلاتا ہوا ہوٹل کی طرف چلا گیا۔

ماسٹر ہوچن کی باتوں سے میں بھی الجھ کر رہ گیا تھا۔ ہم دارا اور چی فانگ جیسے شاطر اور خطرناک لوگوں سے دو دو ہاتھ کرنے آئے تھے اور ماسٹر ہوچن کو لڑکی کی سوجھ رہی تھی۔ میں نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دیا اور پھر دھیمے لہجے میں بتانے لگا کہ اسے کسی حسین لڑکی کی ضرورت کیوں پڑ گئی تھی۔

میں وین سے نیچے اتر آیا۔ اس سڑک پر تقریباً سو گز آگے آکاش بلڈنگ تھی۔ ماسٹر ہوچن بھی میرے قریب آکر کھڑا ہو گیا اور آکاش بلڈنگ کے بارے میں بتانے لگا۔

یہ بلڈنگ ایک ہندو تاجر کی ملکیت تھی۔ وہ کروڑ پتی آدمی تھا اور شہر میں اور بھی بہت سی پراپرٹی تھی۔ آٹھ منزلہ آکاش بلڈنگ کو تعمیر ہوئے صرف پانچ سال ہوئے تھے۔ یہاں صرف دولت مندوں کی رہائش تھی۔ اس بلڈنگ کے گرد چار ایکڑ رقبے پر خوب صورت لان بنے ہوئے تھے جن میں فوارے بھی تھے اور ایک بہت شان دار سوئمنگ پول بھی۔ بلڈنگ کے مکینوں کو تفریح کے لیے باہر جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہاں ان کی تفریح کا ہر سامان موجود تھا۔ سوئمنگ پول کے دوسری طرف ٹینس کورٹ بھی بنا ہوا تھا اور بلڈنگ کے نیچے بیسمنٹ میں خواتین کے لیے فٹنس کلب اور ریکریشن ہال بھی تھا جہاں چھوٹی موٹی تقریبات بھی ہوتی رہتی تھیں۔

اس بلڈنگ کی سیکیورٹی کے بارے میں ہمارا قیدی پہلے ہی بتا چکا تھا۔ اصل بلڈنگ گیٹ سے بہت دور تھی۔ گیٹ کے اندر کی طرف گارڈ روم بنا ہوا تھا۔ جہاں چوبیس گھنٹے ایک گارڈ موجود رہتا تھا۔ چار دیواری بہت اونچی تھی اور اس پر خار دار تار لگے ہوئے تھے جہاں سے کسی کے کودنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ گارڈ روم میں انٹر کام سسٹم بھی موجود تھا۔ جہاں سے بلڈنگ کے کسی بھی فلیٹ سے رابطہ کیا جا سکتا تھا۔ گیٹ سے آگے کشادہ روش تھی جس کے دونوں طرف لان تھے۔ روش کے کناروں پر مور پنکھ قسم کے پودے تھے اور کوئی بھی پودا چار فٹ سے زیادہ اونچا نہیں تھا۔ روش کے اختتام پر بلڈنگ کے سامنے آگے کو نکلا ہوا وسیع و عریض پورچ تھا۔ جس کے بعد ایک کشادہ لابی تھی۔ اس لابی کے اندر دونوں طرف اوپر آمدورفت کے لیے کشادہ زینے تھے اور سامنے چار لفٹیں لگی ہوئی تھیں۔ دو عام لوگوں کے استعمال کے لیے اور دو پینٹ ہاؤسز کے لیے۔ اس وسیع و عریض بلڈنگ پر دو پینٹ ہاؤسز تھے جن میں سے ایک مادام اوتوکو کے استعمال میں تھا۔

ماسٹر ہوچن مجھے آکاش بلڈنگ کے بارے میں بتا رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ بڑی بڑی برائیوں کے اڈے ایسی ہی عالی شان عمارتوں میں ہوتے ہیں جہاں شہر کے معزز اور دولت مند لوگ رہتے ہیں۔ ایسی برائیاں پھیلانے میں انہی معزز لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے مگر المیہ تو یہ ہے کہ حکومت کے متعلقہ ادارے انہیں نظرانداز کر دیتے ہیں۔

تقریباً دس منٹ بعد پاتھی ایک لڑکی کے ساتھ اس طرف آتا ہوا نظر آیا۔ ہم جس جگہ کھڑے تھے وہاں روشنی زیادہ نہیں تھی۔ وہ دونوں ہمارے قریب آکر کھڑے ہوئے

میں غور سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سونے تھی اور واقعی بے حد حسین تھی۔ اس کی عمر بائیس تیئیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس نے لباس پہننے کا محض تکلف کیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے جسم پر سجے ہوئے ان ریشمی چیتھڑوں کو لباس نہیں کہا جا سکتا تھا۔

سونے نے پہلے ہم دونوں کی طرف دیکھا پھر وین میں بیٹھے ہوئے توران اور رنگٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے تاثرات ابھر آئے۔

"نہیں مسٹر۔۔۔" وہ پاتھی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جا سکتی۔۔۔"

وہ دو قدم پیچھے ہٹی تو ماسٹر ہوچن نے اسے بازو سے پکڑ لیا۔ سونے کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ وہ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

"ایک منٹ سونے۔" ماسٹر ہوچن نے نرم لہجے میں کہا "ہم نے تمہیں کسی برے مقصد کے لیے نہیں بلایا۔ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ایک معمولی سا کام ہے جو تمہیں کرنا ہے اور تمہیں اس کا معقول معاوضہ دیا جائے گا۔"

"تم۔۔۔" سونے نے پہلی مرتبہ غور سے ماسٹر ہوچن کی طرف دیکھا "میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ ہاں۔۔۔ یاد آگیا۔ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ مہاراج کے ہنازیم گئی تھی۔ وہاں تمہیں۔۔۔"

"تم نے ٹھیک پہچانا۔" ماسٹر ہوچن نے اس کی بات کاٹ دی "میں مہاراج کا نائب ہوچن ہوں اور یہ میرے دوست ہیں۔ ہم برے لوگ نہیں ہیں بلکہ ایک برائی کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں جس میں اس وقت ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے اور تمہیں اس کا معقول معاوضہ دیا جائے گا۔ یہ رقم پیشگی سمجھ کر رکھ لو۔" ماسٹر ہوچن نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ کئی ہزار بھات کے نوٹ تھے۔

سونے کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ ماسٹر ہوچن کو پہچان لینے کے بعد وہ کسی قدر مطمئن ہو گئی۔ اس نے نوٹ اپنے پرس میں ڈال لیے اور ہوچن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ کیا کام لینا چاہتے ہو؟"

"اس طرف آجاؤ۔" ماسٹر ہوچن اسے لے کر وین کی طرف چلا گیا کیونکہ اس وقت سامنے سے کوئی گاڑی آرہی تھی اور یہ بھی خدشہ تھا کہ ہمیں ایک لڑکی کے ساتھ اس نیم تاریک جگہ پر دیکھ کر کسی کو شبہ نہ ہو جائے۔ میں بھی ان کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

ماسٹر ہوچن سونے کو ایک فرضی کہانی سنانے لگا۔ اس کہانی میں مادام اوتوکو کا نام بھی تھا۔ اوتوکو کے نام پر سونے چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"دراصل ہم مادام اوتوکو کے مہمانوں کو سرپرائز دینا چاہتے ہیں۔" ماسٹر ہوچن کہہ رہا تھا "وہ ہمارے دوست ہیں۔ بہت پرانے دوست۔ چند گھنٹے پہلے کلب میں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ لڑکیوں کے چکر میں ہمیں نخا دے کر نکل گئے۔ ہم نے معلوم کرلیا کہ وہ لوگ مادام اوتوکو کے فلیٹ پر ہیں۔"

وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "اگر ہم بلڈنگ کے گارڈ کو بتائیں گے تو وہ انٹر کام پر مادام کو ہماری آمد کی اطلاع دے دے گا۔ اس طرح سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا اس لیے ہم بلڈنگ میں داخل ہونے کے لیے دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں سمجھ گئی۔" سونے نے کہا "لیکن کوئی ہنگامہ تو نہیں ہوگا؟"

"ہو سکتا ہے ہمارے دوست ہمارے اس مذاق کا برا مان کر کچھ شور مچائیں مگر تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلڈنگ میں داخل ہونے کے بعد تمہیں نیچے ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ تم چاہو تو واپس بھی آسکتی ہو۔ آگے کا کام ہم خود سنبھال لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔" سونے نے کہا اور میرا خیال ہے کہ وہ معاملے کی تہ کو پہنچ گئی تھی۔ اتنی بے وقوف تو وہ ہرگز نہیں تھی کہ بات کو نہ سمجھ سکتی لیکن اس کے پاس واپس آنے کا چانس تھا اور اسی لیے وہ آمادہ بھی ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے ماسٹر۔ میں اس کے ساتھ جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

ماسٹر ہوچن نے گھور کر میری طرف دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ پانچ منٹ مزید گزر گئے۔ اب میں سونے کو سمجھا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور پھر ہم دونوں وین سے اتر آئے۔

آکاش بلڈنگ وہاں سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھی۔ میں اور سونے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے چلتے رہے۔ سونے اس طرح جھوم رہی تھی جیسے نشے میں ہو۔ گیٹ کے سامنے پہنچ کر ہم رک گئے۔ میں نے ہولے سے گیٹ پر ہاتھ مارا۔ ذیلی دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ وہ ایک باوردی گارڈ تھا جس کے ہولسٹر میں پستول کا دستہ جھانک رہا تھا۔ اگر میں اکیلا

ہوتا تو شاید وہ دروازہ چند انچ سے زیادہ نہ کھولتا مگر میرے ساتھ ایک حسین لڑکی تھی۔ اس نے اطمینان سے دروازہ کھول دیا اور ہم اندر داخل ہوگئے۔ ہم چونکہ اس کے لیے اجنبی تھے اس لیے ہمیں مزید آگے جانے سے روک دیا گیا۔

"کس سے ملنا ہے آپ لوگوں کو۔۔۔ کون سے فلیٹ میں؟" گارڈ نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"مادام اوتو کو۔ پینٹ ہاؤس۔" میں نے جواب دیا۔

"ایک منٹ۔ میں ان سے پوچھ لوں۔ مادام کے پاس پہلے ہی مہمان آئے ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ مصروف ہوں۔" گارڈ کہتے ہوئے گیٹ سے ملحق گارڈ روم میں گھس گیا۔

سمونے بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوگئی۔ میں دروازے میں کھڑے ہو کر محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ گارڈ انٹر کام کی طرف ہاتھ بڑھا چکا تھا کہ سمونے لڑکھڑاتی ہوئی اس سے ٹکرا گئی اور اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ گارڈ بد حواس سا ہوگیا۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے میری طرف دیکھنے لگا۔

"سمم۔۔۔ یہ۔۔۔"

"نشے میں ہے۔" میں نے کہا "لیکن میں نشے میں نہیں ہوں۔"

میں نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر گارڈ کو گرفت میں لے لیا۔ ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبائے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے کان کے پیچھے گردن کی نس مسلنے لگا۔ چند سیکنڈ میں ہی وہ میرے ہاتھوں میں جھول گیا۔ میں نے اسے گھسیٹ کر پیچھے ایک کرسی پر ڈال دیا۔

سمونے فوراً ہی گارڈ روم سے نکل کر دروازے سے باہر نکل گئی تھی اور پھر تیس سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں رنگٹ اور توران اندر داخل ہوئے اور گارڈ کو اٹھا کر باہر لے گئے۔

دو منٹ بعد ماسٹر ہوچن، رنگٹ، توران، پاتھی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ پاتھی کے جسم پر گارڈ کی وردی تھی۔ بے ہوش گارڈ کو گیٹ کے باہر والے چھوٹے سے لان کی باڑھ کے پیچھے ڈال دیا گیا تھا۔ وہ دو گھنٹوں سے پہلے ہوش میں آنے والا نہیں تھا۔

وہ چاروں گارڈ روم میں داخل ہو کر ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ میں اس وقت گارڈ روم کی عقبی کھڑکی سے بلڈنگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ماسٹر ہوچن کا اشارہ پا کر میں سمونے کے ساتھ باہر آگیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بلڈنگ کی طرف چلنے لگا۔ روش کے دونوں طرف مور پنکھ کے پودے تھے جن کے پیچھے وسیع لان تھے۔ ہوسکتا ہے شام کے بعد کچھ دیر کے لیے یہاں بتیاں جلتی ہوں لیکن اس وقت لان تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

وسیع و عریض پورچ میں کافی آگے دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ سمونے پہلے بھی اس بلڈنگ میں آچکی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ بلڈنگ کے پچھلے بیسمنٹ میں مکینوں کی گاڑیوں کے لیے پارکنگ تھی۔

لابی کافی کشادہ تھی۔ مختلف جگہوں پر چند صوفے رکھے ہوئے تھے۔ کنکریٹ کے بڑے بڑے گملے بھی تھے جن میں چھوٹے قد کے پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ مرکزی دروازے کے بائیں طرف ایک دروازے پر آفس کی تختی لگی ہوئی تھی۔ دن میں یہاں عمارت کا نگران بیٹھتا ہوگا لیکن اس وقت دفتر بند تھا۔ اس دروازے کے ساتھ ہی دیوار پر ایک بہت بڑے بورڈ پر کارڈ لگانے والے چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے۔ ہر خانے پر فلیٹ نمبر اور مکین کے نام کا کارڈ لگا ہوا تھا۔ اوپر دو پینٹ ہاؤسز کے خانے تھے۔ جن میں ایک پر "اے" اور دوسرے پر "بی" لکھا ہوا تھا۔ بی والے خانے میں مادام اوتو کو کے نام کا۔۔۔ کارڈ لگا ہوا تھا۔ اے والے خانے کا کارڈ دیکھنے کی میں نے ضرورت نہیں سمجھی۔

ایک کشادہ زینہ دائیں طرف تھا اور دوسرا بائیں طرف۔ سامنے چار لفٹس تھیں۔ درمیان والی دو عام مکینوں کے استعمال کے لیے اور دائیں بائیں والی دونوں پینٹ ہاؤسز کے لیے مخصوص تھیں۔

لابی کے دائیں طرف اس بیس منٹ کا راستہ تھا۔ جہاں مکینوں کے لیے ریکریشن ہال تھا۔ نیچے جاتے ہوئے اس راستے میں اگرچہ مدھم سی روشنی تھی مگر اس طرف سناٹا تھا۔ ظاہر ہے رات ایک بجے تو ریکریشن ہال نہیں کھلا ہوگا۔

میں نے لابی کے دروازے کے قریب آکر باہر کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کردیا۔

ماسٹر ہوچن، رنگٹ اور توران گارڈ روم سے نکل کر تیزی سے اس طرف آنے لگے۔ پاتھی وہیں رہ گیا تھا۔

ہم سب لفٹ بی کے قریب جمع تھے۔ لفٹ اوپر تھی۔ ماسٹر ہوچن نے دو تین مرتبہ بٹن دبایا لیکن لفٹ نیچے نہیں آئی۔

"ایک منٹ!" سمونے آگے بڑھتے ہوئے بولی "لفٹ اوپر لاک ہوگی۔ ایمرجنسی کا بٹن دبانے سے لاک کھل جائے گا اور لفٹ نیچے آئے گی۔" اس نے پلیٹ پر بٹن دبا دیا جس پر ای لکھا ہوا تھا۔ وہ ہندسہ روشن ہوگیا اور دوسرے ہی لمحے

دوسرا خانہ روشن ہوگیا جس پر ایرو کا نشان بنا ہوا تھا تیر کا رخ نیچے کی طرف تھا جس کا مطلب تھا کہ لفٹ نیچے آرہی تھی۔

ماسٹر ہوچن نے توران کو اشارہ کیا۔ وہ ایک صوفے کے پیچھے جھک کر بیٹھ گیا۔ لفٹ کو نیچے آنے میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ دروازہ کھلا اور ہم اندر داخل ہوگئے۔ سمونے نے ٹاپ فلور کا بٹن دبا دیا۔ ویسے بھی یہ لفٹ ٹاپ فلور کے لیے ہی تھی۔ راستے میں کہیں نہیں رکتی تھی۔

لفٹ رکنے سے پہلے ہی میں نے جھک کر پائنچے کے نیچے سے خنجر نکال لیا۔ ماسٹر ہوچن نے بھی جیب سے پستول نکال لیا تھا اور رنگٹ کے ہاتھ میں بھی خنجر نظر آرہا تھا۔

ہمارے ہاتھوں میں اسلحہ دیکھ کر سمونے کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ اب وہ سمجھ گئی تھی کہ معاملہ گمبھیر تھا اور کوئی گڑبڑ ہوسکتی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہے۔" وہ باری باری ہم سب کی طرف دیکھتے ہوئے ہکلائی "تم لوگ تو اپنے دوستوں کو سرپرائز دینا چاہتے ہو نا۔۔۔"

"ہاں۔ یہ بھی سرپرائز کا ایک طریقہ ہے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تم وہی کروگی جو ہم کہیں گے۔"

لفٹ رک گئی اور دروازہ کھل گیا۔ لفٹ کے دروازے کے سامنے ایک کینوپی سی بنی ہوئی تھی۔ اس سے آگے ایک خوب صورت لان تھا اور لان کے پرلی طرف پینٹ ہاؤس تھا۔ لان میں دو جگہوں پر مرکری ٹیوب لائٹیں جل رہی تھیں۔ لفٹ کے بائیں طرف ذرا ہٹ کر نیچے آمد و رفت کے لیے زینہ بھی تھا جس کا دروازہ بند تھا۔

یہ پینٹ ہاؤس کسی طرح بھی ایک شان دار بنگلے سے کم نہیں تھا۔ لفٹ سے لے کر۔۔۔ برآمدے تک لان کے بیچوں بیچ ایک روش تھی جس کے اوپر سائے کے لیے ایک طویل سائبان بنا ہوا تھا۔

برآمدے والا دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ دائیں بائیں کے کمروں کی کھڑکیوں میں روشنی جھلک رہی تھی۔ کھڑکیوں کے سامنے اندر کی طرف باریک ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ ہم نے باری باری دونوں کھڑکیوں میں جھانک کر دیکھا مگر کوئی دکھائی نہیں دیا۔

ماسٹر ہوچن نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے گھما دیا۔ دروازہ آواز پیدا کیے بغیر آہستہ آہستہ کھلتا چلا گیا۔ اندر کسی طرف سے قہقہوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ماسٹر نے سمونے کو اشارہ کیا۔ اس کے چہرے پر ایک بار پھر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ ماسٹر نے دوبارہ پستول سے اشارہ کیا تو وہ دروازے میں داخل ہوگئی۔

اس کے پیچھے ہی میں بھی دروازے میں داخل ہوگیا۔ ماسٹر ہوچن نے رنگٹ کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اندر آگیا۔

یہ مختصر سی راہداری تھی۔ جس کے آگے ایک وسیع ہال تھا جو شان دار فرنیچر سے آراستہ تھا۔ ہال کے اختتام پر بائیں طرف دو کمرے تھے اور دائیں طرف ایک کشادہ راہداری تھی۔ اس راہداری میں بھی آمنے سامنے دو کمرے تھے اور قہقہوں کی آوازیں اسی طرف سے آرہی تھیں۔

ہال کے اختتام پر دونوں کمروں کے دروازے چند انچ کے قریب کھلے ہوئے تھے۔ اس طرف بھی ایک کمرے سے نسوانی قہقہوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ماسٹر ہوچن نے سمونے کو اس طرف بڑھنے کا اشارہ کیا۔ سمونے نے ابھی دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ وہ دروازہ کھل گیا اور مادام اوتو کو باہر نکلتی ہوئی نظر آئی۔ عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی مگر بڑی حسین عورت تھی۔ اس کے ہاتھ میں شراب کی بوتل تھی۔ دروازے کے باہر پہلا قدم رکھتے ہی وہ سمونے اور پھر ماسٹر ہوچن کو دیکھ کر اچھل پڑی۔

"اے۔۔۔ کون ہو تم لوگ!" وہ چیخی۔

ماسٹر تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ اوتو کو چیختی ہوئی دوبارہ کمرے میں گھس گئی۔ اس نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی تھی مگر ماسٹر ہوچن نے بڑی پھرتی سے پیر دروازے میں پھنسا دیا تھا۔ سمونے نے صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے ایک بھاری صوفے کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔

میں نے راہداری کی طرف چھلانگ لگا دی۔ دائیں طرف کا دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا اور قہقہوں کی آوازیں اسی کمرے سے آرہی تھیں۔ میں نے پیر کی زوردار ٹھوکر سے دروازہ کھول دیا۔

کمرے کے اندر کا منظر بہت شرمناک تھا۔ تان منہ ایک لڑکی کے ساتھ بیڈ پر گتھم گتھا ہو رہا تھا۔ دونوں قہقہے لگا رہے تھے۔ دروازے پر لگنے والی میری ٹھوکر خاصی زوردار تھی۔ ان دونوں نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر لڑکی کے حلق سے خوفناک چیخ نکل گئی اور پھر دوسرے ہی لمحے اپنے آپ کو تان منہ کی گرفت سے چھڑا کر وہ چیختی ہوئی باتھ روم کی طرف لپکی۔ تان منہ نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ میرا خیال

تھا کہ وہ میرے اوپر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے بھی باتھ روم کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ اس نے اندر گھستے ہی دروازہ دھڑ سے بند کردیا تھا۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازے کو باہر سے کنڈا لگا دیا۔ تان منہ نے اس لڑکی کے ساتھ باتھ روم میں گھس کر بہت بڑی حماقت کا ثبوت دیا تھا۔ باہر رہ کر مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا تو شاید اس کے بھاگ نکلنے کا کوئی چانس ہوتا مگر باتھ روم میں گھس کر اس نے خود ہی اپنے آپ کو قید کرلیا تھا۔

میں باتھ روم کے دروازے کو کنڈا لگا کر مڑا ہی تھا کہ سامنے والے کمرے سے ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اوتو کو۔ کیا ہوا؟"

یہ چی فانگ کی آواز تھی۔ اس آواز کو تو میں لاکھوں کے ہجوم میں بھی پہچان سکتا تھا۔ میں نے اس طرف چھلانگ لگا دی۔ ٹھیک اسی وقت سامنے والا دروازہ کھلا اور چی فانگ باہر نکلتا ہوا نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر وہ بدحواس سا ہوگیا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے منہ پر زوردار گھونسا رسید کردیا۔ وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

میں اس کے پیچھے ہی کمرے میں گھس گیا۔ چی فانگ بے لباس تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک کرسی سے ٹکرایا اور کرسی سمیت پیچھے الٹ گیا۔ کمرے میں ایک لڑکی بھی تھی۔ وہ چیختی ہوئی باتھ روم میں گھس گئی اور دھڑ سے دروازہ بند کرلیا۔ چی فانگ نے بھی اٹھ کر باتھ روم کی طرف چھلانگ لگائی تھی مگر میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ میرے پیر کی زوردار ٹھوکر سے وہ بیڈ کے دوسری طرف گرا۔

میں نے راستے میں پڑی ہوئی کرسی اٹھا کر ایک طرف پھینک دی اور چی فانگ کی طرف بڑھا۔ وہ بھی اچھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔ میرے ایک ہاتھ میں اگرچہ خنجر تھا مگر اس نے خنجر کی پروا کیے بغیر چھلانگ لگا دی۔ اس کے پیر کی ٹھوکر میرے خنجر والے ہاتھ پر لگی۔ خنجر میرے ہاتھ سے نکل کر ڈریسنگ ٹیبل پر جا گرا۔ وہاں پہلے سے چی فانگ کا پستول بھی رکھا ہوا تھا۔ چی فانگ نے سنبھلتے ہوئے مجھے سائیڈ کک لگانے کی کوشش کی مگر میں نے وہ کک کلائی پر روک لی اور جوابی حملہ کرتے ہوئے اسے زوردار فرنٹ کک رسید کردی۔ وہ چیختا ہوا بیڈ پر گرا۔ میں اس پر دوسرا وار کرنے کے لیے پر تول رہا تھا کہ وہ سانپ کی طرح بڑی تیزی سے رینگتا ہوا بیڈ کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور ڈریسنگ ٹیبل کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ وہ غالباً اپنا پستول اٹھانا چاہتا تھا مگر اسی لمحے میں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے ٹانگوں سے پکڑ کر پیچھے گھسیٹ لیا۔ تاہم پستول کے بجائے میرا خنجر اس کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں میری گرفت میں تھیں۔ اس نے اپنے کندھے اوپر اٹھاتے ہوئے خنجر سے حملہ کردیا۔ میں نے اس کی ٹانگیں چھوڑ کر وار روکنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ خنجر کی نوک میرے بازو کے مسل پر کھال چیرتی ہوئی نکل گئی۔ اس کے ساتھ ہی چی فانگ نے میرے سینے پر زوردار ٹھوکر بھی رسید کردی تھی۔

میں کراہتا ہوا پیچھے الٹ کر بیڈ سے نیچے گر گیا۔ میرے سنبھلنے سے پہلے ہی چی فانگ نے اٹھ کر میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ اس نے خنجر سے حملہ کیا تھا مگر میں نے اس کا وار روک لیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کی کلائی موڑنے لگا۔

بہت عرصے بعد چی فانگ سے میرا اس طرح مقابلہ ہوا تھا اور میں یہ اعتراف کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ چی فانگ میں بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی۔ اس کی بانہوں میں فولادی قوت تھی۔ اس عرصے میں، میں نے بھی اگرچہ مسلسل پریکٹس کی تھی مگر اس وقت تو مجھے واقعی دانتوں پسینہ آگیا تھا۔

خنجر کی نوک میری آنکھ کے عین اوپر تھی۔ تقریباً ایک انچ کا فاصلہ تھا۔ چی فانگ کے چہرے پر شدید تناؤ تھا۔ وہ خنجر کو نیچے لانے کے لیے پوری طاقت استعمال کررہا تھا۔ خنجر آہستہ آہستہ نیچے آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ کا ایک معمولی سا جھٹکا مجھے ایک آنکھ سے محروم کرسکتا تھا۔

میں نے پوری قوت سے اس کا ہاتھ موڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی گھٹنے سے اس کی ٹانگوں میں ضرب لگائی تھی۔ وہ کراہ اٹھا۔ میں نے اسے دونوں پیروں پر اٹھا کر پوری قوت سے اچھال دیا۔ وہ میرے اوپر سے ہوتا ہوا پشت کے بل گرا۔

میں نے اٹھتے ہی اس کے ہاتھ پر زوردار ٹھوکر ماردی۔ خنجر اس کے ہاتھ سے نکل گیا مگر وہ خود ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے موقع ملتے ہی دائیں ٹانگ پر جھکتے ہوئے بائیں پیر سے فرنٹ ہائی کک لگائی۔ کک اس کی ٹھوڑی کے نیچے لگی۔ وہ کراہتا ہوا لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔

باتھ روم سے لڑکی کے چیخنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دروازہ اگرچہ اس نے اندر سے بند کرلیا تھا مگر خوف سے وہ مسلسل چیخ رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس کی چیخوں کی آواز سن کر کوئی مدد کے لیے آجائے گا لیکن ہم ازکم اس فلیٹ میں اس کی مدد کو آنے والا کوئی نہیں تھا۔ بلڈنگ میں کسی اور جگہ اس کی آواز سنے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ پینٹ ہاؤس تھا۔ آٹھ منزلہ بلڈنگ کی چھت۔ آواز فضا میں تو چاروں طرف پھیل سکتی تھی لیکن اس بلڈنگ کے کسی فلیٹ میں سنے جانے کا امکان نہیں تھا۔

یہ جگہ ایسی نہیں تھی کہ مارشل آرٹ کا مظاہرہ کیا جاتا۔ یہ موقع تو ایسا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اپنے حریف کو زیر کرنے کی کوشش کی جائے۔ چی فانگ بھی غالباً اس رخ پر سوچ رہا تھا۔ وہ کسی قدر نیچے جھک کر تیزی سے میری طرف لپکا۔ وہ غالباً میرے سینے یا پیٹ پر سر کی ٹکر مارنا چاہتا تھا۔ میں نہ صرف تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا بلکہ اس کے سر پر زوردار ٹھوکر بھی رسید کردی۔ وہ کراہتا ہوا باتھ روم کے دروازے کے قریب گرا۔

اسی لمحے باہر سے فائر کی آواز سنائی دی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ گولی کس نے چلائی تھی۔ میں تان منہ کو دوسرے کمرے کے باتھ روم میں بند کرچکا تھا۔ چی فانگ میرے سامنے تھا۔ اب صرف دارا رہ جاتا تھا اور اس کے مقابلے پر دو آدمی تھے۔ ماسٹر ہوچن اور رنگٹ۔ ہوسکتا ہے گولی ماسٹر ہوچن ہی نے چلائی ہو لیکن اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ دارا کے پاس بھی پستول یا ریوالور موجود ہو اور گولی اس نے چلائی ہو۔

چی فانگ نے ایک بار پھر اٹھ کر حملہ کردیا۔ اسی وقت ایک اور فائر کی آواز سنائی دی۔ چی فانگ جونک کی طرح مجھ سے لپٹ گیا تھا۔ وہ میرے گلے پر ہاتھ جمانے کی کوشش کررہا تھا مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کو رگیدتے رہے اور پھر میں نے اسے اپنے پیروں پر اٹھا کر پیچھے کی طرف اچھال دیا۔ وہ ہلا ہڑی کھاتا ہوا باتھ روم کے دروازے سے ٹکرایا۔ وہ لڑکی باتھ روم اندر سے لاک نہیں کرسکی تھی۔ چی فانگ کی ٹکر سے دروازہ دھڑ سے کھل گیا۔ اس کے ساتھ ہی لڑکی کی خوفناک چیخ بھی سنائی دی تھی۔ چی فانگ پشت کے بل گرا تھا۔ اس کا اوپر کا دھڑ باتھ روم کے اندر تھا اور ٹانگیں باہر۔ میں نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑلیں اور اوپر اٹھاتے ہوئے اسے پیچھے الٹا دیا اور بڑی پھرتی سے دروازہ کھینچ کر باہر سے کنڈا لگا دیا اور پھر اسی وقت باہر سے مجھے ایک تیز نسوانی چیخ بھی سنائی دی تھی۔

میں باہر کی طرف لپکا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر رکا۔ ٹھٹھک کر ڈریسنگ ٹیبل سے چی فانگ کا پستول اٹھایا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی لیکن راہداری میں آتے ہی ایک چیختی اور غراتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"وہیں رک جاؤ۔ ورنہ اس لڑکی کی کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

وہ دارا کی آواز تھی۔ میں رک گیا۔ طور میرے منہ سے اس طرح گہرا سانس نکل گیا جیسے اچانک ہی غبارے کی ہوا نکل گئی ہو۔ دارا نے سومنے کو گرفت میں لے رکھا تھا اور اس کے ایک ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کی نال سومنے کی کنپٹی کو چھو رہی تھی۔

"ایک روز میں نے کہا تھا نا کہ تم بہت تیز دوڑ رہے ہو۔ منہ کے بل گرو گے۔" دارا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم واقعی بہت تیز دوڑ رہے ہو۔ تم نے اب تک جو کچھ بھی کیا ہے، قابل تعریف ہے۔ گولڈن ٹرائی اینگل سے بچ کر نکل جانے والا کوئی معمولی آدمی نہیں ہوسکتا۔ تم بلاشبہ بہت نڈر، حوصلہ مند اور تیز رفتار آدمی ہو لیکن اس وقت میں تمہاری تعریف کرنے کے لیے یہاں نہیں رکوں گا۔ پستول پھینک دو۔ ورنہ میں اس لڑکی کی کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

میں نے ماسٹر ہوچن اور رنگٹ کی طرف دیکھا۔ ماسٹر ہوچن کا پستول اس سے دور قالین پر پڑا تھا۔ ماسٹر نے اشارہ کیا اور میں نے بھی پستول پھینک دیا۔ سومنے بے گناہ تھی۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ دارا اس کی زندگی کا چراغ گل کردے۔

"گڈ۔ سمجھ دار ہو۔" دارا کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آگئی "میں چاہوں تو اس وقت تمہیں بھی گولی سے اڑا کر یہ قصہ ختم کرسکتا ہوں لیکن تمہاری وجہ سے میں اپنا سب کچھ ہار چکا ہوں۔ میرے سارے منصوبے ملیا میٹ ہوچکے ہیں۔ میرے پاس کچھ نہیں بچا لیکن پاکستان میں تمہارے باپ کا چھپایا ہوا سونا اب بھی محفوظ ہے اور اس سونے کا راز اس ڈائری میں ہے جو تمہارے قبضے میں ہے۔ وہ سونا میرے نقصان کا ازالہ کرسکتا ہے۔ اگر اس وقت تمہیں مار ڈالوں تو میرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ اس وقت میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں کہ تم سے الجھ سکوں لیکن میں جانتا ہوں کہ ہماری ملاقات ضرور ہوگی۔ کسی اور وقت کسی اور جگہ۔۔۔ اور ہماری وہ ملاقات فیصلہ کن ہوگی۔" بات کرتے ہوئے اس کی نظریں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ وہ اتنا غیر محتاط نہیں تھا کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کی جاسکتی۔ میں نے بھی ادھر ادھر دیکھا۔ مادام اوتو کو بھی ایک طرف کھڑی تھی۔ خوف کی شدت سے اس کا چہرہ بالکل سفید ہورہا تھا۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ایک لڑکی

بیڈ کے قریب قالین پر اوندھی پڑی تھی۔ مجھے علم نہیں تھا کہ وہ بے ہوش تھی یا مر چکی تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کوئی انتظام کیے بغیر اوپر نہیں آئے ہو گے۔" دارا نے ایک بار پھر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں تمہارے داؤ پیچ بڑی حد تک سمجھ چکا ہوں۔ نیچے گیٹ پر بھی تمہارا کوئی نہ کوئی آدمی ضرور موجود ہو گا۔ یہاں سے انٹر کام پر اپنے آدمی کو ہدایت کردو کہ میرا راستہ روکنے کی کوشش نہ کرے اگر اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو یہ لڑکی زندہ نہیں رہے گی۔ چلو۔۔۔ سامنے انٹر کام لگا ہوا ہے۔ اپنے ساتھی کو بتاؤ کہ میں نیچے آرہا ہوں۔ گیٹ کھول دے۔"

میں نے آگے بڑھ کر دیوار پر لگے ہوئے انٹر کام سیٹ کا ریسیور اٹھالیا لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ گارڈ روم میں کس نمبر پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

"اوتوکو۔ اسے گیٹ کا نمبر بتاؤ۔" دارا نے اوتوکو کی طرف دیکھتے ہوئے چیخ کر کہا۔

مادام اوتوکو نے وہیں کھڑے کھڑے گارڈ روم کا نمبر بتادیا۔ میں نے مطلوبہ نمبروں کے بٹن دبائے۔ دوسری مرتبہ گھنٹی بجنے کے بعد ہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھایا گیا تھا۔

"یس۔ آکاش بلڈنگ۔"

اگر اصل گارڈ انٹر کام کی یہ کال ریسیو کرتا تو وہ آکاش بلڈنگ کبھی نہ کہتا۔ کیونکہ یہ باہر کی کال نہیں تھی۔ بلڈنگ کے اندر سے انٹر کام کی کال تھی اور کال ریسیو کرنے والا یقیناً پاتھی تھا۔

"پاتھی۔" میں نے کہا "دارا سموئے کے ساتھ نیچے آرہا ہے۔ کوئی مزاحمت کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ توران کو بھی لابی سے باہر بلالو اور گیٹ کھول دو۔ سنا تم نے۔ کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔"

"یس لٹل ماسٹر۔" پاتھی کی آواز سنائی دی۔

میں نے ریسیور رکھ دیا اور دارا کی طرف دیکھنے لگا۔

"شکریہ۔" دارا کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آگئی "تم نے کبھی سوچا بھی نہ ہو گا کہ مجھے اس طرح نکل جانے کا موقع دو گے۔"

"ہاں۔ میں تمہیں موقع تو دے رہا ہوں لیکن پھر ملاقات ہو گی۔ بقول تمہارے کسی اور وقت، کسی اور جگہ۔ ویسے ایک بات تم بھول رہے ہو۔ ٹرمپ کا پتا اب بھی میرے پاس ہے۔" میں نے کہا۔

"میں سمجھ گیا تم کس پتے کی بات کر رہے ہو۔" دارا بولا "میں چی فانگ کے شور کی آواز سن رہا ہوں۔ اسے شاید تم نے کمرے کے باتھ روم میں بند کردیا ہے۔ اگر مجھے اس کی ضرورت ہوتی تو سب سے پہلے اسی کو چھڑانے کی کوشش کرتا، لیکن اب وہ میرے کام کا نہیں رہا۔ بوجھ بن چکا ہے۔ میں تو پہلے ہی اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ یہ ایک اچھا موقع ہے اور اب تم لوگ اس طرف جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر کسی نے ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو اس لڑکی کا بھیجا اڑادوں گا۔"

"تم اس لڑکی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔" میں نے کہا "اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے تو ہم زبردستی پکڑ کر لائے تھے۔ بلڈنگ میں داخل ہونے کے لیے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس لڑکی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اب تم لوگ ادھر۔" اس نے آنکھ سے اشارہ کیا۔

ہم سب ہال کے آخری کونے میں چلے گئے۔ دارا اس لڑکی کو لے کر دروازے کی طرف بڑھتا رہا۔ اس کی نظریں ہم پر ہی مرکوز تھیں۔ برآمدے والے دروازے سے باہر نکل کر اس نے دروازہ دھڑ سے بند کردیا اور باہر سے کنڈا لگائے جانے کی آواز بھی سنائی دی۔

میں اور ماسٹر ہوچن اپنے پستول کی طرف لپکے۔ رنگٹ بھی حرکت میں آگیا تھا اور پھر ایک سیکنڈ بعد ہم دروازے کے سامنے موجود تھے۔ رنگٹ دروازے پر کندھے سے ٹکریں مار رہا تھا۔ بعد میں میں بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا لیکن بہت جلد ہمیں اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ یہ دروازہ اندر کی طرف کھلتا تھا اور باہر سے کنڈا لگا دیا گیا۔ اسے باہر سے ٹکریں مار کر توڑا جاسکتا تھا لیکن اندر سے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔

"اے ادھر۔" مادام اوتوکو کی آواز سن کر میں چونک گیا "ادھر کچن کی طرف سے بھی باہر نکلنے کا راستہ ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

ہم کچن کی طرف لپکے۔ اس طرف سے ایک چھوٹا دروازہ پہلو میں کھلتا تھا۔ ہم بڑی تیزی سے اس دروازے سے باہر نکلے تھے اور پھر لان میں دوڑتے ہوئے لفٹ کے دروازے کے سامنے رک گئے۔ لفٹ نیچے جاچکی تھی۔

"ماسٹر۔" میں نے ماسٹر ہوچن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ان دونوں کمروں کے باتھ روم میں تان منہ اور چی فانگ بند ہیں۔ تم دونوں انہیں سنبھالو۔ انہیں فرار کی کسی کوشش

کامیاب نہیں ہونا چاہیے۔ میں دارا کو دیکھتا ہوں۔"

میں تیزی سے زینے کی طرف دوڑا اور دروازہ کھول کر زینوں پر چھلانگ لگا دی۔ میں ایک ایک چھلانگ میں کئی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔

میں جب نیچے پہنچا تو دارا سموئے کو لے کر لابی کے باہر پہنچ چکا تھا۔ باہر کا گیٹ کھلا ہوا تھا۔ توران اور گیٹ کے قریب ایک طرف کھڑے تھے۔

دارا نے پستول بدستور سموئے کی کنپٹی سے لگا رکھا تھا۔ بائیں ہاتھ سے وہ اسے بازو سے پکڑے کھینچتا ہوا جارہا تھا۔

باہر پوزیشن میں آتے دیکھ کر وہ چیخا۔

"اپنی جگہ پر رک جاؤ اور اپنے آدمیوں سے کہو دور ہٹے رہیں۔"

میں رک گیا۔ پاتھی اور توران بھی ایک طرف ہٹ گئے۔ دارا، سموئے کو لے کر گیٹ سے باہر نکل گیا اور پھر اس نے کی اور سموئے کی چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

میں دوڑ کر گیٹ کے قریب پہنچ گیا۔ ایک لمحے کو رکا پھر باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے گہرا نکل گیا۔ سموئے سڑک پر بڑی ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی اور تاریکی میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور پھر وہ آوازیں بھی معدوم ہوتی چلی گئیں۔

میں دوڑ کر سموئے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سڑک پر پڑی بری طرح چیخ رہی تھی۔ میں جھک کر اسے ٹٹولنے لگا۔ خیال تھا شاید دارا نے اسے کوئی نقصان پہنچایا تھا لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ دارا نے اسے دھکا دے کر دور پھینکا تھا جس سے اسے معمولی سی چوٹ لگی تھی۔ وہ خوف سے چیخ رہی تھی۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھادیا۔

اس دوران میں پاتھی اور توران بھی دوڑتے ہوئے پہنچ گئے۔ توران دارا کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر میں نے روک دیا۔

"کوئی فائدہ نہیں۔" میں نے کہا "ان تاریک گلیوں میں بہت دور جاچکا ہو گا۔ اب وہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ بیکار ہے اسے پیچھے جانا۔"

توران اور پاتھی، سموئے کو بنگلے کے گارڈ روم میں لے گئے اور ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ خوفناک ترین لمحات اگرچہ گزر چکے تھے۔ اب وہ ہر لحاظ سے محفوظ تھی۔ اسے کوئی چوٹ نہیں آئی تھی مگر ان خوفناک لمحات کے تصور سے وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

کانپنے ہونے والی بھاگ دوڑ اور سموئے کی چیخوں کے نتیجے میں بلڈنگ کے بعض فلیٹوں کی کھڑکیاں روشن ہو گئی تھیں۔ بعض نچلی منزلوں کی کھڑکیاں کھل گئی تھیں اور کچھ لوگ آگے کو جھکے نیچے دیکھ رہے تھے۔ ایک عورت نے گارڈ کا نام لے کر چیختے ہوئے پوچھا بھی تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ یہ گڑبڑ کیسی ہے۔ وردی میں ملبوس پاتھی کو وہ گارڈ ہی سمجھی تھی لیکن پاتھی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ میں اوپر جارہا ہوں۔" میں نے پاتھی اور توران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور دوڑتا ہوا لابی میں پہنچ گیا۔

وہ لفٹ نیچے ہی تھی۔ میں نے اندر داخل ہو کر بٹن دبا دیا۔ لفٹ تیزی سے اوپر اٹھنے لگی۔

لفٹ رکی تو دروازہ کھلتے ہی میں نے باہر چھلانگ لگادی اور دوڑتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔ میرے بعد ماسٹر ہوچن یا رنگٹ نے برآمدے والا دروازہ باہر سے کھول دیا تھا۔

اندر کا منظر خاصا دلچسپ تھا۔ چی فانگ اور تان منہ قالین پر پڑے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ہاتھ باندھنے سے پہلے ماسٹر ہوچن نے انہیں کپڑے پہننے کا موقع دے دیا تھا۔ تین جوان اور خوب صورت لڑکیاں اس وقت تک کپڑے پہن چکی تھیں اور ایک صوفے پر مادام اوتوکو اور دوسرے پر وہ تینوں لڑکیاں ایک دوسرے سے لپٹی بیٹھی تھیں۔ ان میں سے ایک تو بھائیں بھائیں رو رہی تھی۔

"کیا رہا؟" ماسٹر ہوچن نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔

"بھاگ گیا۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"اور وہ لڑکی؟"

"وہ محفوظ ہے، نیچے گارڈ روم میں ہے۔" میں نے جواب دیا اور چی فانگ کی طرف دیکھنے لگا "بہت زعم تھا تمہیں دارا کی دوستی پر۔ دیکھ لیا اس دوستی کا انجام۔ بھاگ گیا تمہیں چھوڑ کر۔ تم اس کے لیے بوجھ بن گئے تھے اور وہ تم سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس وقت تو اسے ایک بہانہ مل گیا تھا۔"

"نہیں۔ تم جھوٹ بکتے ہو۔ دارا ایسا نہیں کرسکتا۔" چی فانگ چیخا۔

"ایسا تو ہو چکا۔" میں نے پوچھا "اور ایسا کیوں ہوا؟ یہ تم اسی سے پوچھ لینا۔ اگلے جنم میں۔"

چی فانگ خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں تان منہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں نے چیانگ سائین کے اس فارم ہاؤس میں

اس کے ہاتھوں سے بچ نکلا اور کبھی وہ اپنی جان بچا کر بھاگ گیا اور آج کا منظر کچھ ایسا تھا کہ وہ مکمل طور پر میرے قابو میں تھا۔ میں نے اسے غسل خانے میں بند کردیا تھا اور اگر دارا کے پیچھے نہ بھاگتا تو چی فانگ کی ٹانگیں چیر ڈالتا۔ دارا کے فرار کے بعد جب فلیٹ میں واپس آیا تو چی فانگ بندھا ہوا پڑا تھا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر نجانے مجھے کیوں جوش نہیں آیا۔ خون میں ابال کیوں نہیں پیدا ہوا۔ میں نے اسے خوں خوار بھیڑیے کی طرح چیر پھاڑ کیوں نہیں دیا تھا۔

اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ میں خوں خوار بھیڑیا نہیں تھا۔ میری رگوں میں شریف النفس والدین کا خون دوڑ رہا تھا۔ میں فطرتاً رحم دل اور شریف انسان ہی تھا مگر مجھے جنگ جُو بنا دیا گیا تھا۔ اپنی جان بچانے کے لیے میں دو سروں کی جان لیتا رہا تھا اور اب شاید میں نے چی فانگ کو اس لیے نہیں مارا تھا کہ وہ میرے سامنے بے بسی کی حالت میں بندھا پڑا تھا۔ اگر اس کے ہاتھ پیر کھلے ہوتے اور وہ مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا تو شاید صورتِ حال مختلف ہوتی اور وہ میرے ہاتھوں سے زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔

"تمہیں افسوس ہو رہا ہوگا کہ چی فانگ کو پولیس کے حوالے کیوں کردیا گیا۔" جانگی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے شاید میرے خیالات پڑھ لیے تھے۔

"ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہارا مقصد تو اسے کیفرِ کردار تک پہنچانا تھا۔" جانگی بولی "ضروری نہیں کہ کسی سے انتقام لینے کے لیے اسے اپنے ہاتھوں ہی سے قتل کیا جائے۔ وہ قاتل ہے کئی بے گناہ لوگ اس کے ہاتھوں مارے جاچکے ہیں۔ اب وہ قانون کی تحویل میں ہے اور قانون اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرے گا۔ اسے اس کے جرائم کے مطابق سزا ضرور ملے گی۔"

"ہاں یہی ایک اطمینان ہے کہ قانون اسے معاف نہیں کرے گا۔" میں نے کہا "اب دارا باقی رہ گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ بھی زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہ سکے گا۔ اسے میں قانون کے حوالے نہیں کروں گا۔ یہ سارا ہنگامہ اس نے شروع کیا تھا۔ میرے ماں باپ کا اصل قاتل تو وہی ہے۔ میں اسے کسی صورت معاف نہیں کروں گا۔"

"ہم بھی اسی کی وجہ سے یہ عذاب بھگت رہے ہیں۔" تھائی نے ہماری گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "وہ یہاں نہ آتا تو یہ سارے ہنگامے شروع نہ ہوتے اور ہمیں اس بری طرح برباد نہ ہونا پڑتا۔"

میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ اس کی زبان پر پہلی مرتبہ اس قسم کی کوئی بات آئی تھی۔ اسے پہلی مرتبہ اپنی بربادی کا احساس ہوا تھا اور شاید اب اسے کچھ پچھتاوا بھی ہو رہا تھا۔

"ٹھیک کہتی ہو تھائی۔" میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا "مجھے وہ رات اچھی طرح یاد ہے جب میں اسی چی فانگ سے اپنی جان بچانے کے لیے تمہاری کار میں چھپ گیا تھا اور تمہاری بربادی تو اسی وقت شروع ہوگئی تھی جب تم نے مجھے اپنے گھر میں پناہ دی تھی اگر تم اسی وقت مجھے دھتکار دیتیں تو آج تمہیں یہ دن۔۔۔"

"وجو۔۔۔" تھائی کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی "میں تمہاری زبان سے ایسی کوئی بات نہیں سننا چاہتی جس سے مجھے دکھ پہنچے۔"

"لیکن تمہارا شکوہ۔۔۔"

"میں نے کوئی شکوہ نہیں کیا۔" تھائی نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی "میں تو صورتِ حال کا تجزیہ کررہی تھی۔ صرف میں، تم اور جانگی ہی ان وحشیوں کی بربریت کا شکار نہیں ہوئے۔ انہوں نے تو درجنوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ کئی گھر اجاڑے ہیں۔ میں اور جانگی بھی اس لپیٹ میں آگئیں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ہم نہ ہوتے تو ہماری جگہ کوئی اور ہوتا۔ ہمیں تو خوشی ہے کہ ہم نے ایک سچائی کا ساتھ دیا اور ہمارے قدم نہیں ڈگمگائے۔"

"یہی تمہاری بڑائی ہے کہ سب کچھ چھن جانے کے باوجود تم دونوں اب تک ثابت قدم رہی ہو۔" میں نے کہا۔

"بس اب اس بات کو ختم کرو۔" تھائی نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا "آئندہ تمہاری زبان سے ایسی کوئی بات نہیں نکلنی چاہیے جس سے مجھے اور جانگی کو کوئی دکھ پہنچے۔ اچھا اب سوجاؤ۔ مجھے تو نیند آرہی ہے۔"

جانگی نے بتی بجھا دی۔ وہ دونوں بستر پر لیٹ گئیں۔ میں بھی اپنے کمرے میں جانے کے بجائے کوچ پر ہی لیٹ گیا۔ مجھے بہت دیر تک نیند نہیں آسکی تھی۔ میں ان دونوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کتنی عظیم ہیں یہ دونوں ہستیاں۔ سب کچھ برباد ہوجانے کے بعد بھی انہیں کوئی شکوہ نہیں تھا۔ ان کی زبان پر کوئی شکایت نہیں تھی۔

میرا ذہن برسوں پیچھے چلا گیا۔ ایک ایک بات مجھے یاد تھی۔ ایک ایک واقعہ فلم کی طرح میری آنکھوں کے سامنے گھومتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے شدت سے اپنے گھر کی یاد ستانے لگی۔ وہ گھر جہاں میرا بچپن گزرا تھا۔ جس کے دروازے کے سامنے میرے ماں باپ کو بیدردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اور قاتلوں کے خوف سے مجھے بھی وہ گھر چھوڑنا پڑا تھا۔ کئی سال بیت چکے تھے لیکن میں اس گھر کو ایک لمحے کو بھی نہیں بھولا تھا۔ مجھے سب کچھ یاد تھا۔ کس کمرے میں کون سی چیز کہاں رکھی ہوئی تھی آنگن میں کہاں کون سا پودا لگا ہوا تھا۔ کن کن پودوں کے گملے کہاں کہاں رکھے ہوئے تھے۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرا سانس بھی تیز ہو رہا تھا۔ میں اپنے گھر کب جاؤں گا؟

میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور پھر میں گھر کے سپنے دیکھتا ہوا سو گیا۔

صبح دس بجے سے پہلے میری آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔ تھائی اور جانگی مجھ سے پہلے ہی جاگ چکی تھیں۔ وہ دونوں کمرے میں بھی نہیں تھیں۔ میں اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں کمرے سے باہر نکلا تو جانگی اوپر آرہی تھی۔ مجھے دیکھ کر زینے پر ہی رک گئی۔

"ناشتا تیار ہوچکا ہے۔ میں تمہی کو بلانے آرہی تھی۔" جانگی نے کہا۔

تھائی ہال میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہمیں دیکھ کر وہ بھی اٹھ گئی اور ہم تینوں ڈائننگ ٹیبل پر آگئے۔

"چندا روبن کہاں ہے؟" میں نے خادمہ سے پوچھا۔

"صبح پولیس آئی تھی۔" خادمہ نے جواب دیا "تہ خانے میں بند دونوں قیدیوں کو ان کے حوالے کردیا گیا ہے۔ چندا روبن ان کے ساتھ گئے ہیں۔"

ہم ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ خادمہ نے کال ریسیو کی اور پھر مجھے اشارہ کیا۔ میں نے اٹھ کر ریسیور لے لیا۔ ماسٹر ہوچن کی کال تھی۔

"گزشتہ رات چی فانگ کی گرفتاری کے بعد پولیس نے آپریشن کریک ڈاؤن شروع کردیا ہے۔" ماسٹر ہوچن نے چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد کہا "کئی بڑے مگرمچھوں کو پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کردیا گیا ہے۔ لاتعداد چھوٹی مچھلیاں بھی پکڑی گئی ہیں۔ جرائم پیشہ لوگ پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگے پھر رہے ہیں۔ معمولی چور اچکے اور جیب تراش قسم کے لوگ بھی اس جال میں پھنس رہے ہیں۔ رتنا کو سن اس آپریشن کی نگرانی کررہا ہے۔ جب تک اس شہر سے جرائم پیشہ لوگوں کا خاتمہ نہیں ہوجاتا وہ چین سے نہیں بیٹھے گا۔"

"اور دارا کا کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا لیکن اب اسے بھی پناہ نہیں ملے گی۔ ایک آدھ دن میں وہ بھی گرفت میں آجائے گا۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا اور پھر بولا "تمہارے لیے ایک خوش خبری یہ ہے کہ اب تم لوگ آزادی سے گھوم پھر سکتے ہو۔ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مہاراج نے کہا ہے کہ تم لوگ اپنی مرضی سے کہیں بھی آجاسکتے ہو۔ آدھے گھنٹے میں ایک گاڑی تمہارے پاس پہنچ جائے گی اور اسی خوشی میں تم لوگ آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گے۔"

"کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"اندرا ریجنٹ ہوٹل کے سالہ تھائی ریسٹورنٹ میں۔ ٹھیک آٹھ بجے۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "میں نے ٹیبل ریزرو کروالی ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے تھائی کلاسک ڈانس پروگرام شروع ہوجاتا ہے۔ تم لوگ انجوائے کرو گے۔"

"ٹھیک ہے لیکن اس سے پہلے ہم اپنے گھر جانا چاہتے ہیں۔ میرا مطلب ہے جانگی والے بنگلے میں۔" میں نے کہا۔

"ہوٹل سے واپسی پر تم لوگوں کو وہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ میں دو تین لڑکوں کو سکھدر کے ساتھ وہاں بھیج دیتا ہوں۔ وہ صفائی وغیرہ کردیں گے۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا اور پھر چند اور رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد میں نے فون بند کردیا۔

میں نے تھائی اور جانگی کو ماسٹر ہوچن سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں آگاہ کیا تو وہ دونوں کھل اٹھیں۔ وہ دونوں یہیں کی رہنے والی تھیں۔ یہیں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کی پوری زندگی یہاں گزری تھی لیکن چند سال پہلے مجھ سے ملاقات ہونے کے بعد شہر کے درودیوار ان کے لیے اجنبی بن گئے تھے۔ لوگ اجنبی بن گئے تھے۔ ان کے اپنے ہی ان کے دشمن ہوگئے تھے۔ ان کے آشیانوں کو جلا کر خاکستر کردیا گیا تھا۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے چھپتی پھر رہی تھیں اور آج چند سال بعد انہیں یہ نوید ملی تھی کہ یہ شہر انہی کا ہے۔ وہ آزادی سے اس شہر کے گلی کوچوں میں گھوم پھر سکتی ہیں۔ آزاد فضا میں سانس لے سکتی ہیں۔

"ابھی تم نے بتایا کہ جرائم پیشہ لوگوں کے خلاف آپریشن کریک ڈاؤن شروع کردیا گیا ہے۔" جانگی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیا ایسی صورت میں کھلے عام پھرنا ہمارے لیے خطرناک نہیں ہوگا؟"

"ماسٹر ہوچن نے کہا ہے کہ بڑی بڑی مچھلیوں کو پکڑ لیا گیا ہے۔" میں نے جواب دیا "گزشتہ رات کو چی فانگ کی

گرفتاری کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا تھا جو صبح تک جاری رہا۔ بڑے بڑے سب لوگ سلاخوں کے پیچھے پہنچ چکے ہیں۔ اب صرف چھوٹی مچھلیاں رہ گئی ہیں جنہیں پکڑنے کے لیے جال پھیلائے جارہے ہیں اور بھلا ہمیں کیا خطرہ ہوسکتا ہے۔"

"میں خطرات سے تو نہیں ڈرتی ہوں۔" جانکی مسکرائی "بہرحال، چلیں گے۔ آج خوب گھومیں پھریں گے۔"

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ہمارا موضوع دارا تھا۔ وہ ابھی تک پولیس کے ہاتھ نہیں لگا تھا اور ہم سوچ رہے تھے کہ وہ کہاں جاسکتا ہے۔ بہرحال، اب اس کی طاقت ٹوٹ چکی تھی۔ وہ زیادہ دنوں تک چھپا نہیں رہ سکے گا اور پھر یہ بات بھی تھی کہ اس مرتبہ پولیس نے پوری سنجیدگی سے کارروائی شروع کی تھی۔ رتنا کوسن اس آپریشن کی نگرانی کررہا تھا اور اس میں کسی پولیس آفیسر کی طرف سے کوتاہی کی توقع نہیں تھی۔

ہم ابھی باتیں کررہی رہے تھے کہ باہر کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ خادمہ اس وقت لان میں گیٹ کے قریب ہی تھی۔ اس نے پہلے ذیلی دروازہ کھولا اور پھر پورا گیٹ کھول دیا۔ سفید رنگ کی ایک شان دار کار اندر آکر پورچ میں رک گئی۔ میں اٹھ کر برآمدے میں آگیا۔ کار کی ڈرائیونگ سیٹ سے جو آدمی نیچے اترا، وہ کاسپرو تھا۔

تھائی اور جانکی بھی باہر آچکی تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ کاسپرو نے جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے لفافہ کھولا تو میری آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس میں بڑی مالیت کے تھائی کرنسی نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ کار اور یہ کرنسی نوٹ ہمارے لیے رتنا کوسن نے بھیجے تھے۔ ہمارے پاس واقعی رقم وغیرہ نہیں تھی اور رتنا کوسن نے کار کے ساتھ رقم بھی بھیج دی تھی۔

چند منٹ بعد ہی ہم اس شان دار کار میں چندا روبن کے بنگلے سے نکل رہے تھے۔ کار ائرکنڈیشنڈ تھی اور بلٹ پروف بھی۔ رتنا کوسن کو شاید یہ احساس تھا کہ ہم ابھی پوری طرح خطرے سے باہر نہیں ہوئے تھے۔

سب سے پہلے ہم سوکھم وٹ روڈ پر گئے جہاں سوئے گیارہ پر نیو رائل فیشن شاپ تھی۔ یہ بنگاک کی سب سے بڑی فیشن ٹیلرنگ شاپ تھی۔ یہاں ریڈی میڈ ملبوسات بھی تھے۔ اس اسٹور کا مالک ایک سکھ تھا۔ دکان پر اگرچہ کئی سیلزمین موجود تھے لیکن اتفاق سے ہمارا سامنا سکھ مالک ہی سے ہوا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے ہم اسٹور میں رہے۔ ہم تینوں نے اپنے لیے دو دو سوٹ پسند کیے تھے۔ سوکھم وٹ روڈ سے نکل کر ہم کرونگ تھان بوری روڈ پر آگئے۔ جہاں ایک ذیلی گلی میں نہر کے قریب تھائی کا بنگلا ہوا کرتا تھا۔ وہاں لمبا اب بھی موجود تھا۔ صرف مٹی کا ڈھیر تھا۔

تھائی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جانکی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ دوسری طرف سے میں نے تھائی کا ہاتھ پکڑلیا۔ ہم کچھ دیر وہاں کھڑے رہے اور پھر کار میں بیٹھ گئے۔

"اب کہاں چلنا ہے لٹل ماسٹر؟" کاسپرو نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں بھی۔" میرے بجائے جانکی نے کہا "پورا شہر گھما دو۔ کہیں بھی ڈرائیو پر لے چلو۔"

کاسپرو بھی مسکرا دیا۔

کار ٹاکسن برج سے ہوتی ہوئی سیتھرون روڈ پر آگئی اور ایکسپریس وے عبور کرتے ہوئے رامافور روڈ پر نکل آئی اور پھر مجھے یاد نہیں کہ کار کن کن سڑکوں پر ہوتی ہوئی شہر سے باہر جانے والے ہائی وے پر دوڑنے لگی۔ میں پسنجرز سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میری نظر اچانک ہی عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے کی طرف اٹھ گئی۔ پیچھے آنے والی ایک سرخ کار کو دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کار کو میں ایک دو مرتبہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

"کاسپرو۔" میں نے اسے متوجہ کرتے ہوئے کہا "ایک سرخ کار ہمارے پیچھے آرہی ہے۔ میں نے ایک دو مرتبہ پہلے بھی اسے دیکھا ہے۔"

"وہ سرخ کار۔" کاسپرو مسکرا دیا "گھبرانے کی ضرورت نہیں لٹل ماسٹر۔ اس میں اپنے ہی گن مین ہیں۔"

"گن مین!" میں چونک گیا "کیوں۔۔۔؟"

"تم لوگوں کی طرف سے آنکھیں تو بند نہیں رکھی جاسکتیں۔" کاسپرو نے جواب دیا "تم نے شاید دھیان نہیں دیا۔ یہ کار شروع ہی سے ہمارے پیچھے ہے۔"

میں نے مزید کچھ نہیں کہا۔ کار تیز رفتاری سے دوڑتی رہی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھائی اور جانکی کسی بات پر قہقہے لگا رہی تھیں۔

"یہ کون سی جگہ ہے۔" میں نے سڑک کے بائیں طرف ایک شان دار عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کاسپرو سے پوچھا۔

"تم شاید اس جگہ کو بھول گئے ہو لٹل ماسٹر۔" کاسپرو نے جواب دیا "یہ وہی جگہ ہے جہاں سوامی رگوناتھ کا آشرم ہوا کرتا تھا۔"

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "ایک سال میں یہ شہر کتنا بدل گیا ہے۔ سوامی رگوناتھ کا آشرم تو جل کر راکھ ہوگیا تھا اور رگوناتھ بھی ختم ہوگیا تھا۔ یہ بلڈنگ نئی ہے۔ کس نے بنائی ہے؟"

"آپ کے چیانگ سائین والے دوست سردار تھالوب نے۔" کاسپرو نے جواب دیا "یہ زمین اس نے حکومت سے لے لی تھی۔ یہاں اس نے حکومت ہی کے تعاون سے منشیات کے عادی افراد کی بحالی کے لیے اسپتال بنایا ہے۔ اس بلڈنگ کی تعمیر کے لیے دن رات کام ہوا تھا اور تقریباً دو مہینے پہلے ہی یہاں کام شروع ہوا ہے۔"

"گڈ۔" میں نے کہا "اس کا مطلب ہے سردار تھالوب واقعی بہت کام کررہا ہے۔"

وہ عمارت واقعی بہت شاندار تھی۔ ذرا آگے جانے کے بعد میں نے کار واپس مڑوالی اور عمارت کے سامنے سے گزرتے ہوئے پھر اس طرف دیکھنے لگا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں لادینیت اور فحاشی کا بہت بڑا اڈا قائم تھا۔ یہاں کئی لوگوں کی زندگیاں برباد ہوئی تھیں۔ کئی گھر اجڑے تھے اور اب اس جگہ پر نشے میں مبتلا ہوکر زندگی سے دور ہونے والوں کو زندگی کے قریب لایا جارہا تھا۔

کار دوبارہ شہر میں داخل ہوکر ایک بار پھر رامافور روڈ پر مڑنے لگی۔

اس وقت دو بج رہے تھے۔ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ میں نے کاسپرو سے کہا کہ وہ کار کسی اچھے ریسٹورنٹ کے سامنے روک لے۔

کچھ دیر بعد کاسپرو نے کار رامافور روڈ سے ذرا ہٹ کر ڈوسیٹ تھانی ہوٹل کے پارکنگ لاٹ پر روک لی۔ اس کے سامنے سڑک کے دوسری طرف ٹورسٹ پولیس اسٹیشن اور اس کے پیچھے لم فینی پارک تھا جس کے گیٹ کے قریب شہنشاہ راما ششم کا بہت بڑا مجسمہ نصب تھا۔

ڈوسیٹ تھانی بہت بڑا رہائشی ہوٹل تھا۔ اس کا ریسٹورنٹ بھی بڑا شان دار تھا۔ کاسپرو اگرچہ باہر گاڑی میں ہی رکنا چاہتا تھا مگر ہم اسے بھی اپنے ساتھ ریسٹورنٹ میں لے آئے تھے۔

ہوٹل کا کھانا بھی بہت لذیذ تھا۔ تھائی اور جانکی کھانے کے دوران میں بھی چہکتی رہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ جب سے ہم کار پر چندا روبن کے بنگلے سے باہر نکلے تھے وہ دونوں چہک رہی تھیں اور بات بات پر قہقہے لگا رہی تھیں۔ انہیں خوش دیکھ کر مجھے بھی خوشی ہورہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ کئی سال بعد ہم تینوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی تھی۔

ہوٹل سے نکل کر بھی ہم دیر تک کار میں شہر کی سڑکوں پر گھومتے رہے۔ ایک سال پہلے جب میں یہاں تھا تو ہنگاموں میں گھرا رہا تھا۔ میری زندگی بھاگ دوڑ میں ہی گزری تھی۔ مجھے شہر کی سڑکوں اور عمارتوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں اور اب تھائی اور جانکی میری معلومات میں اضافہ کررہی تھیں۔

پانچ بجے کے قریب میں نے کاسپرو کو ہدایت کی کہ وہ کار کو جانکی کے بنگلے کی طرف موڑ لے۔ اس وقت ہم شہر کے جنوبی علاقے میں بس ٹرمنل کے آس پاس تھے۔ کاسپرو نے کار پہلے پھرانپن روڈ اور پھر روون امارن روڈ پر موڑلی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ہم جانکی کے بنگلے والی گلی میں مڑ رہے تھے۔

ہم ایک سال بعد یہاں آئے تھے۔ یہاں کی فضا بڑی عجیب اور اجنبی سی لگ رہی تھی حالانکہ یہاں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا ہم نے ایک سال پہلے چھوڑا تھا۔

گیٹ کے سامنے کار رکتے ہی میں نیچے اتر گیا اور بیل بجانے لگا۔ اسی دوران میں تھائی اور جانکی بھی میرے قریب آگئی تھیں اور وہ اچک اچک کر گیٹ کے اندر دیکھنے کی کوشش کررہی تھیں۔ میں اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے گیٹ کے دوسری طرف دیکھ سکتا تھا اور میں نے سکھدر کو برآمدے سے نکل کر گیٹ کی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

گیٹ کھلا اور ہم تینوں بے صبری سے اندر داخل ہوگئے۔ کار ہمارے بعد گیٹ میں داخل ہوئی تھی۔ سکھدر نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا تھا۔ جانکی اور تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں وہی چمک تھی جو میں پہلے بھی دیکھا کرتا تھا۔

برآمدے کے سامنے لان میں بے ترتیب سا فرنیچر اور گھر کا دوسرا سامان بکھرا ہوا تھا۔ جب ہم اندر آئے تو مہاراج کے جنازیم کے دو لڑکے ایک کمرے میں فرنیچر سیٹ کررہے تھے۔ تمام کمروں کے فرش دُھلے ہوئے تھے۔ تمام دیواریں جھاڑ دی گئی تھیں۔ چھتوں سے لٹکے ہوئے جالے بھی صاف کردیے گئے تھے۔ اب صرف سامان سیٹ کرنا باقی رہ گیا تھا۔

وہ کمرا تقریباً تیار ہوچکا تھا۔ دونوں لڑکے بیڈ پر چادر بچھا

کر باہر چلے گئے۔ میں پلنگ پر گر گیا۔ مجھے عجیب سا سکون مل رہا تھا یہاں آکر۔ جانکی اور تھائی بھی پلنگ پر ڈھیر ہو گئیں۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد سکھدر کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اس نے بتایا کہ ہال نما کمرے میں کرسیاں اور صوفے لگا دیے گئے ہیں۔ ہم اٹھ کر ہال نما کمرے میں آگئے۔

"سکھدر۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کسی کو بھیج کر بازار سے چائے منگوالو۔ اس وقت بڑی طلب ہو رہی ہے۔"

"یس باس۔" سکھدر کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔

اس نے چائے لانے کے لیے ایک لڑکے کو بھیج دیا جبکہ خود دوسرے لڑکے کے ساتھ مل کر دوسرے کمرے کا فرنیچر سیٹ کرنے لگا۔

چائے آگئی اور پھر چائے پینے کے بعد ہم نے وہ شام وہیں گزار دی۔ کار سے ہم نے بازار سے خریدا ہوا سامان نکال لیا تھا اور پھر کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے ساڑھے سات بجے کے قریب ہم اندرا ریجنٹ ہوٹل جانے کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک جگہ تھائی نے کار روکوالی۔

"کاسپرو۔" وہ ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم صبح سے ہمارے ساتھ ڈرائیونگ کر رہے ہو۔ تھک گئے ہو گے۔ اب تم گھر چلے جاؤ۔"

"لیکن مس۔۔۔"

"کچھ نہیں۔" تھائی کہتے ہوئے اپنی سائڈ کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی "گاڑی میں ڈرائیو کروں گی۔ جانکی بھی ڈرائیونگ جانتی ہے۔"

کاسپرو نے میری طرف دیکھا۔ میں نے سر ہلا دیا۔ وہ انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔ تھائی نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔

ماسٹر ہوچن سالہ تھائی ہال میں ہمارا منتظر تھا۔ یہ ڈنر کا وقت تھا اور اس وقت پورا ہال گاہکوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

اس ہوٹل میں داخل ہوتے ہی مجھے وہ وقت یاد آگیا جب میں پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا اور ٹائیگر کے آدمیوں نے ہوٹل کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ ہم نے ماسٹر پھو کو ٹیلی فون پر اطلاع دی تھی۔ ماسٹر پھو نے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی لیکن بدقسمتی سے وہ ہوٹل کے سامنے ٹائیگر اور اس کے آدمیوں کے گھیرے میں آگیا تھا اور انہوں نے بڑی بے دردی سے ماسٹر پھو کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا تھا۔

مجھے سب کچھ یاد تھا۔ کچھ بھی تو نہیں بھولا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد تھا کہ تھائی کس طرح مجھے ہوٹل سے نکال کر لے گئی تھی اور یہیں سے میرے ساتھ تھائی کی بربادی کا بھی آغاز ہوا تھا۔ وہ ہوٹل کے پارکنگ میں تھائی کی گاڑی کے لائسنس نمبرز کے ذریعے کھوج لگاتے ہوئے اس کے بنگلے تک پہنچ گئے تھے۔ اگر تھائی مجھے ان کے حوالے کر دیتی تو اس کا کچھ بھی نہ بگڑتا۔ وہ آج بھی پہلے کی طرح آرام اور سکون کی زندگی گزار رہی ہوتی مگر تھائی نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا مگر مجھ سے دستبرداری قبول نہیں کی تھی۔ اس کا بنگلا جلا کر راکھ کر دیا گیا اور وہ جان بچانے کے لیے میرے ساتھ بھاگتی پھر رہی تھی۔

لیکن آج صورتِ حال مختلف تھی۔ آج ہمارے ذہنوں میں کوئی خوف نہیں تھا۔ میرے دشمن اگرچہ آج بھی زندہ تھے اور اسی شہر میں تھے لیکن فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے ہم ان سے چھپا کرتے تھے اور آج انہیں اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور وہ پناہ کی تلاش میں بھاگے پھر رہے تھے۔

کھانا بہت لذیذ تھا۔ ماسٹر ہوچن نے آرڈر بھی بہت لمبا چوڑا دیا تھا۔ وہ پلیٹیں اٹھا اٹھا کر ہمارے سامنے رکھ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہر چیز ہمارے حلق میں ٹھونس دیتا۔

کھانے کے بعد تیرھویں صدی کے سیامی کلاسک ڈانس نے تو شام کو اور بھی رنگین بنا دیا تھا۔ کینڈل ڈانس میرے لیے بہت ہی حیرت انگیز ثابت ہوا تھا۔ پہلی مرتبہ اس طرح تفریح کا موقع ملا تھا اور ہم اس سے جی بھر کے محظوظ ہو رہے تھے۔

رات ایک بجے کے قریب ہم ہوٹل سے نکلے۔ ماسٹر ہوچن کے پاس اپنی گاڑی تھی۔ وہ ہم سے ہاتھ ملا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا اور ہم اپنی گاڑی میں۔ اس مرتبہ اسٹیئرنگ جانکی نے سنبھالا تھا۔

ہوٹل سے روانہ ہونے کے بعد ماسٹر ہوچن کی گاڑی بھی ہمارے پیچھے لگی رہی اور جب ہم ٹاکسن اسپیچو والے چوراہے سے جانکی کے بنگلے کی طرف جانے والی سڑک پر مڑے تو ماسٹر ہوچن کی گاڑی سیدھی آگے نکل گئی تھی۔

سکھدر بنگلے میں موجود تھا جبکہ دوسرے دونوں لڑکے جا چکے تھے۔ پورا گھر آراستہ کر دیا گیا تھا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔ سکھدر نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ جو چیز پہلے جس جگہ پر تھی اسے دوبارہ اسی جگہ پر رکھا جائے۔ اس کے باوجود وہ دیر تک تھائی اور جانکی کو سمجھاتا رہا کہ کون سی چیز کہاں رکھی ہے۔ اس طرح ڈھائی بج گئے۔

جانکی اور تھائی ایک کمرے میں چلی گئیں۔ سکھدر بیرونی کمرے میں چلا گیا اور میں برآمدے والا دروازہ بند کر کے دوسرے کمرے میں آگیا۔

اس روز بستر پر کرتے ہی میں نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا اور شاید طویل عرصے بعد میں پہلی بار سکون کی گہری نیند سویا تھا۔

میں صبح دس بجے سے پہلے نہیں جاگ سکا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی جانکی میرے لیے چائے لے کر آگئی اور پھر اسی وقت پتا چلا کہ جانکی صبح سویرے ہی جاگ گئی تھی اور اس نے سکھدر کو بھیج کر بازار سے ضرورت کی تمام چیزیں منگوالی تھیں۔ اس روز ناشتا بھی جانکی ہی نے بنایا تھا۔

ناشتے کے بعد میں نے ماسٹر ہوچن کو فون کرنا چاہا تو پتا چلا کہ ٹیلی فون ڈیڈ پڑا ہوا ہے اور پھر اچانک ہی میرے ذہن میں خیال آیا کہ تقریباً ایک سال سے یہ فون استعمال نہیں ہوا تھا۔ اس دوران میں بل وغیرہ جمع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اس لیے کنکشن کاٹ دیا گیا تھا۔

بارہ بجے کے قریب ہم ایک بار پھر اپنے آوارگی کے مشن پر روانہ ہو گئے۔ مختلف سڑکوں پر گھومتے ہی جانکی نے کار کا رخ اس طرف موڑ دیا جہاں ہندوؤں کی آبادی اور بہت بڑا مندر تھا۔ اسی مندر کے پیچھے ایک گلی میں جانکی کا وہ مکان تھا جہاں تھائی کے بنگلے پر ٹائیگر کے غنڈوں کے حملے اور آتش زدگی کے بعد فرار ہو کر میں نے اور تھائی نے پناہ لی تھی لیکن اسی رات جانکی کی ملازمہ اور اس کے نواسے کی بدمعاشی کی وجہ سے ہمیں وہاں سے بھاگنا پڑا تھا۔

گلی زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ ایک دو گاڑیاں اور رنگ رنگ کی طرح کھڑے تھے کہ زیادہ راستہ رکا ہوا تھا۔ جانکی بڑے محتاط انداز میں کار چلا رہی تھی۔ گلی میں کھیلتے ہوئے کچھ ننگ دھڑنگ بچے بھی کار کے پیچھے لگ گئے تھے۔

جانکی نے اپنے مکان کے سامنے کار روک دی۔ اس کے ساتھ ہی ہم دونوں بھی نیچے اتر آئے اور پھر اپنے مکان کی طرف بڑھتے ہوئے جانکی ٹھٹک کر رک گئی۔ میں بھی رک کر اس لڑکی کو دیکھنے لگا جو دروازے سے باہر نکل رہی تھی۔ اس کی عمر تیرہ چودہ سال کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ سانولی رنگت ماتھے پر بندیا لگی ہوئی تھی۔ وہ بھی ہمیں دیکھ کر ٹھٹک گئی پھر اس نے گہری نظروں سے جانکی کی طرف دیکھا اور پھر واپس دروازے میں گھس گئی۔

کچھ دیر بعد یہ انکشاف خاصا دلچسپ ثابت ہوا تھا کہ جانکی کے مکان پر کسی اور ہندو فیملی نے قبضہ کر رکھا تھا۔ یہ خبر بھی پوری گلی میں پھیل گئی تھی کہ ڈاکٹر جانکی دیوی واپس آگئی ہے۔ بہت سی عورتیں اس مکان میں جمع ہو گئی تھیں۔

اچھی خاصی بدمزگی پیدا ہو گئی تھی۔ مکان پر قابض ہونے والا ہندو ایک شراب خانے کا مالک تھا اور اس کے تھوڑے بہت تعلقات بھی تھے اور غالباً ان تعلقات کی بنا پر ہی وہ مکان خالی کرنے کو تیار نہیں تھا اور الٹا جانکی کو دھمکا بھی رہا تھا۔

"میں تمہیں صرف ایک ہفتے کی مہلت دے رہی ہوں۔ اگر تم نے مکان خالی نہیں کیا تو پولیس کے ذریعے سامان باہر پھنکوا دوں گی اور تمہیں بھی سلاخوں کے پیچھے بند کروا دوں گی۔" جانکی نے اسے دھمکی دی اور پیر پٹختی ہوئی باہر آگئی۔

وہاں سے ہم واٹ ٹریمٹ (خانقاہ) پہنچے۔ مہاراج ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ باتوں ہی باتوں میں میں نے ٹیلی فون کی بات کی تو جانکی نے اپنے مکان کا مسئلہ بھی بتا دیا۔ مہاراج نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

ہم رات نو بجے کے قریب گھر واپس پہنچے تھے۔ اس وقت تک ہمارا ٹیلی فون ٹھیک ہو چکا تھا۔ یہ مہاراج کا کمال تھا۔ انہوں نے متعلقہ محکمے کو فون کیا ہو گا اور ان کو ایک ہی کال کی ہو گی اور فون بحال ہو گیا۔ جانکی اگر ذاتی طور پر کوشش کرتی تو شاید کئی روز لگ جاتے۔

اس رات بھی ہم دیر تک جاگتے اور گپ شپ کرتے رہے اور پھر اگلی صبح فون پر جو سب سے پہلی خبر ملی، وہ یہ تھی کہ گزشتہ رات چی فانگ پولیس کی حراست سے فرار ہو گیا تھا۔ یہ اطلاع ماسٹر ہوچن نے دی تھی۔

"کیا کہہ رہے ہو ماسٹر!" میں چیخ اٹھا "یہ کیسے ہوا؟ وہ کس طرح فرار ہو گیا؟"

"پولیس نے ابھی اسے عدالت میں پیش نہیں کیا تھا۔" ماسٹر ہوچن کہہ رہا تھا "دراصل پولیس اس کے خلاف ایسا کیس عدالت میں پیش کرنا چاہتی تھی کہ وہ کسی طرح بھی سزا سے نہ بچ سکے۔ چالان کی تیاری کے لیے پولیس مختلف لوگوں سے رابطے کر کے تفتیشی رپورٹ تیار کر رہی تھی۔ تمہیں یاد ہے تھنگ ماہامک ڈسٹرکٹ کے ایک بنگلے میں پامیلا نامی ایک لڑکی دارا کے ہاتھوں ماری گئی تھی اور اس بنگلے میں ٹائیگر تمہارے ہاتھ لگا تھا۔"

"ہاں ہاں۔ میں پامیلا کی موت کو کیسے بھول سکتا ہوں۔ دارا نے اسے خنجر سے اس طرح چیر پھاڑ ڈالا تھا کہ وہ منظر یاد کر کے آج بھی روح کانپ اٹھتی ہے مگر اس واقعے کا یہاں کیا ذکر؟" میں نے کہا۔

"اس کیس کی تفتیش کیلئے پولیس چی فانگ کو رات دو بجے اس بنگلے میں لے گئی تھی۔ دراصل پولیس دارا کو بھی اس کیس میں نامزد کرنا چاہتی ہے۔ اس واقعے کی تفصیلات جاننے کے لیے چی فانگ کو وہاں لے جایا گیا تھا مگر اس نے موقع پاکر ایک پولیس والے کا ریوالور اس کے ہولسٹر سے نکال لیا اور ایک کانسٹیبل کو قتل کرکے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ پولیس نے اس پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ رات بھر اس کی تلاش ہوتی رہی۔ محکمے کی ساری نفری پورے شہر میں پھیلی ہوئی تھی۔ کئی مشکوک مقامات پر چھاپے مارے گئے۔ کئی مشتبہ لوگوں کو حراست میں لیا گیا تاکہ ان سے چی فانگ کے بارے میں پوچھ گچھ کی جاسکے لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔" ماسٹر ہوچن چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "رتنا کوسن کو صبح چار بجے اس کی اطلاع دی گئی تھی۔ وہ فوراً ہی پولیس اسٹیشن پہنچ گیا۔ صورتِ حال کا صحیح علم ہونے کے بعد اس پولیس اسٹیشن کے سارے عملے کو معطل کرکے گرفتار کرلیا گیا ہے۔"

"کیا چی فانگ کے فرار میں پولیس کے کسی آدمی کی سازش ہوسکتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "یہ تو تحقیقات کے بعد ہی پتا چلے گا کہ کوئی پولیس والا اس سازش میں شریک تھا یا نہیں لیکن اتنے خطرناک ملزم کو اعلیٰ حکام کی اجازت کے بغیر پولیس اسٹیشن سے باہر لے جانا شبہات کو ہوا دے رہا ہے اگر کوئی پولیس والا اس سازش میں ملوث ثابت ہوا تو بچ نہیں سکے گا۔"

"اور دارا؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا بھی ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ خیال ہے کہ چی فانگ بھی اسی کے پاس گیا ہوگا۔ پورے شہر کی پولیس بڑی سرگرمی سے انہیں تلاش کررہی ہے۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا۔

کافی دیر تک ماسٹر ہوچن سے اس موضوع پر بات ہوتی رہی پھر میں نے فون بند کردیا اور جانگی اور تھائی کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔ ان دونوں کی آنکھوں میں بھی تشویش ابھر آئی تھی۔ بات تھی بھی تشویش کی۔ چی فانگ کا فرار خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اگر وہ دونوں دوبارہ مل گئے تو صورتِ حال بڑی دھماکا خیز ہوسکتی تھی۔

ناشتے کے دوران میں بھی ہم اس موضوع پر باتیں کرتے رہے کہ چی فانگ فرار ہوکر کہاں جاسکتا ہے اور دارا کہاں چھپا ہوا ہوگا۔ اچانک میرے دماغ میں ایک جھماکا سا ہوا اور میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا ہوا؟" جانگی اور تھائی نے بیک وقت پوچھا۔

"میری وہ پینٹ کہاں ہے۔" میں نے کہا "پنٹرا روین کے بنگلے سے یہاں آنے کے بعد ہم نے کپڑے بدلے تھے میری پینٹ کہاں ہے؟"

"اس وقت گھر کا سامان بکھرا ہوا تھا۔ میں نے سارے میلے کپڑے اس کمرے میں الماری کے نچلے خانے میں ڈال دیے تھے مگر کیا بات ہے؟" تھائی نے کہا۔

"ایک منٹ۔ میں ابھی آرہا ہوں۔" میں کہتا ہوا کمرے کی طرف چلا آیا۔

یہ وہی کمرا تھا جہاں سب سے پہلے فرنیچر وغیرہ آراستہ کردیا گیا تھا اور ہم تینوں نے باری باری اسی کمرے میں لباس تبدیل کیے تھے۔ سب سے پہلے میں نے کپڑے بدلے تھے اور اتارے ہوئے کپڑے پلنگ پر ڈال کر ہی باہر چلا گیا تھا۔ آخر میں تھائی نے لباس تبدیل کیا تھا اور سارے میلے کپڑے اٹھا کر الماری کے نچلے خانے میں ڈال دیے تھے۔

میں نے الماری کھول کر نچلے خانے میں رکھے ہوئے کپڑے نکال لیے اور اپنی پینٹ اٹھا کر جیبوں کی تلاشی لینے لگا اور بالآخر پچھلی جیب سے مطلوبہ چیز مل گئی۔ یہ وہی وزیٹنگ کارڈ تھا جو مادام اوتوکو کے پینٹ ہاؤس میں دارا کی قمیص کی جیب سے ملا تھا۔

"مس شیوانی۔۔۔ کک باکسنگ پر وموٹر!"

میں نے کارڈ پر لکھا ہوا نام زیرِ لب دہرایا اور اس کارڈ کو چٹکی میں دبائے کمرے سے باہر آگیا۔

"یہ کیا ہے؟" تھائی نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"یہ وزیٹنگ کارڈ مادام اوتوکو کے پینٹ ہاؤس میں دارا کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔" میں نے کہا اور پھر تفصیل بتانے لگا اور آخر میں کہہ رہا تھا "مس شیوانی کک باکسنگ پر وموٹر ہے۔ دارا کی جیب سے اس کارڈ کے برآمد ہونے کا مطلب ہے کہ ان دونوں کا آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔ ہوسکتا ہے دارا نے اس کے ہاں پناہ لے رکھی ہو۔"

"عین ممکن ہے لیکن۔۔۔" جانگی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"لیکن کیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ کارڈ دارا کی جیب میں تھا اور اسے قمیص چھوڑ کر بھاگنا پڑا تھا۔" جانگی نے کہا "اسے معلوم ہوگا کہ کارڈ اس کی جیب میں ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہوگا کہ یہ کارڈ تمہارے یا

پولیس کے ہاتھ آسکتا ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ دارا مس شیوانی کے ہاں جانے کی حماقت نہیں کرے گا۔"

"نادانستہ غفلت۔" میں نے کہا "لوگوں کو اکثر یاد نہیں رہتا کہ اُن کی جیبوں میں کیا کچھ بھرا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے دارا کو بھی یاد نہ رہا ہو کہ یہ کارڈ اس کی جیب میں تھا اور عین ممکن ہے اس نے مس شیوانی کے پاس ہی پناہ لے رکھی ہو۔ اس بات کو آج چار دن ہوچکے ہیں اور اگر وہ وہیں ہے تو اب تک اسے اطمینان ہوگیا ہوگا کہ پولیس مس شیوانی کے بارے میں نہیں جانتی۔"

"ممکن ہے تمہاری بات درست ہو۔" جانگی نے میرے دلائل تسلیم کرتے ہوئے کہا "کوئی کارروائی کرنے سے پہلے اس کی تصدیق کرنی پڑے گی اور اس میں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔"

"ہاں۔ اگر احتیاط نہ برتی گئی تو دارا کو وہاں سے بھی فرار ہونے کا موقع مل جائے گا۔" میں نے کہا۔

کچھ دیر بعد میں نے ماسٹر ہوچن کو فون کیا اور اسے بنگلے پر آنے کو کہا۔ فون پر تفصیل سے بات نہیں ہوسکتی تھی۔

ماسٹر ہوچن تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہاں پہنچ گیا۔ میں نے اسے مس شیوانی کا وہ کارڈ دکھایا اور اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

"مس شیوانی لیڈیز کک باکسنگ کی پروموٹر ہے اور اسے ہر کا ہر وہ شخص جانتا ہے جسے کک باکسنگ سے ذرا سی بھی دلچسپی ہو۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "شیوانی کو میں بھی جانتا ہوں اور اس سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ وہ بہت بے ایمان اور لالچی عورت ہے۔ وہ کک باکسنگ کے مقابلے تو منعقد کراتی ہے لیکن اکثر و بیشتر مخالف پارٹی سے پیسے لے کر اپنی فائٹرز کو ہروا دیتی ہے۔ جیسے ہی اس کا دین دھرم ہے۔ ہوسکتا ہے پیسے کے لالچ میں اس نے دارا کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہو۔"

"لیکن کوئی کارروائی کرنے سے پہلے اس کی تصدیق بہت ضروری ہے کہ دارا وہاں موجود ہے یا نہیں اور اس مقصد کے لیے ہمیں کسی ایسی لڑکی کو استعمال کرنا پڑے گا جس کا تعلق کک باکسنگ سے ہو۔" میں نے کہا۔

"ایسی لڑکیاں تو مل سکتی ہیں لیکن رتنا کوسن چونکہ اس آپریشن کی نگرانی کررہا ہے اس لیے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے علم میں لانا ہوگا۔ میرا خیال ہے تم فون پر رتنا کوسن سے بات کرو۔ اس کے بعد ہم اس سے مل لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ نمبر بتاؤ میں بات کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

ماسٹر ہوچن نے نمبر بتانے کے بجائے فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملایا اور لائن ملنے کے بعد ریسیور میرے ہاتھ میں دے دیا۔ کال رتنا کوسن کی سیکریٹری نے ریسیو کی تھی۔ میں نے اپنا نام بتایا تو اس نے فوراً رتنا کوسن سے لائن ملادی۔

میں تقریباً پانچ منٹ تک رتنا کوسن سے بات کرتا رہا پھر فون بند کردیا اور ماسٹر ہوچن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اب چل پڑو ماسٹر۔ اس نے ہمیں فوری طور پر اپنے دفتر میں بلایا ہے۔"

میں اور ماسٹر ہوچن فوراً ہی روانہ ہوگئے۔ ماسٹر اپنی گاڑی لے کر آیا تھا۔ تھائی اور جانگی سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ کہیں جانا چاہیں تو چلی جائیں۔

ہم تقریباً آدھے گھنٹے میں رتنا کوسن کے دفتر میں پہنچ گئے۔ ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور فوراً ہی اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس وقت رتنا کوسن کے پاس دو اور اعلیٰ افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں فوراً ہی فارغ کردیا گیا۔

میں نے مس شیوانی کا وزیٹنگ کارڈ رتنا کوسن کو دکھایا اور اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ ہم میں تقریباً آدھا گھنٹا گفتگو ہوتی رہی اور بالآخر طے پایا کہ دو لڑکیوں کے ذریعے مس شیوانی کے دفتر اور گھر پر یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے کہ دارا وہاں موجود ہے یا نہیں۔

رتنا کوسن کے دفتر سے نکل کر ماسٹر ہوچن نے مجھے بنگلے پر چھوڑا اور خود دوسرے انتظامات کرنے کے لیے چلا گیا۔

اور پھر اسی شام یہ اطلاع مل گئی کہ مس شیوانی کے فلیٹ میں کچھ پراسرار سرگرمیاں دیکھنے میں آئی ہیں۔ عام حالات میں کک باکسنگ سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں اس کے فلیٹ میں آتی رہتی تھیں مگر چند روز سے لڑکیوں کو فلیٹ پر آنے سے روک دیا گیا تھا۔ پچھلے چند دنوں سے مس شیوانی دفتر بھی نہیں آرہی تھی۔ وہ ہر وقت فلیٹ پر ہی موجود رہتی تھی۔ کوئی لڑکی اس کے ہاں جاتی بھی تو اسے دروازے ہی سے لوٹا دیا جاتا تھا۔

اس رپورٹ سے میرے شبے کو تقویت ملی۔ رتنا کوسن کو بھی اطلاع کردی گئی اور بالآخر یہ طے ہوا کہ پولیس کے ذریعے چھاپا مارنے کے بجائے ماسٹر ہوچن اور میں اپنے آدمیوں کے ساتھ کارروائی کریں۔

ماسٹر ہوچن اور میں ایک کمرے میں بیٹھ کر پلاننگ کرنے لگے۔ مس شیوانی کا دفتر اور فلیٹ سیلوم روڈ پر واقع تھے۔ یہ

وہ علاقہ تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں رات کبھی نہیں ہوتی۔ چوبیس گھنٹے لوگوں کی آمدورفت رہتی تھی۔ اس لیے یہ طے پایا کہ اس فلیٹ پر چھاپا رات دس اور گیارہ بجے کے درمیان مارا جائے کیونکہ وہاں رات کے آخری پہر بھی لوگوں کی آمدورفت کی صورتِ حال کچھ ایسی ہی رہتی تھی اس لیے انتظار کرنا بیکار تھا۔ پلاننگ کرتے ہوئے چھاپے میں ایک لڑکی کی ضرورت بھی محسوس ہوتی اور ظاہر ہے تھائی یا جاپانی میں سے کسی کو ساتھ نہیں لے جاسکتے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ یہ بندوبست ہوجائے گا۔ ان دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کو بلالیں گے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا۔

اس وقت رات کے نو بج رہے تھے۔ ماسٹر ہوچن نے ٹیلی فون پر رنگٹ' پا تھی اور پونیا نامی ایک لڑکی کو اطلاع دے دی کہ وہ لوگ رات دس بجے سیلوم روڈ پر واقع مونارک ہوٹل سے ذرا آگے پولیین ریسٹورنٹ میں پہنچ جائیں۔

پونے دس بجے کے قریب میں اور ماسٹر ہوچن بھی نکل کھڑے ہوئے۔ ہم نے دریا پھرا پوک کلاڈ برج سے پار کیا تھا۔ وہاں سے ہم سونگ واٹ روڈ سے ہوتے ہوئے نیو روڈ پر آگئے۔ کئی بڑی سڑکیں نیو روڈ سے آکر ملتی تھیں۔ یہاں دور دور تک بہت بڑے بڑے شاپنگ سینٹر ریسٹورنٹ اور ہوٹل وغیرہ تھے۔ یہیں سے سیلوم روڈ بھی شروع ہوتا تھا۔

سیلوم روڈ کو بنکاک کی وال اسٹریٹ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک طرف سے سوامی وانگ روڈ' دوسری طرف سے رامافور روڈ' تیسری طرف سے نیو روڈ اور چوتھی طرف سے سیتھرون روڈ سے گھرا ہوا ہے۔ شہر کا وسطی علاقہ ہونے کے علاوہ یہ سب سے بڑا کاروباری مرکز بھی ہے۔ اس سڑک کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹی سی نہر بھی ہے جس کے مغربی کنارے پر ایک بہت بڑی پن چکی ہے۔ اس پن چکی ہی کی وجہ سے اس سڑک کا نام بھی سیلوم روڈ رکھا گیا تھا۔

تمام بڑے بڑے بینک' بہت سے سفارت خانے اور بڑے بڑے رہائشی ہوٹل اسی علاقے میں واقع ہیں۔ یہ شہر کا وہ حصہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں کبھی رات نہیں ہوتی۔ مرکزی شاہراہ کے علاوہ ایک دوسرے کو ملانے والی ذیلی سڑکوں پر بھی لاتعداد ریسٹورنٹ' شراب خانے اور سپر اسٹور ہیں جہاں چوبیس گھنٹے لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔

تین کلومیٹر لمبی سیلوم روڈ کے تقریباً آخر میں پیٹ پونگ نام کی دو ذیلی سڑکیں سوامی وانگ روڈ سے آکر ملتی ہیں۔ دن کے وقت اس علاقے میں کاروباری لوگوں کا ہجوم رہتا ہے لیکن شام پانچ بجے کے بعد یہاں آمدورفت کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ شام کے بعد یہاں لوگ صرف تفریح' ناؤنوش اور عیاشی کے لیے آتے ہیں۔ دونوں پیٹ پونگ اسٹریٹس پر لاتعداد چھوٹے بڑے شراب خانے' ریستوران اور جوئے خانوں کے علاوہ بازارِ حسن بھی ہے۔ صرف ان دو گلیوں میں ایک ہزار سے زیادہ طوائفیں آباد ہیں جو قدم قدم پر راہ گیروں کو دعوتِ گناہ دیتی نظر آتی ہیں۔

نیو روڈ پر نیو فیوچی شاپنگ سینٹر سے ذرا آگے ماسٹر ہوچن نے کار سیلوم روڈ پر موڑلی۔ مونارک ہوٹل تقریباً ایک کلومیٹر آگے تھا۔ اس سڑک پر ٹریفک اس قدر زیادہ تھا کہ گاڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی چل رہی تھیں۔ میرے خیال میں چیونٹی کی رفتار سے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے والے اس ٹریفک میں شامل ہونے کے بعد یہ بھول جانا چاہیے کہ مقررہ وقت پر کہیں پہنچنا ہے۔ سائڈ اسٹریٹس کی بھی یہی صورتِ حال تھی۔ پیدل چلنے والوں کا بھی کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے شہر کا ہر شخص اس طرف آیا ہو۔ بجھ گاتی ہوئی رنگ برنگی روشنیوں سے یہ علاقہ جگمگا رہا ہوا تھا۔

"غلطی ہوگئی۔" ماسٹر ہوچن بڑبڑایا "ہمیں سورا وانگ روڈ کی طرف سے آنا چاہیے تھا۔ بیچ کی کسی گلی سے نکل آئیے۔"

"اب تو پھنس ہی گئے ہیں۔ کار کو سر پر اٹھا کر تو لے جا نہیں سکتے۔" میں نے کہا۔ کار چیونٹی کی رفتار سے آگے بڑھتی رہی اور میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ میں پہلی مرتبہ اس طرف آیا تھا۔ لوگ کس طرح زندگی سے لطف اندوز ہو رہے تھے جبکہ میری زندگی مار دھاڑ اور بھاگ دوڑ میں گزری تھی۔

خدا خدا کرکے ہم کسی نہ کسی طرح مونارک ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے۔ ماسٹر نے ہوٹل سے آگے نکل کر کار ایک سائڈ اسٹریٹ پر موڑ کر روک لی اور انجن بند کردیا۔

"آگے پیدل ہی جانا پڑے گا۔" وہ نیچے اترتے ہوئے بولا "کار پر تو ہمیں وہاں پہنچنے میں ایک گھنٹا لگ جائے گا۔"

میں بھی کار سے اتر آیا اور ہم مین روڈ پر آکر ہجوم میں راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ پولیین ریسٹورنٹ تقریباً پچاس گز آگے تھا اور جب ہم وہاں پہنچے تو سوا دس بج چکے تھے۔ رنگٹ' پا تھی اور پونیا دروازے کے ساتھ ہی ایک میز پر موجود تھیں۔ ماسٹر کا اشارہ پاکر وہ تینوں ریسٹورنٹ سے باہر آگئیں۔ ہم ایک بار پھر تیزی سے آگے چلنے لگے۔ تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کا فاصلہ ہم نے پندرہ منٹ میں طے کرلیا۔

پیٹ پونگ اسٹریٹ ون اور پیٹ پونگ اسٹریٹ ٹو پر زیادہ رش تھا۔ ان دونوں سڑکوں پر لاتعداد ریسٹورنٹ' شراب خانے اور جوئے خانے تھے۔

ہم پیٹ پونگ اسٹریٹ ٹو پر بند گز چلنے کے بعد رک گئے۔ ماسٹر ہوچن نے سڑک کے دوسری طرف ایک پرانی سی عمارت کی طرف اشارہ کیا۔ عمارت کے نیچے دو شراب خانے اور ایک ریسٹورنٹ تھا۔ شراب خانے کے ساتھ ہی اوپر جانے کے لیے تنگ سا زینہ تھا۔ ان دکانوں کے اوپر صرف ایک رہائشی یونٹ تھا۔ اس اکہری عمارت کے دائیں بائیں والی عمارتیں کئی کئی منزل بلند تھیں۔ اس طرح یہ چھوٹی عمارت ان کے بیچ میں سینڈوچ بن کر رہ گئی تھی۔

دکانوں اور اوپر والے رہائشی یونٹ کے درمیان میز نائن فلور تھا۔ اوپر والے فلیٹ او میزنائن فلور کی کھڑکیاں سڑک کی طرف تھیں اور سب میں روشنی نظر آرہی تھی۔

"اوپر والے فلیٹ میں شیوانی کی رہائش ہے۔" ماسٹر ہوچن نے بتایا "اس کے نیچے میزنائن فلور ہے جس پر طوائفوں کا قبضہ ہے۔ ویسے دارانے چھپنے کے لیے بڑی اچھی جگہ کا انتخاب کیا ہے کسی کو شبہ بھی نہیں ہوسکتا۔"

"کیا مس شیوانی بھی طوائف ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شیوانی جیسی عورتوں اور طوائفوں کے کردار میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔" ماسٹر نے جواب دیا اور پھر رنگٹ اور پا تھی کو سمجھانے لگا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

رنگٹ تو وہیں کھڑا رہا۔ یہاں سے وہ زینے اور فلیٹ پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔ پا تھی سڑک پار کرکے زینے کے بائیں طرف شراب خانے کے دروازے کے قریب کھڑا ہوگیا۔

"اور تم۔" ماسٹر نے پونیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم اوپر جاکر دروازہ کھلواؤ اور کوشش کرنا کہ دروازہ کھولنے والے کو دو تین منٹ تک باتوں میں الجھائے رکھو۔ اگر وہ دروازہ بند کرنے کی کوشش کرے تو پیر پھنسا دینا۔ یہ تم اچھی طرح سمجھتی ہو کہ دروازہ کھولنے والے کو کس طرح باتوں میں لگایا جاسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" پونیا نے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سڑک پار کرکے اترگئی۔

میں اور ماسٹر ہوچن اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ پونیا سڑک پار کرکے زینے والے دروازے میں داخل ہوگئی۔ ماسٹر ہوچن نے مجھے اشارہ کیا اور ہم دونوں سڑک پار کرکے دوسری طرف آگئے۔

میں نے دروازے کی آڑ میں کھڑے ہوکر سیڑھیوں پر دیکھا۔ تقریباً پندرہ سیڑھیوں پر ایک لینڈنگ تھی جس کے دائیں بائیں ایک ایک دروازہ تھا۔ بائیں طرف کا دروازہ نیم وا تھا جبکہ دائیں طرف والا دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا اور نیم عریاں لباس میں ایک عورت دروازے میں کھڑی تھی۔ نیچے سیڑھیوں والے دروازے کے قریب بھی دو طوائفیں کھڑی تھیں جن میں سے ایک نے لمبے بالوں والا ایک چھوٹا سا کتا بغل میں دبا رکھا تھا۔ اس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے گھوم کر دیکھا تو وہ گڑبڑا کر پیچھے ہٹ گئی اور ایک اور آدمی کو گھیرنے کی کوشش کرنے لگی۔ دوسری طوائف ماسٹر ہوچن کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کررہی تھی۔

میں نے ایک مرتبہ پھر اوپر دیکھا۔ پہلی لینڈنگ سے دس بارہ سیڑھیاں اوپر ایک اور لینڈنگ تھی۔ وہاں ایک ہی دروازہ تھا اور پونیا دروازے میں کھڑی ہوئی کسی عورت سے باتیں کررہی تھی۔

میں نے ماسٹر ہوچن کو اشارہ کیا اور سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ میزنائن والی لینڈنگ کے کھلے ہوئے دروازے میں کھڑی ہوئی عورت یہ سمجھی کہ میں اس کے پاس آرہا ہوں۔ میں جیسے ہی قریب پہنچا اس نے اچانک ہی مجھے بازو سے پکڑلیا اور مجھے اندر کھینچنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس اچانک افتادِ میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

میرے چیخنے کی آواز سن کر اوپر والے دروازے میں کھڑی ہوئی عورت نے نیچے دیکھا اور پھر پونیا کو دھکا دے کر دروازہ بند کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ پونیا اگرچہ دھکا کھا کر پیچھے گری تھی مگر اس نے اپنا پیر دروازے میں پھنسا دیا تھا۔ اندر کھڑی ہوئی عورت نے چیختے ہوئے اس کے پیر پر زوردار ٹھوکر ماری۔ پونیا بھی چیخ اٹھی اور اس نے پیر پیچھے ہٹالیا۔

میزنائن والی عورت مجھ سے لپٹنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس دوران میں ماسٹر ہوچن سیڑھیوں پر دوڑتا ہوا اوپر آگیا اور میرے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ اوپر پہنچ کر اس نے پونیا کو گھسیٹ کر ایک طرف ہٹایا اور دروازے پر کندھے سے ٹکریں مارنے لگا۔ میں نے بھی اس عورت کو دھکا دے کر پیچھے گرا دیا اسے بھی شاید کسی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا تھا۔ اس نے اٹھ کر جلدی سے دروازہ بند کرلیا۔ میں اوپر کی طرف دوڑا۔

فلیٹ کا دروازہ خاصا مضبوط تھا۔ اندر سے چیخ چیخ کر بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دو نسوانی آوازیں

تھیں اور ایک کسی مرد کی اور میں نے وہ آواز پہچان لی۔ وہ دارا تھا۔

میں بھی ماسٹر ہوچن کے ساتھ دروازے پر کندھے سے ٹکریں مارنے لگا۔ تیسری ٹکر پر دروازہ جھول گیا اور چوتھی ٹکر پر تختہ اندر جا گرا۔ میں اور ماسٹر ہوچن گرتے گرتے بچے تھے اور پھر اسی لمحے فائر کی آواز گونج اٹھی۔ گولی میرے سر کے چند انچ اوپر سے گزر گئی تھی۔ میں نے بڑی پھرتی سے ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ اسی وقت ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ گولی ماسٹر ہوچن نے چلائی تھی۔

ایک طرف سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے تیزی سے مڑ کر اس طرف دیکھا۔ دروازے کے قریب میں جس جگہ کھڑا تھا وہاں سے آگے کھلی جگہ تھی اور اس سے آگے کمرے تھے۔ ایک طرف اوپر جانے کے لیے لکڑی کے تختوں کی سیڑھیاں تھیں اور ایک آدمی ان سیڑھیوں پر دوڑتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔

میں نے پتلون کا پائنچہ اٹھا کر پنڈلی پر بندھا ہوا خنجر نکالا اور اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو وہ اوپر آخری سیڑھی پر پہنچ چکا تھا۔ وہ تیزی سے پیچھے مڑا۔

وہ دارا تھا۔ اس نے فائر کرنے کے لیے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ میں نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ خنجر میرے ہاتھ سے نکل کر دارا کے بازو کو زخمی کرتا چلا گیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ لڑکھڑایا مگر دوسرے ہی لمحے سنبھل گیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر نیچے گر گیا تھا۔ دارا نے دوسری طرف دوڑ لگا دی۔

میں پھر اوپر کی طرف دوڑا۔ میں نے راستے میں ایک سیڑھی پر پڑا ہوا اپنا خنجر اٹھایا اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتا ہوا چھت پر پہنچ گیا۔

دارا اس وقت چھت کے دوسرے سرے پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے مڑ کر فائر کر دیا۔ اس سے صرف ایک لمحے پہلے میں کسی چیز سے ٹکرا کر گر گیا۔ اگر میں نیچے نہ گرتا تو گولی میرا بھیجا اڑا دیتی۔

میں اٹھ کر دوبارہ دارا کے پیچھے لپکا۔ وہ اس وقت منڈیر پر چڑھ کر باہر کی طرف ایک پائپ کے ساتھ لٹک چکا تھا۔ یہ پائپ پچھلی گلی میں گٹر لائن کی گندی گیس کے اخراج کے لیے لگایا گیا تھا جو چھت سے چار پانچ فٹ اوپر تک چلا گیا تھا۔ پائپ دیوار کے ساتھ آہنی کلپوں سے لگایا گیا تھا۔

میں جب وہاں پہنچا تو دارا اس پائپ سے لٹک کر منڈیر سے نیچے جا چکا تھا تاہم اس کا ایک ہاتھ ابھی منڈیر سے اوپر پائپ کو گرفت میں لیے ہوئے تھا۔ میں نے خنجر سے اس کے ہاتھ پر وار کر دیا۔ اس نے چیختے ہوئے ہاتھ ہٹایا لیکن اس کی ایک انگلی کٹ گئی تھی۔ اس کا دوسرا بازو میں پہلے ہی زخمی کر چکا تھا لیکن وہ پائپ کے ساتھ لپٹا بڑی تیزی سے نیچے کی طرف پھسل رہا تھا۔ میں منڈیر پر چڑھ کر پائپ کے ساتھ لٹکنا چاہتا تھا لیکن رک گیا۔

چھ انچ قطر کا وہ پائپ زیادہ مضبوط نہیں تھا۔ دارا کے بوجھ سے ہی دیوار کے ساتھ اس کا اوپر والا ایک کلپ اکھڑ چکا تھا۔ میں پائپ کو ہاتھ سے پیچھے دھکیلنے لگا۔ میری کوشش بار آور ثابت ہوئی۔ دو کلپ اور اکھڑ گئے اور دارا کے بوجھ کی وجہ سے پائپ بتدریج دیوار سے پیچھے ہٹنے لگا لیکن میرے خیال میں اب اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ دارا کافی نیچے پہنچ چکا تھا۔

پچھلی گلی زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ روشنی کا انتظام بھی مناسب نہیں تھا۔ یہاں بھی طوائفوں ہی کی آبادی تھی اور گلی میں معقول تعداد میں لوگ بھی موجود تھے۔

ایک راہ گیر نے دارا کو پائپ سے اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے چیخ کر کچھ کہا۔ کچھ اور لوگ بھی اس طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ اسی دوران میں دارا نے پائپ چھوڑ کر چھلانگ لگا دی۔

ایک دو آدمی اسے کوئی حادثہ سمجھ کر دارا کی طرف دوڑے تھے مگر دارا نے دو ہوائی فائر کر دیے۔ لوگ بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ دارا نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ایک طرف دوڑ لگا دی۔ میں منڈیر پر کھڑا بے بسی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ دارا کچھ دور تک لوگوں کو دھکے دیتا دوڑتا ہوا نظر آیا اور پھر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا اور پھر دوسرے لمحے نسوانی چیخوں کی آواز سن کر میں نے سیڑھیوں کی طرف چھلانگ لگا دی۔

ماسٹر ہوچن ایک آدمی سے گتھم گتھا ہو رہا تھا۔ پونا میں شیوانی کو رگید رہی تھی اور پاتھی بھی ایک عورت سے الجھا ہوا تھا۔ ماسٹر ہوچن دوسرے آدمی کے نیچے دبا ہوا تھا اور اس آدمی کی شکل دیکھ کر میں چونک گیا۔ وہ میگا تیراڈھا تھا۔

میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر میگا کو بالوں سے پکڑ لیا اور اس کو اوپر کھینچتے ہوئے پے در پے اس کے چہرے پر گھونسے جڑ دیے۔ ماسٹر ہوچن ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا

ہوگیا۔

"لٹل ماسٹر۔ تم اسے سنبھالو۔ میں دوسرے کو دیکھتا ہوں۔" وہ چیختا ہوا ایک کمرے کی طرف دوڑ گیا اور بند دروازے پر کندھے سے ٹکریں مارنے لگا۔

میں نے میگا تیراڈ کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اس وقت خنجر میرے ہاتھ میں نہیں تھا اگر ہوتا تو اب تک میں میگا کا کام تمام کرچکا ہوتا۔

دارا کے فرار ہوجانے سے میں بہت تاؤ کھائے ہوئے تھا اور اپنا سارا غصہ میگا پر اتار رہا تھا۔ میگا کے ہونٹوں، ناک اور ایک کان سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ بری طرح لڑکھڑا رہا تھا مگر میں اس پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کرتا رہا۔

ماسٹر ہوچن جس کمرے کے دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا، وہ سڑک کی طرف تھا۔ ہم نے سڑک پر سے اس کمرے کی کھڑکیوں میں روشنی دیکھی تھی۔ اس کے ساتھ بھی ایک کمرا تھا جس کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔

ماسٹر کی تیسری ٹکر سے دروازہ ٹوٹ گیا اور پھر اسی لمحے چھناکے سے شیشے ٹوٹنے اور کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ ماسٹر ہوچن دوڑتا ہوا کمرے سے باہر آگیا۔

"چنگ چی نے کھڑکی سے چھلانگ لگادی۔" اس نے چیخ کر کہا "تم ان لوگوں کو سنبھالو۔ میں نیچے جارہا ہوں۔"

وہ نیچے جانے کے لیے دروازے کی طرف لپکا لیکن دروازے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔ سیڑھیوں پر دوڑتے ہوئے بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور پھر پانچ چھ پولیس والے سیڑھیوں والے دروازے سے اندر آگئے۔ ان میں ایک انسپکٹر تھا جس نے پستول سے دو تین ہوائی فائر کردیے۔ دوسرے پولیس والوں نے بھی رائفلیں تان لی تھیں۔

میں میگا کو چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ وہ چکراتا ہوا نیچے گرا تھا۔ یاسمی نے بھی اس عورت کو چھوڑ دیا۔ پونیا اور شیوانی اب بھی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہورہی تھیں۔ دونوں خوں خوار بلیوں کی طرح غرا رہی تھیں۔ انہیں بڑی مشکل سے ایک دوسرے سے الگ کیا گیا۔

"ماسٹر ہوچن۔" انسپکٹر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "مجھے افسوس ہے ہمیں اوپر آنے میں کچھ دیر ہوگئی۔"

"چنگ چی نے کھڑکی سے چھلانگ لگادی ہے وہ۔"

"اس کی فکر مت کرو ماسٹر۔" انسپکٹر نے اس کی بات کاٹ دی "ہمارے آدمی نیچے موجود ہیں۔ وہ اسے سنبھال لیں گے۔ یہاں تمہارے آدمی کون ہیں؟"

ماسٹر نے یاسمی، پونیا اور میری طرف اشارہ کردیا۔ ہم تینوں الگ ہوگئے۔ میگا، شیوانی اور دوسری عورت کو پولیس والوں نے گرفت میں لے لیا اور دو پولیس والے دو ڈوبرمین کمروں کو چیک کرنے لگے۔

اور پھر انسپکٹر کی باتوں سے انکشاف ہوا کہ اسے آج شام ہی کو اوپر سے یہ حکم جاری ہوا تھا کہ اس علاقے پر خاص طور پر نگاہ رکھی جائے۔ اسے ماسٹر ہوچن کے نام کے حوالے سے خاص طور پر کچھ ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ لیڈی لک باکسنگ کی پروموٹر شیوانی کے خلاف کوئی کارروائی کرنے والا ہے اگر کوئی گڑبڑ ہو تو وہ اپنی فورس لے کر اس کی مدد کو پہنچ جائے۔ اسے سختی سے یہ وارننگ بھی دی گئی تھی کہ اگر یہ خبر کسی کارروائی سے پہلے لیک ہوئی تو اسے نہ صرف ملازمت سے برطرف کردیا جائے گا بلکہ اس کے خلاف غداری کے الزام میں کارروائی بھی کی جائے گی۔ انسپکٹر کے کہنے کے مطابق وہ ایک ایک کرکے اپنے آدمیوں کو سامنے والی بلڈنگ میں جمع کرچکا تھا۔ وہ ایک تاریک کمرے کی کھڑکی سے شیوانی والی عمارت پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور جب اس نے ماسٹر ہوچن کو سیڑھیوں والے دروازے میں داخل ہوتے دیکھا تو ہوشیار ہوگیا اور پھر فائر کی آواز سن کر اس نے اپنے آدمیوں کے ساتھ اس طرف دوڑ لگادی۔

"اب آپ لوگ چاہیں تو جاسکتے ہیں۔" انسپکٹر نے بات ختم کرتے ہوئے کہا "یہاں کی صورتِ حال اب میں سنبھال لوں گا۔"

ہم لوگ نیچے آگئے۔ میز نائن والے دونوں دروازے بند تھے اور اندر تاریکی تھی۔ یہاں کی طوائفیں یا تو خوف زدہ ہوکر بھاگ گئی تھیں یا انہوں نے اپنے کمروں میں بند ہوکر بتیاں بجھادی تھیں۔

نیچے عمارت کے دروازے کے سامنے بھی کئی پولیس والے موجود تھے۔ آس پاس کے شراب خانے اور ریستوران بند ہوچکے تھے۔ لوگوں کی آمد و رفت اگرچہ جاری تھی مگر سامنے والے فٹ پاتھ سے۔

چنگ چی پولیس کے گھیرے میں زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے ایک بازو اور ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔

رنگٹ بھی وہاں موجود تھا مگر پولیس نے اسے آگے نہیں آنے دیا تھا۔ ماسٹر نے رنگٹ، یاسمی اور پونیا کو رخصت کردیا۔ میں اور ماسٹر ہوچن ایک طویل چکر کاٹ کر شیوانی کی عمارت کے پچھلی طرف آگئے جہاں سے دارا فرار ہوا تھا۔

یہاں کی رونق پہلے کی طرح تھی۔ دارا کی ہوائی فائرنگ سے کچھ ہلچل ضرور مچی تھی مگر اس کے بعد صورتِ حال پھر پرسکون ہوگئی تھی۔ راہ گیروں اور طوائفوں میں آزادانہ طور پر سودے بازی ہورہی تھی۔

عمارت کے ساتھ وہ پائپ سڑک کی طرف جھکا ہوا تھا اور میں ماسٹر ہوچن کو بتا رہا تھا کہ دارا کس طرح فرار ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں جھک کر پائپ اور دیوار کے آس پاس دیکھ رہا تھا اور پھر مجھے وہ چیز مل گئی جس کی تلاش تھی۔

وہ ہاتھ کی کٹی ہوئی چھوٹی انگلی تھی جو خون میں لتھڑی ہوئی تھی۔ دارا اگرچہ ایک بار پھر فرار ہوگیا تھا۔ مجھے اس کے فرار ہونے کا افسوس تو تھا لیکن خوشی بھی تھی کہ اس بار میں اس پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میں نے جیب سے رومال نکالا اور جھک کر وہ انگلی اٹھالی۔

"یہ کیا ہے؟" ماسٹر ہوچن نے پوچھا۔

"دارا کے ہاتھ کی کٹی ہوئی انگلی۔" میں نے کہا "ہوسکتا ہے اب وہ کبھی میرے سامنے نہ آئے لیکن جب تک زندہ رہے گا مجھے یاد رکھے گا۔"

میں نے دارا کے ہاتھ کی کٹی ہوئی انگلی رومال میں لپیٹ کر جیب میں رکھ لی اور ہم واپس پلٹ گئے۔

اس رات بھی میں دیر تک نہیں سوسکا۔ مجھے دارا کے بچ نکلنے کا بے حد افسوس تھا۔ میرے سینے میں بھڑکنے والے انتقام کے شعلے کچھ اور ہوا پاگئے تھے۔ جب دشمن اس طرح بچ کر نکل جائے تو ایسی ہی حالت ہوتی ہے۔

دن پر دن گزرتے رہے۔ اگرچہ رتنا کو سن کا مشن کریک ڈاؤن جاری تھا۔ جرائم پیشہ لوگوں کو کونوں کھدروں سے تلاش کرکے آہنی سلاخوں کے پیچھے بند کیا جارہا تھا مگر دارا اور چی فانگ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ انہیں ہر اس جگہ تلاش کیا گیا جہاں ان کے ملنے کا امکان ہوسکتا تھا مگر ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

ایک مہینہ گزر گیا اور پھر ایک روز ہمیں ایک خاص تقریب میں رائل پیلس میں شہنشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس موقع پر سردار تھالوب بھی موجود تھا اور مہاراج بھی۔ تھائی، جاپانی اور میں اس تقریب کے مرکزی کردار تھے۔ ملکی سلامتی کے لیے ہماری خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ہمیں بے پناہ مراعات اور انعام سے نوازا گیا۔ مجھے قومی ہیرو قرار دیا گیا اور تھائی لینڈ کی اعزازی شہریت بھی دی گئی۔

رتنا کو سن کا مشن کریک ڈاؤن بے حد کامیاب ہوگیا تھا۔ جرائم پیشہ گروہوں کا خاتمہ ہوجانے کے بعد لوگوں نے بھی سکھ کا سانس لیا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ امن و آشتی کی یہ صورتِ حال زیادہ عرصے تک برقرار نہیں رہے گی۔ شرپسند عناصر کچھ ہی عرصے بعد دوبارہ سر اٹھانے لگیں گے۔

ہمیں بہت سی مراعات حاصل تھیں۔ ہم مکمل طور پر آزاد تھے لیکن اب میرا دل یہاں سے اچاٹ ہوگیا تھا۔ میں گھر جانا چاہتا تھا اپنے گھر۔ جہاں ماں باپ کی شفقت و محبت کے سائے میں میرا بچپن گزرا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب وہاں میرے ماں باپ نہیں تھے مگر مجھے اب اس گھر کی یاد بڑی شدت سے آرہی تھی۔

میں نے جانگی اور تھائی سے ذکر کیا تو وہ بھی میرے ساتھ جانے کو تیار ہوگئیں۔ یہاں انہیں بہت کچھ مل گیا تھا۔ تھائی کو اس پلاٹ پر نیا بنگلا بنا دینے کا وعدہ بھی کیا گیا تھا اور اس سلسلے میں کام بھی شروع ہوچکا تھا۔ جانگی کا مکان بھی خالی کرا دیا گیا تھا اسے سرکاری اسپتال میں ملازمت کی پیشکش بھی کی گئی تھی اور بھی بہت کچھ ملا تھا۔ وہ یہاں عیش و آرام کی زندگی گزار سکتی تھیں مگر وہ دونوں مجھے چھوڑنے کو تیار نہیں تھیں۔ بقول جانگی کے، میں ان دونوں کی سانجھے کی جائداد تھا اور دونوں میں سے کوئی بھی مجھ سے دستبردار ہونے کو تیار

شیخ کرامت کی سرگزشت

جو اس نے دنیا کے سامنے بیان کی

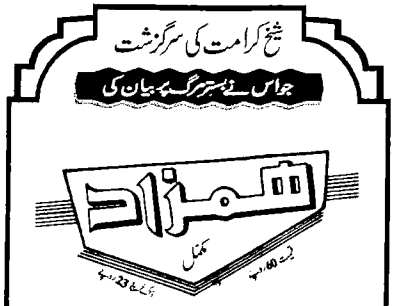

- ایک پراسرار شخصیت کی کہانی جس کیلئے کوئی بھی کام ناممکن نہیں تھا
- اس شخص کا قصہ جس کے چہرے کی عمر 130 سال تھی اور بقیہ جسم کی عمر 25 سال
- شیخ کرامت نے شہزاد کو کس طرح تسخیر کیا

کتاب کی قیمت بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر بھیج کر ممنون فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

نہیں تھی۔

میں نے مہاراج سے ذکر کیا تو وہ میری بات سن کر کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے۔

"مجھے معلوم تھا کہ اب تم یہاں نہیں رہنا چاہو گے اور میں تمہیں اب روکوں گا بھی نہیں۔ میں تمہارے جانے کا بندوبست کردوں گا۔"

اور جب میں نے بتایا کہ جانکی اور تھائی بھی میرے ساتھ جانا چاہتی ہیں تو مہاراج کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

اور پھر ایک ہفتے بعد ہمارے پاسپورٹ بھی تیار ہوگئے۔

میں نے کئی روز پہلے ہی سنگاپور میں انسپکٹر چیانگ شو کو بتا دیا تھا کہ میں واپس آنے والا ہوں۔ سنگاپور میں ہمارے مکان کی چابیاں اس کے پاس تھیں۔ اس نے وعدہ کیا کہ میرے آنے سے پہلے مکان ٹھیک کروا دے گا۔ انسپکٹر چیانگ شو سے ویسے بھی وقتاً فوقتاً ٹیلی فون پر میری بات ہوتی رہتی تھی۔ وہ یہ جان کر بے حد خوش ہوا تھا کہ میں واپس آنے والا ہوں۔

بنکاک میں اگلے چند روز بڑی مصروفیت میں گزرے۔ سب کو پتا چل گیا تھا کہ میں واپس جانے والا ہوں۔ دعوتوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہمیں تحائف سے لاد دیا گیا اور بالآخر وہ دن بھی آگیا جب ہم بنکاک کو الوداع کہنے والے تھے۔ ماسٹر ہوچن اور پھر مہاراج سے رخصت ہوتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ان سے بچھڑنے کا مجھے بہت افسوس ہو رہا تھا۔ مہاراج میرا روحانی باپ تھا۔ انہوں نے مجھے جینا سکھایا تھا اور میں مرتے دم تک انہیں نہیں بھول سکتا تھا۔

سنگاپور کے چانگئی ائرپورٹ پر انسپکٹر چیانگ شو نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ ہم کئی سال بعد ایک دوسرے سے ملے تھے۔ انسپکٹر چیانگ شو تو مجھے نہیں پہچان سکا تھا مگر میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ بوڑھا ہوگیا تھا مگر اس کی شخصیت اب بھی بہت شان دار تھی۔

وہ ہمیں سیدھا گھر لے جانے کے بجائے ایک ہوٹل میں لے گیا جہاں پہلے سے ہمارے لیے ایک کمرے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ انسپکٹر چیانگ شو بھی شام تک ہمارے ساتھ ہوٹل ہی میں رہا۔ شام سے ذرا پہلے حارہ کاشی اور چاچا پرتاب سنگھ کے دوست خشونت سنگھ کی بیوی رنجنی اور بیٹی ارملا بھی آگئیں۔ خشونت سنگھ کا انتقال ہوچکا تھا اور ارملا شادی کے بعد دو بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ ان کی آمد کے تھوڑی ہی دیر بعد ہمارے محلے کی دو خواتین بھی آگئیں۔ ان میں ایک ادھیڑ عمر تھی اور دوسری بوڑھی ہوچکی تھی۔ ان سب کو انسپکٹر چیانگ شو نے بلایا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ جب میں گھر میں داخل ہوں گا تو میری کیا کیفیت ہوگی اسی لیے اس نے ان سب کو یہاں جمع کرلیا تھا۔

اور پھر اسی رات نو بجے کے قریب جب میں نے گھر کے دروازے میں قدم رکھا تو میری عجیب سی کیفیت تھی۔ دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے روشنی کے چمکتے ہوئے لہریے سے رقص کرنے لگے۔ میں بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہوں لیکن اس وقت نہ جانے مجھے کیا ہوا تھا کہ میں اپنے حواس پر قابو نہیں پا سکا۔ جذبات آنسوؤں کا سیلاب بن کر بہہ نکلے اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

میں اس گھر کے در و دیوار سے لپٹ لپٹ کر خوب رویا۔ انسپکٹر چیانگ شو اور دوسرے لوگ مجھے گلے سے لپٹا لپٹا کر دلاسا دیتے رہے۔ میں جب پرسکون ہوا تو میرے یہ مہمان ایک ایک کرکے جانے لگے۔ آخر میں صرف انسپکٹر چیانگ شو رہ گیا تھا۔

رات کے دو بج چکے تھے۔ میں تھائی، جانکی اور انسپکٹر چیانگ شو کے ساتھ لیونگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت چاچا پرتاب سنگھ کی باتیں ہو رہی تھیں۔ چاچا پرتاب سنگھ کے تذکرے پر بھی میرا دل بھر آیا اور میں ایک بار پھر ہچکیاں لینے لگا۔ وہ خوفناک منظر میری آنکھوں کے سامنے گھوم گیا جب مجھے بچانے کے لیے اس نے اپنی جان دے دی تھی۔

سوا دو بجے کے قریب انسپکٹر چیانگ شو جانے کے لیے اٹھ گیا۔

"ایک بات اور۔" وہ پہلے جانکی اور تھائی اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں تم لوگوں کی حفاظت کے لیے دو آدمی یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

"کیوں؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا "تم جن دشمنوں سے بچنے کے لیے برسوں تک مختلف ملکوں میں بھاگے پھرتے رہے ہو وہ بھی دوبارہ یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

"کیا۔۔۔!" میں اچھل پڑا۔

مجھے انسپکٹر چیانگ شو کی بات کا یقین نہیں آرہا تھا۔ میں کچھ کہے بغیر پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

میرے سر پر گویا بم پھٹ پڑا تھا۔

یہ خبر ہی ایسی تھی جس نے وقتی طور پر میرے حواس مختل کردیے تھے۔ میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں اور گردن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

مجھے یاد تھا۔ چی فانگ سے آخری مرتبہ میرا سامنا بنکاک میں مادام اوتوکو کے فلیٹ پر ہوا تھا۔ دارا ابھی وہیں موجود تھا۔ وہ دونوں اس فلیٹ میں داد عیش دے رہے تھے اور ہم نے چھاپا اس طرح مارا تھا کہ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوسکی تھی لیکن عین آخری لمحوں میں بازی اس طرح پلٹ گئی تھی کہ دارا تو سونے کو ڈھال بنا کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا اور چی فانگ ہمارے قبضے میں آگیا تھا جسے پولیس کے حوالے کردیا گیا تھا۔ اس کے چند روز بعد لیڈی باکسنگ پروموٹر مس شیوانی کے فلیٹ پر دارا سے بھیڑ ہوئی تھی جہاں دارا نے مقابلے کے بجائے فرار کو ترجیح دی تھی اور اس کوشش میں اس کے ایک ہاتھ کی انگلی بھی کٹ گئی تھی۔

مس شیوانی کے فلیٹ سے دارا کے فرار کے چند روز بعد چی فانگ بھی حیرت انگیز طور پر پولیس کی حراست سے فرار ہوگیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر وہ دونوں مل گئے تو ایک بار پھر نئے سرے سے بنگاے شروع ہوجائیں گے مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کی بھی نئی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ رتنا کوسن نے اپنی نگرانی میں بنکاک میں زبردست قسم کا آپریشن کریک ڈاؤن شروع کر رکھا تھا۔ جرائم پیشہ لوگ یا تو بنکاک چھوڑ گئے تھے یا اپنی اپنی پناہ گاہوں میں دبک گئے تھے۔ کافی لوگوں کو آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا گیا تھا۔

دارا اور چی فانگ کی خاموشی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ میں نے اس کے حواریوں اور حمایتیوں کی بنیادیں تک کھود ڈالی تھیں۔ وہ جب بنکاک میں آئے تھے تو انہیں ٹائیگر مل گیا تھا۔ ٹائیگر میرے ہاتھوں ختم ہوا تو اس کی جگہ پیڈرو نے لی تھی مگر طویل عرصے کی جنگ کے بعد پیڈرو بھی ختم ہوگیا اور دارا کو گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف فرار ہونا پڑا۔ وہ تھائی کو بھی یرغمال بنا کر لے گیا تھا جس کی وجہ سے مجھے بھی گولڈن ٹرائی اینگل کا رخ کرنا پڑا۔ گولڈن ٹرائی اینگل، خوں خوار بھیڑیوں کا بھٹ۔ میں نے وہاں داخل ہو کر بہت بڑی حماقت کی تھی مگر قسمت اچھی تھی۔ میں ان لوگوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچاتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ آپ کے علم میں آچکا ہے۔

دارا سے آخری تصادم کے بعد میں تقریباً ایک ڈیڑھ مہینہ بنکاک میں رہا تھا۔ اس دوران میں خاموشی ہی رہی تھی۔ کوئی ہنگامہ نہیں ہوا تھا۔ رتنا کوسن کا آپریشن کریک ڈاؤن جاری تھا۔ دارا اور چی فانگ کو تلاش کیا جا رہا تھا مگر ان کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ میں یہی سمجھتا رہا تھا کہ وہ دونوں بنکاک ہی میں کہیں روپوش ہوگئے ہیں لیکن اب انسپکٹر چیانگ شو سے ملنے والی یہ اطلاع میرے لیے بم کا دھماکا ہی ثابت ہوئی تھی کہ وہ دونوں مجھ سے پہلے سنگاپور پہنچ چکے تھے۔

یہ خبر سنتے ہی میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ میرے جبڑے بھنچ گئے۔ میری مٹھیاں بھی اس سختی سے بھنچ گئی تھیں کہ انگلیوں کے جوڑ سفید ہوگئے۔

"ایزی، مائی بوائے ایزی۔" انسپکٹر چیانگ شو نے آگے بڑھ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "تم نے انہیں تھائی لینڈ میں نہیں ٹکنے دیا۔ انہیں جب پتا چلے گا کہ تم یہاں پہنچ گئے ہو تو وہ یہاں سے بھی فرار ہونے کی کوشش کریں گے اور پھر ہم بھی یہاں موجود ہیں۔ سنگاپور کی پولیس بنکاک پولیس سے بہت مختلف ہے۔ ہم انہیں تلاش کر رہے ہیں جیسے ہی سراغ ملا ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی جائیں گی۔"

"وہ لوگ یہاں کب آئے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"دارا کے آنے کی اطلاع تو پندرہ دن پہلے ملی تھی۔" انسپکٹر چیانگ شو نے جواب دیا "اسے چانگئی ائرپورٹ پر دیکھا گیا تھا اس کے بعد وہ غائب ہوگیا اور پھر ایک ہفتہ پہلے چی فانگ کو بھی دیکھا گیا۔ وہ ٹرین کے ذریعے آیا تھا۔ اسپیشل پولیس کے ایک آدمی نے اسے پہچان لیا۔ اسے پکڑنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ پولیس مین کو زخمی کرکے فرار ہوگیا۔ ان کے تمام پرانے اڈوں اور پرانے دوستوں کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ ابھی تک ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ میرا خیال ہے وہ کسی جزیرے پر روپوش ہیں۔ انہیں تلاش کرلیا جائے گا اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اب اس جزیرے پر وہ پرانی کہانی دہرائی نہیں جائے گی لیکن بہرحال تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے چیانگ انکل۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "میں محتاط رہوں گا لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے محافظوں کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنے آدمی واپس لے جائیے۔ میں اپنی حفاظت خود کرسکتا ہوں۔"

"اوکے۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا "میں چلتا ہوں۔ کل کسی وقت ملاقات ہوگی۔"

چیانگ شو نے میرے بعد جانکی اور تھائی سے بھی ہاتھ

ملایا۔ میں اسے رخصت کرنے کے لیے باہر کے دروازے تک آیا اور اس وقت تک باہر ہی کھڑا رہا جب تک اس کی جیپ گلی کا موڑ گھوم کر نگاہوں سے اوجھل نہ ہوگئی۔ میں دروازہ بند کرکے اندر آگیا۔ انسپکٹر چیانگ شو نے کہا تھا کہ وہ میری حفاظت کے لیے مقرر کیے جانے والے اپنے آدمیوں کو واپس بھیج دے گا لیکن مجھے یقین تھا کہ حفاظت کے لیے اس کا کوئی نہ کوئی آدمی سادہ لباس میں ہمارے آس پاس موجود رہے گا۔

تھائی اور جانگی ڈرائنگ روم ہی میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور ہم دیر تک دارا اور چی فانگ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ اب یہاں ہاتھ پیر پھیلانے کی کوشش نہیں کریں گے۔" میں نے کہا "یہاں ان کے گروہ کا شیرازہ پہلے ہی بکھر گیا تھا۔ ہمارے بنکاک جانے کے بعد اس کے کزن جمال نے یہاں قدم جمانے کی کوشش کی تھی اور میں نے انسپکٹر چیانگ شو کو بنکاک سے فون پر اطلاع دے دی تھی۔ جس نے وہ سینڈیکیٹ قائم ہونے سے پہلے توڑ دیا۔ جمال اور اس کے ساتھی ابھی تک جیل میں ہیں۔ اب یہاں کی صورت حال کیا ہے' اس کے بارے میں' میں نہیں جانتا لیکن ایک بات طے ہے کہ اب وہ لوگ یہاں قدم نہیں جما سکیں گے۔"

"لیکن ان کے یہاں آنے کا مقصد کیا ہوسکتا ہے؟" جانگی نے کہا۔

"مقصد کچھ بھی رہا ہو لیکن اب وہ یہاں نہیں ٹکیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ بات کرتے ہوئے اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ میں تھائی لینڈ میں کئی مرتبہ دارا کے ہاتھ لگا تھا۔ وہ ایسے کسی بھی موقع پر مجھے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن اسے کسی طرح یہ پتا چل گیا تھا کہ میرے ڈیڈی نے لاہور چھوڑنے سے پہلے ان کا جو سونا غائب کیا تھا' اس کا راز کسی ڈائری میں محفوظ ہے اور میں اس ڈائری کے بارے میں جانتا ہوں۔ وہ کروڑوں کی مالیت کا سونا تھا اور اب تو اس کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی ہوگی۔ بنکاک میں مادام اوتو کے فلیٹ پر دارا نے کہا تھا کہ وہ اپنا سب کچھ ہار چکا ہے۔ اس کے سارے منصوبے ملیامیٹ ہوچکے ہیں اس کے پاس کچھ نہیں بچا۔ وہ بالکل قلاش ہوچکا ہے لیکن پاکستان میں میرے ڈیڈی کا چھپایا ہوا سونا اب بھی محفوظ ہے اور وہ ڈائری میرے قبضے میں ہے جس میں سونے کا راز پوشیدہ ہے۔ وہ سونا اس کے نقصان کا ازالہ کرسکتا ہے اور وہ مجھ سے وہ ڈائری ضرور حاصل کرے گا۔

اب مجھے دارا کے سنگاپور آنے کے مقصد کا پتا چل گیا تھا۔ سنگاپور دارا کے لیے ڈینجر زون تھا۔ یہاں سے فرار ہونے سے پہلے یہاں وہ لاتعداد جرائم کا مرتکب ہوچکا تھا۔ کئی بے گناہ اس کے ہاتھوں مارے جاچکے تھے۔ چی فانگ اور دارا سنگاپور پولیس کو سب سے زیادہ مطلوب تھے۔ انہیں تو اس طرف کا رخ بھی نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن وہ دونوں یہاں پہنچ گئے تھے۔ دارا ہر قیمت پر وہ سونا حاصل کرنا چاہتا تھا اور ڈائری کے بغیر اسے سونے کا سراغ نہیں مل سکتا تھا۔ وہ یقیناً ڈائری کی تلاش ہی میں یہاں آیا تھا لیکن اسے کچھ کرنے کا موقع شاید اس لیے نہیں مل سکا تھا کہ یہاں اس کی آمد کا پتا چل گیا تھا اور پولیس سرگرم ہوگئی تھی۔

میں نے تھائی اور جانگی کو اپنے خیالات سے آگاہ کیا تو ان دونوں کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"یقیناً یہی بات ہے۔" جانگی نے کہا "اس کے یہاں آنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا اور اب تک اس کی خاموشی بھی بلاوجہ نہیں ہوگی۔"

"پولیس کو اس کی آمد کا پتا چل گیا تھا۔" میں نے کہا "اس کی تلاش فوراً ہی شروع ہوگئی تھی۔ اس کے تمام پرانے اڈوں کی نگرانی ہورہی ہے اس لیے وہ کہیں دبک کر بیٹھ گیا ہے۔ اس کی یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے اور یہ طوفان اچانک ہی اٹھے گا۔"

"یہاں بنکاک والی صورت حال تو نہیں ہے۔" جانگی نے کہا "وہاں تو ان کے درجنوں حواری موجود تھے۔ دارا انہیں کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ ملالیتا تھا لیکن یہاں۔"

"تم شاید بھول رہی ہو کہ شروعات یہیں سے ہوئی تھیں۔" میں نے کہا "اس نے پاکستان سے یہاں آتے ہی پنجے گاڑ... لیے تھے۔ پیسے کے لالچ میں ہر کوئی برائی کا حصہ بننے کو تیار ہوجاتا ہے۔ اس کے کچھ پرانے دوست اب بھی یہاں موجود ہیں۔ وہ دونوں اتنے دنوں سے یہاں روپوش ہیں اور پولیس ان کا سراغ نہیں لگا سکی۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں یہاں آتے ہی کچھ لوگوں کی ہمدردیاں حاصل ہوچکی ہیں جنہوں نے انہیں پناہ دے رکھی ہے۔ ہوسکتا ہے دارا نے اندر ہی اندر اپنے کچھ حمایتی تیار کرلیے ہوں یا ایسا کرنے کی کوشش کررہا ہو اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ وہ موقع پاکر اچانک ہی کچھ کرے گا۔ ہوسکتا ہے اسے ہماری آمد کا پتا چل چکا ہو۔ وہ پہلے سے زیادہ محتاط ہوجائے گا۔"

جانگی اس مرتبہ خاموش رہی۔ تھائی تو اس دوران میں

خاموش بیٹھی رہی تھی۔ ہم جب سے یہاں آئے تھے وقت سے مہمانوں کی آمدورفت لگی رہی تھی۔ گلی کے ن سے لوگ بھی آتے رہے تھے اور ہم لوگ ڈرائنگ روم ن اٹھ کر کسی اور کمرے میں نہیں جاسکے تھے۔ دو بجے انسپکٹر چیانگ شو کے جانے کے بعد بھی ہم یہیں بیٹھے رہے ے اور اس وقت تین بجنے والے تھے۔ جانگی جماہی لیتے ے اٹھ گئی۔

"اب تو نیند آرہی ہے لیکن سونے سے پہلے میں تمہارا کان دیکھنا چاہتی ہوں۔ جب سے آئے ہیں ایک ہی کمرے بیٹھے ہوئے ہیں۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تھائی بھی اٹھ گئی۔ میں انہیں گھر دکھانے لگا۔ مختلف روں سے ہوتے ہوئے میں انہیں اپنے ای ابو والے بیڈ م میں لے آیا۔ یہ مکان کئی سال بند رہا تھا لیکن میرے نے سے پہلے انسپکٹر چیانگ شو نے بڑی محنت سے صفائی وائی تھی۔ ہر چیز صاف ستھری نظر آرہی تھی۔ میں نے نگ ٹیبل کی سب سے اوپر والی دراز کھولی۔ اس میں ین پلس اسٹیل کا وہ خوب صورت فریم رکھا ہوا تھا جس ائی اور ڈیڈی کی تصویر تھی۔ میں نے وہ فریم اٹھالیا۔ میرا ل ہے کہ یہ فریم صاف کرکے ٹیبل پر رکھنے کے بجائے ان جان بوجھ کر دراز کے اندر رکھ دیا گیا تھا تاکہ فوری طور پر ن نظر اس پر نہ پڑ سکے۔

میں فریم اٹھا کر تصویر دیکھنے لگا۔ میری آنکھوں میں نمی تی تھی۔

تھائی نے فریم میرے ہاتھ سے لے لیا۔ چند لمحے تصویر تی رہی پھر میرا کندھا تھپتھپانے لگی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ ر کس کی ہوسکتی ہے۔ جانگی نے بھی تصویر لے کر دیکھی پھر فریم ڈریسنگ ٹیبل پر سجا دیا۔ میرے منہ سے بے اختیار ہنکی سی نکل گئی۔

میں دوسری درازیں کھول کر دیکھنے لگا۔ نیچے والی دراز میں بھی ایک فریم شدہ تصویر موجود تھی۔ یہ تصویر ممی ڈیڈی کے قتل سے تقریباً دو مہینے پہلے گھر کے آنگن میں کھینچی گئی تھی۔ ڈیڈی کو یہ تصویر بہت پسند آئی تھی اور انہوں نے اظہار کروا کر فریم میں لگوالیا تھا۔

"یہ تصویر کس کی ہے؟" جانگی نے پوچھا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ یہ تصویر کس کی ہوسکتی ہے "بہت پیارا سا لڑکا ہے۔ کون ہے یہ؟"

"ارے تم نے پہچانا نہیں جانگی۔ تمہارے سامنے ہی تو تھا یہ لڑکا۔" تھائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گویا تم بچپن ہی سے ایسے تھے۔ دوسروں کو پریشان کرنے والے۔" جانگی بھی مسکرادی۔

"بچپن کی نہیں یہ میرے لڑکپن کی تصویر ہے۔ ممی ڈیڈی کے انتقال سے تقریباً دو مہینے پہلے کھینچی گئی تھی۔ اس روز میری چودھویں سالگرہ تھی۔ مجھے ایک ایک لمحہ اور ایک ایک بات یاد ہے۔ رات کو ہم ہوٹل سے ڈنر کرکے واپس آرہے تھے۔ ہماری ٹیکسی جیسے ہی دروازے کے سامنے رکی تھی ایک اور کار ہمارے قریب آکر رکی تھی اور دارا اور اس کے ساتھیوں نے ممی ڈیڈی کو گھیر کر ان پر حملہ کردیا تھا اور میں۔" میں اپنی بات پوری نہیں کرسکا۔ میری آواز بھرا گئی تھی۔

تھائی نے ایک بار پھر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ مجھے کمرے سے باہر لے آئی۔ لاؤنج میں رک کر اس نے میرے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ دیے اور میرے چہرے پر نظر جماتے ہوئے بولی۔

"تم نے نوعمری میں اپنی آنکھوں کے سامنے زندگی کی بہت بڑی ٹریجڈی دیکھی۔ تم نے بڑے ضبط اور صبر سے کام لیا۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں پرتاب سنگھ اور انسپکٹر چیانگ شو جیسے سرپرست مل گئے تھے۔ ان لوگوں نے تمہیں محبت بھی دی اور تمہارے اندر زندگی کا حوصلہ بھی پیدا کیا۔ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا میں اس سے ناواقف تو نہیں ہوں۔ تم نے بڑی کٹھنائیاں برداشت کی ہیں۔ اب تم جوان ہو۔ اور اب تو تمہیں زیادہ حوصلے کی ضرورت ہے۔ ابھی تمہارا مشن پورا تو نہیں ہوا۔ تم نے تو قسم کھائی تھی کہ جب تک اپنے ماں باپ کے قتل کا انتقام نہیں لے لوگے تمہیں چین نہیں آئے گا اور اگر حوصلہ ہار بیٹھے تو اپنے مشن کو کیسے پایۂ تکمیل تک پہنچاؤ گے۔"

"میں نے حوصلہ نہیں ہارا تھائی۔" میں نے جواب دیا "بہت عرصے بعد یہاں آیا ہوں نا۔ ایک ایک چیز ممی ڈیڈی کی یاد دلا رہی ہے۔ میری ہمت اور میرا حوصلہ اب بھی قائم ہے۔ یہاں چاچا پرتاب سنگھ اور انسپکٹر چیانگ شو نے مجھے سہارا دیا اور تھائی لینڈ میں مہاراج اور تم دونوں میرا حوصلہ بڑھاتی رہیں۔ اگر مجھے تم لوگوں سے حوصلہ نہ ملتا تو میں عرصہ پہلے زندگی کی بازی ہارچکا ہوتا۔"

"ساڑھے تین بج رہے ہیں۔" تھائی دیوار پر آویزاں گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "میرا خیال ہے اب سوجانا چاہیے۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ باقی باتیں ہم صبح

کریں گے۔"

میں ممی ڈیڈی والے بیڈ روم میں سونا چاہتا تھا لیکن وہ مجھے دوسرے کمرے میں لے آئیں جسے میرا بیڈ روم تھا۔ میں پہلے بھی یہیں سویا کرتا تھا۔ مجھے اس کمرے میں چھوڑ کر وہ دونوں سامنے والے کمرے میں چلی گئیں جو دراصل گیسٹ روم تھا اور اس کا ایک دروازہ برآمدے کی طرف بھی کھلتا تھا۔ میرے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور جانکی اور تھائی نے بھی اپنے کمرے کا دروازہ کھلا رہنے دیا تھا۔

مجھے سامنے والے کمرے سے ان دونوں کی سرگوشیوں میں باتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ آوازیں بند ہوگئیں۔ میرا خیال ہے وہ دونوں سوگئی تھیں لیکن میں دیر تک جاگتا رہا اور ممی ڈیڈی کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے آج بڑی شدت سے ان کی یاد آرہی تھی۔ ان کے مسکراتے ہوئے چہرے بار بار میری نگاہوں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس وقت غنودگی سی طاری ہورہی تھی اور پھر یوں لگا جیسے ایک ہیولا کمرے میں داخل ہوا ہو۔ مسکراتا ہوا وہ چہرہ مامتا کے نور سے روشن ہورہا تھا۔

وہ ہیولا میرے قریب آکر بستر پر بیٹھ گیا۔ اس نے میرا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ میں اپنے آپ کو بادلوں میں اڑتا ہوا محسوس کرنے لگا۔ میری نظریں اس مامتا بھرے مسکراتے ہوئے چہرے پر مرکوز تھیں۔ نقش واضح نہیں تھے لیکن وہ میری ماں کا چہرہ تھا۔ وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے مسکراتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

غنودگی گہری ہوتی گئی اور پھر نیند کی گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ آنکھوں پر چمک پڑنے سے میری آنکھ کھل گئی۔ کھڑکی سے آنے والی دھوپ میرے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ میں چند لمحے یونہی بے حس و حرکت پڑا رہا اور پھر ایک اور بات محسوس کرکے میں چونک گیا۔ میرا سر تکیے کے بجائے کسی کی آغوش میں تھا۔ میں نے ہلنا چاہا تو ایک نرم اور گداز ہاتھ نے ہلکا سا دباؤ ڈال کر مجھے حرکت کرنے سے روک دیا اور بڑے ہولے ہولے میرے بالوں میں انگلیاں چلنے لگیں۔

میں نے بڑی آہستگی سے اپنی گردن کو حرکت دی اور اس کے ساتھ ہی میرے پورے جسم میں سنسنی سے پھیلتی چلی گئی۔ وہ تھائی تھی جو پلنگ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز سو رہی تھی۔ میرا سر اس کی گود میں تھا۔ اس کا ایک ہاتھ میرے سینے پر تھا اور دوسرا سرپر۔ میں نے جب ہلنے کی کوشش کی تھی تو اس نے نیند ہی میں مجھے ہلنے سے روک دیا تھا اور میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی تھی۔

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہورہی تھی۔ تو رات کو میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔ کمرے میں آنے والا وہ ہیولا اور مامتا کے نور سے منور وہ چہرہ محض تصور نہیں تھا۔ وہ تھائی تھی جو میرے کمرے میں آگئی تھی اور میرا سر اپنی گود میں رکھ کر اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔

مجھے یاد آگیا۔ بنکاک میں بھی ایک مرتبہ وات ٹرمبٹ کے کمرے میں تھائی اسی طرح میرا سر اپنی گود میں رکھے رات بھر بیٹھی رہی تھی۔

میں چند لمحے تھائی کے چہرے کو دیکھتا رہا اور پھر بڑی آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے سینے سے ہٹا کر اپنا سر اس کی گود سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ تھائی کی آنکھ کھل گئی۔

"سوجاؤ۔ ابھی رات باقی ہے۔" تھائی کا انداز بڑبڑانے والا تھا اور لہجہ خوابیدہ سا تھا۔

"تھائی۔" میں نے کہا۔

تھائی کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے آنکھیں پوری طرح کھول دیں۔ وہ میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر وہی مامتا کا نور نظر آیا جو میں نے خواب تصور سے دیکھا تھا۔

"تھائی۔" میں ہولے سے بولا "تم یہاں کب آئیں اور کب سے اس طرح بیٹھی ہوئی ہو؟"

"تم شاید نیند میں اپنی ممی کو پکار رہے تھے۔" تھائی نے بھی ہولے سے جواب دیا "تمہاری آواز سن کر میں یہاں آگئی۔ تم نیند میں بے چین ہورہے تھے اور بار بار ممی کو پکار رہے تھے۔ میں نے تمہارا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور تم پرسکون ہوتے چلے گئے اور پھر میں نے یہاں سے اٹھنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"تھائی تم۔" میں اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکا۔

تھائی نے جھک کر میری پیشانی پر بوسہ دیا اور میں اٹھ کر تھائی سے لپٹ گیا۔ تھائی نے مجھے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ اس کے سینے سے لگ کر مجھے بڑا سکون مل رہا تھا۔ جیسے مجھے ماں کی ممتا بھری آغوش مل گئی ہو۔

تھائی میری پیشانی پر بوسے دیتے ہوئے میری پیٹھ سہلا رہی تھی۔ میرے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ میں ایک عجیب سرور کی سی کیفیت میں ڈوبتا چلا گیا۔ میری آنکھیں ایک بار پھر بند ہونے لگیں۔

میں تھائی کی آغوش میں پھر سو گیا تھا اور جب دوبارہ آنکھ کھلی تو میرا سر تھائی کی گود میں نہیں تکیے پر تھا البتہ تھائی پلنگ

کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی میرے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"اٹھنے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

"آج تو واقعی اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اتنی آسودگی اور اتنا سکون میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا۔ لگتا ہے آج طویل عرصے بعد ممتا کی آغوش میں دبک کر سویا ہوں۔ واقعی اٹھنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"انسپکٹر چیانگ شو دو مرتبہ فون پر تمہیں پوچھ چکا ہے اور گلی کے کچھ لوگ بھی بار بار آرہے ہیں۔" تھائی نے کہا۔

"پھر تو اٹھنا ہی پڑے گا۔" میں نے کہتے ہوئے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا "ارے۔ دو بجنے والے ہیں۔" میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

باتھ روم سے فارغ ہو کر نکلا تو تھائی کمرے میں نہیں تھی۔ کچن کی طرف سے برتنوں کی آواز سنائی دے رہی تھی اور اشتہا انگیز خوشبو میرے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔ یک لخت مجھے بھوک کا احساس ہونے لگا۔ گزشتہ رات بھی ہم نے برائے نام ہی کھانا کھایا تھا۔ مجھے اچانک ہی یہ خیال بھی آیا تھا کہ جانکی اور تھائی بھی بھوکی ہوں گی کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ میرے بغیر کھانا نہیں کھاتی تھیں لیکن اس بات پر بھی حیرت تھی کہ جانکی نے شور کیوں نہیں مچایا تھا۔ اس کی آواز سنائی کیوں نہیں دے رہی تھی۔ اس سے تو بھوک برداشت نہیں ہوتی تھی اور وہ ہنگامہ کھڑا کردیا کرتی تھی۔

میں نے اپنے کمرے سے نکل کر سامنے والے کمرے کا رخ بھانکا۔ جانکی وہاں نہیں تھی۔ میرا خیال تھا وہ بھی تھائی کے ساتھ کچن میں ہوگی لیکن وہ کچن میں بھی نہیں تھی۔

"جانکی کہاں ہے؟" میں نے کچن کے دروازے پر رک کر تھائی سے پوچھا۔

"سامنے والے مکان میں کوئی انڈین فیملی رہتی ہے۔ کوئی مس رنجنا پاٹیل ہے۔ وہ یہاں آئی تھی۔ جانکی اس کے ساتھ چلی گئی ہے۔" تھائی نے بتایا۔

"مس رنجنا پاٹیل۔" میں سوچنے والے انداز میں بولا "اس نام کی تو کوئی عورت اس گلی میں نہیں رہتی۔ سامنے والے مکان میں تو ایک پارسی فیملی رہتی ہے۔ نام شاید مجھے یاد نہیں آرہا۔"

"تم اپنے بچپن کی بات کررہے ہو۔" تھائی نے کہا "تم کئی سال باہر رہے ہو۔ اس دوران میں یہاں بہت سی تبدیلیاں آگئی ہوں گی۔ مس رنجنا بتا رہی تھی کہ انہوں نے یہ مکان تقریباً دو سال پہلے خریدا تھا۔"

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "ہاں۔ واقعی بہت سی تبدیلیاں آچکی ہوں گی لیکن۔ تم یہ پتیلی میں کیا پکا رہی ہو۔ خوشبو تو بہت مزے کی آرہی ہے۔ میرا خیال ہے گھر میں تو ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔"

"گھر میں برتن تو تھے۔" تھائی نے جواب دیا "تمہیں یاد ہے انسپکٹر چیانگ شو رات کو کچھ رقم دے گیا تھا۔ جانکی صبح ہی مارکیٹ سے کچھ چیزیں لے آئی تھی۔ میں نے اسٹو کے لیے کہا تھا۔ سب کچھ تیار ہوچکا ہے۔ صرف تمہارا انتظار تھا۔"

"میں جانکی کو بلاتا ہوں۔ تم کھانا نکالو۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" میں نے کہا۔

باہر آکر میں نے گلی میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ مجھے سب کچھ بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ میں دو قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ سامنے والے مکان کا دروازہ کھلا اور جانکی نمودار ہوئی۔ اس کے پیچھے ایک اور ادھیڑ عمر عورت بھی تھی۔ اس نے گلابی رنگ کی ساڑی پہن رکھی تھی۔ ماتھے پر بندیا بھی نظر آرہی تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہی مس رنجنا پاٹیل تھی۔

جانکی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی میری طرف آگئی۔

"تمہاری دوستی شروع ہوگئی۔" میں نے کہا۔

"موقع ملا ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے نا۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اب جلدی سے اندر چلو۔ مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"کیوں۔ مس رنجنا نے کچھ کھلایا نہیں۔" میں نے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"وہ بے چاری تو کھانے کو بہت کہہ رہی تھی مگر میں نے ہی منع کردیا پھر اس نے کافی بنالی۔ خالی پیٹ بلیک کافی پی کر آنتیں سلگ اٹھی ہیں۔" جانکی نے جواب دیا۔

ہم دونوں اندر آگئے۔ تھائی اس وقت میز پر کھانا لگا رہی تھی۔ جانکی نے کرسی پر بیٹھتے ہی ہاتھ مارنا شروع کردیے۔

میں کھانا ختم کرکے کرسی سے اٹھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔ وہ انسپکٹر چیانگ شو کی کال تھی۔ اس نے یونہی خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ کئی منٹ تک فون پر گپ شپ ہوتی رہی۔

"آج شام کی چائے تم لوگ میرے ساتھ پیو۔" اس نے آخر میں کہا "شام پانچ بجے ہیاٹ ریجنسی کے ہوگو

ریسٹورنٹ میں آجاؤ۔ وہیں بیٹھ کر گپ شپ ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم پہنچ جائیں گے۔" میں نے جواب دیا اور چند جملوں کے تبادلے کے بعد میں نے ریسیور رکھ دیا۔

میں نے جانکی اور تھائی کو بتا دیا کہ شام کی چائے انسپکٹر چیانگ شو کے ساتھ پی جائے گی۔ وہ دونوں اٹھ کر برتن سمیٹنے لگیں۔ اس کے بعد ہم لاؤنج ہی میں بیٹھے باتیں کرنے لگے۔ مجھ پر حسب معمول کھانے کے بعد غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ نیند کے جھونکے آرہے تھے اور پھر کال بیل کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ جانکی مجھ سے پہلے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ چند منٹ بعد واپس آئی تو اس کے ساتھ دو عورتیں اور ایک آدمی تھا۔ اس کے سرپر مخصوص انداز میں بندھی ہوئی پگڑی دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ سکھ ہے۔

وہ جگ جیت سنگھ اروڑا تھا۔ ادھیڑ عمر عورت اس کی بیوی امریتا کور اور جوان لڑکی اس کی بیٹی نرنجن کور تھی۔ جگ جیت سنگھ کی شکل وصورت تو واجبی سی تھی البتہ دونوں ماں بیٹیاں خاصی حسین تھیں۔

میں نے اٹھ کر جگ جیت سنگھ سے ہاتھ ملایا۔ دونوں خواتین کو سلام کیا اور ان کے بیٹھنے کے بعد خود بھی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ باتوں کی ابتدا ہی میں مجھے پتا چل گیا کہ جگ جیت سنگھ چاچا پرتاب سنگھ کا چچازاد بھائی تھا۔ وہ کافی عرصہ پہلے کام کی تلاش میں سنگاپور آیا تھا۔ کچھ عرصہ پرتاب سنگھ کے پاس بھی رہا تھا مگر قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا اور وہ ہندوستان واپس چلا گیا۔

بنکاک میں چاچا پرتاب سنگھ کی ہلاکت کے بعد سنگاپور میں اس کی جائداد کی وراثت کا مسئلہ کھڑا ہوا تو جگ جیت سنگھ ہی اس کا ایسا قریبی رشتے دار تھا جسے اس کا جائز وارث قرار دیا جاسکتا تھا۔

سنگاپور میں سکھوں کی تنظیم "خالصہ جتھہ" اور انسپکٹر چیانگ شو کے تعاون سے جگ جیت سنگھ کو ہندوستان سے سنگاپور بلالیا گیا اور پرتاب سنگھ کی ساری جائداد اور کاروبار قانونی طور پر اس کے حوالے کردیا گیا۔ انہی لوگوں کی کوششوں سے اسے یہاں کی شہریت بھی مل گئی اور اس نے اپنی بیوی اور بیٹی کو بھی یہاں بلالیا۔ ان کی رہائش پڑوس والے چاچا پرتاب سنگھ کے مکان ہی میں تھی۔

ان لوگوں کے مخلص اور ہمدرد ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ جانکی نے چائے بنالی تھی اور چائے کے ساتھ دیر تک باتوں کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ دونوں میاں بیوی بار بار مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اب مجھے پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ چار بجے جب وہ جانے لگے تو انہوں نے ہمیں رات کے کھانے پر بھی مدعو کرلیا۔ ہمارے انکار کے باوجود وہ اپنی ضد پر قائم رہے کہ ہم رات کا کھانا انہی کے گھر پر کھائیں گے۔

پونے پانچ بجے کے قریب ہم بھی تیار ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ جانکی نے ساڑی پہنی تھی۔ جو اس پر خوب جچ رہی تھی جبکہ تھائی نے پینٹ اور اوپن شرٹ پہنی تھی۔ میں نے جینز اور ٹی شرٹ کو ترجیح دی تھی۔

گلی سے نکل کر ہم مین روڈ پر آگئے۔ وہاں سے تقریباً دو سو گز آگے ریڈ کراس ہاؤس والے چوراہے کے قریب ٹیکسی اسٹینڈ سے ہمیں ٹیکسی مل گئی۔ میں اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور جانکی اور تھائی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ ٹیکسی کلی مینسی روڈ سے ہوتی ہوئی دوسرے چوراہے پر آرچرڈ روڈ پر مڑگئی۔

آرچرڈ روڈ پر اس وقت ٹریفک کا ازدحام تھا۔ جس وجہ سے ٹیکسی کی رفتار بھی کم رہی اور بالآخر طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد ٹیکسی اسکاٹس روڈ پر مڑگئی۔ اس طرف بھی ٹریفک کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ اس سڑک پر بھی بڑے بڑے شاپنگ سینٹرز اور لاتعداد فائیو اسٹار ہوٹلز کے علاوہ بڑی بڑی بین الاقوامی تجارتی کمپنیوں کے دفاتر تھے۔

ٹیکسی ہیاٹ ریجنسی ہوٹل کے گیٹ میں داخل ہو کر عالیشان پورچ میں رک گئی۔ پورچ میں کھڑے ہوئے ایک باوردی ملازم نے جلدی سے آگے بڑھ کر ٹیکسی کا پہلے اگلا دروازہ کھولا اور پھر پچھلا دروازہ بھی کھول دیا۔ میری جیب میں تو پیسے نہیں تھے۔ تھائی نے نیچے اتر کر کرایہ دینے کے لیے پرس کھولا تو کوئی چیز پرس سے نکل کر چھناکے کی آواز پیدا کرتی ہوئی نیچے گر گئی اور اس چیز کو دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

وہ پھل کاٹنے والی چھری تھی۔

میں نے جھک کر چھری اٹھاتے ہوئے ٹیکسی کے قریب کھڑے ہوئے ہوٹل کے ملازم کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی الجھن سی تیر گئی تھی اور تھائی کی حالت تو ایسی تھی جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔

"یہ کیا؟" میں نے تھائی سے تھائی زبان میں پوچھا۔

ہوٹل کا وہ ملازم انڈین یا پاکستانی تھا۔ وہ انگریزی یا چینی زبان تو سمجھ سکتا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ تھائی زبان نہیں سمجھتا ہوگا۔ اسی لیے میں نے تھائی زبان میں بات کی تھی۔

"ہمارے لیے سنگاپور میں بھی خطرہ تو بہرحال ہے نا۔" تھائی نے جواب دیا "کوئی اور ہتھیار تو تھا نہیں۔ اسی لیے میں

نے یہ چھری اپنے پرس میں رکھ لی تھی تاکہ اگر دارا یا چی فانگ کا آمنا سامنا ہوجائے تو۔"

میرے منہ سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ جانکی بھی ہنس پڑی۔ تھائی واقعی بہت معصوم تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید دارا یا چی فانگ خالی ہاتھ ہمارے سامنے آکر ہمیں للکاریں گے۔ تھائی کے چہرے پر خجالت سی تھی۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کرکے ایک ڈالر کا نوٹ ہوٹل کے ملازم کے ہاتھ پر بھی رکھ دیا اور مجھ سے چھری لے کر پرس میں رکھ دی۔

ہوٹل کے دروازے سے لابی میں داخل ہوتے ہوئے میں سنجیدگی سے تھائی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے اپنے رویے پر افسوس ہو رہا تھا۔ پھل کاٹنے والی چھری پرس میں رکھ کر تھائی نے کسی حماقت کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ یہ اس کی عقل مندی تھی۔ اس نے احتیاط کا دامن تو نہیں چھوڑا تھا۔ ضرورت کے وقت یہ معمولی سی چھری بھی خطرناک ہتھیار ثابت ہوسکتی تھی۔

ہوٹل کا ہوگو ریسٹورنٹ بہت شان دار تھا۔ سائڈ کی ایک میز پر بیٹھا ہوا انسپکٹر چیانگ شو ہمارا منتظر تھا۔ اس نے ہمیں دور سے دیکھ کر ہاتھ ہلا دیا اور ہم میزوں کے درمیان چکراتے ہوئے اس کی میز پر آگئے۔ انسپکٹر سادہ لباس میں تھا۔ گرے ایوننگ سوٹ میں اس کی شخصیت بہت شان دار لگ رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر ہمارا استقبال کیا۔

"تم لوگ پورے پندرہ منٹ لیٹ ہو۔" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"سوری انکل۔" میں نے کہا "پڑوس سے جگ جیت سنگھ انکل اپنی فیملی کے ساتھ آگئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد تیار ہو کر نکلے تو ٹیکسی کے لیے دور تک پیدل چلنا پڑا اور پھر سڑکوں پر ٹریفک کا ہجوم۔ اس طرح ہمیں دیر ہوگئی۔ میں ان کی طرف سے بھی معذرت چاہتا ہوں۔" میں نے تھائی اور جانکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"پہلا موقع ہے اس لیے معاف کیا۔" چیانگ شو مسکرایا "ویسے جگ جیت سنگھ اروڑا بڑا دلچسپ آدمی ہے۔ اس نے تمہیں بتایا ہوگا کہ وہ کون ہے اور اس مکان میں کیسے رہ رہا ہے۔"

"جی ہاں۔ اس سے خاصی تفصیلی باتیں ہوئی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کی بیوی امریتا کور بھی بڑی ہمدرد خاتون ہے۔ ان کی وجہ سے تم لوگوں کو بڑی سہولت ہوجائے گی۔ وہ جانکی اور تھائی کو یہاں اجنبیت محسوس نہیں ہونے دیں گی۔"

"اس کا اندازہ ہمیں ہوگیا ہے۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر چیانگ شو نے ویٹریس کو بلا کر چائے کے لیے کہہ دیا۔ چند منٹ بعد ہی میز چائے اور دیگر لوازمات سے سج گئی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ چیانگ شو نے ہمارے آنے سے پہلے ہی لمبا چوڑا آرڈر دے رکھا تھا۔

چائے نوشی کے دوران میں صورت حال پر تبادلہ خیال بھی ہوتا رہا۔ میرا تو آج یہاں پہلا دن تھا۔ یعنی آج پہلی مرتبہ ہی گھر سے باہر نکلا تھا۔ کچھ اندازہ نہیں تھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ البتہ صبح جانکی مارکیٹ سے سودا لینے گئی تھی تو اخبار بھی لے آئی تھی۔ اخبار میں میرے بارے میں بھی لکھا ہوا تھا کہ میں کس طرح اپنے ماں باپ کے قتل کے بعد اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ گیا تھا اور اب کئی سال بعد واپس آیا ہوں۔ دارا اور چی فانگ کے بارے میں بھی ایک خبر تھی کہ پولیس بڑی سرگرمی سے ان قاتلوں کو تلاش کر رہی ہے۔

تقریباً ایک گھنٹا ہم وہاں بیٹھے۔ انسپکٹر نے بل ادا کردیا اور ہم باہر آگئے۔ پارکنگ میں چیانگ شو کی کار کھڑی تھی۔ بہت پرانے ماڈل کی فیاٹ کار تھی۔

"آپ کی جیپ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ سرکاری جیپ ہے اسے میں صرف سرکاری کاموں کے لیے استعمال کرتا ہوں۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا "ڈیوٹی کے بعد اپنے پرائیویٹ کاموں کے لیے میں اپنی کار ہی استعمال کرتا ہوں۔ بیٹھو تم لوگ۔"

میں آگے پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا جبکہ تھائی اور جانکی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ کار ہوٹل کی پارکنگ سے نکل کر اسکاٹس روڈ پر آگئی اور وہاں سے آرچرڈ روڈ کی طرف مڑگئے۔

اس وقت شام ہوچکی تھی۔ پورا علاقہ رنگ برنگی روشنیوں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ ٹریفک کچھ اور بڑھ گیا۔ ٹریفک کی رفتار اگرچہ کم تھی مگر کاوٹ کہیں بھی نہیں تھی۔ ایک سسٹم کے تحت روانی کسی خلل کے بغیر جاری تھی۔

کار جب آرچرڈ روڈ سے کلی مینسی ایونیو کی طرف مڑی تو میں یہی سمجھا تھا کہ انسپکٹر چیانگ شو ہمیں گھر چھوڑنے کے لیے جارہا ہے لیکن کار ریڈ کراس بلڈنگ والے چوراہے سے فورٹ کیننگ روڈ پر مڑنے کے بجائے سیدھی نکل گئی تو میں نے گردن گھما کر انسپکٹر کی طرف دیکھا۔ انسپکٹر کچھ کہنے کے بجائے صرف مسکرا کر رہ گیا تھا۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تھائی اور جانکی بڑی دلچسپ نظروں سے باہر دیکھ رہی تھیں۔ میں پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کار ریور ویلی روڈ پر مڑ گئی آگے بہت بڑا چوراہا تھا جہاں سے کارنیو برج روڈ کی طرف گھوم گئی۔ اب میں سمجھ گیا کہ انسپکٹر چیانگ شو ہمیں چائنا ٹاؤن کی طرف لے جا رہا تھا۔

کار ریور واگ گیلریا اور چائنا ٹاؤن پوائنٹ شاپنگ سینٹر کے سامنے سے ہوتی ہوئی ریور برج روڈ پر دوڑتی رہی۔ یہاں واقعی بہت سی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ کئی سال پہلے جب میں ابو کے ساتھ دکان پر آیا کرتا تھا تو چائنا ٹاؤن کچھ اور ہوا کرتا تھا۔ تنگ سے بازار جہاں چلنے کو راستہ نہیں ملتا تھا' اندھیری گلیاں اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتی ہوئی پرانی عمارتیں مگر اب سب کچھ بدل چکا تھا۔ نہ اندھیری گلیاں تھیں اور نہ پرانی عمارتیں۔ لگتا تھا جیسے یہاں ایک نیا شہر آباد ہو گیا ہو۔ خوب صورت عالیشان کئی کئی منزلہ بلڈنگیں' کشادہ سڑکیں اور روشنیاں ایسی کہ رات کو بھی دن کا گماں گزرتا تھا۔

کارنیو برج سینٹر کے ساتھ اسمتھا اسٹریٹ پر مڑ گئی۔ اس کے ساتھ ہی چائنا ٹاؤن کمپلیکس بلڈنگ تھی۔ مجھے یہ سب کچھ دیکھ کر بہت حیرت ہو رہی تھی۔ اس جگہ بہت تنگ تنگ سی گلیاں اور بازار ہوا کرتے تھے مگر اب کئی کئی منزلہ شان دار شاپنگ سینٹرز تھے جو رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہے تھے اور گاہکوں کی خوب بھرمار تھی۔

مجھے یاد آیا کہ میرے ابو کی دکان اسی علاقے ہی میں... ساگو اسٹریٹ پر واقع ایک پرانی سی عمارت میں ہوا کرتی تھی اور جب کار ساگو اسٹریٹ پر گھومی تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ میں سمجھ گیا کہ انسپکٹر چیانگ شو یہ علاقہ دکھانے کے لیے مجھے اس طرف لایا تھا مگر ساگو اسٹریٹ بھی بالکل بدلی ہوئی نظر آرہی تھی۔ کوئی پرانی عمارت کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کئی کئی منزلہ جدید عمارتیں تھیں۔ جن کے گراؤنڈ لیول پر شان دار دکانیں اور اوپر تجارتی کمپنیوں کے دفاتر یا رہائشی فلیٹ تھے۔ میں ایک بار پھر پیچھے کی طرف گھوم گیا اور جانکی اور تھائی کو بتانے لگا کہ اس اسٹریٹ پر کہیں میرے والد کا جنرل اسٹور ہوا کرتا تھا لیکن اب تو وہ قدیم بلڈنگ بھی کہیں دکھائی نہیں دے رہی۔

کار ایک سائڈ اسٹریٹ پر مڑ کر رک گئی۔ انسپکٹر چیانگ شو نے انجن بند کر دیا۔

"یہاں آپ نے کار کیوں روک لی انکل۔ کوئی خاص بات؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے انسپکٹر چیانگ شو کی طرف دیکھا۔

"تمہاری ایک امانت ہے میرے پاس جو اب تمہیں لوٹانا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

ہم بھی نیچے اتر آئے۔ گلی سے نکل کر سڑک پر آئے تو سامنے ایک دکان پر "عابد علی اینڈ سن" کا بورڈ دیکھ کر اچھل پڑا۔ وہ کئی منزلہ جدید طرز تعمیر کی حامل عمارت تھی اور اس کے گراؤنڈ لیول پر تین بڑے بڑے جنرل اسٹور تھے اور وہ بورڈ درمیان والے اسٹور پر تھا۔

ایک لمحے کو تو میں سناٹے میں رہ گیا۔ ابو کے انتقال کے بعد میں اپنی جان بچانے کے لیے بھاگتا پھرا تھا اور پھر چاچا پرتاب سنگھ مجھے تھائی لینڈ لے گیا تھا۔ گھر کی یاد تو مجھے اکثر ستاتی رہتی تھی لیکن دکان کا خیال کبھی میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ دکان انہی دنوں ختم ہو گئی ہوگی اور وہاں کسی اور کا قبضہ ہوگا مگر اب اپنے ابو کے نام کا بورڈ دیکھ کر مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

بازار میں خاصا ہجوم تھا۔ بقول شخصے کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ یہاں ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ نظر آرہے تھے۔ ہم سڑک پار کر کے اسٹور میں داخل ہو گئے۔ میں دکان کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ اوپر سے نیچے تک ہر قسم کا مال بھرا ہوا تھا۔ دوسری دکانوں کی طرح یہاں بھی گاہکوں کا رش تھا اور چار سیلز مین ان سے نمٹ رہے تھے۔

دکان کے پیچھے ایک دروازے پر آفس کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ انسپکٹر چیانگ شو کا رخ اسی طرف تھا۔ تمام سیلز مینوں نے اسے دیکھ کر سلام کیا تھا۔

"بوٹا سنگھ کہاں ہے؟" انسپکٹر نے ایک سیلز مین سے دریافت کیا۔ سیلز مین نے آفس والے دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔ اسی وقت آفس کا شیشے والا دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر آگیا۔ وہ سکھ تھا۔ سر پر پگڑی اس کے دھرم کی نشان دہی کر رہی تھی۔

میں اس وقت جانکی اور تھائی کو بتا رہا تھا کہ یہ میرے والد کی دکان تھی۔ بورڈ تو اب بھی انہی کے نام کا لگا ہوا ہے لیکن صورت حال کیا ہے۔ اس کے بارے میں' میں کچھ نہیں جانتا۔

دفتر سے برآمد ہونے والا شخص بوٹا سنگھ تھا۔ اس نے پہلے انسپکٹر چیانگ شو سے ہاتھ ملایا پھر مجھ سے۔

"بوٹا سنگھ۔" چیانگ شو بولا "یہ وجدان ہے۔ عابد علی کا بیٹا۔ کل ہی تھائی لینڈ سے آیا ہے۔ میں نے سوچا آج اس کی امانت واپس کر دوں۔"

بوٹا سنگھ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر "خوش کیتا ای۔" کہتے ہوئے مجھے گلے سے لگا لیا۔ اس کے انداز میں بڑی گرم جوشی تھی۔

"آؤ اندر آؤ جی۔ باہر کیوں کھلوتے ہو۔" اس نے کہا۔

ہم سب اندر آگئے۔ دفتر اگرچہ کافی کشادہ تھا۔ اس میں ایک طرف لاتعداد کارٹن نیچے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ آفس ٹیبل زیادہ بڑی نہیں تھی اور چیزوں کے علاوہ دو ٹیلی فون سیٹ بھی رکھے ہوئے تھے۔ پچھلی دیوار میں بھی ایک دروازہ تھا جس پر اسٹور کی سختی لگی ہوئی تھی۔ سائڈ ٹیبل پر کمپیوٹر بھی رکھا ہوا تھا۔

میں میز کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھنے لگا تو بوٹا سنگھ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ایتھے نئیں۔ تسی اوتھے بیٹھو پتر جی۔" اس نے میز کے پیچھے اپنی کرسی کی طرف اشارہ کیا "تسی خیر نال واپس آگئے او۔ تہاڈی جگہ وہ ہے۔"

"چاچا جی۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔ آپ وہاں بیٹھ جائیے۔" میں نے بڑی آہستگی سے اس سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

بوٹا سنگھ نے چیانگ شو کی طرف دیکھا اور پھر اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے گھنٹی بجا کر ایک لڑکے کو بلا لیا اور کچھ ٹھنڈا وغیرہ لانے کو کہا۔

چند منٹ بعد ہی لیمونیڈ آگیا۔ ٹھنڈے مشروب کی چسکیاں لیتے ہوئے باتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا اور پھر یہ انکشاف میرے لیے بہت ہی زیادہ سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ میری عدم موجودگی میں انسپکٹر چیانگ شو نے نہ صرف میرے مکان کا خیال رکھا تھا بلکہ میرے والد کا کاروبار بھی سنبھال لیا تھا۔ بوٹا سنگھ اس کا بہت پرانا جاننے والا تھا جسے اس نے دکان کا منیجر بنا دیا تھا۔ بوٹا سنگھ بہت ذہین اور کاروباری ذہنیت کا مالک تھا۔ اس نے جدید خطوط پر کاروبار کو از سر نو منظم کیا۔ میرے جانے کے ایک سال بعد پرانی بلڈنگ گرا کر یہ نئی بلڈنگ تعمیر کی گئی تھی۔ گراؤنڈ لیول پر پہلے پانچ دکانیں ہوا کرتی تھیں لیکن اب صرف تین تھیں۔ بوٹا سنگھ نے دو اور دکانوں کی جگہ خرید کر اس دکان میں شامل کر لی تھی۔ اس طرح یہ دکان دوسری دکانوں سے بہت زیادہ بڑی تھی اور مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہوئی تھی کہ انسپکٹر چیانگ شو اور بوٹا سنگھ نے میرے باپ کے نام کو یہاں زندہ رکھا تھا۔

"تم نے واپس آکر بہت اچھا کیا پتر۔" بوٹا سنگھ کہہ رہا تھا "یہ سب کچھ تمہاری امانت ہے۔ کئی دریوں کا سارا حساب کتاب اس کمپیوٹر اور بہی کھاتوں میں محفوظ ہے۔ اب تم سنبھالو اس کو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "تمہیں بہت خوش ہونا چاہیے ہے کہ بھائی چیانگ شو نے سب کچھ سنبھال لیا تھا۔ یہ نہ ہوتے تو یہاں تمہارا سب کچھ ختم ہو چکا ہوتا۔ پر تاب سنگھ کی جائداد اور بزنس کو بھی اس نے بکھرنے سے بچایا ہے۔ اب تم ایسا کرو کہ کل صبح سے یہاں بیٹھنا شروع کر دو۔ میں دو چار دن میں سارا حساب کتاب تمہیں سمجھا دوں گا۔"

"نہیں چاچا۔" میں نے کہا "ابھی میں اس بکھیڑے میں پڑنا نہیں چاہتا۔ مجھے کاروبار کی کچھ سمجھ بھی نہیں ہے۔ یہ سب کچھ آپ ہی سنبھالے رکھیے۔ میرا مشن ابھی..." میں نے جان بوجھ کر بات پوری نہیں کی۔

"ٹھیک ہے پتر۔" بوٹا سنگھ نے کہا "تھوڑے دن آرام کر لو۔ سیر سپاٹا کرو اور پھر ریلکس ہو کر بیٹھ جاؤ اپنے باپو کی گدی پر۔"

اس مرتبہ میں خاموش ہی رہا۔ انسپکٹر چیانگ شو نے موقع پا کر بات شروع کر دی۔ وہ بھی مجھے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا کہ اب مجھے اپنے ماضی کو بھلا کر پر سکون زندگی شروع کر دینی چاہیے۔

"اپنے ماں باپ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ لینے کے لیے تم نے جو کچھ ہو سکتا تھا' وہ تم نے کر لیا۔" چیانگ شو کہہ رہا تھا "تمہیں یاد ہے جب تم اپنی جان کے خوف سے بھاگے پھر رہے تھے۔ اب وقت بدل گیا ہے۔ تمہارے دشمن اپنی جان بچانے کے لیے تم سے چھپتے پھر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا وہ لوگ دوبارہ یہاں کیوں آئے ہیں حالانکہ وہ یہاں کی پولیس کو سب سے زیادہ مطلوب ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ پولیس سے خوف زدہ نہ ہوں لیکن جب انہیں یہ پتا چلے گا کہ تم بھی یہاں پہنچ گئے ہو تو وہ یہاں سے بھاگنے کی کوشش کریں گے۔ تم سے جو کچھ ہو سکا تم نے کیا۔ اب اپنا فیصلہ خدا پر چھوڑ دو۔"

"وارا یہاں کیوں آیا ہے انکل۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" میں نے جواب دیا "ہو سکتا ہے وہ اس مرتبہ بھی پولیس کے ہاتھ نہ آئے لیکن میں نے بہرحال یہ طے کر رکھا ہے کہ ان دونوں کو اپنے ہاتھوں سے کیفر کردار تک پہنچاؤں گا۔"

"تم یہ بات ایک پولیس آفیسر کے سامنے کہہ رہے ہو۔" چیانگ شو نے کہا۔

"سوری انکل۔" میں نے کہا "میں بعد میں اس موضوع پر آپ سے بات کروں گا اور یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری طرف سے لائیڈ آرڈر کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔"

انسپکٹر چیانگ شو گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

ہم لوگ تقریباً ڈیڑھ گھنٹا وہاں بیٹھے رہے۔ بوٹا سنگھ زیادہ تر کاروبار کے بارے میں باتیں کرتا رہا پھر دفتر سے نکل کر وہ ہمیں دکان دکھانے لگا۔ یہ شعبہ جاتی اسٹور تھا۔ ہر شعبہ الگ الگ تھا اور سیلز مین بھی الگ الگ تھے۔

تھائی اور جاپانی یہ سب کچھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں۔ میں نے انہیں یہ تو بتایا تھا کہ میرا باپ سنگاپور میں ایک شاپ کیپر تھا لیکن ہو سکتا ہے ان کے ذہن میں کسی معمولی دکان دار کا تصور ابھرا ہو لیکن یہاں ان کے لیے نئے نئے انکشافات ہو رہے تھے۔ میرا مکان' یہ اتنا بڑا اسٹور اور میری آؤ بھگت دیکھ کر انہیں شاید میری اہمیت کا کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔

"انکل۔ ہمیں ایک گاڑی چاہیے۔" میں نے انسپکٹر چیانگ شو کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھتے ہوئے کہا "کسی کار رینٹل ایجنسی سے اگر کوئی گاڑی مل جائے تو ہمیں آمد و رفت میں کچھ آسانی ہو جائے گی۔"

انسپکٹر چیانگ شو نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر کار مختلف گلیوں اور سڑکوں سے گھومتی ہوئی نیو برج روڈ پار کر کے یو تانگ سین اسٹریٹ پر نکل آئی۔ یہ بھی ایک کشادہ اور بارونق سڑک تھی اس کے دوسری طرف سینٹرل پولیس ہیڈ کوارٹر تھا۔ انسپکٹر چیانگ شو کی ڈیوٹی بھی یہیں ہوتی تھی۔ اس نے کار پولیس ہیڈ کوارٹر کے کمپاؤنڈ میں روک لی اور ہمیں وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے اندر چلا گیا۔

اس کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے ہوئی تھی۔

"ڈرائیونگ لائسنس کس کے پاس ہے۔" اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کسی کے پاس نہیں۔" میں نے جواب دیا "میں نے تو آج تک ڈرائیونگ سیکھی نہیں۔ تھائی اور جاپانی ڈرائیونگ جانتی ہیں۔ بنکاک میں تو ان کے پاس ڈرائیونگ لائسنس بھی تھے لیکن یہاں۔۔۔"

"یہاں ڈرائیونگ لائسنس کے بغیر کوئی گاڑی نہیں چلا سکتا۔" انسپکٹر چیانگ شو نے میری بات کاٹ دی "سنگاپور دنیا کے بہت سے ممالک سے بہت مختلف ہے۔ یہاں قانون بنائے جاتے ہیں تو ان پر سختی سے عمل بھی کرایا جاتا ہے۔ کسی معمولی سی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ بہرحال' مجھے بندوبست کرنا پڑے گا۔"

کار پولیس ہیڈ کوارٹر سے نکل کر یو تانگ سین اسٹریٹ پر آ گئی۔ ایک بار پھر نیو برج روڈ عبور کر کے مختلف سڑکوں اور گلیوں میں ہوتے ہوئے میکس ویل روڈ پر ٹریفک پولیس ہیڈ کوارٹر آ گئے۔ یہاں انسپکٹر چیانگ شو ہمیں بھی اپنے ساتھ اندر لے گیا۔ ایک دفتر میں پہنچ کر اس نے جاپانی اور تھائی کے نام کاغذات تیار کرائے۔ ان دونوں کے دستخط بھی کروائے گئے تھے اور پھر ایک ایک کاپی انہیں بھی دے دی گئی۔

"یہ ڈرائیونگ لائسنس نہیں ہے۔" اس نے کہا "جزیرے کی سڑکوں پر کار چلانے کا عارضی اجازت نامہ ہے۔ تم دونوں کے نام رجسٹر کر لیے گئے ہیں پندرہ دن کے اندر اندر ڈرائیونگ لائسنس بنوانے ہوں گے۔"

ٹریفک پولیس ہیڈ کوارٹر سے نکل کر انسپکٹر چیانگ شو ہمیں کلب اسٹریٹ کے کراسنگ پر واقع "ان آف سکسٹی سیکنڈ نیس" لے گیا۔ پہلے ہم نے ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر چائے پی اور پھر ہوٹل ہی کی بلڈنگ میں واقع ایک کار رینٹل ایجنسی کے دفتر میں داخل ہو گئے۔ جہاں سے ہم نے اپنی پسند کی ایک کار کرائے پر حاصل کی اور دفتر سے باہر آ گئے۔ ایجنسی کے آدمی نے پارکنگ میں کھڑی ہوئی اس کار کی نشان دہی کر کے چابی ہمارے حوالے کر دی۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات چوتھے حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو کہ ساتھ ہی شائع کیا جا رہا ہے۔